CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نفیس صدیقی

تاریخِ روہیلہ

(۱۷۰۷ء — ۱۷۷۴ء)

پیش لفظ

ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی

افسر بہ کارِ خاص، رام پور رضا لائبریری

رام پور رضا لائبریری حامد منزل رام پور (یوپی) ۲۴۴۹۰۱

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تاریخِ روہیلہ

(۱۷۰۷ء ـ ۱۷۷۴ء)

نفیس صدیقی

پیش لفظ

ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی
افسر بکار خاص
رام پور رضا لائبریری

رام پور رضا لائبریری
حامد منزل رام پور ـ ۲۴۴۹۰۱ (یو.پی.)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تاریخِ روہیلہ

نفیس صدیقی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تاریخِ روہیلہ

(1707ء-1774ء)

نفیس صدیقی

پیش لفظ

ڈاکٹر وقارالحسن صدیقی
افسر بکارِ خاص،
رام پور رضا لائبریری

رام پور رضا لائبریری
حامد منزل، رام پور-۲۴۴۹۰۱ (یو،پی)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سلسلہ مطبوعات رام پور رضا لائبریری

© رام پور رضا لائبریری

کتاب میں دیے گئے واقعات اور ان کی تفصیلات نیز توجیہات کی ذمہ داری تمام تر مؤلف پر ہے۔ ادارہ اس کے لیے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔

کتاب کا نام : تاریخ روہیلہ

(1707ء - 1774ء)

مؤلف : نفیس صدیقی

ناشر : ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی

افسر بکارِ خاص،

رام پور رضا لائبریری

سال اشاعت : ۲۰۰۴ء

مطبع : ڈائمنڈ پرنٹرز، دہلی

قیمت : =/650 روپے

ISBN 81-87113-58-8

رام پور رضا لائبریری

حامد منزل، رام پور-۲۴۴۹۰۱ (یو، پی)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

انتساب

وقارالحسن صدیقی

کے نام

جن کی حوصلہ افزائی سے

یہ تاریخ لکھی گئی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فہرست

پیش لفظ	5
پیش گفتار	11
دیباچہ	15
مقدمہ۔ 18 ویں صدی میں مغلیہ سلطنت کے سیاسی حالات	25
افغانوں کی ہندوستان میں آمد	38
داؤد خاں روہیلہ کی کٹھیر میں آمد	44
نواب علی محمد خاں	57
نواب علی محمد خاں اور ان کے کارنامے	93
روہیلہ حافظ رحمت خاں کی قیادت میں	113
صفدر جنگ کا فرخ آباد پر قبضہ	123
بنگش پٹھانوں کے خلاف صفدر جنگ کی روانگی	128
صفدر جنگ کا فرخ آباد اور کٹھیر پر حملہ	131
روہیلہ اور احمد شاہ ابدالی میں روابطہ	147
صفدر جنگ کا زوال اور نجیب الدولہ کا عروج	154
دہلی کی سیاست میں نیا موڑ	174
ابدالی کا پنجاب پر حملہ اور نجیب الدولہ کی اطاعت	183
جنوبی دلّی کی مہم میں نجیب الدولہ ابدالی کے ساتھ	187
مراٹھے، عماد الملک اور احمد خاں بنگش نجیب الدولہ کے خلاف	199
مراٹھا کی دوسری مہم نجیب الدولہ کے خلاف	211

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پانی پت کی تیسری جنگ	225
نجیب الدولہ اور ملہار ہولکر کے تعلقات	251
نجیب الدولہ اور سورج مل کے درمیان جنگ	262
ابدالی کی آمد	275
نجیب الدولہ، اور مراٹھے	283
نجیب الدولہ، پارروہیلہ اور مراٹھا	290
نجیب الدولہ۔تاریخ ساز شخصیت	295
نجیب الدولہ کی سیاسی پالیسی	298
پانی پت کی تیسری لڑائی کے بعد کٹھیر اور فرخ آباد کے حالات	305
نجیب الدولہ کی وفات کے بعد پارروہیلہ، احمد خاں بنگش اور ضابطہ خاں کے حالات	313
شجاع الدولہ کا رویہ	318
شاہ عالم دلی پہنچنے کے لیے بے چین	319
بادشاہ شاہ عالم اور ضابطہ خاں کے درمیان کشیدگی اور جنگ	326
مراٹھا اور بادشاہ میں اختلاف	333
کٹھیر کے روہیلوں پر جنگ کے اثرات	335
نانک متہ میں روہیلوں کی بری حالت	344
شاہ عالم اور مراٹھوں میں اختلاف	345
ضابطہ خاں میر بخشی کے عہدے پر	346
مراٹھوں کا دلّی پر حملہ	347
1772 کے بعد مراٹھا، ضابطہ خاں، شاہ عالم شجاع الدولہ اور روہیلوں کے حالات	353
روہیلوں اور شجاع الدولہ کے تعلقات	361
پارروہیلوں کے حالات 1772-1773	368

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روہیلوں کے خلاف شجاع الدولہ اور انگریزوں کی سازش	377
دوآب کے علاقے پر شجاع الدولہ کا قبضہ	382
فوج کی حالت	386
میران پور کٹرہ کی جنگ اور اسکے بعد کے حالات	395
حافظ رحمت خاں کی جنگ کے لئے روانگی	400
حافظ رحمت خاں کے جنگ کے کارنامے	404
میران پور کٹرہ کی جنگ کے بعد	415
برٹش مآخذوں کی نظر میں	422
لال ڈانگ کے حالات اور معاہدہ لال ڈانگ	440
معاہدۂ لال ڈانگ (17 اکتوبر 1774ء)	446
صنعت، زراعت، تہذیب وتمدن (روہیلہ دورِ حکومت میں)	453
روہیلوں کا طرزِ معاشرت	466
ہندوؤں سے تعلقات	471
فنونِ لطیفہ اور ادب نوازی	475
موسیقی	478
فن تعمیرات	481
شہروں کی آبادکاری	491
انتظامیہ	493
نظام عدل	495
فوجی نظام	497
روہیلوں کا آبائی وطن	507
ابراہیم خاں گاردی	520
سداشِو راؤ بھاؤ	521
وسواس جی راؤ	522

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شادی عجیب خاں	523
نواب نجیب الدولہ	524
شجرہ بشارت خاں	524
شجرہ شیخ محمد کبیر خاں	534
رینے میڈک	541
حضرت شاہ مدن	542
مرزا نجف خاں	545
چارلس ہیملٹن	546
مقبرہ حافظ رحمت خاں	548
راؤ پہاڑ سنگھ کھتری	551
نول رائے	552
خلیفہ محمد معظم عباسی	553
کٹھیر کے علماء، صوفیاء اور اطباء	556
مولوی حافظ محمد عنایت اللہ خاں	568
حکیم محمود خاں	573
ماتھر خاندان	576
خاندان رضوی	577
سیّد امام علی سبزواری	579
خاندان سلارزئی	582
اصطلاحات	583
کتابیات	591
اشاریہ	597

☆☆☆

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیش لفظ

میں نے جب رضا لائبریری کے دارالمطالعہ میں جناب نفیس صدیقی کو تاریخی کتب کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے تاریخِ روہیلہ پر کام کرنے کے لیے کہا۔ یہ اُن کی سعادت مندی تھی کہ اُنھوں نے میرا مشورہ مان کر کام کرنا شروع کر دیا۔ مجھے ان کی محنت اور ہمّت سے اُمّید تھی کہ کام اچھا کریں گے اور یہ یقین بھی تھا کہ پروفیسر محمد مجیب، پروفیسر محبّ الحسن، پروفیسر گروور اور پروفیسر اقتدار حسین صدیقی کا شاگرد عرصہ دراز سے ڈرامہ، سیریل اور اسٹیج سے منسلک رہنے کے بعد بھی، تیس پینتیس سال بعد تاریخ کی طرف لوٹ آئے گا اور ایسا ہی ہوا۔ میں نے اُن کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے انہیں اِدارے کی طرف سے کچھ مالی امداد بھی فراہم کی تا کہ وہ دور دراز علاقوں میں جا کر روہیلوں کی عمارات کا جائزہ لیں اور یہ کام انھوں نے بڑی محنت سے کیا۔

رامپور رضا لائبریری کے افسر بکارِ خاص کا عہدہ سنبھالنے کے بعد میری دِلی خواہش تھی، اور آج بھی ہے، کہ لائبریری کے ادبی اور تاریخی مواد کو منظر عام پر لایا جائے۔ تاریخ اور فنِ تعمیر سے میرا گہرا تعلق رہا ہے اس لیے یہ جان کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ جناب نفیس صدیقی تاریخ میں ایم۔اے ہیں اور فنِ تعمیر ان کا خاص مضمون رہا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روہیلوں کی تاریخ صرف علاقائی تاریخ ہی نہیں بلکہ اس دور کی ملکی تاریخ سے بھی بڑا گہرا تعلق رکھتی ہے کیونکہ اورنگزیب کی وفات (1707) کے بعد جب مغلیہ سلطنت کے زوال کا عمل بڑی تیزی سے ہونا شروع ہو گیا تھا اسی دور میں سردار داؤد خاں روہیلہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ افغانستان سے شمالی ہندوستان کے علاقہ کٹھیر میں آیا تھا اور وقت کا پورا فائدہ اُٹھا کر بدایوں کے کچھ علاقوں پر بزورِ شمشیر قبضہ کرلیا تھا۔ اس علاقے کے ہندوستانی راجاؤں اور مرادآباد، بدایوں اور بریلی کے کمزور مغل صوبیداروں کو داؤد خاں روہیلہ کی فوجی مدد کی ضرورت پڑنے لگی۔ داؤد خاں نے جنگوں میں فوجی مدد کر کے دولت اور شہرت پائی۔ راجا کماؤں نے دھوکے سے داؤد خاں کا قتل کرادیا لیکن اس کے لڑکے نواب علی محمد خاں نے نہ صرف کٹھیر اور آس پاس کی ترائی بھاور کے علاقوں، گنگا کے بالائی دوآب کے علاقوں پر قبضہ کرلیا بلکہ راجا کماؤں اور راجا گڑھوال کی مشترکہ فوجوں کو ان ہی کے پہاڑوں میں شکست دے کر کماؤں پر بھی قبضہ کرلیا اور انہیں باجگزار بنا کر علاقۂ کٹھیر میں لوٹ آیا۔

یہ نئی ابھرتی ہوئی روہیلہ طاقت اودھ کے مغل صوبیداروں، صفدر جنگ اور شجاع الدولہ کے لیے مستقل خطرہ بنی رہی اور مغلیہ حکومت کے صوبیداروں کے علاقوں پر بھی قبضہ کرتی رہی۔ اسی قوم کے نواب نجیب الدولہ نے تقریباً دس گیارہ سال تک دلّی حکومت کا ریجنٹ بن کر اور بادشاہ (شاہ عالم ثانی) کی عدم موجودگی میں انتظام کر کے یہ ثابت کردیا کہ اگر حالات سازگار رہے تو روہیلہ سارے ہندوستان پر حکومت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ نواب علی محمد خاں کی بے وقت موت (1748) نے روہیلوں کی اس خواہش کو پورا ہونے نہیں دیا۔ لیکن نواب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نجیب الدولہ بڑی بہادری اور ہمت سے مغلیہ سلطنت کے دشمن اور خون کے پیاسے مراٹھوں سے جنگیں کرتا رہا۔ سکھوں کی ابھرتی ہوئی طاقت سے دلّی حکومت اور اپنے علاقے کا تحفظ کرتا رہا لیکن اس شیر کو مستقل بیماری نے بسترِ مرگ پر لٹا دیا تھا پھر بھی وہ عمر کے آخری حصہ میں اسٹریچر پر لیٹا ہوا مصروفِ جنگ رہا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ اپنے عہد کی شمالی ہندوستان کی سب سے بڑی طاقت تھا جس نے سورج مل جاٹ کو جنگ میں قتل کر کے اپنی طاقت کا لوہا منوالیا تھا۔

روہیلہ تاریخ کو صحیح طور پر سمجھنے اور لکھنے کے لیے مورخ کو نہ صرف گہرے مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ وسیع النظری اور وسیع القلبی کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس کی بدولت مورخ کسی بھی قسم کے تعصب سے دور رہتا ہے اور مسٹر صدیقی نے غیر تعصبی ہونے کا حق ادا کر دیا۔ اس بات کی مجھے بے حد خوشی ہے۔

روہیلوں کی تاریخ میں کئی نصب العین دکھائی دیتے ہیں۔ حافظ رحمت خاں کے خاندان کے مورخین مستجاب خاں (گلستانِ رحمت)، سعادت یار خاں (گلِ رحمت)، حسن رضا خاں (اخبار حسن)، نیاز احمد خاں ہوشؔ (تاریخ روہیل کھنڈ) اور نواب فیض اللہ خاں سے متعلق مورخ شو پرشاد (تاریخ فرح بخش) نواب نجیب الدولہ کے کارناموں کا تذکرہ برائے نام ہی کرتے ہیں۔ حافظ رحمت خاں کے خاندان کے مورخین سردار داؤد خاں کو 'خانہ زاد' (غلام) لکھ کر اپنے خاندان کی برتری ثابت کرتے ہیں اور نواب علی محمد خاں کے خاندان کے تاریخ نویس (شو پرشاد اور حکیم نجم الغنی خاں) حافظ رحمت خاں کو غاصب قرار دیتے ہیں۔

روہیلہ اور صوبیدارانِ اودھ کی عداوت کے باعث اودھ کے ماخذ ''عمادۃ السعادت'' کا مصنف غلام علی خاں کا بیان بھی تعصب سے خالی نہیں۔ اسی طرح

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نہیں کیا جاسکتا
دوسرے اہم ماخذ ''تاریخ فرخ آباد'' مصنف سید ولی اللہ پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بنگش پٹھان روہیلوں کے ہاتھوں عبرت ناک شکست اور نواب قایم خاں بنگش کے قتل کو بھولے نہیں تھے۔ جناب نفیس صدیقی نے انگریزی ماخذ، مراٹھا ماخذ،
"D.C. VIth C.P.C., Selection from Peshwa Daftar Report"
سیر المتاخرین، حدیقۃ الاقالیم، سرگزشت نواب نجیب الدولہ جیسے قدیم ماخذوں کے علاوہ موجودہ مورخین اقبال حسین اور افزاء الرحمٰن اور پروفیسر اقتدار حسین صدیقی کے حوالے سے تاریخی بحث بھی کی ہے۔ اتنے متضاد بیانات کے درمیان سے ہوکر گزرنا اور واقعات کو غیر تعصبی نظریہ سے بیان کرنا واقعی مشکل کام تھا۔

سیاسی تاریخ کے علاوہ جناب نفیس صدیقی نے اس دور کی سماجی، معاشی اور ادبی زندگی پر بھی روشنی ڈالی ہے اور ان کے پیشِ نظر مستند حوالے رہے ہیں۔ انھوں نے روہیلہ مقبوضات کے نقشے بڑی محنت سے بنائے ہیں کیونکہ اس دور میں مقبوضات کی سرحدیں بڑی تیزی سے بدلتی رہی ہیں۔ یہ نقشے روہیلوں کے مقبوضات کو جاننے میں بڑے مددگار ثابت ہوں گے اور ان کی مدد سے کٹھیر اور روہیلکھنڈ کی جغرافیائی حدود بھی سمجھ میں آجائیں گی۔

جناب نفیس صدیقی نے تاریخ روہیلہ میں ایک اہم اور ضروری پہلو پر بھی بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے بجا طور پر نواب نجیب الدولہ، نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں کو ایک ہی قبیلہ کا روہیلہ مان کر روہیلوں کی مملکت کو وسیع اور طاقت ور مملکت ثابت کیا ہے۔

میں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ یہ تاریخ غیر تعصبی اور مستند رہے۔ اس لیے میں نے ذاتی طور پر مسودے کو پروفیسر اقتدار حسین صدیقی کے پاس بھیجا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھا۔ چونکہ پروفیسر اقتدار حسین صدیقی، جناب نفیس صدیقی کے استاد ہیں اس لیے انھوں نے بڑی توجہ سے مسوّدہ کو دیکھا، اس میں اصلاحات کیں، تاریخی واقعات کو درست کیا اور مصنف کو ہدایت کی کہ وہ دوسری کتابوں کے حوالوں کے بجائے رامپور رضا لائبریری میں موجود تاریخی مخطوطات کا خود مطالعہ کریں اور ایک لایق مند شاگرد ہونے کے ناطے جناب نفیس صدیقی نے بنیادی تاریخی ماخذوں کا خود مطالعہ کیا اور تاریخ کو از سرِ نو لکھا۔

اس تاریخ کا ایک پہلو نہایت اہم ہے جس میں مصنف نے نواب علی محمد خاں کی موت کے بعد روہیلہ سرداروں کی آپسی رنجش اور قبائلی تعصب کو اجاگر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ نواب سعد اللہ خاں پسر نواب علی محمد خاں، نواب نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خاں میں کافی دوریاں تھیں۔ انہی اختلافات اور حاسدانہ ذہنیت نے روہیلوں کی مضبوط اور وسیع مملکت کو کمزور کر دیا تھا جس کی وجہ سے حافظ رحمت خاں کو میران پور کٹرہ کی جنگ میں شکست ہوئی اور نواب ضابطہ خاں کو برباد ہونا پڑا۔ مجھے اُمید ہے کہ تاریخ کے شوقین اس کتاب کو پسند فرمائیں گے۔

مارچ 2003ء

وقار الحسن صدیقی
افسر بکارِ خاص
رامپور رضا لائبریری، رامپور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیش گفتار

ہندوستان کی تاریخ میں اٹھارہویں صدی عیسوی اہمیت کی حامل ہے۔ اس صدی میں مغلیہ سلطنت کا سیاسی زوال اور مغل شہنشاہوں کی سرپرستی میں جو دانشورانہ کلچر اور ثقافتی روایت پروان چڑھی، یقیناً اُن کا مزید فروغ متوازی رہا تھا، اگرچہ بظاہر متضاد سا معلوم ہوتا ہے۔ بے شک مغل سلطنت کی عسکری قوت اور صلاحیت انحطاط پذیر تھی، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ دہلی کے شاہی دربار کی شان وشوکت ۱۷۳۹ء میں نادرشاہ فرماں روائے ایران کے ہندوستان پر حملے تک بدستور قائم تھی۔ دہلی شہر دنیا کے ثقافتی اور علمی مراکز میں اپنی منفرد حیثیت رکھتا تھا۔ بادشاہ اور امراء، علماء اور فضلاء کی قدردانی اور اہلِ ہنر اور حرفت کی اپنی قدیم روایت کے مطابق سرپرستی کرتے تھے۔ لیکن نادرشاہ کے ذریعہ دہلی میں قتلِ عام اور لوٹ نے دہلی کے رؤسا کو ان کی دولت سے محروم ہی نہیں کیا تھا، بلکہ مغل بادشاہ کے وقار کو بھی سخت صدمہ پہنچایا تھا۔ مرکز اس قدر کمزور ہوگیا تھا کہ بڑے بڑے صوبے دار خودمختار ہوگئے تھے۔ ہر کسی نے اپنے اپنے صوبے کے مالی وسائل پر قبضہ کرکے صوبوں سے مرکز یا شاہی خزانہ کی آمدنی کے ذریعہ کو ختم کردیا تھا۔ ہر صوبہ دار اپنے صوبہ کی آمدنی سے اپنی عسکری طاقت کی تعمیر میں کوشاں ہوگیا تھا۔ ساتھ ساتھ اپنے آمدنی کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وسائل بڑھانے کی غرض سے صنعت و حرفت، تجارت اور زراعت کی ترقی میں بھی پوری کوشش کر رہا تھا۔ نیتجتاً بہت سے صوبوں میں پہلے سے زیادہ خوشحالی بڑھ گئی تھی۔ علاوہ ازیں پرانے قصبوں کی توسیع ہوئی اور بہت سے نئے قصبے اور شہر تعمیر ہوئے، لیکن یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ ہر صوبہ خوش حالی کے دور سے نہیں گزر رہا تھا۔ مثلاً دہلی اور آگرہ صوبے جن کا شاہی دربار یا مرکز سے براہِ راست تعلق تھا۔ اٹھارہویں صدی کے آغاز پر سیاسی تبدیلیوں سے بری طرح متاثر ہوئے تھے۔ دونوں صوبوں میں زمین داروں کی بغاوت نے نظم و نسق کو درہم برہم کر دیا تھا۔ مرکز کی کمزوری اور سیاسی خلفشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صوبہ آگرہ میں سورج مل جاٹ ایک طاقتور راجا کی صورت میں اُبھرا اور صوبہ دہلی کے وسیع علاقہ کٹھیر میں روہیلہ افغانوں کے سردار علی محمد خاں نے اپنی عملداری قائم کر لی۔ دوسرے صوبیداروں کی طرح سورج مل جاٹ اور علی محمد خاں نے بھی مغل شاہی دربار کی ثقافتی اور سیاسی روایات کو اپنایا۔ درحقیقت مغل دربار کی ثقافت اور شان و شوکت ہر سردار کے لیے پر کشش ہونے کے علاوہ بلند حوصلگی کا بھی موجب تھی۔

کٹھیر کے علاقہ میں روہیلہ سرداروں کی سرپرستی میں آنولہ، بریلی، پیلی بھیت، مرادآباد، شاہجہانپور اور بسولی اہم ثقافتی مراکز کی شکل میں ابھرے۔ نجیب الدولہ نے نجیب آباد شہر تعمیر کیا، جس کے بازار اور گنج اور سرائیں تجار اور باہر سے آئے ہوئے سوداگروں کی کشش کا باعث تھے۔ ہر جگہ خوبصورت محلات، مساجد اور مدرسے تعمیر ہوئے۔ تعلیم یافتہ لوگوں کو روزگار مہیا ہوا اور اہلِ حرفت کی اس طرح قدردانی ہوئی کہ دہلی کے فنکار، شعراء اور فضلاء روہیلوں کے زیرِ حکومت شہروں میں آکر سکونت گزیں ہو گئے۔ اپنے عہد کے ممتاز عالم، فرنگی محل کے مولانا بحرالعلوم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نامساعد حالات کی وجہ سے لکھنؤ سے ہجرت کر کے اپنے مدرسہ فرنگی محل کے تمام طلباء کے ساتھ شاہجہانپور میں حافظ رحمت خاں کی سرپرستی میں درس و تدریس میں لگ گئے تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے پرانے عزیز شاگرد نفیس احمد صدیقی نے مختلف تاریخی ماخذ سے استفادہ کرتے ہوئے روہیلہ سرداروں کے تاریخی اہمیت کے کارناموں پر گراں قدر تحقیق کی ہے۔ انھوں نے فارسی اور اردو کے قدیم ماخذ ہی کا سنجیدگی سے جائزہ نہیں لیا ہے، بلکہ روہیلوں کے عہد کے آثارِ قدیمہ کو بھی ہر مقام پر جا کر دیکھا اور ان کو بھی ماخذ کے طور پر استعمال کیا۔ انھوں نے اپنی تالیف میں ہر تاریخی واقعہ اور تفصیل کو معروضیت کے ساتھ لکھا ہے۔ ہر تاریخ ساز شخصیت کا ذکر بھی نہایت بے تعصبی کے ساتھ ملتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا کہ رامپور رضا لائبریری کی بہت سی مطبوعات کی طرح یہ تحقیق بھی لائبریری کے افسر بکارِ خاص (O.S.D.) ڈاکٹر وقارالحسن صدیقی کی ترغیب پر شروع ہوئی تھی۔ ڈاکٹر وقارالحسن صدیقی صاحب خود عہدِ وسطیٰ کی تاریخ اور آرکیالوجی کے بین الاقوامی شہرت کے اسکالر ہیں، لہٰذا ان کی روہیلہ سرداروں کی تاریخ میں دلچسپی بھی نفیس احمد صدیقی کی دلچسپ تحقیق کا محرک رہی ہے۔ بہرحال دونوں تحسین اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اہلِ نظر اور علم دوست لوگ اس علمی کام کو سراہیں گے۔

اقتدار حسین صدیقی

41، احمد نگر، سول لائنس، علی گڑھ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دیباچہ

تیس سال تک اسٹیج، ڈرامہ، سیریل، موسیقی اور مصوّری کی دُنیا میں جیتے ہوئے تاریخ کی طرف لوٹنا ایسا ہی مشکل کام ہے جیسا کہ تصوراتی زندگی سے حقیقی زندگی کی طرف لوٹنا دشوار ہے۔ اس کا اندازہ عام لوگ نہیں لگا سکتے۔ میرا پیشہ تاریخ پڑھانا نہیں ہے۔ کوئی اُستاد یا شاگرد بھی مدد کے لیے موجود نہیں۔ میرا وطن رامپور جسے لوگ علم وادب کا گہوارہ کہتے ہیں، جہاں ادب اور شعروشاعری کا صدیوں سے بول بالا رہا ہے۔ ایسے شہر میں رہ کر تاریخ نویسی کے کام کو کرنا میرے لیے بہت مشکل کام ثابت ہوا۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ایک نیک دل، پاکیزہ مسلمان اور بہترین انسان، میرے اُستاد پروفیسر اقتدار حسین صدیقی (علیگڑھ) نے اس مشکل کام کو آسان بنادیا۔ میرے ضخیم مسودے پر اس شفقت سے اصلاح کی کہ املا کی غلطیاں بھی درست کردیں۔ ان کی مہربانی اور سلوک نے یہ ثابت کردیا کہ آج بھی عہد وسطی کی اخلاقی روایات زندہ ہیں اور استاد وشاگرد کا رشتہ ہنوز قائم ہے۔

تاریخ وتمدّن میں ایم، اے کرنے کے بعد جب میں رامپور آیا تو اخبار الصنادید (نجم الغنی خاں) کا مطالعہ کیا جس میں مصنف نے داؤد خاں کے عہد (بعد وفات اورنگزیب 1707ء سے 1721ء) سے والیٔ رامپور حامد علی خاں کے عہد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(1930) کا تذکرہ کیا ہے۔ ابتداء میں میرا ارادہ صرف رضا علی خاں والی ریاست رامپور کے عہد (1930-1949) تک تاریخ رامپور لکھنے کا تھا تاکہ نجم الغنی خاں کے بعد کی تاریخ مکمل کرسکوں، لیکن ارادہ بدل دیا کیونکہ کئی لحاظ سے نجم الغنی کا بیان لایقِ اعتبار نہیں تھا۔

1930 سے 1949ء تک کا عہد ہر لحاظ سے نہایت اہم تھا۔ ہندوستان میں تحریکِ آزادی شباب پر تھی۔ ہندوستانی رعیت انگریزی شہنشاہیت کو ختم کرکے آزادی حاصل کرنا چاہ رہی تھی۔ دوقومی نظریہ کی بنیاد پر مسلم لیگ قایم ہوچکی تھی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی رجعت پسند جماعتیں بھی دھرم اور دین کو بچانے کے لیے انگریزی حکومت کے خلاف جدوجہد کررہی تھیں اور کمیونسٹ پارٹی کانگریس اور مسلم لیگ کے دعوؤں کے خلاف تشدد کا طریقہ اپنا کر حصولِ آزادی کے لیے گولی، بم، قتل اور ڈاکہ زنی کے حربے استعمال کررہی تھی۔ ہندوستان کے تیزی سے بدلتے ہوئے سیاسی حالات کا اثر رامپور کے قدامت پرست ذہنوں پر بھی بہت کم حد تک پڑ رہا تھا۔ جمال الدین افغانی اور سیّد احمد شہید کی تقریروں اور مساجد کے ممبروں کے خطبات نے رامپور کے مسلمانوں کو کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔ چمپا کنور دھرم شالہ (رامپور) رجعت پسند ہندوؤں کی تحریک کا مرکز بن گئی تھی اور دھرم شالہ میں شاکھاؤں کی پریڈ کا آغاز ہوگیا تھا۔

کانگریس پارٹی کی میٹنگ گھروں میں شروع ہوچکی تھیں اور 1933ء میں ظفر شاہ خاں، اسحاق النبی خاں علوی (چھکو خاں) اور عابد علی خاں (عابد خاں ریڈیو) کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ دولہ جان خاں جو بھگت سنگھ کے چچا ارجن سنگھ اور صوفی امبا پرساد (ساکن مرادآباد) اور بھگت سنگھ کی تحریک میں شامل تھا، رامپور لوٹ کر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آ گیا تھا۔ اس کے خیالات بھی کانوں کانوں اہلِ رامپور تک پہنچ رہے تھے لیکن یہ تمام سیاسی پارٹیاں 'نواب' کے خوف سے سڑکوں یا جلسہ گاہوں تک نہ آسکیں۔

اپنی گدڑی میں خوش رہنے والے پٹھان اس وقت بپھر گئے جب والی رامپور رضا علی خاں نے سرکاری ملازمین کی تخفیف شروع کی اور 'علی غول' دستہ کے ہزاروں نیم فوجیوں کو برخاست کر دیا گیا۔ برخاست کیے گئے تمام لوگ پٹھان تھے جو آباؤ اجداد سے تلوار چلانے اور فوج میں نوکریاں کرنے کے علاوہ کوئی ہنر نہیں جانتے تھے۔ ان لوگوں نے 'بھوکا پارٹی' بنائی اور نواب کے خلاف آواز اُٹھانے لگے۔ زمینداروں، جاگیرداروں اور ٹھیکہ داروں پر محصولات کی ادائیگی کی رقم طلب کرنے کے لیے سختی کی گئی تو یہ عیش پرست طبقہ بھی نواب کے خلاف ہو گیا۔ گرفتاری کے خوف سے کچھ لوگ رامپور چھوڑ کر بریلی اور مراد آباد چلے گئے۔ 'انجمن مہاجرین' بنائی گئی اور پوسٹروں و پمفلٹوں کے ذریعہ نواب کے خلاف جنگ شروع ہو گئی۔ 'صولت پاشا زندہ آباد' کے نعرے بلند ہونے لگے۔ لیکن نواب کی مخالفت کا مقصد تحریکِ آزادی میں تعاون دینا یا عام رعایا کی بہبودی نہیں تھا بلکہ یہ زمیندار اور بااثر طبقہ جاگیردارانہ مراعات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

نواب رضا علی خاں نے رعایا کو قومی دھارے (Main Stream) سے جوڑنے کے لیے انگریزی طرز پر اسکول اور کالج قایم کیے۔ صنعت و حرفت کی ترقی کے لیے ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ بنوائے جہاں لوہا، لکڑی اور قالین و دریاں بنائی اور کپڑے کی رنگائی و چھپائی وغیرہ کی ٹریننگ دیجاتی تھی۔ عدالت، انتظامیہ اور ایجوکیشن کے محکموں میں غیر علاقوں کے تعلیم یافتہ اور ٹرینڈ لوگ رامپور آنے لگے۔ اور رامپور میں جدید دور کا آغاز ہوا۔ لیکن اس تبدیلی کو 'سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رضا علی خاں والیِ ریاست (1930) کا تذکرہ کیا ہے۔ ابتداء میں میرا ارادہ صرف رامپور کے عہد (1949-1930) تک تاریخ رامپور لکھنے کا تھا تاکہ نجم الغنی خاں کے بعد کی تاریخ مکمل کر سکوں، لیکن ارادہ بدل دیا کیونکہ کئی لحاظ سے نجم الغنی کا بیان لایقِ اعتبار نہیں تھا۔

1930 سے 1949ء تک کا عہد ہر لحاظ سے نہایت اہم تھا۔ ہندوستان میں تحریکِ آزادی شباب پر تھی۔ ہندوستانی رعیت انگریزی شہنشاہیت کو ختم کر کے آزادی حاصل کرنا چاہ رہی تھی۔ دوقومی نظریہ کی بنیاد پر مسلم لیگ قایم ہو چکی تھی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی رجعت پسند جماعتیں بھی دھرم اور دین کو بچانے کے لیے انگریزی حکومت کے خلاف جدوجہد کر رہی تھیں اور کمیونسٹ پارٹی کانگریس اور مسلم لیگ کے دعووں کے خلاف تشدد کا طریقہ اپنا کر حصولِ آزادی کے لیے گولی، بم، قتل اور ڈاکہ زنی کے حربے استعمال کر رہی تھی۔ ہندوستان کے تیزی سے بدلتے ہوئے سیاسی حالات کا اثر رامپور کے قدامت پرست ذہنوں پر بھی بہت کم حد تک پڑ رہا تھا۔ جمال الدین افغانی اور سیّد احمد شہید کی تقریروں اور مساجد کے ممبروں کے خطبات نے رامپور کے مسلمانوں کو کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ چمپا کنور دھرم شالہ (رامپور) رجعت پسند ہندوؤں کی تحریک کا مرکز بن گئی تھی اور دھرم شالہ میں شاکھاؤں کی پریڈ کا آغاز ہو گیا تھا۔

کانگریس پارٹی کی میٹنگ گھروں میں شروع ہو چکی تھیں اور 1933ء میں ظفر شاہ خاں، اسحاق النبی خاں علوی (چھکو خاں) اور عابد علی خاں (عابد خاں ریڈیو) کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ دولہ جان خاں جو بھگت سنگھ کے چچا ارجن سنگھ اور صوفی امبا پرساد (ساکن مرادآباد) اور بھگت سنگھ کی تحریک میں شامل تھا، رامپور لوٹ کر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آ گیا تھا۔ اس کے خیالات بھی کانوں کان اہلِ رامپور تک پہنچ رہے تھے لیکن یہ تمام سیاسی پارٹیاں 'نواب' کے خوف سے سڑکوں یا جلسہ گاہوں تک نہ آسکیں۔

اپنی گدڑی میں خوش رہنے والے پٹھان اس وقت بپھر گئے جب والی رامپور رضا علی خاں نے سرکاری ملازمین کی تخفیف شروع کی اور 'علی غول' دستہ کے ہزاروں نیم فوجیوں کو برخاست کر دیا گیا۔ برخاست کیے گئے تمام لوگ پٹھان تھے جو آباو اجداد سے تلوار چلانے اور فوج میں نوکریاں کرنے کے علاوہ کوئی ہنر نہیں جانتے تھے۔ ان لوگوں نے 'بھوکا پارٹی' بنائی اور نواب کے خلاف آواز اُٹھانے لگے۔ زمینداروں، جاگیرداروں اور ٹھیکہ داروں پر محصولات کی ادائیگی کی رقم طلب کرنے کے لیے سختی کی گئی تو یہ عیش پرست طبقہ بھی نواب کے خلاف ہو گیا۔ گرفتاری کے خوف سے کچھ لوگ رامپور چھوڑ کر بریلی اور مرادآباد چلے گئے۔ 'انجمن مہاجرین' بنائی گئی اور پوسٹروں و پمفلٹوں کے ذریعہ نواب کے خلاف جنگ شروع ہوگئی۔ 'صولت پاشا زندہ آباد' کے نعرے بلند ہونے لگے۔ لیکن نواب کی مخالفت کا مقصد تحریکِ آزادی میں تعاون دینا یا عام رعایا کی بہبودی نہیں تھا بلکہ یہ زمیندار اور بااثر طبقہ جاگیردارانہ مراعات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

نواب رضا علی خاں نے رعایا کو قومی دھارے (Main Stream) سے جوڑنے کے لیے انگریزی طرز پر اسکول اور کالج قایم کیے۔ صنعت و حرفت کی ترقی کے لیے ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ بنوائے جہاں لوہا، لکڑی اور قالین و دریاں بنائی اور کپڑے کی رنگائی و چھپائی وغیرہ کی ٹریننگ دیجاتی تھی۔ عدالت، انتظامیہ اور ایجوکیشن کے محکموں میں غیر علاقوں کے تعلیم یافتہ اور ٹرینڈ لوگ رامپور آنے لگے۔ اور رامپور میں جدید دور کا آغاز ہوا۔ لیکن اس تبدیلی کو 'سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وقت وہ کسی حد
گری، والے ذہنوں نے پسند نہیں کیا۔ میری رائے میں ایسا سوچتے
تک حق بجانب بھی تھے کیونکہ جہاں تک قانون اور انتظامی معاملات کا تعلق تھا
روہیلوں کے بزرگوں نے یہ ثابت کردیا تھا انتظام اور انصاف کا معاملہ علم سے زیادہ
نیت اور ذاتی صلاحیت پر مبنی ہوتا ہے جس کی مثال نواب محمد علی خاں، حافظ رحمت
خاں اور نجیب الدولہ کا دورِ حکومت تھا اور اس نسل کا آخری مثالی شخص جنرل اعظم
الدین خاں (متوفی 13 اپریل 1891) تھا جو انگریزی نظامِ حکومت سے ناآشنا تھا
لیکن انتظامی معاملات میں نہایت قابل ترین شخصیت تھا۔

یہ سب روہیلہ تھے۔ ان کی اپنی تاریخ اور طرزِ معاشرت تھی۔ وہ زندہ اور
ہر حال میں خوش رہنے والی قوم تھے جو دِن بھر سخت محنت کے بعد بھی راتوں کو چہار
بیت گا کر یہ ثابت کرتے تھے کہ 'بیش از سود و زیاں ہے زندگی۔ اس لیے روہیلہ یہ
کس طرح قبول کر سکتے تھے کہ انگریزی عہد کا بارایٹ لا، آئی۔ سی۔ ایس یا انگریزی
کالج یا یونیورسٹی کا سند یافتہ انتظامی معاملات میں ان سے بہتر ثابت ہوگا۔ وہ صرف
'اپنے' کو دیکھنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے ان تمام غیر رامپوری آفیسران کی
مخالفت شروع کردی جو چیف منسٹر، ایجوکیشن منسٹر، لامنسٹر، ریوینیو منسٹر جیسے عہدوں پر
فائز ہو گئے تھے۔ روہیلوں نے اس اقدام کو صرف اپنی حق تلفی ہی نہیں بلکہ بے عزتی
بھی سمجھا۔ نواب رضا علی خاں اور رعایا میں ٹکراؤ کی وجہ یہ اندازِ فکر بھی تھا۔ حالانکہ
نواب رضا علی خاں صدق دلی سے صنعت، حرفت اور تعلیمی میدان میں رعایا کو آگے
بڑھا کر انہیں خوش حال دیکھنا چاہتے تھے لیکن رعایا اور حاکم کے خیالات میں ہم
آہنگی نہ پیدا ہو سکی۔

غیر رامپور والوں کو نکالنے کا عوامی مطالبہ زور پکڑا تو چیف منسٹر بشیر حسین

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زیدی نے روہیلوں کے خلاف سازش کا جال بچھایا جس میں اہلِ رامپور ہی نہیں بلکہ نوابی خاندان کے قریبی لوگ بھی پھنس گئے۔ کچھ زر خرید لوگوں کے ذریعہ پُرو پاکستان ایجی ٹیشن (Pro Pakistan Agitation) کرایا گیا۔ شہر میں کرفیو لگا۔ گولی چلی، لوگ مارے گئے۔ سرکاری املاک کو آگ لگائی گئی (1947)۔ ان تمام واقعات کو بیان کرنے کے لیے جب میں نے ضمنی طور پر روہیلہ تاریخ لکھنے کے لیے ماخذوں کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ روہیلہ ماخذ (عمادۃ السعادۃ ' گلستانِ رحمت ' فرح بخش وغیرہ) جانبدار ہو کر لکھے گئے ہیں اور ۱۹ ویں صدی کی تصنیفات (اخبار الصنادید، حیات حافظ رحمت خاں وغیرہ) بھی جانبداری اور ہیرو ورشپ (Hero Worship) کے رنگ میں رنگی ہوئی ہیں جن میں سب سے زیادہ حق تلفی نجیب الدولہ کی کی گئی ہے۔ جبکہ اس کا تعلق بھی اسی روہیلہ قوم سے تھا جو نواب علی محمد خاں کے عہد میں کٹھیر میں زندہ تھی۔ اس کی ابتدائی زندگی اپنے سسر بشارت خاں کے ساتھ بلاسپور (تحصیل رامپور) کے بشارت نگر میں گذری تھی۔ اس لحاظ سے روہیلوں کی مملکت کو نجیب الدولہ کے زیرِ اقتدار علاقے اور پار روہیلوں کے مقبوضہ علاقوں کو ملا کر دیکھنا تاریخی اعتبار سے زیادہ مناسب ہوگا اور ہمیں روہیلوں کی ایک ایسی وسیع مملکت کی شکل دکھائی دے گی جو رقبہ اور فوجی طاقت کے نقطۂ نظر سے اس دور کی بڑی سے بڑی طاقت کو چیلنج کر سکتی تھی۔

روہیلہ تاریخ کے سلسلہ میں مجھے چار نصب العین دکھائی دیے۔ حافظ رحمت خاں کے خاندان کے ماخذوں (گلستانِ رحمت، گل رحمت، تاریخ افغانی اخبار حسن اور تاریخ روہیل کھنڈ وغیرہ) میں علی محمد خاں اور نجیب الدولہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہے۔ حافظ رحمت خاں کے کارناموں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تاریخ فرح بخش (تصنیف 1776) اور اخبار الصنادید (تصنیف 1918) میں نجیب الدولہ کا تذکرہ برائے نام ہی ہے۔ فرح بخش (مخطوطہ) کے سلسلہ میں ہیمیلٹن کی رائے اچھی ہے لیکن حافظ رحمت خاں کے سلسلہ میں جانبداری کا نرم پہلو بھی دکھائی دیتا ہے البتہ نواب حامد علی خاں کے عہد کا مصنف حکیم نجم الغنی خاں، حافظ رحمت خاں کو نہ صرف غاصب مانتا ہے بلکہ اس کے کردار کے بارے میں غیر ثقہ الفاظ استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ عماد السعادۃ کا تعلق دربارِ اودھ سے ہے۔ اس کا مصنف غلام علی خاں پار روہیلوں اور نواب احمد خاں بنگش کو ان کے صحیح خدوخال کے ساتھ پیش نہیں کرسکا کیونکہ نوابین بنگش اور دوسرے روہیلہ سرداروں کی صفدر جنگ اور اس کے جانشینوں میں لڑائیاں ہوتی رہی تھیں۔ اودھ کا طرف دار ہونے کی وجہ سے روہیلوں کا تذکرہ بے تعلقی کے ساتھ کرتا ہے۔ چوتھا نصب العین۔ اسٹریچی اور موٹن جیسے انگریز مورخین کا ہے جو ہسینگز کے طرفدار اور روہیلوں، خاص طور سے حافظ رحمت خاں کے سلسہ میں جانبدار ہیں۔

نجیب الدولہ سے متعلق میری معلومات دو ماخذوں تک محدود رہی ہے۔ ایک ماخذ سیّد نورالدین کا فارسی مخطوطہ ہے جسے عبد السلام خاں نے 'سرگزشت نواب نجیب الدولہ' میں شائع کردیا ہے جس کا انگریزی ترجمہ اور فٹ نوٹ شیخ عبد الرشید نے An Account of Najeebuddaula نامی کتاب میں کیا ہے اور دوسرا ماخذ رستم علی بجنوری کا تصنیف کردہ مخطوطہ ''قصہ و احوالِ روہیلہ'' ہے، یہ مخطوطہ 1989 میں پاکستان میں دستیاب ہوا ہے۔ اس کے حوالے پروفیسر اقتدار حسین صدیقی نے اپنے ایک مقالہ میں دیئے ہیں جو انھوں نے رضا لائبریری رامپور کے سمینار 1999 میں پیش کیا تھا اور ایک مضمون رضا لائبریری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے جرنل میں شائع ہوا تھا۔

روہیلوں کی سماجی زندگی کے بارے میں معلومات صرف اس دور کے ادبی تذکروں میں ملتی ہیں یا پھر یوروپین سیاحوں کے سفرناموں اور گزیٹیر سے فراہم ہوتی ہیں۔ قایم چاندپوری کا تعلق نواب علی محمد خاں کے بیٹے محمد یار خاں سے بہت قریبی تھا اور نواب نجیب الدولہ کے رؤسا سے بھی رہا ہوگا اس لیے اس کی شاعری میں اس دور کی طرزِ معاشرت رسموں اور تہواروں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح مصحفی کے تمام تذکروں میں ان شعراء کا ذکر ملتا ہے جو اس عہد میں بزمِ سخن آراستہ کیے رہے۔ مصحفی کا گہرا تعلق محمد یار خاں سے تھا جو اپنے دور کا سب سے بڑا ادب پرور تھا۔ وہ فیض اللہ خاں کا چھوٹا بھائی تھا جسے معاہدۂ لال ڈانگ کے وقت کوئی جاگیر نہ دے کر اس کی حق تلفی کی گئی تھی۔ اگر وہ صاحبِ اقتدار ہوتا تو یقینی طور پر روہیلوں کی تاریخ بڑی شاندار ہوسکتی تھی۔ نواب نجیب الدولہ کے علاقہ میں مفتی، قاضی اور رؤسا کے محلوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ باوجود متواتر تباہی کے، اس کا انتظامِ مملکت بڑا شاندار رہا ہوگا۔ قایم نے ان میں سے کچھ عمارتوں کی شان وشوکت کا تذکرہ کیا ہے۔

میں نے روہیلوں (نواب علی محمد خاں، حافظ رحمت خاں، نجیب الدولہ) کی تاریخ کو اس عہد کی سیاسی تاریخ کے پسِ منظر میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور حتی الامکان ان ہی واقعات اور شخصیات کا تذکرہ کیا ہے جن سے روہیلوں کا تعلق رہا ہے یا پھر وہ روہیلہ تاریخ پر اثرانداز ہوئے ہیں۔ اپنے استاد پروفیسر اقتدار حسین کے مشورہ پر غیرہ ضروری تفصیل کو مسودہ سے خارج کردیا ہے پھر بھی غیر روہیلہ تذکرہ باقی رہ گیا ہے جو میری نظر میں تاریخِ روہیلہ کو ہندوستان کے سیاسی پس منظر میں سمجھنے کے لیے کسی حد تک ضروری ثابت ہوگا۔ اس دور میں صرف شمالی ہندوستان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ نادر شاہ اور ابدالی کے حملوں کا اثر براہِ راست شمالی ہندوستان پر پڑا تھا۔ مراٹھا، سکھ اور سورجباٹ کا ذکر بھی ضروری تھا۔ دہلی دربار کی ایرانی اور تورانی گروپ (صفدر جنگ اور وزیر قمر الدین خاں) کی باہمی رنجش، عماد الملک اور انتظام الدولہ کی رقابت، مراٹھوں اور نجیب الدولہ کی دشمنی، صفدر اور احمد خاں بنگش کی دشمنی، شجاع الدولہ کی حافظ رحمت خاں سے دشمنی، اُمراء کی خودغرضی اور مغل بادشاہوں کی نااہلیت، ان سب باتوں کا براہِ راست اثر پار روہیلوں اور نجیب الدولہ پر پڑ رہا تھا۔ اس لیے ان تمام واقعات کا تفصیلی ذکر تاریخی ضرورت تھا۔

اس کتاب میں اگر کوئی تاریخی مواد صحت مند اور تاریخی ضرورت نظر آئے تو اس کی تعریف کے حقدار استاد محترم پروفیسر اقتدار حسین صدیقی ہیں کیونکہ میرے لکھنے کا مقصد تاریخ کے اسکالرس کے لیے تاریخی مواد فراہم کرنا نہیں تھا بلکہ ان شائقین تاریخ کے لیے تاریخی دلچسپی کا سامان فراہم کرنا تھا جو تاریخ کے طالب علم نہیں رہے لیکن تاریخ سے دلچسپی ضرور رکھتے ہیں البتہ میں نے ایمانداری سے اُن تمام فارسی مخطوطات کا مطالعہ کیا ہے جو رضا لائبریری رامپور اور صولت لائبریری رامپور میں موجود ہیں۔ باقی ماخذوں کو میں خود نہیں دیکھ سکا کیونکہ قیام و طعام اور سفر کا خرچ برداشت کرنا میری مالی حیثیت کے بس کی بات نہ تھی اس لیے میں نے دوسرے قابلِ اعتبار مؤرخین کے حوالوں سے استفادہ کیا ہے۔

اس کتاب کی تکمیل میں بہت سے ہمدردوں نے میری مدد فرمائی ہے۔ جناب طلعت علی خاں نے پٹھانوں کی عادت و خصلت کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ میں اس اصلی پٹھان کا شکرگزار ہوں۔ جناب قاضی عتیق احمد (کرتپور، ضلع بجنور) کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے ضلع بجنور کی عمارتوں تک پہنچنے میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میری رہنمائی فرمائی۔ میں بے انتہا ممنون ہوں جناب امتیاز حسین خاں کھنڈ ہارا کا جنھوں نے کٹھیر میں روہیلوں سے متعلق موسیقاروں کے بارے میں مستند معلومات فراہم کیں۔ موصوف کا تانسین اور مشری سنگھ (نبات خاں) کے موسیقی کے خاندان کی آخری شمع ہیں۔ جناب سیّد زبیر میاں، لائبریرین اور جناب شجاع اللہ خاں (صولت لائبریری) کا بھی شکر گزار ہوں۔

میں شکر گزار ہوں جناب نہال الدین خیالؔ اور سید بہاء الحق (رضا لائبریری) کا جنھوں نے فارسی مخطوطات کو سمجھنے میں میری مدد فرمائی۔ رضا لائبریری کے ملازمین جناب ابوسعد اصلاحی، جناب نذیر الظفر (سینئر بک بائنڈر)، جناب سیّد احمد میاں (اسسٹنٹ لائبریرین)، جناب عتیق سالکؔ جیلانی، جناب زاہد علی خاں (سینئر لائبریری اٹینڈینٹ)، جناب پرکاش بہادر سکسینہ (متعلق مخطوطات) جناب کلب علی خاں، اور جناب احد اللہ خاں نے جس خلوص اور ہمدردی سے مجھے تعاون دیا وہ یقیناً لائقِ تحسین ہے۔ میں جناب ڈاکٹر اقبال غنی خاں ریڈر شعبۂ تاریخ علی گڑھ یونیورسٹی اور ڈاکٹر ہیم راج محکمہ آثار قدیمہ (الموڑا) کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے اس کتاب کا مواد فراہم کرنے میں میری مدد فرمائی۔

خاص طور سے اس زمانے میں جب کہ اُردو زبان کا بھاؤ گر چکا ہے، اُردو میں تاریخ کی کتاب کا شائع کرانا سفرِ حج سے زیادہ مشکل کام ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ اگر جناب وقار الحسن صدیقی (افسر بکارِ خاص رامپور رضا لائبریری، رامپور) کا حوصلہ افزا تعاون حاصل نہیں ہوتا تو یہ مشکل کام اتنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ ان کی علم پروری کا زندہ ثبوت ہے کہ موصوف نے روہیلوں کی قدیم عمارتوں تک پہنچنے اور ان عمارتوں کے فوٹو گراف حاصل کرنے میں میری مالی مدد فرمائی۔ اللہ ان کی صحت اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عزت کی حفاظت فرمائے۔

معاہدۂ لال ڈانگ 1979ء کے بعد روہیلوں کی آخری نشانی رامپور کی تاریخ لکھنے کی خواہش باقی رہ گئی ہے۔ وقت کی کمی اور مالی دشواری کے باعث اس کام کو انجام نہیں دے سکا۔ کاش کوئی تاریخ نویس اس کام کو انجام دے سکے۔ یہاں ایک بنیادی غلطی کی طرف اشارہ کرنا بیجا نہ ہوگا کہ اُردو میں عام طور پر ادب نویس تاریخ نویسی کا کام انجام دیتے ہیں اس لیے تاریخ نویسی کی ضرورتیں پوری نہیں ہو پاتیں۔ کاش رضا لائبریری اس غلطی کو نہ دوہرائے۔

نفیس صدیقی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مقدمہ

18ویں صدی میں مغلیہ سلطنت کے سیاسی حالات

اٹھارہویں صدی کی ابتداء میں، شمالی ہندوستان کے علاقہ کٹھیر میں افغانستان کے علاقۂ ردہ سے آنے والے روہیلوں کا مقصد مقامی زمینداروں، فوجداروں اور چھوٹے راجاؤں کی نوکری کرکے، فوجی خدمات کے ذریعہ کسبِ معاش حاصل کرنا تھا۔ یہ روہیلہ زیادہ تر ان پڑھ، غیر مہذب اور بے ہنر تھے۔ لیکن ملک کے کمزور سیاسی حالات نے انہیں حکمرانی کا موقع فراہم کردیا جلد ہی ایک مضبوط سیاسی طاقت بن گئے اور طرزِ حکومت سے نا آشنا ہونے کے باعث صرف پچاس ساٹھ سال کے عرصہ میں، شمالی ہندوستان کی روہیلہ طاقت سردارانِ روہیلہ کی باہمی رنجشوں اور عدم تعاون کے باعث ختم بھی ہوگئی۔ یہاں پر تاریخ ہندوستان کا مختصر جائزہ روہیلہ تاریخ کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوگا خاص طور سے ان لوگوں کے لیے جو تاریخ کے طالبِ علم نہیں رہے بلکہ تاریخ پڑھنے کے شوقین ضرور ہیں۔ مغلیہ سلطنت کا سیاسی خاکہ ایک ایسا منظر ہے جس میں روہیلہ حکومت کا منظر وجود میں آیا اور جلد ہی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

ہندوستان میں اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصف آخر کی ابتدا بدنظمی، لاقانونیت، عوامی بیزاری اور صوبہ داروں کی خودمختاری سے شروع ہوتی ہے۔ یہ ایک

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

طویل سیاسی زوال کا عمل تھا جو اورنگ زیب کی وفات (1707) سے شروعِ ہوا اور 1857ء پر جا کر ختم ہوا جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کرلیا۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلیہ حکومت تیزی سے زوال کی طرف بڑھ رہی تھی اور مرکزی طاقت صوبیداروں، علاقائی زمینداروں اور انگریز سرکار کے ہاتھوں میں منتقل ہو رہی تھی۔ پھر بھی مغلیہ حکومت اپنی مضبوط بنیاد کے باعث ایک طویل عرصہ تک ہندوستانی مرکزیت کا نشان بنی رہی۔ ملک میں بادشاہِ ہندوستان کا سکّہ چلتا رہا اور اس کا نام خطبوں میں پڑھا جاتا رہا۔ حالانکہ مضبوط صوبائی حکومتیں قایم ہو چکی تھیں لیکن ہر صوبائی حکومت کو کمزور مغل حکمرانوں کی سند کی ضرورت تھی کیونکہ اسکے بغیر عوام اور خواص کی نظر میں کسی بھی علاقائی حکمراں کی قانونی حیثیت قایم نہیں ہو سکتی تھی۔ بس یہی ایک سیاسی ضرورت باقی رہ گئی تھی دہلی کے مغل بادشاہوں کی۔

اورنگ زیب کی سلطنت جہاں ایک طرف سلطنتِ مغلیہ کا عروج تھی تو دوسری طرف نقطۂ زوال بھی ثابت ہوئی۔ اس آمادۂ زوال پس منظر میں روہیلوں کا سرسبز شاداب منظر کٹھیر میں روہیلہ حکومت کی شکل میں اور دوآب میں نواب نجیب الدولہ کی طاقت ور حکومت کی شکل میں ابھر کر سامنے آیا جس نے ہندوستان کی تمام طاقتوں مغلیہ حکومت، سورج مل جاٹ، مراٹھا، صوبیدارانِ اودھ (صفدر جنگ اور شجاع الدولہ) اور ایسٹ انڈیا کمپنی، سے آنکھیں ملانے کی جرأت کی، یہاں تک کہ نواب نجیب الدولہ دس سال تک بغیر حکمراں (شاہ عالم ثانی) کی دلّی حکومت کا ریجنٹ (Regent) بن کر اندرونی اور بیرونی طاقتوں سے تحفظ مغلیہ حکومت کا کرتا رہا۔

اس زوال کی وجہ تلاش کرنے کے لیے یوروپ کی تاریخ پر بھی غور کرنا ہوگا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس دور میں یوروپ میں زبردست تبدیلیاں آرہی تھیں۔ شہنشاہیت ختم ہورہی تھی۔ جمہوری نظامِ حکومت کی بنیاد پڑ رہی تھی۔ قومیت کا بول بالا تھا۔ یوروپی ممالک کی تجارتی کمپنیاں نفع کمانے کے لیے تجارت کے نام پر نئے نئے سمندری راستوں کی کھوج کررہی تھیں اور دوسرے ممالک میں تجارتی منڈیاں قایم ہورہی تھیں اور جو دھیرے دھیرے یوروپی ملکوں کی کالونیاں بن کران کے زیرِ اقتدار آتی جارہی تھیں۔ ان مفتوحہ ممالک یا کالونیوں کی دولت یوروپ میں آرہی تھی۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یوروپی ممالک بین الاقوامی سطح پر دوسرے ممالک کا استحصال کر کے اپنی معاشی حالت اور سیاسی پوزیشن مستحکم کررہے تھے۔

اگر معاشی نقطۂ نظر سے مغلیہ سلطنت کے زوال کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مغلیہ حکومت اس وقت تک سیاسی اور فوجی اعتبار سے مضبوط رہی جب تک مال گزاری کی آمدنی مرکزی خزانے میں داخل ہوتی رہی اور خالصہ زمینوں کی آمدنی شاہی خاندان اور فوجی اخراجات پوری کرنے میں کافی رہی۔ جب محکمۂ مال گزاری میں بدعنوانیاں شروع ہوگئیں تو آمدنی کم ہونے لگی۔ خاص طور اس زمانے میں جبکہ اورنگ زیب دکن کی مہمات میں طویل عرصہ تک مرکز سے دور رہا تو اسکی غیر حاضری کا فائدہ اُٹھا کر صوبیداروں اور مالیات کے آفیسروں نے ذاتی خزانوں کو مال و دولت سے بھر کر طاقت حاصل کرلی۔ کاشتکاروں کا تحفظ نہ رہا۔ ان کا اعتبار حکومت سے اُٹھنے لگا۔ آمدنی بڑھانے کے لیے مال گزاری کی وصولیابی پر زور ڈالا گیا تو کاشتکاروں پر زیادتیاں ہونے لگیں۔ کاشتکار مجبور ہوکر شہروں میں جانے لگے اور فوج میں بھرتی ہونے لگے۔ اورنگ زیب کی وفات (1707) کے ساتھ ہی ہندوستان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی تاریخ کی سب سے بڑی وحدت بھی ٹوٹنا شروع ہوگئی۔ مال گزاری آنا بند ہوگئی اور صوبیدار آمدنی بڑھانے کے لیے دوسرے علاقوں پر قبضہ کرنے لگا۔ لگان کی وصولیابی کے لیےفوج کی ضرورت پڑی تو صوبیداروں نے فوج رکھنا شروع کردی۔ لگان وصول کرنے کے لیےفوج آتی تو کاشتکار گاؤں چھوڑ کر جنگلوں میں چھپ جاتے۔ فوج چلی جاتی تو واپس آجاتے۔

حکومت کی غلط پالیسی اور ناپائیدار حکمرانوں کے باعث زمیندار اور اجارہ دار طبقہ بھی پریشان رہنے لگا۔ تیمریٹس (Timariots جاگیرداروں کے لیے برنیئر Bernier کی اصطلاح) صوبیداران اور مالگزاری کے اجارہ داران اپنے طور پر اس کی توجیہہ کرتے ہیں۔ "اس ملک کی خستہ حالی سے ہم کیوں پریشان ہوں۔ اسے سرسبز بنانے کے لیے ہم اپنا وقت اور روپیہ کیوں خرچ کریں؟ ہم چشم زدن میں (بادشاہ کے حکم سے) اس سے محروم کیے جاسکتے ہیں۔ اور ہماری محنتیں ہمیں یا ہماری اولادوں کو فائیدہ نہیں پہنچائیں گی۔ کیوں نہ ہم زمین سے زیادہ سے زیادہ کھینچ لیں۔ خواہ کسان فاقے مریں یا بھاگ جائیں۔ اور جب ہمیں (بادشاہ کی طرف سے) چلے جانے کا حکم ملے تو ہم اس علاقہ کو ایک سنسان علاقہ کی شکل میں چھوڑ کر چل دیں۔"

(عرفان حبیب 439 بحوالہ Bernier 227)

اس دور کے حالات اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ روز بروز بد سے بدتر ہوتے ہوئے حالات نے کاشتکاروں اور زمینداروں کے لیے غیر یقینی حالات پیدا کردیے تھے۔ حکومت کا اعتبار اُٹھ چکا تھا۔ بادشاہ اور صوبیداروں یا زمینداروں کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا اور اس کا اثر نہ صرف ملکی معیشت پر بلکہ سیاسی وحدت پر بھی برا پڑ رہا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

معاشی بدحالی اور سیاسی عدم استحکام کے باعث حالات اتنے بگڑ گئے کہ ڈاکہ زنی عام ہوگئی۔ ڈاکوؤں نے ڈاکہ ڈالنا پیشہ بنالیا۔ صوبیداروں نے ڈاکوؤں سے سمجھوتہ کرلیا اور لوٹ مار کا حصہ لینے لگے اور کبھی کبھی ضرورت پڑنے پر ڈاکوؤں کی طاقت کا استعمال فوجی ضرورت کے لیے بھی کرنے لگے۔ اس طرح ڈاکہ زنی کو سیاسی پناہ بھی مل گئی۔

ان برائیوں میں بھی ایک خوش آئیند پہلو سامنے آتا ہے۔ چند صوبیداروں نے کمزور مرکزی حکومت پر بھروسہ نہ کر کے خود کو زندہ رکھنے کی کوشش کی اور بنجر زمینوں کو زیر کاشت لانے لگے۔ صنعت، حرفت، تجارت اور فنونِ لطیفہ کو فروغ ملنے لگا۔ اسکی مثال ہمیں کٹھیر میں روہیلوں کی حکومت، دوآب میں نواب نجیب الدولہ کی حکومت، اودھ میں صفدر جنگ اور شجاع الدولہ کی حکومت، حیدر علی کا میسور، سرنگا پٹم، بنارس، بنگلور، حیدرآباد اور بنگال میں دکھائی دیتی ہے۔ منڈیاں تجارت کو فروغ دینے لگیں۔ اسلحہ سازی کی صنعت کو فروغ ہوا اور آلاتِ جنگ کی ٹیکنیک اور زیادہ بہتر ہوگئی۔ سماجی نظام میں ایک درمیانی طبقہ وجود میں آیا جو ادب اور تہذیب کا معاون بن کر اُبھرا۔ فنونِ لطیفہ میں ترقی ہونے لگی۔

اسلحہ سازی کا ایک کارخانہ علاقہ کٹھیر کے پیپلی نامی مقام (موجودہ تحصیل بلاسپور، ضلع رامپور) میں پہاڑوں کے جنگلات (جواب رزرو فاریسٹ ہے) میں قایم تھا جہاں نواب علی محمد خاں کے عہد (1748-1720) میں بارہ سولو ہار اور بڑی تعداد میں بڑھئی سامانِ جنگ بنانے میں مصروف رہتے تھے۔ اس گھنے جنگل کی کئی شکستہ مسجدیں قدیم آبادی کا پتہ دیتی ہیں۔ میں نے خود چند مسجدوں اور مزاروں کو دیکھا ہے جن میں ڈنکا شاہ میاں کا مزار (متوفی رجب 1066 ہجری مطابق

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اپریل 1665) اور 'اللہ ہو بابا' کا مزار قدامت کے لحاظ سے روہیلوں کی آمد سے پہلے کے موجود ہیں۔

ایک طرف مرکزی حکومت روپیہ کی کمی کے باعث تنگ دست ہوگئی اور فنونِ لطیفہ سے متعلق اہلِ کمال کی سرپرستی کرنا اسکے بس کی بات نہیں رہی تو دوسری طرف صوبائی حکومتوں نے درباری شان وشوکت بڑھانے کے خاطر اہلِ کمال کی سرپرستی شروع کردی جس نے علاقائی ادب، علاقائی طرزِ تعمیر، موسیقی، خوش نویسی، مصوری اور علاقائی زبانوں کوفروغ دیا۔ فارسی زبان کا بھاؤ گر گیا کیوں کہ یہ دلّی دربار کی زبان تھی اور مقامی زبانوں کی ترقی کا دور شروع ہوا۔ اس خوش آئند ترقی کا سب سے مضر پہلو یہ تھا کہ ریاستی حکمرانوں کی خودغرضی نے ہندوستان کی مرکزی وحدانیت کو دھیرے کم کر کے بادشاہ کی عظمت کو ختم کر دیا جس کا بھرپور فائدہ اُٹھا کر انگریزوں نے بڑی آسانی سے ہندوستان پر قبضہ کرلیا۔

طبقۂ اُمراء:- اورنگ زیب کی وفات کے بعد امراء کو اتنا عروج حاصل ہوا کہ بادشاہ ان کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے رہے۔ سید برادران (حسین علی اور عبداللہ خاں) نے اتنی طاقت حاصل کرلی کہ ان کی زندگی میں کوئی بادشاہ اور امیر ان کے سامنے سر نہ اُٹھا سکا۔ ان دونوں بھائیوں کا تعلق ساداتِ بارہہ سے تھا۔

برہان الملک سعادت خاں (محمد امین) سید برادران کی سفارش پر فرخ سیر کے عہد (1713-1719) میں مغل دربار میں معمولی عہدے پر نوکر ہوا تھا اور دھیرے دھیرے ترقی کر کے برہان الملک کا خطاب اور اودھ کی صوبیداری حاصل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرلی تھی۔ وہ سید برادران کے قتل (1720) کے بعد بادشاہ محمد شاہ کے عہد میں ایک طاقت ور امیر بن گیا تھا۔

نظام الملک آصف جاہ فرخ سیر کے دربار کا ہفت ہزاری منصب دار تھا اور دکن کی صوبیداری پر فائز تھا۔ اس کا دادا خواجہ عابد خاں شاہ جہاں کے دربار میں چار ہزاری منصب پر فائز تھا۔ اور اورنگ زیب کا اتالیق تھا۔ اورنگ زیب نے اسے پنج ہزاری امیر بنا دیا تھا۔ اس کا سلسلۂ نسب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کو پہنچ کر ابو بکر صدیقؓ سے ملتا تھا۔

علی وردی خاں محمد شاہ کے عہد (1719-1748) میں بنگال کا صوبیدار تھا۔ اس دور میں محمد شاہ نے بہار اور بنگال کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا تھا۔ خاندانی اعتبار سے بلند تھا۔ اس کا دادا عربی النسل تھا اور اورنگ زیب کا رضائی بھائی تھا۔ منصب داروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کا باپ مرزا احمد اورنگ زیب کے فرزند دوم کا نوکر تھا۔ علی وردی کا خاندان ترک و عرب نژاد تھا۔

محمد خاں بنگش، خاندانِ بنگش کا بانی اور ابتدائی عہد کے روہیلوں کی نمائندگی کرتا تھا۔ فرخ سیر کا معتمد، لائق، میدانِ جنگ کا تجربہ کار سپاہی اور ہفت ہزاری منصب دار تھا۔ اس نے بڑی بڑی فوجی مہمات انجام دی تھیں۔ فرخ آباد اور قایم گنج شہر بسائے تھے۔

وزیر قمر الدین خاں محمد شاہ کے عہد کا سب سے طاقتور امیر تھا۔ روہیلوں سے اس کے اچھے تعلقات تھے۔ دربار میں تورانی گروپ کا لیڈر تھا۔ اس کی زندگی میں کٹھیر کے روہیلہ صفدر جنگ کی دشمنی سے محفوظ رہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

برہان الملک سعادت خاں زیادہ تر دلّی میں رہتا تھا۔ نظام الملک آصف جاہ اور محمد خاں بنگش کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا۔ جیت پور کی مہم (1729) میں محمد خاں بنگش کی ناکامی کا سبب برہان الملک ہی تھا۔ اسی نے بادشاہ محمد شاہ کو بہکا کر محمد خاں بنگش کو مرکزی امداد بھیجنے سے روکا تھا اور محمد خاں بنگش کی فتح شکست میں بدل گئی تھی۔ اس وقت محمد خاں بنگش کو چودھا لاکھ روپیہ فوج کو تنخواہ کا ادا کرنا تھا۔ روپیہ بھیجنے کے بجائے اس نے بادشاہ سے یہ فرمان لکھوا دیا کہ وہ جنگ ترک کر کے دلّی لوٹ آئے۔ فوج نے اسکی ناکہ بندی کر رکھی تھی اور فوج کے ہاتھوں اُسے بڑی ذلّت اُٹھانا پڑ رہی تھی۔

برہان الملک سعادت خاں کے انتقال کے بعد اس کے بھانجے اور داماد ابوالمنصور خاں صفدر جنگ نے اسکی روش کو برقرار رکھا۔ اور ہمیشہ قطب الملک قمر الدین خاں وزیر سلطنت، احمد خاں بنگش اور پار روہیلوں کا مخاف بنا رہا۔ اسکی وجہ سے دلّی دربار میں ایرانی اور تورانی دو حریف گروپ بن گئے تھے۔ صفدر جنگ کی موت کے بعد اسکے بیٹے شجاع الدولہ نے نفرت کی اس آگ کو بجھنے نہیں دیا۔ وہ پار روہیلوں اور خاندانِ بنگش کا جانی دشمن بنا رہا۔

امراء کے اس خود غرضانہ رویہ کا اثر صرف ہندوستان کی سیاست اور شاہی خاندان پر ہی نہیں بلکہ عوام پر بھی بہت برا پڑ رہا تھا۔ ملک میں سیاسی، معاشی اور سماجی سطح پر غیر یقینی اور ناپائیداری کے حالات پیدا ہو گئے تھے۔ رحم دلی، ہمدردی، نرمی اور تمام اخلاقی قدریں دم توڑ چکی تھیں۔ یہ اخلاقی کمزوریاں شاہی خاندان اور بیگمات میں بھی اس درجہ پیدا ہو گئی تھیں کہ وہ رشوت اور نذر وصول کر کے بادشاہ سے سفارشیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرتی تھیں۔[1]

اس سازشی ماحول کا نتیجہ یہ نکلا کہ امرائے سلطنت دلّی میں رہنے لگے۔ ان کی جاگیروں پر ان کے نائبین انتظام کرنے لگے۔ وہ دشمنوں کی سرکوبی کے لیے اس خوف سے جانا نہیں چاہتے تھے کہ کہیں ان کی غیر حاضری میں کوئی دوسرا امیر بادشاہ سے ان کے خلاف فرمان نہ لکھوا دے۔ اس لیے صوبوں میں انصاف اور انتظام کی حالت بُری ہوگئی تھی۔

اُمراء متضاد شخصیت کے مالک تھے۔ ایک طرف ظالم تو دوسری طرف سخی۔ خود حرام خوری اور عیش و عشرت میں ڈوبے رہتے اور دوسری طرف خانقاہیں، مسجدیں، مدرسے اور امام باڑے تعمیر کراتے۔ مخلوقِ خدا پر ظلم کرتے اور مرتے وقت یہ وصیّت بھی کر جاتے کہ ان کو کسی متبرک مقام پر دفن کیا جائے۔ اس متضاد کردار نے انہیں منافق بنا دیا تھا۔

فوج کی حالت:- فوج میں بھرتی کے لیے کسی ذات یا قوم کی قید نہیں تھی۔ ہر فوج میں مختلف دستے ہوتے تھے جن کا تعلق کسی ذات قوم یا قبیلہ سے ہوتا تھا۔ جیسے راٹھور، راجپوت، نجیب (اعلیٰ ذات) یا گسائیں۔ لیکن کرائے کے سپاہیوں میں اکثریت مسلمانوں کی ہوتی تھی۔ فوج میں اجتماعی کھانے کا انتظام نہیں ہوتا تھا کیونکہ ذات پات کی تفریق کے باعث ہر سپاہی کو اپنا کھانا خود پکانا پڑتا تھا۔ (سوائے مسلمانوں کے)[2]

فوج میں لباس میں یکسانیت نہیں ہوتی تھی۔ فوجی کو اپنا گھوڑا، لباس اور اسلحہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خود فراہم کرنا پڑتا تھا۔ ''اگر جنگ میں کسی کا گھوڑا بیکار ہوجاتا تو اسے ناکارہ قرار دے کر برطرف کردیا جاتا اس لیے فوجی گھوڑے کی فکر زیادہ کرتا تھا اور خطرے کے وقت گھوڑا لیکر فرار ہوجاتا تھا۔'' [3]

حرم:- اس دور میں مغلوں کا حرم بہت وسیع تھا۔ قلعہ کے اندر ایک چھوٹا سا شہر آباد تھا۔ مغلوں کے آخری عہد کی تصویر یوروپین سیاح نے اس طرح کھینچی ہے۔

''وہ برآمدہ جس میں وہ رہتے تھے اور کمروں کے درمیان راستہ بالکل سادہ تھا۔ کوئی خاص چیز نہیں تھی۔ ایک نوجوان شہزادہ مجھے محل کے مختلف حصّوں میں لے گیا۔ میں ایک شاندار ایوان میں داخل ہوئی جس میں کبھی فوّارے چلا کرتے تھے۔ چھت پر سونے کا ملمع ہوا کرتا تھا لیکن فوّاروں کی جگہ کالا اور گندہ پانی جمع تھا''۔ [4]

اس بدحالی کے باوجود شاہی تہذیب زندہ تھی:

''ذرا ان کی غربت دیکھیے۔ بادشاہوں کی نسل کے مفلوک الحال لوگ کبھی ماضی میں رُخصت کے وقت مہمانوں کے گلے میں موتیوں کی مالائیں پہناتے تھے جن میں بیش قیمت زیورات ہوتے تھے لیکن شہزادی ہدایت النساء بیگم نے اپنی غربت کے زمانے میں سفید چنبیلی کے پھولوں کا تازہ ہار میری گردن میں ڈالا تو میں نے احترام سے سر جھکا دیا جیسے وہ دنیا کی عظیم ملکہ ہو''۔ [5]

مغلیہ سلطنت کے زوال میں جن اندرونی اور بیرونی طاقتوں نے اہم رول

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ادا کیا ہے ان میں جاٹ، مراٹھا، سکھ، صوبیداران اور انگریز طاقتیں شامل ہیں جنھوں نے زوال کے عمل کو اور زیادہ تیز کر دیا تھا۔

کٹھیر اور روہیلہ حکومت:- دورِ حاضر کے روہیلکھنڈ کا نام عہدِ قدیم میں پنچال یا پنچالہ تھا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں جب فارسی زبان میں تاریخی ماخذ لکھنا شروع ہوئے تو اس علاقے کا نام کٹھیر ملتا ہے۔ اٹھارہویں صدی تک یہی نام ملتا ہے۔ 1774 میں جب میران پور کٹرہ کی جنگ میں شجاع الدولہ اور انگریزوں کی مشترکہ فوج کے ہاتھوں روہیلوں کو شکست ہوئی تو اس پورے علاقہ پر انگریزوں کا اثر و رُسوخ قایم ہوگیا۔ انگریزوں کی پشت پناہی کے سبب آصف الدولہ اودھ کے علاوہ روہیلوں کے علاقہ پر بھی حکومت کرتا رہا۔ جب اُنیسویں صدی کے آغاز پر آصف الدولہ نے یہ علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیا تو کمپنی سرکار کٹھیر کے اندرونی حالات کا بخوبی علم ہوا۔ اس علاقے کی رعایا روہیلوں کی ہمدرد تھی۔ ان کا طرزِ حکومت اودھ اور دلّی حکومت کے مقابلہ میں بہت بہتر تھا۔ سب زمین زیرِ کاشت تھی اور ہر طرف خوشحالی تھی۔ انگریزوں کو اس روہیلہ قوم سے اس قدر ہمدردی ہوگئی کہ انھوں نے کٹھیر کا نام 'روہیل کھنڈ' رکھ دیا جبکہ روہیلہ دورِ حکومت میں اس علاقہ کا نام کٹھیر لکھا جاتا رہا۔ صرف نورالدین ''پار روہیلہ'' علاقہ لکھتا ہے۔

روہیلوں کا آبائی وطن دریائے سندھ کے شمال سے غزنی کے جنوب کے پہاڑی سلسلے تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں سلسلۂ کوہِ سلیمان بھی شامل تھا۔ یہ چھوٹے بڑے پہاڑوں اور چٹانوں کا علاقہ ہے۔ بارش اور برف کم گرتی ہے۔ پہاڑی چشموں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور چھوٹی چھوٹی ندیوں کے ذریعہ جہاں بھی پانی دستیاب تھا وہیں پر کھیتی کرنا اور باغ لگانا ممکن تھا۔

زراعتی زمین کی کمی کے باعث لوگ غریب تھے۔ یہ لوگ چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ یہ افغانی قبیلے کہلاتے تھے۔ ان قبیلوں کے الگ الگ نام تھے اور مختلف طور طریقے تھے۔ یہ قبیلے آپس میں لڑتے جھگڑتے بھی رہتے تھے۔ تلاش روزگار میں ہندوستان آتے۔ چونکہ بے ہنر تھے اس لیے جنگجو اور جفاکش ہونے کے باعث فوج میں نوکری کرنا پسند کرتے تھے۔ 18 ویں صدی کی ابتداء میں کٹھیر میں آنیوالے روہیلے کٹھیر کے مستقبل باشندے بن گئے تھے جن کی نسلیں آج بھی زندہ ہیں۔ 1857ء کی بغاوت کے شہید بہادر خاں (بریلی) اور مجو خاں (مرادآباد)، ہندوستان پاکستان کی جنگ (1965) میں شہید میجر عبدالرافع خاں، اور پاکستان میں مقیم اعلیٰ عہدوں پر فائز رہنے والا صاحبزادہ یعقوب خاں بھی نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خاں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1۔ شاہنواز خاں: ماثر الامراء حصہ دوم (اُردو ترجمہ) میں 338

2۔ Bidwells.s : Sword for Hire P 125, 127

3۔ Dubois. A. J. : Hindu Manners, Customs P 679

4۔ Park Fany : Wondering of a Piligrim in search of Pictureqe, P 214

5۔ Park Fany P. 215

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب: ایک

افغانوں کی ہندوستان میں آمد

ابتدائی دور کے افغانوں کی ہندوستان میں آمد کا مقصد نوکریاں حاصل کر کے فوجی خدمات انجام دینا تھا۔ افغانستان کے محدود معاشی وسائل نے انہیں سلاطینِ ہندوستان کی فوج میں بھرتی ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ بے ہنری نے انہیں پیشہ ور فوجی بنا دیا تھا اور فوجی خدمات انجام دینا ان کا پیشہ بن گیا تھا۔ سلطان غیاث الدین بلبن (1287-1261) کے عہد میں نو وارد افغان سپاہیوں کی دوسری نسل تیار ہو گئی تھی۔ اس نسل نے تعلیم بھی حاصل کر لی تھی اور ہندوستان میں رہنے کی وجہ سے اُمراء کے طور طریقے بھی سیکھ لیے تھے۔ اس لیے اعلیٰ فوجی عہدوں پر ترقی کی راہ بھی ہموار ہو گئی تھی۔ سلطان بلبن نے دہلی کے تحفظ اور شہریوں کو ڈاکوؤں، خاص طور سے میواتی لٹیروں کی لوٹ کھسوٹ سے بچانے کے لیے جو تھانے قایم کیے تھے ان میں افغانی فوجی اور افغانی شحنہ (کوتوال) تعینات کیے تھے۔ ان میں دیوبال گیر کا تھانہ بہت اہم تھا۔ دوآبہ کے علاقے کے تھانوں میں بھی افغان سوار اور شحنہ تعینات کیے تھے۔ افغانوں کی تعیناتی کے باعث امن وامان قایم ہونے لگا۔ مساجد اور مدرسے قایم کیے گئے اور مذہبی تعلیم کے لیے علماء کا تقرر بھی کیا گیا۔ خلجی سلاطین کے دورِ حکومت میں ترکوں کے ساتھ افغان امراء بھی نظر آتے ہیں جن کا ذکر اشراف اور امراء کے ساتھ معاصر تاریخوں میں ملتا ہے اور تغلق سلاطینِ ہند کے عہد میں افغان امراء ایک طاقتور گروپ کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دھیرے دھیرے افغانوں کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ وہ سلطنت کی ہر ولایت (صوبہ) میں با اثر امراء کی حیثیت سے دکھائی دینے لگے۔ سلطان محمد بن تغلق کے عہد میں انھوں نے ملتان، گجرات اور دکن میں بغاوتیں کیں۔ دکن میں جو بہمنی سلطنت وجود میں آئی تھی اس کا پہلا سلطان ملک شیخ افغان ہی تھا جو بعد میں علاء الدین بہمن شاہ کے حق میں دست بردار ہو گیا تھا۔

جب سلطان فیروز شاہ کی موت (1388) کے بعد دہلی کا زوال شروع ہوا تو 1398 میں امیر تیمور نے پنجاب سے دہلی پر حملہ کر دیا۔ دہلی سلطنت کی فوجی طاقت کو پاش پاش کر کے مرکزی حکومت کو ناکارہ بنا دیا جس کے نتیجہ میں ہر ولایت (صوبہ) یا اقطاع کا گورنر خود مختار ہو گیا اور اس طرح ہندوستان میں علاقائی حکومتیں وجود میں آ گئیں۔ دہلی کی عظمتِ پارینہ خاک میں مل گئی اور اسکی جگہ علاقائی سلاطین کے نئے شہروں نے لے لی۔

خضر خاں نے ملتان سے آ کر دہلی پر قبضہ کر لیا (1414) اسکے جانشینوں نے دہلی کی عظمت کو دوبارہ بحال کرنے کی کوشش کی۔ 1415ء میں سرہند کے گورنر بہلول لودی نے دہلی پر قبضہ کر کے لودی خاندان کی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ دہلی کی عظمت، شان اور ثقافتی سرگرمیوں کو زندہ کیا۔ اس کے بیٹے سلطان سکندر شاہ لودی کے عہد میں دہلی کی عظمت اور وقار میں مزید اضافہ ہوا۔ سلطان سکندر کی موت (1517ء) کے بعد 1526ء میں سلطان ابراہیم لودی اور اس کے امراء کی سیاسی کشمکش اور بغاوتوں نے کابل کے تیموری حکمراں بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ ابراہیم لودی جنگ پانی پت میں مردانگی سے لڑتے ہوئے مارا گیا اور بابر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر کے ہندوستان میں مغلیہ حکومت کی بنیاد رکھ دی۔ لیکن افغان امراء نے بابر کو حکمراں تسلیم نہیں کیا۔ بابر کے خلاف بغاوتیں کیں لیکن افغان امراء کی باہمی نا اتفاقی نے انہیں ناکام بنا دیا۔ اس کے بعد افغان قیادت شیر شاہ سوری نے سنبھال لی۔ وہ تجربہ کار اور باصلاحیت افغان تھا۔ اس نے افغان سرداروں کو متحد کیا اور 1540ء میں ہمایوں کو قنّوج اور بلگرام کی جنگ میں شکست دے کر ہمایوں کو ہندوستان سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔

شیر شاہ کے بیٹے اسلام شاہ کی بے وقت موت (1553ء) کے بعد افغان امراء تخت و تاج پانے کے لیے آپس میں لڑنے لگے اور شیر شاہ کی پائیدار حکومت بہت جلد ہی مختلف حصّوں میں تقسیم ہو گئی۔ افغانوں کی باہمی خانہ جنگی اور عدم اتحاد سے فائدہ اُٹھا کر ہمایوں نے کابل سے آگے بڑھ کر پنجاب پر قبضہ کر لیا اور سلطان سکندر شاہ سوری کو شکست دے کر دہلی پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور افغانوں کی سیاسی برتری ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ انھوں نے مغلوں کی ملازمت کرنا شروع کر دی اور مختلف عہدوں پر فائز ہو کر اہم فوجی اور انتظامی خدمات انجام دیں۔ اس طرح افغانوں کی نئی کالونیاں وجود میں آنے لگیں۔

شاہجہاں کے عہد میں جب راجا رام سنگھ کٹھیریا نے بغاوت کی (1631ء) اور اس بغاوت کو ناکام بنا دیا گیا تب اس علاقے میں حسن خاں عرف مبارک خاں کو رستم خاں جاگیر دار سرکار سنبھل کی جگہ تعینات کر دیا گیا جس نے حسن پور آباد کیا جو پٹھانوں کی طاقتور آبادی بن گیا۔

شاہجہاں کے عہدِ حکومت میں جب 1637 میں دوبارہ ساکنانِ کٹھیر نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راجا رام سنگھ کٹھیر یا کی قیادت میں بغاوت کی اور مرشد قلی خاں فوجدار بریلی کو قتل کر دیا تب بہادر خاں روہیلہ جاگیردار قنوج کو اس علاقہ میں تعینات کیا گیا۔ اس وقت راجا رام سنگھ کماؤں (صوبہ اترانچل) کے پہاڑوں میں چھپ کر رہتا تھا۔ گوجروں اور امیروں کی مدد سے راہزنی کرتا تھا۔ بہادر خاں کے بھائی دلیر خاں نے راجا رام سنگھ کی بغاوت کو دبا دیا اور کٹھیر یا راجپوتوں اور ان کے اتحادیوں کو شکست دیدی۔ ان خدمات کے صلہ میں دلیر خاں کو بارہ گاؤں دیے گئے۔ بہادر خاں نے شاہجہاں پور کی بنیاد رکھی اور دلیر خاں نے شاہ آباد (لکھنؤ، ہردوئی) میں قیام کیا۔ یہ دونوں مقام روہیلوں کی کالونیاں بن گئیں۔ شاہجہاں پور میں پٹھانوں کے 52 قبیلے آباد ہیں اور ہر محلّہ کسی قبیلے کے نام پر ہے۔

دلیر خاں اور بہادر خاں کا باپ دریا خاں داؤدزئی تاجر تھا اور جہانگیر کے عہد میں سہ ہزاری منصب پر فائز تھا۔ فنِ سپہ گری میں شاہجہاں کا استاد تھا۔ لیکن جب خانِ جہاں لودی نے بغاوت کی تو اس نے بادشاہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور جنگ میں مارا گیا لیکن اس کا لڑکا بہادر خاں ایامِ شاہزادگی سے شاہ جہاں کا وفادار رہا۔ اس کا اصلی نام سرابدال خاں تھا۔ شاہجہاں نے اسے پنج ہزاری منصب پر فائز کیا اس نے بدخشاں کی فتح میں نہایت بہادری دکھائی تھی۔ وہ نذر محمد خاں والئی توران سے مقابلہ کرنے کے لئے شہزادہ مراد بخش کے ساتھ گیا تھا۔ اس نے عبدالعزیز خاں پسر نذر محمد خاں کو شکست بھی دی تھی۔

شاہجہاں کے عہد میں عبد الرشید خاں انصاری (عربی شیخ) علاقہ بنگش (افغانستان) سے ہندوستان آیا۔ شاہجہاں کے دربار میں منصب پایا اور مؤرشید آباد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی بنیاد رکھی تھی۔

بیس سال کی عمر میں محمد خاں بنگش افغانوں کی جماعت میں شامل ہو کر فوجی خدمات انجام دینے لگا جو اکثر بندیل کھنڈ کے راجاؤں کے یہاں فوجی خدمات انجام دیتے تھے۔ بہت جلد ہی وہ بارہ ہزار فوجی دستہ کا سردار بن گیا اور بادشاہ فرخ سیر کی نوکری میں آ گیا۔ جانشینی کے جھگڑے میں دسمر دگڑھ کی لڑائی میں اس نے جہاں دار شاہ کے خلاف فرخ سیر کا ساتھ دیا اور صلہ میں خطابِ نوابی اور جاگیر پائی۔ جب محمد شاہ بادشاہ ہوا (1748-1719) تو اس نے محمد شاہ کی رفاقت اختیار کر لی۔ محمد شاہ اور عبد اللہ خاں (سید برادر) کی جنگ میں شجاعت کا مظاہرہ کر کے اسے قتل کر دیا (1720ء) اور صلہ میں غضنفر جنگ کا خطاب، سات لاکھ روپیہ نقد اور جاگیرات پائیں۔ 1713ء میں اس نے قادر گنج کی بنیاد رکھی اور 1714 میں اس نے فرخ سیر (بادشاہ) کے نام پر فرخ آباد کی بنیاد رکھی۔

(نامۂ مظفری 362 تاریخ فرخ آباد مصنف ولی اللہ ورق 62)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

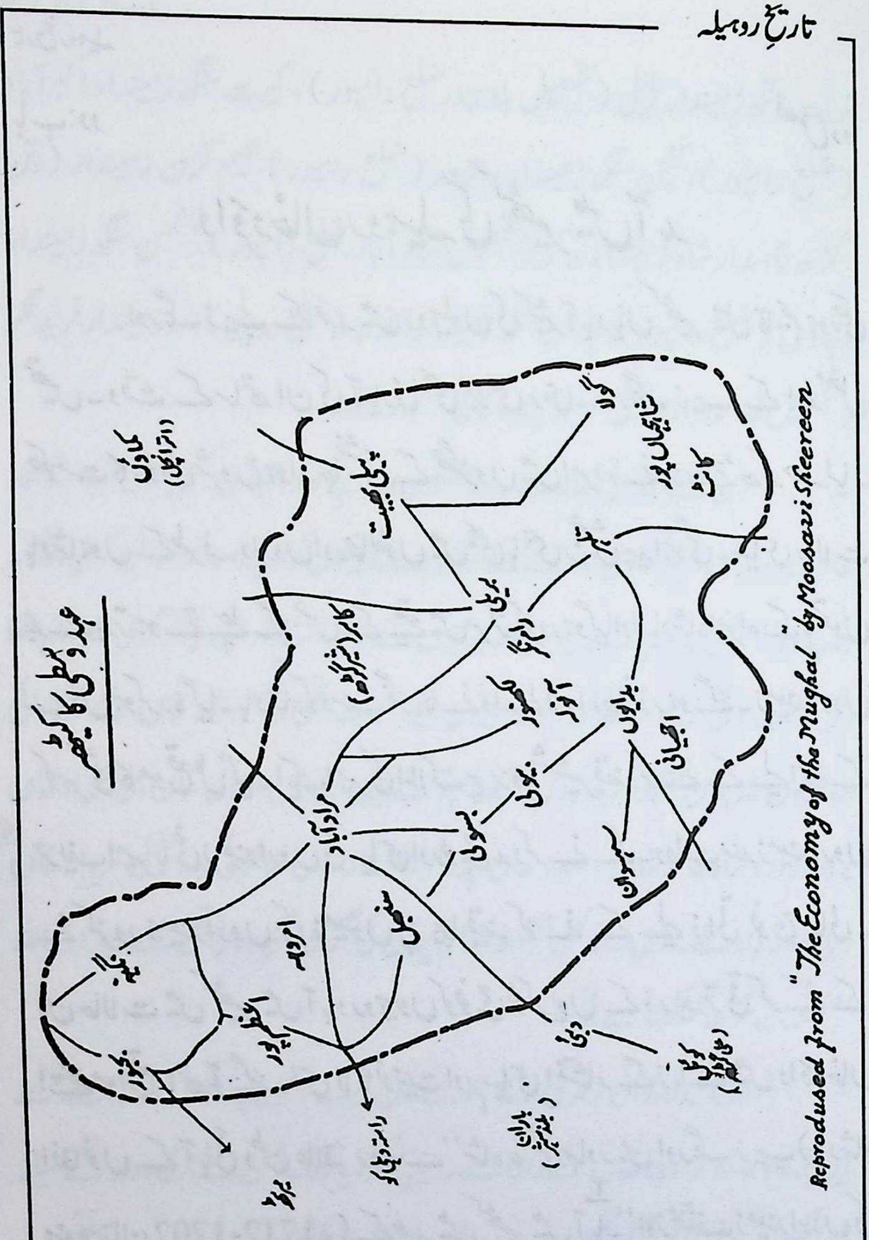

Reproduced from "The Economy of the Mughal" by Moosavi Sheereen

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کوئی ذکر نہیں ہے۔ ''گل رحمت'' (من تصنیف 1249ھ/1833ء) کے مطابق داؤد خاں علاقۂ ردہ سے فرار ہو کر بھاگا تھا۔ وہ شہاب الدین خاں کا خانہ زاد (غلام) تھا اور ترکۂ پدری میں شاہ عالم خاں (والد حافظ رحمت خاں) کے حصہ میں آیا تھا۔[5]'' داؤد خاں کے ابتدائی حالات کی تفصیل حافظ رحمت خاں کے خاندان کے مؤرخین نے بیان کی ہے۔ ''محمود خاں پابند شریعت و طریقت تھا تو ردشہامت میں رہتا تھا۔ کمالزئیوں سے دوستانہ تعلقات تھے۔ اس کے پانچ لڑکے تھے۔ آزاد خاں، شہزاد خاں، حکیم خاں، حسن خاں اور شاہ عالم خاں۔ محمود خاں کے انتقال کے بعد اس نے جائیداد کے علاوہ داؤد خاں بھی ترکہ میں چھوڑا جس کے آباؤ اجداد شیخ موصوف کے خانہ زاد تھے۔ (تاریخ افغانی 9)' چونکہ شاہ عالم خاں کو پسر کی خواہش تھی اس لیے طفل با عقل و خوبصورت و نیک سیرت (داؤد خاں) کو فرزندی میں پرورش کیا، (اخبار حسن 8) لیکن خاندانِ حافظ رحمت خاں کے ڈاکٹر سلطان عبدالعزیز خاں (حیات) کے بیان کے مطابق داؤد خاں خانہ زاد نہیں بلکہ شاہ عالم خاں کا رشتہ دار تھا۔ میری رائے میں ڈاکٹر سلطان عبدالعزیز خاں کا قول زیادہ مستند ہے۔

داؤد خاں کی ابتدائی زندگی کے بارے میں اس قسم کے بیان بہت ملتے ہیں خاص طور سے ہری دوار سے گھوڑیاں خریدنے اور افغانستان بھیجنے کی بات سراسر غلط ہے کیونکہ عمدہ نسل کے گھوڑے افغان تجار وسطِ ایشیا اور فرنٹیر کے صوبے یعنی پشاور وغیرہ علاقوں سے لیکر ہندوستان آتے تھے۔ ہندوستان میں اچھی نسل کے گھوڑے نہیں ہوتے تھے جن کی افغانستان یا وسطِ ایشیا میں ضرورت پڑے۔ اسکی تصدیق رستم علی بجنوری کے مندرجۂ ذیل بیان سے ہوتی ہے جس کی روشنی میں اودھ اور روہیلہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ماخذوں کو درست کیا جا سکتا ہے۔

''کٹھیر میں روہیلہ طاقت کا بانی داؤد خاں تھا جو حقیقت میں ردہ کے شیخ کا غلام تھا جس کا نام حسن خاں بڑہیچ تھا۔ جوانی میں وہ (ردہ سے) بھاگ کر پشاور کے مغل عامل ناصر جنگ کے پاس نوکری میں آ گیا۔ دو سال تک وہ ملازمت میں رہا۔ دو سال بعد وہ چند تاتاری گھوڑوں کو بیچنے کے لیے دلّی آ گیا اور دلّی سے کٹھیر مین آیا جہاں کے زمیندار روہیلوں کو نوکر رکھ رہے تھے۔ داؤد خاں مدکر کے زمیندار مدار شاہ کا نوکر ہو گیا۔ مدار شاہ نے بانکولی کے مقدم (عہدہ کا نام) پر حملہ کرنے کے لیے داؤد خاں کو بھیجا۔ لوٹ مار میں مال و دولت کے علاوہ قیدیوں میں ایک گیارہ سالہ بچہ پریم سنگھ (علی محمد خاں) بھی تھا''۔[6]

داؤد خاں کی شہرت کا سن کر پاس پڑوس کے روہیلے اس کے پاس نوکر ہو کر اسکی فوجی تعداد اور طاقت میں اضافہ کرنے لگے اور وہ روہیلوں کا مربّی بن گیا۔ ''بانکولی (یا باکولی) پر حملہ کرنا ایک انتقامی کارروائی تھی۔ واقعہ یہ تھا کہ رتن گڑھ کے زمیندار کھیم کرن نے زمیندار راجپور کنچن سنگھ پر حملہ کیا تھا اور کنچن سنگھ نے مدار شاہ سے مدد کی درخواست کی تھی۔ اس حملہ میں داؤد خاں کے ساتھ اپنے لڑکوں چتر سنگھ اور پربت سنگھ کو بھی بھیجا تھا۔[7] اس حملہ میں مال و دولت کے علاوہ اُسے ایک سات آٹھ سال کا بچہ بھی ملا جو قوم کا جاٹ تھا۔ اس کے چہرے سے اقبال مندی جھلکتی تھی۔ داؤد خاں نے اسے اپنا متبنّیٰ بنالیا اور اس کا نام علی محمد خاں رکھا۔[8]

داؤد خاں نے سیاسی انتشار کے دور میں کٹھیر کے زمینداروں کی خانہ جنگی کا بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ ''کرائے پر جنگیں لڑنا اور پٹھانوں (روہیلوں) کو جمع کرنا اس کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ترقی کا ذریعہ بن گیا تھا۔'' وہ اتنا طاقتور ہو گیا کہ کبھی کبھی مغل منصب دار عظمت اللہ خاں[9] (فوجدار مراد آباد جاگیر وزیر قمر الدین خاں) کو بھی سرکش زمینداروں کی سرکوبی کے لیے داؤد خاں کی خدمات کی ضرورت پڑتی تھی۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں مراٹھوں کے خلاف ایک موقعہ پر اس نے ایسی کارگزاری دکھائی کہ شاہی قدردانی کا مستحق قرار پایا اور صلہ میں گاؤں ملے جن میں ایک بیولی اور دوسرا موضع شاہی ضلع بریلی میں کچھ زمینیں بھی ملیں۔''[10]

جب داؤد خاں کی شہرت اور ترقی کی خبریں اس کے آبائی وطن پہنچیں تو شاہ عالم خاں اس کے پاس کٹھیر میں آیا۔ داؤد خاں نے اس کی بڑی عزت کی۔ نقد اور مال دیا اور دو ہزار روپیہ باقاعدہ بھیجنے کا وعدہ کر کے اُسے رُخصت کر دیا۔''[11]

پانچ چھ سال بعد شاہ عالم خاں پھر آیا۔ غالباً دولت کے لالچ نے اُسے دوبارہ آنے پر مجبور کیا تھا۔ اس بار اُس نے داؤد خاں کو واپس اپنے وطن لے جانا چاہا لیکن داؤد خاں نے اُسے روپیہ اور تحائف دے کر کسی نہ کسی طرح واپس جانے پر راضی کر لیا۔

اس زمانے میں جبکہ شاہ عالم خاں داؤد خاں کا مہمان تھا، محمد خاں بنگش کو اس کی فوجی خدمات کی ضرورت پیش آئی۔ بدایوں کی نگرانی اس کا عامل کرتا تھا۔ بدایوں کے سرکش زمینداروں کی سرکوبی کے لیے بدایوں کے عامل نے محمد خاں بنگش کے ذریعہ داؤد خاں کی خدمات طلب کی تھیں۔ بدایوں کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے داؤد خاں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ شاہ عالم سے پیچھا چھڑا لے گا کیونکہ شاہ عالم کا بار بار آنا اور روپیہ طلب کرنا، اپنے ساتھیوں میں اس کے وقار کو کم کرتا تھا۔ اس نے اپنے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

منصوبہ کو پورا کرنے کے لیے شاہ عالم خاں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا اور اُسے زہر دیکر مار ڈالا۔ ''اس کی موت 7 نومبر 1718ء کو ہوئی تھی''[12] ''شاہ عالم خاں کی موت کے وقت حافظ رحمت خاں کی عمر چار سال تھی۔''[13]

یہ بات تو مستند ہے کہ داؤد خاں عارضی طور پر راجا کماؤں دیوی چند (1726-1720) کی نوکری میں آ گیا تھا۔ راجا کماؤں اور ناظم یا فوجدار مراد آباد عظمت اللہ خاں کے مابین کاشی پور میں جو جنگ ہوئی تھی اس میں داؤد خاں راجا دیوی چند کی طرف داری میں موجود تھا۔ اس نے جنگ میں راجا کو دھوکہ دیا اور راجا جنگ میں ہار گیا۔ جنگ کے بعد داؤد خاں نے فوجی خدمات کی رقم طلب کی۔ راجا نے اُسے بلایا اور دھوکے سے پکڑ کر اسے قتل کرا دیا[14] (1721ء)۔

اس بات کی سند روہیلہ ماخذوں میں موجود ہے کہ داؤد خاں تنخواہ طلب کرنے راجا کماؤں کے خیمہ پر ایک جمعیت کے ساتھ گیا تھا اور دولت کے لالچ میں ہلاک کر دیا گیا تھا۔[15] کماؤں کے غیر مستند حوالوں کا اختصار یہ ہے کہ راجا دیوی چند کے دو وزیر مانک مل اور اس کا لڑکا نیم پاگل راجا کو اپنے اشاروں پر نچا رہے تھے، وہ اسے 'وکرمادتیہ (فاتح اعظم)' بنانا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے راجا کو دلّی کی سیاست میں حصّہ لینے کا مشورہ دیا تھا۔ اتفاق سے صابر شاہ نامی شخص جو خود کو تیموری شہزادہ کہتا تھا راجا سے ملا اور راجا نے اسکی مدد کی۔ داؤد خاں کو نوکر رکھا اور کٹھیر پر حملہ کر دیا۔ نگینہ کے پاس شاہی فوج سے مقابلہ ہوا۔ داؤد خاں نے رشوت لیکر راجا کا ساتھ چھوڑ دیا اور دغابازی کی وجہ سے کمیتے (کماؤنی) جنگ ہار گئے۔ داؤد خاں کو تنخواہ دینے کے بہانے ڈیرہ پر بلا کر قتل کرا دیا۔[16]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اگر غور سے داؤد خاں کے کردار، کارناموں اور عادت و خصلت کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں روہیلہ ماخذوں (گلستانِ رحمت، گل رحمت، تاریخ افغانی، اخبار حسن اور تاریخ روہیل کھنڈ وغیرہ) کی جانبداری کو پیشِ نظر رکھنا پڑے گا کیونکہ مندرجہ بالا ماخذوں کے مصنفین کا تعلق حافظ رحمت خاں کے خاندان سے براہِ راست تھا اور حافظ رحمت خاں یہ نہیں بھولا ہوگا کہ داؤد خاں شاہ عالم خاں کا قاتل تھا۔ غیر روہیلہ اُردو تاریخی ماخذوں میں قدیم ترین ماخذ قصہ واحوال روہیلہ ہے جس کا بیان بڑی حد تک قابلِ یقین ہے۔ اسکے بیان کا اختصار مندرجہ ذیل ہے۔

''داؤد خاں کی بہادری کے باعث راجا مدھکر (مدار شاہ) اس کا قدردان ہوگیا تھا۔ اسی زمانے میں داؤد خاں نے شاہجہاں آباد (دہلی) سے تحائف منگائے اور الموڑے کے راجا دیپ سنگھ (دیوی چند) کو بھیجے اور راجا سے اچھے تعلقات پیدا کر لیے۔ راجا مدکر کے مرنے کے بعد داؤد خاں راجا الموڑہ کا نوکر ہوگیا۔ راجا نے کاشی پور اور دامن کوہ کے علاقے کا انتظام اس کے سپرد کردیا۔ اس علاقے کی سالانہ جمع (آمدنی) تیرہ لاکھ روپیہ تھی۔ داؤد خاں کی اپنی آمدنی میں اتنا اضافہ ہوا کہ اس نے دو تین ہزار سوار اور پیادے ملازم رکھ لیے۔ جن کی مدد سے اس نے اپنے علاقے کے سرکش زمینداروں اور لٹیروں سے تحفظ کیا۔

17

جب کسان محفوظ ہوگئے تو وہ وقت پر لگان ادا کرنے لگے لیکن بنکولی (یا بانکولی) کا راجا (کھیم کرن) لوٹ مار سے باز نہیں آیا۔ وہ داؤد خاں کے علاقے پر بھی چھاپے مار کر جانور لیجاتا تھا۔ داؤد خاں نے اسے سزا دینے کا ارادہ کیا۔ اپنی مہم کو بآسانی انجام دینے کی غرض سے اس نے ایک جاسوس بنکولی بھیجا تاکہ وہ موقعہ کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جائزہ لیکر اطلاع دے کہ کس وقت راجا پر حملہ کرنا مناسب ہوگا۔ جاسوس وہاں جا کر فقیروں کے لباس میں رہنے لگا۔ جب ہولی کا تیوہار منانے کے دن شروع ہوئے تو جاسوس نے اطلاع دی کہ اکثر لوگ رنگ کھیلتے ہیں اور شراب کے نشے میں بدحواس رہتے ہیں۔ اگر عین ہولی کے دن حملہ کیا جائے تو فتح بآسانی ہوگی۔ ایسا ہی کیا گیا۔

بنکولی کی فتح کے بعد جو مالِ غنیمت حاصل ہوا اس میں گرفتار کیے ہوئے بتّیس افراد بھی تھے۔ "ان قیدیوں میں ایک لڑکا عمر برس دس۔ گیارہ کا، نہایت خوبصورت، رنگ سرخ سپید، میٹھی زبان، پیاری پیاری باتیں، قوم جاٹ کا پریم سنگھ نانوں بھی قید میں آیا۔ داؤد خاں نے اس کو دیکھا۔ نزدیک بولایا۔ باتیں سُنیں، بی اختیار جی کو بھایا۔ کمال شفقت سے فرزند اس کو کہا۔ علی محمد خاں نانو نام رکھا۔ سنت ختنہ کے بموجب مذہب محمدؐ کی فراغت پائی۔ بعد فرصت ختنہ اس لڑکے کو معلم باعمل کے سپرد کیا تو کہ (تا کہ) نماز پنج گانہ، تلاوت قرآن شریف کی اور مسائل ضروریہ مذہب مسلمانوں کی سی خوب واقف ہو۔ جو پٹھان کہ اوس لڑکے کو لایا تھا، بائیس روپیہ نقد ایک دوشالہ اوسکو بخشا۔" 18

مؤلف (رستم علی) نے داؤد خاں کے راجا کمایوں کے ہاتھوں قتل کی وجہ اسکی طاقت میں اضافہ اور اسکی وفاداری پر شک کرنا بتائی ہے کہ جب راجا کے جیوتشی نے راجا سے کہا کہ داؤد خاں بہت طاقتور ہو گیا ہے اور علاقے پر اس کا پورا تسلط ہے۔ اگر وہ باغی ہو گیا تو اس کو دبانا مشکل ہوگا لہٰذا اس سے چھٹکارا جلد پایا جائے۔ راجا نے داؤد خاں کو اپنے پاس بلایا اور اسے قید کر کے اذیتوں کے ساتھ مار ڈالا۔ داؤد خاں کے قتل کے بعد علی محمد خاں کاشی پور سے بھاگ کر مراد آباد آ گیا۔ پہاڑیوں سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

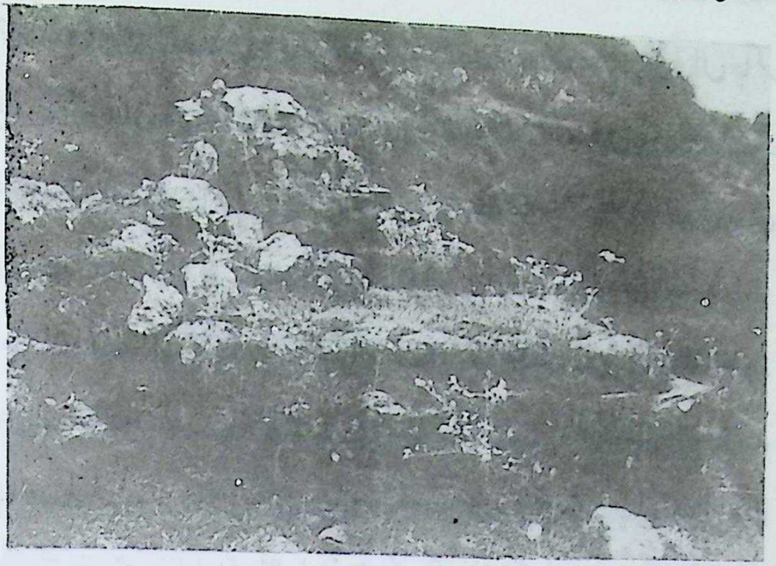

المونڑے میں سردار داؤد خاں کی قبر (قریب سے)

المونڑے میں سردار داؤد خاں کی قبر (دور سے)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جنگ میں اس کے ساتھی منتشر ہو گئے تھے۔ نواب عظمت اللہ خاں نے علی محمد خاں کی ہمت افزائی کی اور اسکی ہر طرح کی مدد کی۔ اس کو یہ بھی اجازت دی کہ اپنے پرانے ساتھیوں کو جو واپس آئیں نوکر رکھ لے۔

کچھ عرصہ بعد محمد خاں بن داؤد خاں اور دوسرے روہیلہ مراد آباد آ کر علی محمد خاں کے ساتھ ہو گئے۔[20] ''لیکن روہیلہ ماخذوں کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ داؤد خاں کے قتل کے بعد روہیلہ سردار علی محمد خاں پر رحم کھا کر نواب عظمت اللہ خاں کے پاس لے گئے تھے۔'' معاصر فارسی تاریخوں کے برعکس رستم علی کے تذکرے میں داؤد خاں ایک لٹیرے کے بجائے ایک بلند حوصلہ اور اوصافِ حمیدہ کا حامل شخص ہے۔''[21]

المورہ سے پتھورا گڑھ روڈ پر سات آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر داؤد خاں کی قبر موجود ہے (مقامی لوگوں کے مطابق) جہاں میں نومبر 1998 خود گیا تھا۔ سڑک کے ایک جانب قبرستان اور دوسری جانب کربلا ہے۔ کوئی لوحِ مزار یا کتبہ نہیں۔ غالبًا روہیلوں میں کتبے لگانے کا رواج نہیں تھا۔ نجیب الدولہ (نجیب آباد) حافظ رحمت خاں (بریلی) نجّو خاں اور بلند خاں (فتح گنج، بریلی) کی قبروں پر بھی کتبے نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ ابتدائی روہیلوں نے دانستہ طور پر کتبے نہیں لگائے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

ا۔سعادت یار خاں: گل رحمت (فارسی مخطوطہ رضا لائبریری رامپور) ورق 4،الف۔تاریخ افغانی 9

Iqbal Husain : The Rise and Decline of the Rohella Chieftaincies in 18th Century in India, P 37

2۔گلستانِ رحمت (فارسی مخطوطہ رضا لائبریری رامپور) ورق 5 الف،گل رحمت ورق 4 ب

3۔گلستانِ رحمت ورق 6 ب،گل رحمت ورق 6 ب،تاریخ افغانی 9

4۔سید محمد ولی اللہ: تاریخ فرخ آباد (فارسی مخطوطہ رضا لائبریری رامپور) ص 78

5۔گلستانِ رحمت ورق 4 ب،گل رحمت ورق 4 الف

6-I. H. Siddiqi : Seminar's Paper

7۔نجم الغنی: اخبار الصنادید جلد اوّل ص 69

8۔گلستانِ رحمت ورق 4 الف،گل رحمت ورق 4 ب

علی محمد خاں کے حسب نسب کے بارے میں مختلف ماخذوں میں مختلف کہانیاں مشہور ہیں۔عام طور پر یہ واقعہ زیادہ مشہور ہے کہ وہ لچھو جاٹنی کا بیٹا تھا۔عماد السعادۃ نے لچھو کی روایت دوہراتے ہوئے ایک دوسری روایت بھی لکھی ہے کہ لچھو یا تو برہمن تھی یا جاٹ لیکن سادات بارہہ کے کسی لڑکے نے اُس سے نکاح کرلیا تھا جس سے یہ لڑکا پیدا ہوا تھا۔(عماد السعادۃ ورق 31 ب) غلام حسین بھی لچھو والی روایت کو دوہراتے ہوئے اس بچے کو ''گریختہ جاٹ و پٹھان'' (جاٹ اور پٹھان سے پیدا) لکھتا ہے (سیر المتاخرین، ص 108)۔الہ یار بلگرامی نے اسے راجپوت لکھا ہے (حدیقۃ الاقالیم ص 139)

1989 میں دریافت ایک مخطوطہ (قصہ و احوال روہیلہ مصنف رستم علی بجنوری) کے بیان کے مطابق اس جاٹ لڑکے کا نام پریم سنگھ تھا اور داؤد خاں نے اس کا نام علی محمد خاں رکھا تھا۔

۔''رستم علی بجنوری بجنور کا رہنے والا ایک غیر پٹھان تاریخ نویس تھا جس نے 'قصہ و احوالِ روہیلہ' حافظ رحمت خاں کی شکست (1774) کے دو سال بعد تحریر کیا جس میں اس نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سردارانِ روہیلہ کٹھیر کے 1774 کے واقعات کوقلم بند کیا ہے۔اس مخطوطے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے غیر تعصبی انداز سے واقعات تحریر کیے ہیں جسکی بنیاد پر دربار اودھ کی تاریخ (عمادۃ السعادت) اور حافظ رحمت خاں کے بیٹے (محمد مستجاب خاں) اور پوتے (محمد سعادت یار خاں) کے ذریعہ لکھے گئے واقعات کو درست کیا جا سکتا ہے۔ (I.H. Siddiqi : Seminar's Paper)

لیکن میرے نزدیک رستم علی کا بیان مستند نہیں ہے بلکہ غلام حسین کا بیان صحیح ہے کیونکہ اس دور کے سردارانِ روہیلہ جو ہندوستانی آب وہوا سے اتنے مانوس نہیں ہوئے تھے کہ اپنی قبائلی فطرت کو بھلا دیتے۔ وہ کسی بھی قیمت پر غیر روہیلہ لڑکے کو اپنا سردار تسلیم نہیں کر سکتے تھے۔ علی محمد خاں یقینی طور پر داؤد خاں کے نطفے سے پیدا ہوا تھا البتہ اس کی ماں جاٹنی تھی۔ یہ بات بھی سچ ہے کہ جاٹ کسی بھی طرح پٹھانوں سے کم درجہ قوم نہیں تھی بلکہ بانکولی کا علاقہ جاٹوں کی حکمرانی میں تھا اور وہ مغل حکمرانوں کے باجگزار نہیں تھے۔ خاندانِ نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خاں کے باعزت صاحبانِ اقتدار کا بھی یہی قول ہے کہ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ کسی جاٹنی سے جو زمیندار کی بیٹی تھی، داؤد خاں نے اسکے باپ کی مرضی سے شادی کر لی تھی۔ (مصنف)

9- Sarkar : Fall of the Mughal Empire Vol. i, P 27

10- Gazett of Bareilly P 154

11- گلستانِ رحمت ورق 5 الف، گل رحمت ورق 5 الف

12- Iqbal: P 40

13- گل رحمت ورق 5 ب

14- Sarkar : Vol i, P 27

15- گلستانِ رحمت ورق 6 ب، گل رحمت ورق 6 الف

16- Badridut Panday:Kumaoun Ka Itehas (Hindi) P 27

پانڈے نے راجا کی دیوانگی کے دلچسپ واقعات لکھے ہیں۔ ''راجا نے صابر شاہ کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لئے لال تنبو لگوایا۔ جوتشیوں کو بلا کر زائچہ بنوایا اور کہا کہ اُس تاریخ سے شہزادہ دتّی کا بادشاہ ہوا۔
لیکن بدری دت پانڈے اس بات سے انکار کرتا ہے کہ کوئی جنگ ہوئی تھی اور رردر پنت جی کی بھی
یہی رائے ہے کہ کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی۔ پانڈے نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نگینہ میں شاہی فوج
کے رعب اور شان وشوکت کو دیکھ کر وہ ڈر کر لوٹ آیا تھا۔ (ص312)

ممکن ہے کہ جنگ نہ ہوئی ہو اور داؤد خاں فوجی تنخواہ لینے راجا کے ڈیرہ پر گیا ہو اور اس
شک کی بنا پر اسے قتل کرادیا ہو کہ وہ عظمت اللہ خاں کی طرف داری کریگا۔

اس وقت کماؤں کی راجدھانی الموڑہ تھا اور جہاں داؤد خاں کو دفن کیا گیا وہ سوآل ندی
کا کنارہ تھا۔ داؤد خاں جمیعت کے ساتھ گیا تھا۔ ممکن ہے سب کو قتل کر دیا گیا ہو۔ یہ بھی ذکر ملتا ہے
کہ راجا نے ٹھاکردوارہ (ضلع مرداآباد) میں داؤد خاں کو طلب کیا تھا۔ لیکن اس وقت ٹھاکردوارہ
عظمت اللہ خاں کی عمل داری میں تھا۔

17۔ بنکولی کا علاقہ پرگنہ جہاں آباد متعلق چکلہ بریلی سرکار بداؤں میں تھا۔ (اقتدار
حسین صدیقی)

18۔ قصہ واحوال روہیلہ ص16

20۔ پروفیسر اقتدار حسین صدیقی: جرنل 4-5 ص 173-174، مطبوعہ رضا لائبریری
رامپور 2000ء

''رستم علی بجنوری جان ہارس فورڈ جو، اسپٹ صاحب کے نام سے مشہور تھا، کا ملازم تھا اور
اُسی کی فرمائش پر اس نے روہیلوں کا احوال لکھا۔ اس نے ایک مقامی اور معاصر تاریخ نگار کی حیثیت
سے وہی واقعات قلمبند کیے ہیں جسکو اپنے باپ اور بزرگوں سے سنا تھا'' (اقتدار حسین ص 172)

21۔ اقتدار حسین: ص 172

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب: تین

فصل تین

نواب علی محمد خاں

داؤد خاں کے قتل[1] کے بعد روہیلہ سردار شادی خاں بن شہداد خاں (برادر زادہ شاہ عالم خاں) صدر خاں پدر عبدالستار خاں کمالزئی اور بخشی محمد سردار خاں۔علی محمد خاں کو ناظم مراد آباد عظمت اللہ خاں (جو مراد آباد میں وزیر قمرالدین خاں کی جاگیر پر ناظم فوجدار تھا) کے پاس لے گئے اور کہا کہ تمام روہیلوں نے اسے داؤد خاں کا جانشین تسلیم کرلیا ہے۔[2] ہم سب آپ کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔ سردار داؤد خاں کی فرماں برداری اور خدمات کے پیش نظر عظمت اللہ خاں نے تمام مقبوضات پر علی محمد خاں کا قبضہ بحال رکھا اور اپنی ملازمت میں رکھ لیا۔ (رستم علی بجنوری کے بیان کے مطابق علی محمد خاں خود عظمت اللہ خاں کے پاس گیا تھا۔) اس وقت روہیلوں کی طاقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب محمد خاں بنگش کو تنخواہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے جیت پور (بندیل کھنڈ) میں اس کے فوجیوں نے اسے اسیر کرلیا تھا تب اس کے بیٹے قایم خاں بنگش کو روہیلوں سے امداد طلب کرنے بن گڑھ آنا پڑا تھا۔[3] اس وقت افغانستان سے کئی باثر روہیلہ سردار کٹھیر میں آچکے تھے۔ شیخ عبداللہ جہاں آبادی (پیلی بھیت) کے بیان کے مطابق نعمت خاں بن حسن خاں (دوندے خاں کا بھائی) سرولی کا رئیس تھا اور صلابت خاں، خالد خاں بن حسن خاں (دوندے خاں کے بھائی) بسولی میں سکونت اختیار کرچکے تھے۔ (فارسی مخطوطہ 'تاریخ افغانی' نمبر 13 صولت لائبریری رامپور مصنف شیخ عبداللہ از اولاد صلابت خاں ص 7)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس وقت بھی کٹھیر کے سیاسی حالات بہت بگڑے ہوئے تھے۔ راہزنی کے واقعات بہت عام تھے۔ مرادآباد اور بریلی کے فوجدار، زمینداروں کی سرکشی اور خالصہ زمینوں پر قبضہ کرنے کے واقعات کو روکنے میں ناکام ہوگئے تھے۔ ''کھیری لاہرپور اور کٹھیر کے زمینداروں کی بغاوتوں کو ختم کرنے کے لیے راجا گردھر بہادر ناظم اودھ اور ثابت خاں فوجدار کول (علی گڑھ) کو 1723ء میں آنا پڑا تھا۔4''

کٹھیر کے بگڑے ہوئے حالات کے باوجود علی محمد خاں کے انتظام اور حسن سلوک کی وجہ سے ان کے زیرِ قبضہ مقبوضات کی رعایا مطمئن اور خوش حال تھی۔ کسانوں کو یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ ان کے مال پر کوئی ڈاکہ نہیں ڈالے گا اور نہ کوئی ان پر زیادتی کرے گا'' اس نے فوجدار مرادآباد (عظمت اللہ خاں) اور فوجدار بریلی (معین الدین خاں) کی خدمت میں تحائف بھیج کر اپنی وفاداری اور اطاعت کو تازہ کیا۔ عظمت اللہ خاں نے بیولی پر اس کا قبضہ بحال رکھا اور دیگر آراضیات بھی اسے اجارہ داری پر دیدیں۔ اب علی محمد خاں نے بن گڑھ کی جگہ بیولی کو مرکز بنالیا۔[5]''

علی محمد خاں نے سیاسی شعور اور طاقت کا بہت سلیقے سے استعمال کرتے ہوئے اپنے پڑوسی فوجداروں (مرادآباد اور بریلی) کو بھی ہمنوا اور ہمدرد بنائے رکھا اور دھیرے دھیرے دیگر مضافات پر قبضہ کر کے آمدنی اور فوجی طاقت میں بھی اضافہ کرنے لگا۔ کٹھیر کے زمینداروں کی روز روز کی خانہ جنگیوں میں شامل ہو کر وہ کسی ایک زمیندار کا ساتھ دیتا اور کمزور زمیندار کی املاک پر بزورِ شمشیر قبضہ کر لیتا۔

فوجدار مرادآباد اور بریلی حالات سے باخبر ضرور تھے لیکن اس کی طاقت اتنی بڑھ چکی تھی کہ وہ نہ اُسے روکنے کی ہمت کر سکتے تھے اور نہ اس کے خلاف طاقت کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

استعمال کر سکتے تھے۔ اس نے بریلی کے بہت سے پرگنوں پر بزورِ شمشیر قبضہ بھی کر لیا تھا۔ اس قسم کے ایک واقعہ کا ذکر اقتدار حسین نے 'قصۂ واحوال روہیلہ' کے حوالے سے کیا ہے۔

''رستم علی نے کٹھیر میں تعینات مغل افسران کی باہمی رقابت جس کے نتیجہ میں تمام علاقہ بدنظمی اور طوائف الملوکی کا شکار تھا اچھی روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً چکلہ بریلی کے محالات جیسے منونہ مغل منصب دار امیر خاں کی جاگیر میں تھے اور مراد آباد کے محلات وزیر قمر الدین خاں کی جاگیر میں تھے۔ دونوں منصب داروں میں رقابت تھی۔ دانش خاں محلی امیر خاں کی جاگیر کا بندوبست کرتا تھا۔ نواب معین الدین خاں ناظم مراد آباد (جو نواب عظمت اللہ خاں کے انتقال 1734ء کے بعد ناظم مراد آباد تعینات ہوا تھا) قمر الدین خاں کی جائیداد کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ بریلی کے تابع آنولہ کا زمیندار جگجیت سرکش تھا اور دانش خاں محلی کے اثر میں تھا۔ وہ علی محمد خاں کے خلاف تھا۔ علی محمد خاں نے آنولہ پر حملہ کر دیا۔ دانش خاں محلی جگجیت سنگھ کی مدد کے لیے منونہ سے آیا۔ جب فریقین میں خونریز جنگ ہوئی تو دانش خاں محلی مارا گیا۔ جگجیت آنولہ سے بھاگ گیا اور اپنی گڑھی میں محصور ہو گیا۔ آنولہ پر بھی علی محمد خاں کا قبضہ ہو گیا۔ اسکی طاقت میں مزید اضافہ ہوا۔ اس کے پاس دس ہزار سواروں اور پیادوں کی فوج اکٹھا ہو گئی۔[6]

یہی واقعہ دوسرے ماخذوں میں کہیں اختصار اور کہیں تفصیل (اخبار الصنادید جلد اول ص ۹۹) کے ساتھ موجود ہے گلستانِ رحمت (ورق 8ب) پر راجپوت زمیندار کا نام دوجا درج ہے اور بریلی گزیٹیر (ص 155) میں بھی ڈوجا لکھا ہے لیکن نجم الغنی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

منتخب العلوم کے حوالے سے دُرجن سنگھ لکھتا ہے۔ دانش خاں محلی کا حوالہ کسی اور ماخذ میں نہیں ملتا۔

کئی روہیلہ تاریخوں میں لکھا ہے کہ آنولہ پر قبضہ کا واقعہ محمد صالح خواجہ سرا کے قتل کے بعد ہوا تھا۔ ''علی محمد خاں کی خوش قسمتی کی ابتداء اس دن ہوئی جب اس نے (منونہ جو آنولہ سے جانبِ مغرب ایک میل پر واقع ہے) محمد صالح خواجہ سرا کو شکست دیدی جسے عمدۃ الملک امیر خاں کی جاگیرات کی حفاظت اور محصولات کی وصولیابی کے لیے بھیجا گیا تھا وہ بیولی کے علاوہ باقی پرگنوں کی آمدنی وصول کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ علی محمد خاں نے اُسے مناسب موقع دیکھ کر قتل کر دیا (1727)۔[7] اس نے لوٹ کے مال سے مزید فوجیوں کو بھرتی کیا اور یہ بات مشہور ہو گئی کہ جسے جنگ میں فتحیابی چاہیئے وہ علی محمد خاں کی قیادت میں آجائے۔[8]

اس واقعہ کے بعد اس نے وزیر قمر الدین خاں کو نذر پیش کر کے دہلی دربار کے عتاب سے خود کو محفوظ کر لیا۔ حالانکہ ''امیر خاں کافی برہم ہوا، اس نے بادشاہ محمد شاہ سے پرزور احتجاج کر کے علی محمد خاں کے خلاف فوجی کارروائی کا مطالبہ کیا لیکن دلّی دربار میں منصب داروں کے باہمی نفاق کے باعث علی محمد خاں شاہی عتاب سے نہ صرف بچ گیا بلکہ وزیر قمر الدین خاں نے علی محمد خاں کی طرف داری کرتے ہوئے خواجہ سرا محمد صالح کو موردِ الزام ٹھہرایا۔[9] اسے مقتول کی جاگیر پر قبضہ بحال کرنے کی اور لگان وصول کرنیکی اجازت بھی مل گئی۔ اس نے خاص و عام کو حکم دیا کہ اُسے 'نواب' کہہ کر تخاطب کریں۔ اس نے اپنے لیے بغیر بادشاہ کی اجازت کے لال خیمہ بھی استعمال کرنا شروع کر دیا جسے صرف اعلیٰ منصب دار ہی استعمال کر سکتے تھے۔[10]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بادشاہ کو یہ اطلاع بھی دی گئی کہ علی محمد خاں معین الدین خاں فوجدار بریلی کو (بقول سرکار عارضی مجسٹریٹ) معقول رقم رشوت کے طور پر دیتا ہے اس لیے اس نے امیر خاں کی املاک پر بزورِ شمشیر قبضہ کرنیکی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔ بادشاہ صرف اتنا ہی کر سکا کہ اس نے معین خاں کی جگہ پہاڑ سنگھ کھتری کو تعینات کر دیا۔

دراصل اس دور میں اخلاقی قدریں اس درجہ پست ہوگئی تھیں کہ بادشاہ اور منصب دار 'نذر' کے نام پر رشوتیں لینے کے عادی ہو چکے تھے۔ ''وزیر قمر الدین خاں اور بادشاہ نذر کے نام پر رشوت لیا کرتے تھے۔[11]'' علی محمد خاں قیمتی تحائف اور روپیہ 'نذر' کے نام پر پیش کر کے بدلے میں محصولات سے کافی روپیہ وصول کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ محصولات کی رقم کا شاہی حصہ روک کر بھی دولت جمع کرتا رہا۔ یہ علی محمد خاں کی دوراندیشی تھی کہ اس نے اس دولت کو ''سامانِ جنگ خریدنے اور فوج بھرتی کرنے پر خرچ کیا جس سے اسکی فوجی طاقت میں اضافہ ہوگیا۔[12]''

وہ نڈر ہو کر بریلی کے مضافات پر قبضے کرنے لگا اور بریلی کا حاکم معین الدین خاں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا اس کی بیباکی اور حوصلہ مندی کا یہ حال ہوگیا کہ اس نے سردار خاں کو فوج کا بخشی (Pay Master) فتح خاں کو خانِ ساماں Finance Minister اور راجا مان سنگھ کو پیش کارِ دیوان بنا دیا۔[13]

علی محمد خاں کی اصل ترقی کی وجہ جانسٹھ کی مہم میں بہادری کا کارنامہ انجام دینا تھی۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ رئیس جانسٹھ سیف الدین علی خاں (برادر امیر الامراء حسینِ علی خاں) نے سہارن پور کے فوج دار حشمت خاں کا قتل کر دیا تھا۔ وزیر قمر الدین خاں نے اس کے خلاف اپنے بھائی عظیم اللہ خاں کو بھیجا تھا اور اس تادیبی کارروائی میں شرکت کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لیے فوجدار مراد آباد کو بھی حکم دیا تھا۔ فوج دار مراد آباد نے علی محمد خاں کی مدد طلب کی۔ سیف الدین علی خاں بہادری سے جنگ کرتا ہوا مارا گیا (1727)۔[14]

اس واقعہ کی تفصیل غلام حسین بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سیّد برادران کے قتل کے بعد سیف الدین علی خاں خانہ نشین ہو کر اپنی موروثی جائیداد پر گزر اوقات کرتا تھا۔ اعتماد الدولہ (قمر الدین خاں) جو تورانی سادات سے عداوت رکھتا تھا اس نے حشمت خاں کو سہارن پور کی چکلہ داری پر مامور کر کے اس غرض سے بھیجا کہ اس کی موروثی جائیداد ضبط کر لیجائے۔ جب اس نے دست درازی کی تو سیف الدین علی خاں برداشت نہیں کر سکا۔ اس نے حشمت خاں کا قتل کر دیا۔

قمر الدین خاں نے انتقامی کارروائی کرنے کے لیے فوجدار مراد آباد عظیم اللہ خاں (فاروقی شیخ زادہائے لکھنؤ) کی قیادت میں علی محمد خاں روہیلہ اور فرید الدین خاں وغیرہ کو ساداتِ بارہہ کے قتل کے لیے بھیجا۔[15]

اب علی محمد خاں کا شمار دلّی دربار کے منصب داروں میں ہونے لگا۔ ''خطاب نوابی، منصبِ پنج ہزاری، نقارہ ماہی مراتب اور علم بادشاہ محمد شاہ کی طرف سے ملا۔[16] ''حالات علی محمد خاں کے حق میں سازگار ہوتے چلے گئے۔'' اسی زمانے میں روہ سے حافظ رحمت خاں، پائندہ خاں، بڈّو خاں، دوندے خاں، سردار خاں، ستار خاں اور پرمول خاں روہیلے علی محمد خاں کے پاس آ گئے۔ علی محمد خاں نے جائیداد کے طور پر گاؤں دیے تا کہ وہ فوج بھرتی کر سکیں۔[17]'' ان لوگوں کی آمد سے علی محمد خاں کی فوج اور زیادہ بہتر ہو گئی۔

نادر شاہ کے حملے (1739ء) نے مغلیہ حکومت کی عظمت اور فوجی طاقت کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بُری طرح پامال کردیا۔ مغلیہ حکومت کے منصب داروں اور عہدیداروں کی باہمی رنجشیں کھل کر سامنے آ گئیں۔ کٹھیر کے زمینداروں اور خاص طور سے علی محمد خاں کو من مانی کرنے کا پورا موقع مل گیا۔ علی محمد خاں نے رچھا وغیرہ پر قبضہ کرلیا۔[19]

مغل فوجداروں اور عاملوں نے بادشاہ اور وزیر قمر الدین خاں کو حالات لکھے۔ ''قمر الدین خاں نے علی محمد خاں کو دلّی طلب کیا۔ معتمدوں سے مشورہ کیا تو یہ طے پایا کہ متصدی (Secretary) جے سکھ رائے کو بھیج دینا چاہیے۔ دیوان (متصدی) مذکور کو ایک ہزار سپاہ کی جمعیت اور ضروری سامان امارت کے ساتھ دوسری رمضان ۲۳ جلوس روز جمعہ (مطابق ۱۱۵۳ھ/1740ء) مراد آباد سے روانہ ہوا۔ رمضان (1740) کو وزیر کی حویلی پر پہنچا۔ راجا ہرنند اروڑہ ان دنوں وزیر کی طرف سے مراد آباد اور سنبھل کا حاکم مقرر ہوا تھا، اس نے نیاز بیگ خاں مغل کو اپنی طرف سے ان اضلاع پر انتظام کے لیے بھیج دیا تھا۔ راجا ہرنند نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ وزیر قمر الدین خاں اور نواب علی محمد خاں میں دوستی ہو جائے۔ جے سکھ رائے علی محمد خاں سے مشورہ کرنے کا بہانا کر کے دلّی سے روانہ ہوا تو راجا ہرنند کے ملازم نیاز بیگ خاں نے جو راجا کی جانب سے مراد آباد کا حاکم تھا، جے سکھ رائے کو قتل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بچ کر 12 ذی قعدہ کو صحیح و سالم آنولہ میں علی محمد خاں کے پاس پہنچ گیا۔''[20]

جے سکھ رائے متصدی اور وزیر قمر الدین خاں کے مابین جو معاملات طے ہوئے تھے اس پر علی محمد خاں قایم نہیں رہا اور اس نے مقبوضات میں اضافہ کرنا جاری رکھا۔ ہرنند کی متواتر شکایت پر قمر الدین خاں نے راجا ہرنند کو علی محمد خاں کی سرکشی کو ختم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرنے کی اجازت دیدی۔[21]

وزیر قمر الدین خاں روہیلوں کی طاقت سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ روہیلوں خلاف طاقت کا استعمال مناسب نہیں ہوگا اس لیے اُس نے مغلیہ حکومت کے وقار کو بحال کرنے اور جاگیرات کو دوبارہ قبضہ میں لانے کے لیے سیاسی حل تلاش کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن راجا ہرنند کی متواتر شکایتوں نے اُسے علی محمد خاں کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

قمر الدین خاں نے کافی اسلحہ اور جملہ اسباب جنگ مہیا کیا اور راجا ہرنند کو مزید فوج بھرتی کرنے کی اجازت بھی دیدی۔ ہرنند کی فوج اور زیادہ طاقتور بنانے کے لیے اس نے عبد النبی خاں فوجدار بریلی کو حکم دیا کہ وہ ہرنند کی مدد کرے۔ راجا ہرنند دہلی سے فوجی امداد لیکر مرادآباد آ گیا۔ دلیر خاں برادر عبد النبی خاں کو فوج کے ہراول دستے کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔[22] لیکن اس وقت تک عبد النبی خاں فوجی امداد لیکر بریلی سے روانہ نہیں ہوا تھا اور اس نے راجا کو مشورہ دیا تھا کہ جب تک دونوں فوجیں متحد نہ ہو جائیں روہیلوں پر حملہ نہ کیا جائے۔ راجا ہرنند کو مزید فوجی کمک پہنچانے کے لیے وزیر قمر الدین خاں نے اپنے بیٹے معین الدین خاں کو بھی بھیجنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس وقت محمد خاں بنگش زندگی کے آخری دن فرخ آباد میں گزار رہا تھا۔ اس کا لڑکا قایم خاں بنگش دہلی میں موجود تھا۔ اس مصیبت کے وقت میں علی محمد خاں نے نواب محمد خاں بنگش سے مدد چاہی۔ محمد خاں نے علی محمد خاں کی سفارش میں قمر الدین خاں کو یہ بھی لکھا کہ جب آپ کے بھائی عظیم اللہ خاں ظہیر الدولہ نے سادات بارہ پر چڑھائی کی تھی تب نواب علی محمد خاں مع اپنی فوج کے شریک ہوئے تھے۔ محمد خاں بنگش

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نے ایک سفارشی خط اپنے بیٹے قایم خاں بنگش کو بھی لکھا جو اس وقت دلّی میں موجود تھا۔ 11 مارچ 1741 کو قایم خاں نے جواب دیا کہ وزیر کو اصرار ہے کہ وہ اپنے بیٹے میر معین الدین خاں کو بادشاہ کے حضور اس غرض سے بھیجے گا کہ اُسے راجا ہرنند کی مدد کے لیے کمک کے طور پر بھیجا جائے۔ وزیر نے توپخانہ شاہی راجا کی مدد کے لیے بھیج دیا اور اپنے بیٹے معین الدین خاں کو ایک بھاری لشکر کے ساتھ راجا کی کمک کو روانہ کیا۔''[22] راجا ہرنند نے کٹھیر کے زمینداروں کو بھی مدد کے لیے طلب کیا۔ ''نرپت سنگھ زمیندار پیلی، راجا کھیم کرن، زمیندار رتن گڑھ، اور سادات سرسی کو جمع کرلیا''۔ اس درمیان میں علی محمد خاں نے مرزا لطیف بیگ مرادآبادی کے ذریعہ صلح کی کوشش کی اور نواب محمد خاں بنگش نے بھی رحمت خاں اور شاہ اختیار کو راجا ہرنند کے پاس سفارش کے لیے بھیجا لیکن ہرنند صلح پر راضی نہیں ہوا۔[24]

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ قمر الدین خاں نے اپنے بیٹے معین الدین خاں کو اس خوف سے بھیجا تھا کہ محمد خاں بنگش جو علی محمد خاں کی سفارشیں کر رہا ہے، کہیں افغان ہونے کے رشتے سے اس کی مدد پر آمادہ نہ ہو جائے اس لیے جب تمام سفارتی مشن ناکام ہو گئے اور معین الدین خاں فوجی کمک کے ساتھ گڑھ مکتیسر پر گنگا کے کنارے آ گیا تو نواب محمد خاں بنگش نے علی محمد خاں کو ہدایات بھیجیں۔'' اس وقت روپیہ کا خیال نہ کرنا۔ آدمی اور روپیہ کی فراہمی کا انتظام کیجیے۔ اپنے سب آدمیوں کو سب جگہ سے بلا کر ایک ناکہ پر تعینات کرنا چاہیے کوئی غنیم یا مخالف زمین کو اُٹھا کر نہیں لے جا سکتا۔ جب دشمن پسپا ہو جائے تو تھانجات بدستور قایم ہو سکتے ہیں۔ اگر فوج جابجا منتشر رہے گی تو کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتا۔ اگر فوج کے ایک گروہ کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شکست ہوگئی تو باقی سب بیدل ہو جائیں گے۔ میں نے ان سب امور کا تجربہ کر لیا ہے۔[25]

اقبال حسین عزیز القطب کے حوالے سے لکھتا ہے کہ ''راجا ہرنند اور علی محمد خاں کے درمیان تصفیہ ہو گیا اور علی محمد خاں نے دو ضمانتیوں کی موجودگی میں یہ وعدہ بھی کر لیا تھا کہ وہ آئندہ لوٹ مار نہیں کرے گا لیکن اُن تمام زمینداروں نے جن کی املاک پر علی محمد خاں نے پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا، اس صلح کی مخالفت کی۔ راجا نے معاہدہ توڑ دیا اور تلوار سے تصفیہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔''[26]

راجا ہرنند کافی فوج، توپخانہ اور بہترین جنگی ساز و سامان سے آراستہ ہو کر مراد آباد کا عامل بن کر آیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا لڑکا موتی رام بھی تھا۔ عبدالنبی خاں (حاکم بریلی) اور اس کا بھائی دلیر خاں ابن سنجر خاں ملیح آبادی بھی اس کے مددگار تھے۔[27] نرپت سنگھ زمیندار پیپلی، راجا کھیم کرن زمیندار رتن گڑھ اور سادات سرسی وغیرہ اس کی مدد کو آ گئے تھے۔[28] لیکن راجا ہرنند نے نواب علی محمد خاں کی صلح کی کوشش کو ٹھکرا دیا۔ اسے اپنی فوج کی تعداد اور بہتر سامان جنگ پر گھمنڈ تھا۔ اور جنگ میں فتح کا یقین تھا۔ اُسے عبدالنبی خاں نے مشورہ دیا تھا کہ وہ اس کی آمد کا انتظار کرے لیکن اس نے نہ عبدالنبی خاں کا انتظار کیا اور نہ معین الدین خاں کی کمک کا جو اس وقت گڑھ مکٹیشر پر خیمہ زن تھا۔ وہ اپنی فوج لیکر ارل ندی کے کنارے موضع اصالت پور جرآئی (Sarkar vol i, p 28، نم الغنی کے بقول اصالت پور جارئی پرگنہ بلاری) آ گیا۔

نواب علی محمد خاں کے پاس سوائے جنگ کے کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس نے چار ہزار فوج حافظ رحمت خاں کی قیادت میں ہراول دستے کے طور پر پہلے روانہ کی۔[29] اس کے بعد وہ خود آنولہ سے 8 مارچ 1742ء کو بارہ ہزار فوج لیکر روانہ ہوا۔[30] داہنے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بازو پر دوندے خاں اور پائندہ خاں، بائیں بازو پر صدر خاں اور ساقۂ لشکر (لشکر کے پیچھے یا درمیان میں) پر بڈو خاں اور شہامت خاں کو رکھا۔ بشارت خاں (چچا اور سسر نواب نجیب الدولہ)، راجا بسولی اور راجا مدکر کو ہر طرف کی خبر گیری کے لیے مقرر کیا۔[31] نواب علی محمد خاں نے ایک بار پھر مصالحت کی کوشش کی لیکن راجا ہرنند نے مصالحت سے صاف انکار کر دیا۔[32]

اس جنگ میں راجا ہرنند اروڑہ (یا کھتری)، اس کا لڑکا موتی رام (یا موتی لال) اور دلیر خاں روہیلوں کے ہاتھوں مارے گئے۔[33] عبد النبی خاں جو راجا ہرنند کی مدد کو آرہا تھا اسے راستے میں ہرنند کی شکست اور اپنے بھائی دلیر خاں کی موت کی خبر ملی۔ وہ انتقام کی آگ میں علی محمد خاں سے آمادۂ جنگ ہوا اور مارا گیا۔[34]

یہ جنگ مالی اعتبار سے نواب علی محمد خاں کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوئی اور سیاسی اعتبار سے بھی اس کا نام فتح مندوں میں مشہور ہو گیا۔ کافی ساز و سامانِ جنگ توپخانہ وغیرہ اس کے ہاتھ لگا۔ اس کی فوجی طاقت میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ اس نے وقت ضائع کیے بغیر مراد آباد، بریلی، شاہ جہاں پور، شاہ آباد کلاں اور سنبھل پر قبضہ کر کے اپنے عامل مقرر کر دیے۔ دیس پت بنجارے کو شکست دیکر پیلی بھیت پر قبضہ کر لیا اور اُسے حافظ رحمت خاں کی جاگیر میں دے دیا۔[35] اپنے اطراف کی بیشتر املاک پر قبضہ کر کے ''وہ ہندوستان کا شیر شاہ یا اسلام شاہ بننے کے خواب دیکھنے لگا''۔[36]

راجا ہرنند کی شکست سے دہلی دربار کے امراء، بادشاہ اور خصوصاً وزیر قمر الدین خاں چونک اُٹھے۔ قمر الدین خاں نے جنگ کی بجائے سیاسی طور پر اس مسئلہ کو حل کرنے کی غرض سے اپنی پالیسی کو یکسر بدل دیا۔ اُس نے معین الدین خاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(میر منّو) کے پاس، جواس وقت گڑھ مکٹیشر میں تھا، اپنی خفیہ ہدایات بھیجیں جس میں غالباً صلح پر زور دیا گیا ہوگا۔

نواب علی محمد خاں بھی بدلتے ہوئے حالات اور مستقبل میں پیش آنیوالی مشکلات سے پوری طرح آگاہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وزیر قمر الدین خاں عمدۃ الملک امیر خاں کی طرح کمزور منصب دار نہیں ہے۔ اس کی انتقامی کارروائی کا مقابلہ وہ باوجود ایک طاقتور فوج کے نہیں کرسکتا''۔ اُس نے بیش قیمت تحفے معین الدین خاں اور اس کی ماں شولاپوری کی خدمت میں بھیجے جو اس وقت معین الدین خاں کے ساتھ تھی اور دارانگر میں خیمہ زن تھی اور اطاعت گزاری اور معافی کی عرضی قمر الدین خاں کو بھیجی۔ وہ خود بھی تحائف لیکر معین الدین خاں کی قدم بوسی کو حاضر ہوا اور اعتماد الدولہ قمر الدین کی اطاعت کا اعتراف کیا۔ گنگا کے درمیان کشتی میں ملاقات ہوئی۔ اس نے اپنی لڑکی کا اس کے بھائی میر صدر الدین ابن قمر الدین سے نکاح کر دیا۔ معین الملک (معین الدین خاں) مصالحت کے بعد دہلی چلا گیا اور نواب علی محمد خاں اطمینان سے آنولہ آ گیا۔[37]

ہرنند کے قتل پر سرکار تبصرہ کرتا ہے: ''اصولی طور پر قمر الدین خاں کو چاہئے تھا کہ وہ نواب علی محمد خاں کو سخت سزا دیتا جس نے اس کے ایجنٹ (راجا ہرنند) کو قتل کر کے ضلع بریلی، مراد آباد، ہردوئی اور بدایوں کے کچھ حصوں پر قبضہ کرلیا تھا لیکن اس نے علی محمد خاں سے صلح کر لی تا کہ دہلی دربار میں اپنے ایرانی گروپ (صفدر جنگ اور امیر خاں) کے خلاف روہیلہ طاقت کا استعمال کر سکے۔ سزا دینے کے بجائے غیر اصول قمر الدین خاں نے علی محمد خاں کے نام مقبوضہ جاگیروں کے محصولات وصول

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرنے کی سند بادشاہ سے دلا کر اس کے ناجائز قبضہ کو جائز بنا کر قانونی شکل دیدی اور مقررہ زرِ سالانہ کے عوض اس کا قبضہ بحال رکھا اور اسکی حیثیت قانونی گورنر کی ہوگئی۔"[38]

قمرالدین خاں کی سیاسی پشت پناہی اور شاہی سند یافتہ ہونے کے بعد اس کے حوصلے اتنے بلند ہو گئے کہ اس نے کماؤں کے میدانی علاقوں اور ضلع بجنور کے تمام علاقوں پر قبضہ کرلیا۔[39]

اس وقت ہندوستان کے سیاسی حالات روہیلوں کی ترقی کے لیے سازگار تھے۔ اور خوش قسمتی ان کے قدم چوم رہی تھی۔ نادرشاہ کے حملے (1739) نے دہلی حکومت کو فوجی، معاشی اور انتظامی معاملات میں جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور اس موقع کا بھرپور فائدہ اُٹھانے کے لیے نواب علی محمد خاں کے قدم تیزی سے اپنے اطراف میں بڑھنے لگے۔ اس نے نہ صرف امیر خاں کی جاگیرات پر قبضہ کرلیا بلکہ وہ وزیر قمرالدین خاں کی جاگیرات پر بھی قبضہ کرنے لگا۔ امرائے دہلی بے طاقت ہو کر اُسے دیکھتے رہے اور وہ اپنی فتوحات کے سلسلہ کو آگے بڑھاتا رہا۔

علی محمد خاں بذات خود نووارد روہیلہ نہیں تھا لیکن اس کے علاوہ تمام سردارانِ روہیلہ علاقۂ ردہ سے نئے خون، نئے جوش اور بلند حوصلے کے ساتھ اس علاقہ میں آئے تھے۔ نادرشاہ نے افغانستان کے علاقوں پر قبضہ کر کے افغانوں کو مجبور کردیا تھا کہ وہ تلاشِ معاش میں ہندوستان کا رُخ کریں. کٹھیر میں نواب علی محمد خاں کے اقتدار اور ترقی کی خبریں ان کو برابر مل رہی تھیں۔ اس لیے وہ بڑی تعداد میں نواب علی محمد خاں کے پاس آگئے تھے۔ 18ویں صدی کے ابتدائی آنے والے روہیلوں میں بے پناہ طاقت، حوصلہ اور ملک کو تسخیر کرنے کی امنگ تھی۔ انہیں کٹھیر میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نہ صرف مستقبل کی عظیم عمارت کی بنیاد ڈالنا تھی بلکہ اس کا تحفظ کرنا بھی تھا تا کہ وہ اس علاقے میں لودی اور سوری خاندان کی عظمت کو بحال کر سکیں اور اپنے لیے مستقل ذریعہ معاش کا بندوبست کر سکیں۔

اس دور کے روہیلوں کی فوج، فن صف آرائی (Strategy) داؤں گھات، (Stratagem) جدید اسلحہ کا استعمال، لایق قیادت اور پیدائشی فوجی ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے روہیلوں کے بارے میں سرکار لکھتا ہے: ''اس دور کے سیاسی حالات بڑی حد تک روہیلوں کے حق میں سازگار تھے۔ نادر شاہ کی فتح نے نہ صرف انہیں ایران سے نکال دیا بلکہ افغانوں کے ملک پر بھی قبضہ کر لیا۔ قندھار کے صوبہ میں معاشی بدحالی، بیروزگاری اور غلامی کے باعث افغانوں، روہیلوں یا پہاڑی باشندوں کو گروہوں کی شکل میں تلاش معاش لیے ہندوستان آنا پڑا۔ جہاں کٹھیر میں ان کے ہم وطن ان کے خیر مقدم کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ علاقہ خیبر کے آفریدی بھی آ گئے اور 1742 تک علی محمد خاں کے پاس تیس چالیس ہزار ریگولر آرمی ہو گئی۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں پہلے سے آباد روہیلہ بھی اس کی فوج میں شامل ہو گئے۔ ان کی ملٹری آرگنائزیشن اور ان کی نسلی فطرت کو چشم دید گواہ آنند رام مخلص نے اپنی ڈائری میں بیان کیا ہے[40]''۔

''اس کی فوج کا عجیب رسم ہے۔ ہر سوار اور پیادہ کے پاس بندوق ہے اور ہر ایک دہ باشی (دس فوجی کمانڈر) اور صد باشی (سو فوجی کمانڈر) کا اپنا الگ الگ رنگ کا نشان ہے۔ (یہ نشان بندوق کے سروں پر رنگین کپڑا باندھ کر پیدا کیا جاتا تھا)۔ جب یہ فوج حرکت کرتی ہے تو لگتا ہے جیسے کوئی گلستاں چل رہا ہو[41]''

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

18ویں صدی کی ابتداء ہندوستان میں فوجی اعتبار سے انقلاب لے کر آئی۔اورنگ زیب کے عہد میں قیامت خیز تباہی مچانے والا عظیم توپ خانہ جس نے اسکی فتوحات میں کلیدی کردار ادا کیا تھا اب داستانِ ماضی بن چکا تھا۔جن توپوں کے وزنی گولے ہر چیز کو سامنے سے ہٹادیا کرتے تھے اب کبھی کبھی اور کہیں کہیں کام کے لایق رہ گئے تھے۔ بندوق چلانے کا فن (Musketry) جدید جنگی ٹیکنیک بن گئی تھی۔ نادر شاہ نے سُرعت سے حرکت کرنیوالے بندوق بردار دستے، چاہے وہ توڑیدار بندوق (Matchlock) ہو یا اونٹوں پر رکھے ہوئے رہکلے (Swivels) کا استعمال کر کے ہندوستانیوں کو ان کی افادیت سے آگاہ کرادیا تھا۔اس کا تیزی سے حرکت کرنے والا برق انداز دستہ (Swift rushing infantry) جیت کے لیے فیصلہ کن ثابت ہو چکا تھا اور ہلکے پھلکے ہتھیاروں نے پرانی تلوار اور نیزوں پر سبقت حاصل کرلی تھی۔

روہیلوں کا پیدائشی فوجی مزاج، میدانِ جنگ میں مستقل مزاجی اور اطمینان، نشانہ بازی میں مہارت، جنگ سے پہلے مناسب جگہ کا انتخاب کرنا، شبخون (Night attack)، پنجوں کے بل بغیر آواز کے چلکر دشمن کی گھات میں بیٹھ جانا (کمین گاہ Ambuscade) اور ایک دل ہوکر آپسی صلاح مشورے سے دشمن پر اچانک بندوق کی باڑھ مارنا اور اپنے کمانڈر کے حکم کی تعمیل کرنا۔ یہ تمام خوبیاں روہیلوں میں موجود تھیں۔

ہر دستے کے سردار ایک دل اور ایک قوم کے جذبے سے سرشار تھے۔ وہ دشمن کے مقابلہ میں عہد ماضی کے راجپوتوں سے بھی زیادہ، متحد ہو جاتے تھے۔اپنے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قائد کی اپیل پر وہ بہت جلد متحد ہو جاتے۔ اگر کسی سردار پر کوئی مصیبت آجاتی تو اس کی ماں یا بیوی اپنی چادر دوسرے سرداروں کے پاس بھیج دیتی اور عورت کی مدد کی درخواست پر مدد کرنا روہیلوں کا فرض بن جاتا۔[42]

ہر لحاظ سے متحد اور مضبوط فوج کے ساتھ نواب علی محمد خاں نے کماؤں کے راجا کو شکست دے کر اپنا اثر قایم کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ اپنے والد سردار داؤد خاں کے قتل کا انتقام لینے کا جذبہ اسکے دل میں تازہ تھا۔ اتفاق سے اُسے حملہ کرنے کا بہانا بھی مل گیا۔ اس وقت راجا کلیان چند (1730-1747) کماؤں کا غیر مقبول حکمراں تھا۔ وہ کماؤں میں آباد بشٹ قوم کا شدید ترین مخالف تھا۔[43]

راجا کلیان چند نے اپنے میر منشی دولی چند گسائیں (ہمت گسائیں) کی کسی قصور پر آنکھیں نکلوالیں۔ اس نے کچھ فوج جمع کر کے راجا پر چڑھائی کی۔ کاشی پور کی جنگ میں اُسے شکست ہوئی اور وہ شکست کھا کر نواب علی محمد خاں کے پاس آنولہ آ گیا اور کماؤں پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ نواب علی محمد خاں نے الموڑے کی طرف کوچ کر دیا (1743-1744)۔

راجا نے شودیو جوشی کو تمام اختیارت دے کر ترائی کے علاقہ پر تعینات کیا۔ رام وت ادھیکاری کے سپرد ترائی اور کوٹا بھابھر کا علاقہ سپرد کیا اور خود انتظام میں مصروف ہو گیا۔[44] ''علی محمد خاں نے پائندہ خاں کو ہراول، دوندے خاں کو سپہ سالار، ملا سردار خاں کو بخشی اور فتح خاں کو امیر ساماں مقرر کیا اور روہیلوں کا غول کماؤں کی طرف چل پڑا۔''[45] گل رحمت جیسے بعد کے ماخذوں سے معلوم ہوتا ہے اس حملہ میں حافظ رحمت خاں قائد کی حیثیت سے تھے لیکن الہ یار بلگرامی کے بیان سے اس کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نواب دوندے خاں کی قبر۔ بسولی (بدایوں)

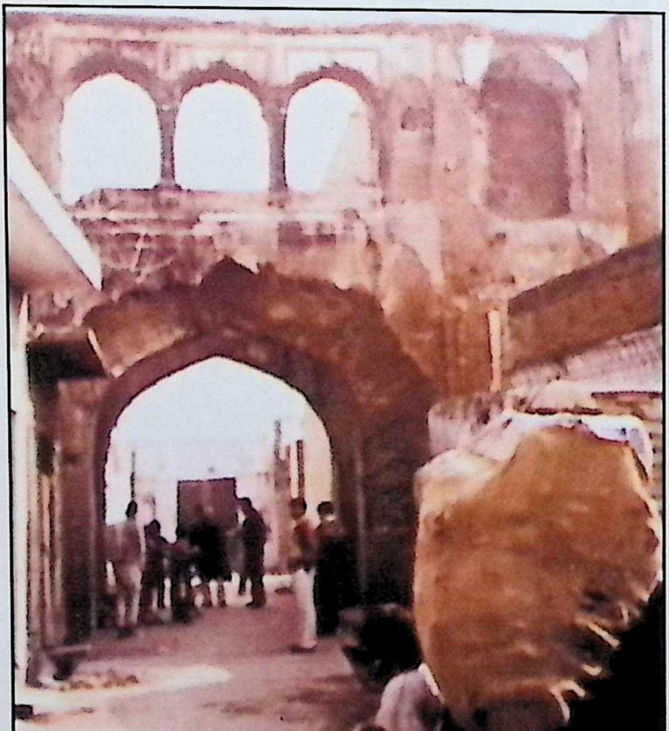

دوندے خاں کی حویلی۔ بسولی (بدایوں)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تصدیق نہیں ہوتی۔

''پائندہ خاں کی قیادت میں ہراول دستے نے کاشی پور اور رودر پور وغیرہ دامن کوہ کے علاقوں کو تاراج کیا جنہوں نے مقابلہ کیا وہ قتل اور گرفتار کیے گئے۔ جب علی محمد خاں کو خبر ملی تو اس نے حکم دیا کہ تمام فوج پیادوں کی مہیّا کی جائے اور خود اس نے گھوڑوں کو وادی میں چھوڑ کر تمام پیادوں کے ساتھ کماؤں پر قبضہ کرنے کے لیے ہمت سے قدم رکھا۔ جنہوں نے مقابلہ کیا وہ مارے گئے۔ راجا مقابلہ کی تاب نہ لاکر راجا سری نگر کی پناہ میں چلا گیا۔ بعد میں مصالحت ہوئی تو علی محمد خاں نے داؤد خاں کے خوں بہا کے عوض کافی رقم حاصل کی اور کماؤں پر اس کا قبضہ بحال کر دیا اور تین لاکھ روپیہ راجا سری نگر سے حاصل کیا اور آنولہ لوٹ آیا۔''[46]

دیگر ماخذوں کے مطابق اس مہم کا اختصار اس طرح ہے کہ شودیو روہیلوں کے ہاتھوں رودر پور میں شکست کھا کر برکھاری کے قلعہ میں آ گیا۔ روہیلوں نے برکھاری[47] اور بیجا پور (پرگنہ چاہ کھاتا بھیم تال کے نیچے) پر قبضہ کر کے منتظم مقرر کر دیے۔ راجا کماؤں نے شودیو کی مدد کے لیے کچھ فوج بھیجی۔ وجے پور میں مقابلہ ہوا اور کماؤنی فوج شکست کھا کر رام گڑھ اور پیورا کی طرف دریائے سوآل کے پار چلی گئی۔

بخشی سردار خاں اور کرم خاں اس وقت برکھاری کے قلعہ میں تھے۔ دریا کی طغیانی کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ روہیلوں نے کسی وادی میں گھوڑے چھوڑ دیے اور تمام فوج پیدل ہی پہاڑی پر چڑھ گئی۔ راستے میں کماؤنی فوج نے کئی مقام پر مزاحمت بھی کی لیکن روہیلوں کا راستہ نہ روک سکے۔ کماؤنی فوجیں پسپا ہو کر دریائے سرجو کے پار چلی گئیں۔ روہیلوں نے الموڑے کا محاصرہ کر لیا۔ راجا قلعہ سے نکل کر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھاگ گیا اور الموڑے پر روہیلوں کا قبضہ ہو گیا۔[48]

راجا کلیان چند الموڑے سے فرار ہو کر راجا گڑھوال کی پناہ میں چلا گیا۔[49] شو دیو جوشی اور ہری رام جوشی نے بھابھر کی فوج کی مدد سے گلولی (Galauli) مقام پر روہیلوں کو شکست دی لیکن یہ ان کی عارضی فتح تھی۔ روہیلوں نے لاکھن پور[50] پر قبضہ کرلیا۔ روہیلوں نے دُوارہاٹ، کٹارمل، بھیم تال وغیرہ پر قبضہ کر کے گڑھوال کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ گڑھوال اور کماؤں کی فوجیں متحد ہو کر روہیلوں سے جنگ پر آمادہ ہو گئیں۔ یہ متحد فوج مشرق کی طرف سے آگے بڑھی۔ ڈونگری اور سوار پر قبضہ کرلیا۔ لیکن روہیلہ کیرارو (Kairarau) پہنچ چکے تھے۔ روہیلوں نے اس متحد فوج کو شکست دیدی۔ اب ان کے سامنے گڑھوال کی راجدھانی سری نگر کا راستہ صاف تھا۔ مجبوراً راجا گڑھوال نے نواب علی محمد خاں کی اطاعت کرلی اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ ادا کرنے کا وعدہ کیا اور زرِ نقد بھی ادا کیا۔ راجا گڑھوال نے راجا کلیان چند کی جانب سے تین لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرنے کی ضمانت بھی لی۔[51]

الموڑے پر قبضہ کرنے کے بعد نواب علی محمد خاں نے اپنے زیرِ اقتدار علاقوں کے انتظام کی طرف توجہ کی۔ ''اس نے ڈاکہ زنی اور قتل و غارت کے ذریعہ صرف دولت حاصل کرنے کے مزاج کو ترک کر کے ایک ذمہ دار حکمراں کا طریقہ اپنا کر سونے کا انڈا دینے والی مرغی (رعیت کسان) کو ذبح نہیں کیا بلکہ اس کے تحفظ کی ذمہ داری بھی قبول کی۔ تجارت کرنے والے طبقہ اور کسانوں کو تمام سہولیات فراہم کیں اور دوسرے علاقے کے ڈاکوؤں اور فوجوں سے ان کے جان و مال کی حفاظت بھی کی۔ (کٹھیر کے) روہیلوں اور مراٹھوں کے کردار و عمل میں بنیادی فرق یہ تھا کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مراٹھا مقبوضہ علاقوں سے چوتھ وصول کر کے چلے جاتے تھے۔ (صرف ان کی محصولات وصول کرنے والی چوکیاں رہ جاتی تھیں) اور روہیلہ رعیت کے جان و مال کی حفاظت کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے۔ علی محمد خاں نے دیوانی کا اہم منصب ہندو کو دیا اور خط کتابت کے لیے بھی ہندو مُنشی (Secretaries) مقرر کیے جو اپنی لیاقت اور اطاعت اور فنِ انشا پردازی (سفارتی معاملات میں بھی) عام طور پر مشہور تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک بار علاقہ پر قبضہ کرنے کے بعد عارضی طور پر کشیدگی باقی رہتی تھی لیکن بعد میں حکمراں اور رعیت کا باہمی رشتہ خوشگوار بنا رہتا تھا۔[52]"

بن گڑھ کی مہم :- بادشاہ کی نااہلیت، فوجداروں اور امراء کی گروپ بندیوں نے نواب علی محمد خاں کو من مانی کرنے کا بھرپور موقع دیا۔ دہلی دربار کے ایرانی اور تورانی گروہ بندی کی سیاست نے روہیلوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خلاف کسی سنجیدہ تادیبی کارروائی کی مہلت نہیں دی۔ علی محمد خاں ہرنند کھتری کو شکست دیکر یہ ثابت کر چکا تھا کہ اُسے صرف شاہی حکم نامے سے برباد نہیں کیا جا سکتا اس کے لیے بادشاہ کو راجا ہرنند سے زیادہ فوجی طاقت کی ضرورت پڑے گی۔

وزیر قمر الدین خاں دو وجوہات سے روہیلوں کا خیر خواہ تھا۔ نواب علی محمد خاں نذرانے کے طور پر اُسے برابر رشوت پہنچا رہا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اُسے ایرانی گروپ (صفدر جنگ اور امیر خاں) کے خلاف ایک طاقتور اتحادی کی ضرورت تھی۔ کٹھیر میں علی محمد خاں کی ابھرتی ہوئی طاقت اسکی یہ سیاسی ضرورت بھی پوری کر رہی تھی لیکن جب الموڑا پر قبضہ کر کے راجا کماؤں اور راجا گڑھوال کو مطیع بنا کر کافی دولت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حاصل کرلی گئی تو دہلی حکومت سنجیدہ کارروائی کے لیے سوچنا پڑا لیکن فوری طور پر نواب علی محمد خاں کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کرنے سے معذور رہی۔ جبکہ علی محمد خاں نے عمدۃ الملک امیر خاں کی کٹھیر کی جاگیر پر اور خالصہ آراضیات پر مکمل طور پر قبضہ کرلیا تھا۔ امیر خاں اور صفدر جنگ متحد ہوکر تورانی گروپ کے امیر وزیر قمرالدین خاں کے اور زیادہ مخالف ہوگئے جو برابر علی محمد خاں کی سرپرستی کرکے اس کی طاقت میں روز بروز اضافہ کا سبب بنا ہوا تھا۔

"اتفاق سے صفدر جنگ کے افسرانِ جنگل (ملازم صفدر جنگ) اور نواب علی محمد خاں کے لشکریوں سے تکرار ہوگئی اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ صفدر جنگ کا داروغۂ عمارات (Suprintendent of buildings) سال کے لٹھے کاٹنے کے لیے دامن کوہ میں آیا تھا۔ نواب علی محمد خاں کے نوکر تھانے میں متعین تھے۔ ان سے لڑائی ہوگئی اور کئی آدمی دونوں طرف کے مارے گئے ملازمان صفدر جنگ مغلوب ہوکر دلّی پہنچے اور صفدر جنگ سے کہا کہ آپ کی عمارات کا سارا کارخانہ روہیلوں نے برباد کردیا۔" [53]

صفدر جنگ نے اس واقعہ کو سیاسی رنگ دیا۔ عمدۃ الملک امیر خاں، حیدر قلی خاں، صمصام الدولہ (پسر مرحوم خانِ دوراں) پرم چند کامیاب خاں، اور بیرم خاں کو ہمنوا بنا کر محمد شاہ کے حضور علی محمد خاں کی شکایت کی اور اُسے علی محمد خاں کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے پر آمادہ کرلیا۔ بادشاہ نے مالی دشواری کے پیشِ نظر عذر کیا تو صفدر جنگ نے تمام فوجی اخراجات کی ذمہ داری خود لے لی۔ "ایک لاکھ روپیہ نقد فوراً خرچ کیے اور پانچ ہزار روپیہ یومیہ خرچ کرنے کا وعدہ کیا"

(حدیقۃ الاقالیم فارسی مخطوطہ ورق 377 الف)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سیاسی طور پر یہ ایرانی گروپ کی تورانی گروپ پر فتح تھی لیکن وزیر قمر الدین خاں نے نہایت صبر وضبط اور سیاسی بصیرت سے کام لیتے ہوئے اس جنگ کے فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کر دیا اور بادشاہ کو اس بات پر بھی راضی کیا کہ وہ خود بھی اس مہم میں شرکت کرے۔ بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ قمر الدین خاں نے بڑے سلیقہ اور ہوشیاری سے صفدر جنگ سے انتقام لیا تھا۔

محمد شاہ 25 فروری 1745 کو وزیر قمر الدین خاں، صفدر جنگ، امیر خاں چن بہادر نصرت جنگ اور دیگر منصب داروں کے ساتھ بڑی شان وشوکت کے ساتھ عظیم فوج لے کر اس طرح روانہ ہوا جیسے خیموں کا شہر رینگ رہا ہو۔ سیر المتاخرین سفرنامہ مخلص، شِو پرشا اور دیگر تاریخی ماخذوں کی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ سفر قمر الدین خاں اور صفدر جنگ کے درمیان اختلاف اور دشمنی باقی رہی حالانکہ صفدر جنگ نے وقتی طور پر قمر الدین خاں سے تعلقات بحال کرنے کے لیے اس کی خیمہ پر حاضری بھی دی اور اخلاقی طور پر قمر الدین خاں بھی صفدر جنگ سے ملنے اس کے خیمہ پر گیا تھا۔ لیکن اندرونی طور پر وہ ایک دوسرے کی مخالفت پر کمر بستہ تھے۔

ہنڈن ندی عبور کر کے بادشاہ 13 صفر 1158 ہجری (5 مارچ 1745) کو لونی پہنچا اور فرحت افزا باغ میں تین ہفتہ تک قیام کیا۔ (سفرنامہ مخلص 24) اسی جگہ اُس نے جنگ پر مشورے کی لیے مجلس (War Council) منعقد کی اور صفدر جنگ کو شاہی فوج کے ہراول دستہ (Vanguard) کا قائد بنایا۔ (سفرنامہ مخلص 25)

شاہی فوج کی آمد کی خبر پا کر علی محمد خاں نے قایم خاں بنگش سے مشورہ کیا جو قمر الدین خاں کا معتمد تھا اور علی محمد خاں کا ہمدرد بھی تھا۔ قایم خاں نے اُسے مشورہ دیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہ وہ معاملات پر ٹھنڈے دماغ سے سوچے اور آنولہ میں قیام کرے۔اس نے اس معاملہ میں مدد کرنے کا بھی یقین دلایا۔علی محمد خاں نے آنولہ کے پرانے قلعہ کی مرمت کا کام شروع کرادیا۔

18 مارچ 1745 کو بادشاہ مع فوج کے لونی سے روانہ ہوا۔ڈاسنہ، ہاپوڑ اور بکسر ہوتا ہوا 2 اپریل کو گڑھ مکتیشر پہنچا علی محمد خاں آنولہ کے قلعہ کی مرمت کا کام ترک کر کے بنگڑھ کی طرف روانہ ہوا[54]۔ کیونکہ یہ قدرتی پناگاہ گھنے جنگلوں کی وجہ سے زیادہ محفوظ مقام تھی۔ بادشاہ گنگا پر پل بنا کر گنگا عبور کر کے پرگنہ گنور میں خیمہ زن ہوگیا۔گنگا کے پل پر ہی فریدنگر کا زمیندار بادشاہ کی خدمت میں فوجی دستہ کے ساتھ حاضر ہوا تھا (مخلص 24-25)۔ 9 ربیع الاول 1158ھ (31 مارچ 1745) کو جبکہ بادشاہ شہباز پور[55] میں خیمہ زن تھا، قایم جنگ کے ذریعہ علی محمد خاں کی عرضی بادشاہ کے حضور پیش کی گئی جس میں علی محمد خان نے معافی طلب کی تھی۔ (مخلص 32) لیکن کسی وجہ سے بادشاہ نے عرضی پر توجہ نہیں کی۔

مخلص ایک واقعہ بیان کرتا ہے جس سے فوج کی بدنظمی اور فوجیوں کی لوٹ مار کی ذہنیت کا اندازہ ہوتا ہے۔وہ لکھتا ہے کہ ''جب بادشاہ شہباز پور میں مقیم تھا اس وقت صفدر جنگ کی فوج سے متعلق قزلباش فوجیوں نے لوٹ مار شروع کردی۔کھڑی فصلوں کو برباد کردیا۔ جانوروں کو پکڑ لیا۔ جب وزیر قمر الدین خاں کو اطلاع ہوئی تو اس نے بادشاہ سے شکایت کی۔بادشاہ نے صفدر جنگ پر الزام لگایا کہ اُس نے فوج کو لوٹ مار کے لیے آزادی دے رکھی ہے۔صفدر جنگ نے لوٹ مار روکنے کا حکم دیا اور اس قدر غصہ ہوا کہ کچھ قزلباش فوجیوں کو مار ڈالا گیا (مخلص 34)۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صفدر جنگ کو مالی طور پر زیر بار کرنے کے لیے قمرالدین خاں نے دانستہ طور پر فوج کی رفتار کو سست رکھا۔ 17 ربیع الاول 1158 ہجری (8 اپریل 1745) کو بادشاہ نے شہباز پور سے کوچ کیا اور حسن پور کے قریب خیمہ زن ہوا۔ 19 ربیع الاول (10 اپریل) کو اسے اطلاع ملی کہ علی محمد خاں نے اپنی فوج کو گولہ بارود تقسیم کیا ہے اور ایک ہزار پانچ سو بکتر تقسیم کیے ہیں (مخلص 36)۔'' 22 ربیع الاول 1185 ہجری (13 اپریل 1745) کو محمد شاہ حسن پور میں تھا، اسے اطلاع ملی کہ علی محمد خاں نے قایم خاں بنگش کے جماعدار شجاعت خاں کے ہمراہ اپنے خاندان اور مال و دولت کو مئو بھیج دیا ہے اور خود آنولہ میں ٹھہر گیا ہے۔ لشکر شاہی کی آمد کا حال سن کر بہت سے فوجی اور عوام بدایوں کی طرف آوارہ گردوں کی طرح گھوم رہے ہیں اور جو کوئی فوج میں باقی رہ گیا ہے وہ اپنی جان بچانے کی فکر میں ہے۔'' (مخلص 40-41)

25 ربیع الاول (16 اپریل) کو بادشاہ سنبھل کی طرف روانہ ہوا۔ سنبھل پہنچا تو نواب قایم خاں بنگش اپنی فوج کے ہمراہ شاہی فوج میں شامل ہو گیا۔ یکم ربیع الثانی (22 اپریل) کو محمد شاہ بن گڑھ کی طرف روانہ ہوا۔ 5 ربیع الثانی (26 اپریل) کو عمدۃ الملک (امیر خاں) اور نواب قایم جنگ (قایم خاں بنگش) وزیر الممالک (قمرالدین خاں) کے خیمہ میں گئے۔ باہمی مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ علی محمد خاں کے معتمد کو طلب کر کے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ وہ صلح پر آمادہ ہے یا جنگ کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ جنگ سے گریز کرے تو اچھا ہے اس سلسلہ میں بات کرنے کے لیے جماعدار عاقل بیگ (صفدر جنگ کا ملازم) اور ایک شخص جماعدار قایم خاں بنگش علی محمد خاں کے حضور میں بھیجا گیا (مخلص 45)۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپاہیوں کی تھی۔علی محمد خاں کی فوج کو کمزور کرنے کے لیے بادشاہ کی طرف سے علماء کا فتویٰ تقسیم کیا گیا جس میں بادشاہ کے خلاف لڑنے والے کو گنہگار بتایا گیا تھا۔[63]

مخلص کے بیان کے مطابق یکم جمادی الاول (21 مئی 1745) کو علی محمد خاں نے قایم خاں بنگش کی معرفت بادشاہ کی اطاعت اور معافی کی درخواست کی تھی جس پر بادشاہ، قمر الدین خاں اور صفدر جنگ نے غور کیا تھا۔ تیسرے دن ایک اور عرضی بادشاہ کی خدمت میں پیش کی گئی جس میں علی محمد خاں نے اس بات کا خدشہ ظاہر کیا تھا کہ کہیں بادشاہ کی فوج اس کے قلعہ میں گھس کر لوٹ مار نہ کرے۔ بادشاہ نے جالنش خاں (یا جالش خاں) کو قلعہ بن گڑھ کی حفاظت پر تعینات کر دیا جس نے بن گڑھ کے قلعہ کے برجوں پر شاہی علم لگا دیئے تھے۔''الہ یار بلگرامی لکھتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ علی محمد خاں ہاتھی پر سوار ہونے کے لیے خیمہ سے نکلا۔ سفید رنگ، فربہ قد، چھریرا بدن، تین انگشت سیاہ داڑھی، آنکھوں میں سرمہ، سفید پوشاک، پروقار اور تمکنت کے ساتھ آگے بڑھا۔ اس کے چہرے پر کسی خوف کے آثار نہیں تھے۔ وہ قایم خاں بنگش کے خیمہ پر آیا۔ اس کے ساتھ قایم خاں بنگش کا بھائی بھی تھا۔''[64]

علی محمد خاں کے ساتھ جو تھوڑی سی فوج تھی وہ قایم خاں بنگش کے خیمہ پر رک گئی۔ صرف چند سو سواروں کے ساتھ وہ وزیر قمر الدین خاں کے خیمہ پر آیا جہاں صفدر جنگ کے حکم سے احمد زماں خاں بہادر طالب جنگ اور محمد عطا خاں بہادر نے اس کا استقبال کیا۔ قمر الدین خاں کا لڑکا انتظام الدولہ خیمہ میں لے گیا۔ علی محمد خاں نے ایک سو اشرفیاں وزیر قمر الدین خاں کی خدمت میں نذر کیں۔ قمر الدین خاں نے اُسے عزت سے بٹھایا اور اس کے لڑکوں عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کو میوہ پیش کیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"سہ پہر کے وقت قمر الدین خاں علی محمد خاں کی ساتھ ہاتھی پر سوار ہوا اور بادشاہ کے خیمہ سے پہلے ہاتھی سے اتر کر پالکیوں میں سوار ہو کر گلال باری سے گزر کر اندر آئے۔ اس دن گلال بادی کو بادشاہ کے حکم سے خوب سجایا گیا تھا۔ سُرخ دارائی کی چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہر طرف لگی ہوئیں تھی۔ گلال باری سے دیوانِ خاص (بادشاہ کا خیمہ) تک دونوں طرف توپوں کو کھڑا کیا گیا تھا اور ان پر بھی سُرخ رنگ کی جھنڈیاں لگائی گئی تھیں۔

قمر الدین خاں اور علی محمد خاں کی آمد کی خبر پا کر بادشاہ زنانے سے (زنانہ خیمہ سے) باہر آیا اور دیوانِ خاص کی سنہری مسند پر بیٹھ گیا۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق نواب علی محمد خاں کے ہاتھوں کو انتظام الدولہ نے رومال سے باندھ کر بادشاہ کے حضور حاضر کیا۔ بادشاہ نے اس کی خطائیں معاف کردیں۔ اس کے ہاتھ کھول دیے گئے۔ علی محمد خاں آداب بجالایا اور بادشاہ کو ہزار اشرفیاں نذر کیں۔ بادشاہ نے اسے فی الحال قایم خاں بنگش کی سپردگی میں دے دیا۔ بادشاہ نے اسے یارِ وفادار و ہمدل تہدان کا خطاب دیا۔ حالاں کہ قمر الدین خاں نے بن گڑھ قلعہ کی حفاظت کے لیے جانش خاں کو بھیج دیا تھا لیکن جیسے ہی علی محمد خاں بادشاہ کی خدمت میں آیا بادشاہ نے فرید الدین خاں پسر عظمت اللہ خاں مرحوم (ناظم مراد آباد) کو حکم دیا کہ قلعہ بن گڑھ کو برباد کر دیا جائے اور روہیلوں کے توپخانے پر قبضہ کرلیا جائے۔ برسات شروع ہونے سے پہلے بادشاہ نے دلّی پہنچنے میں عجلت دکھائی۔ وہ 23 جون 1745 کو دلّی پہنچا۔[65]

بنگڑھ کی مہم ہمفدر جنگ کے لیے مایوس کن ثابت ہوئی۔ مالی اعتبار سے اسے نقصان ہوا اور سیاسی اعتبار سے قمر الدین خاں کی بالادستی قایم رہی۔ اسے چند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ٹھہرایا تھا۔ روہیلوں کی طاقت بھی کٹھیر میں برقرار رہی۔ اس نے کئی بار علی محمد خاں کو اپنی نگرانی میں لینے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ روہیلے بھی دلّی میں داخل ہونے لگے۔ اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں روہیلہ علی محمد خاں کو چھڑا کر واپس نہ لے جائیں صفدر جنگ نے بادشاہ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اشتہار کے ذریعہ روہیلوں کا دلّی میں داخلہ ممنوع قرار دیدے۔ اس پابندی کے بعد بھی روہیلہ کسی نہ کسی راہ سے دلّی میں داخل ہونے لگے۔ بنگڑھ کی مہم کے چھ مہینے کے دوران ہی روہیلہ سردار جیسے حافظ رحمت خاں وغیرہ نے یا تو خود یا وزیر (قمرالدین خاں) کے اشارے پر قادر چوک (بدایوں) میں جمع ہوئے اور علی محمد خاں کو رہا کرانے کا فیصلہ کیا۔ تقریباً سات ہزار روہیلہ جمع ہو گئے تھے۔

روہیلے گنگا اور جمنا عبور کر کی دہلی پہنچنے لگے۔ چار پانچ ہزار روہیلے چار باغ میں جمع ہو گئے جہاں علی محمد خاں موجود تھا اور اس کے دونوں بیٹے عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں بطور یرغمال انتظاالدولہ پسر قمرالدین خاں کے توشہ خانہ میں عزّت سے رہ رہے تھے۔ صفدر جنگ کی خواہش تھی کہ علی محمد خاں اور ان کی بیٹوں کو اس کی نگرانی میں رکھا جائے لیکن وزیر قمرالدین خاں نے انہیں اپنی نگرانی میں رکھ کر صفدر جنگ کو سیاسی شکست دیدی۔ جب قمرالدین خاں کو دہلی میں روہیلوں کی آمد کی خبر ملی تو اس نے بادشاہ کو خبردار کیا کہ جب تک علی محمد خاں دہلی میں ہے روہیلہ فساد برپا کرتے رہیں گے اس لیے اُسے سرہند کی چکلہ داری[68] پر تعینات کر دیا جائے جہاں کے سرکش زمیندار سر اٹھا رہے ہیں۔ حالانکہ صفدر جنگ اس تجویز سے متفق نہیں تھا پھر بھی علی محمد خاں کو سرہند کی چکلہ داری پر بھیج دیا گیا جو پانچ ہزار مغلوں کی تنخواہ میں تھا۔[69]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

''سرہند پہنچ کر نواب علی محمد خاں نے حافظ رحمت خاں، دوندے خاں، پڈو خاں سردارانِ روہیلہ کے علاوہ جمال خاں رئیس مالیر کوٹلہ اور پٹیالہ کے آلا جاٹ کی مدد سے بھارامل والئی رائے پور پر حملہ کر کے اسے شکست دے دی جو سرہند کا سب سے سرکش زمیندار تھا۔ اس کو شکست دے کر جوت پور کے زمیندار نکاہی مل پر حملہ کر کے اسے شکست دی۔ چکراوان کے رائے کلاّ پر حملہ کیا۔ رائے نے ایک بڑی رقم دے کر اطاعت کر لی۔''[75]

سرہند کی فتوحات سے علی محمد خاں نے یہ ثابت کر دکھایا کہ یہ اس کی وقتی مجبوری تھی کہ اس نے محمد شاہ جیسے بادشاہ کے سامنے سر جھکا دیا ورنہ فتح مندی اس کی ٹھوکر میں ہے۔ دہلی دربار میں اس کی شجاعت کے چرچے ہونے لگے اور روہیلوں کو ایک بار پھر متحد ہونے کا موقع مل گیا۔ روہیلہ کٹھیر چھوڑ کر سرہند میں داخل ہونے لگے یہاں تک کہ علی محمد خاں کے پاس بیس پچیس ہزار روہیلہ فوج ہو گئی۔ روہیلوں کی کھوئی ہوئی عظمت لوٹ آئی اور بہت سا مالِ غنیمت بھی ہاتھ آ گیا۔ قمر الدین خاں بھی خوش ہو گیا کہ علی محمد خاں کو سرہند کی چکلہ داری پر بھیجنے کی اس کی تجویز کا نتیجہ بہتر نکلا۔ بادشاہ بھی قمر الدین خاں کو پسند کرنے لگا۔

علی محمد خاں کے سرہند جانے کے بعد کٹھیر کے حالات بگڑتے ہی چلے گئے اور اس کی وجہ امرائے دہلی کی آپسی رنجش تھی کیونکہ شیخ قطب الدین (معین الدین خاں کا بیٹا) کٹھیر پر اپنا موروثی حق سمجھتا تھا۔ اس کا مورث اعلیٰ شیخ عظمت اللہ خاں و شیخ زادگان لکھنؤ) عہد فرخ سیر سے اپنی موت (1737) تک فوجدار مراد آباد کے عہدے پر فائز رہا تھا اور اس کا بڑا لڑکا معین الدین خاں کچھ عرصہ تک بریلی کا ناظم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رہا تھا۔ عظمت اللہ خاں کی موت کے بعد میر احمد کو فوجدار مراد آباد بنایا گیا تھا اور جب علی محمد خاں نے اس علاقہ پر قبضہ کرلیا تھا تب قمر الدین خاں کی سفارش پر محمد شاہ نے کٹھیر کی سند نواب علی محمد خاں کو دیدی تھی۔ 1745 میں یہ عہدہ عظمت اللہ خاں کے دوسرے بیٹے فرید الدین خاں کو دیا گیا تھا۔ اس کا بھانجا شیخ قطب الدین چھجلیٹ (ضلع مراد آباد) میں غربت کی زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنا خاندانی وقار بحال کرنے کے لیے عہدہ فوجداری پر تعینات ہو جائے۔ اس لیے اس نے ہدایت علی خاں کے بریلی پہنچنے میں مداخلت کی لیکن ہدایت علی خاں نے ڈپلومیسی اور فوجی طاقت کے ذریعہ قطب الدین خاں کو اس کے مٹی کے قلعہ میں ہی اسیر ہونے پر مجبور کر دیا۔ بعد میں وہ ہدایت خاں کی نوکری میں آ گیا تھا۔

ہدایت علی خاں نے پاس پڑوس کے بیروزگار روہیلوں کو بھی ملازم رکھ لیا تاکہ وہ ان کے ہم قبیلہ روہیلہ سرداروں کو قابو میں رکھ سکے۔ لیکن اس کی ڈپلومیسی اور فوجی طاقت روہیلوں کو قابو میں نہیں رکھ سکی۔ وہ دھیرے دھیرے متحد ہوتے رہے اور اس موقع کے منتظر رہے کہ کب ہدایت علی خاں کو بریلی سے بھگایا جائے۔

نواب علی محمد خاں سرہند میں اپنی طاقت بڑھاتا رہا اور کٹھیر پر دوبارہ قبضہ کرے کی نیت سے فوجی ساز و سامان مہیا کرتا رہا۔ جب 1748 میں لاہور پر ابدالی نے قبضہ کرلیا اور دہلی کی جانب کوچ کرنے کی خبر دہلی پہنچی تو علی محمد خاں کو کٹھیر پر دوبارہ قبضہ کرنے کا موقعہ مل گیا۔ وہ بغیر شاہی اجازت کے کٹھیر آ گیا۔ (اقتدار حسین بحوالہ رستم بجنوری 179)

علی محمد خاں سرہند سے واپس آیا اور کٹھیر اور دوآب کے علاقوں کو جیت لیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مختلف تاریخی ماخذوں کی روشنی میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ علی محمد خاں نومبر 1784 میں سہارن پور بوڑیہ کی راہ سے کنج پورہ سے جمنا اور چاندی گھاٹ سے جمنا عبور کر کے دوآب میں تیس چالیس ہزار فوج کے ساتھ داخل ہوا۔ صفدر جنگ کی جاگیرات دھام پور نگینہ اور شیر کوٹ پر قبضہ کیا اور چوکیاں قایم کر کے بجنور پر قبضہ کرلیا۔ راجا چتر بھوج فوجدار مراد آباد (جو فریدالدین خاں کی جگہ مراد آباد کا فوجدار مقرر ہوا تھا) کو شکست دے کر مراد آباد پر قبضہ کیا۔ ٹھاکر مہندر سنگھ زمیندار ٹھاکردوارہ (ضلع مراد آباد) اور دیگر زمینداروں کو معزول کر کے اپنے عامل مقرر کیے۔[71] اس نے امروہہ پر بھی قبضہ کرلیا اور سنبھل میں بھی عامل مقرر کردیے۔

علی محمد خاں جب بریلی کے قریب آیا تو ہدایت خاں فوجدار بریلی نے مزاحمت کرنے کا ارادہ کیا لیکن قطب الدین محمد خاں نے اُسے سمجھایا کہ مقابلہ نہ کرے۔ اس وقت مصنف سیر المتاخرین غلام حسین بھی اپنے باپ کے ساتھ موجود تھا۔ ''والد کے ملازم فوجیوں نے جو زیادہ تر روہیلہ اور علی محمد خاں کے اقربا تھے، والد (ہدایت علی خاں) سے منحرف ہو گئے اور والد کی حویلی کو جو قلعہ بریلی میں واقع تھی تنخواہ نہ ملنے کے باعث گھیر لیا۔''[72]

علی محمد خاں بریلی سے بیس میل کے فاصلہ پر تھا کہ اس کی آمد کی خبر سن کر روہیلہ اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے ہل چھوڑ کر توڑے دار بندوقیں اٹھالیں اور مجبوراً ہدایت علی خاں کو دہلی واپس جانا پڑا۔[73] اس طرح علی محمد خاں نے شاہجہاں پور (چند محالات) پیلی بھیت اور ترائی کے علاقوں پر قبضہ کرنے کے علاوہ قمرالدین خاں، صفدر جنگ اور خالصہ زمینوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ اور آنولہ مرکز بنا کر مستقل سکونت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اختیار کرلی۔[78]

جس وقت علی محمد خاں کٹھیر کی تسخیر میں مصروف تھا اسی زمانے میں محمد شاہ کی فوج جس میں شاہزادہ احمد شاہ، قمرالدین خاں، معین الدین خاں عرف میر منو، صفدر جنگ اور اعتماددالدولہ پسر قمرالدین خاں وغیرہ ابدالی سے جنگ میں مصروف تھی۔ اعتماددالدولہ جنگ میں عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کو بھی ساتھ لے گیا تھا۔ اس جنگ میں ابدالی نے شکست کھائی (مارچ 1784) لیکن وزیر قمرالدین خاں گولہ پھٹنے سے ہلاک ہوگیا۔ ابدالی بھاگتے وقت عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ قندھار لے گیا۔ قمرالدین خاں کی موت سے دلّی کی سیاست میں ایک نیا موڑ آ گیا۔ صفدر جنگ کو وزارت حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی لیکن اس عہدہ کا دوسرا دعویدار انتظام الدولہ پسر وزیر قمرالدین خاں بھی تھا۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ بادشاہ محمد شاہ کی موت ہوگئی (1748) اور احمد شاہ تخت نشین ہوگیا۔ اس میں حکمراں کی صلاحیت اور جرأت نہیں تھی۔ نہ ہی وہ دونوں امیروں میں کسی کو ناراض کرنا چاہتا تھا۔

کٹھیر میں علی محمد خاں من مانے طریقے سے اپنی فتوحات کا سلسلہ بڑھاتا رہا۔ تمام علاقہ کا معقول بندوبست کیا۔ سرداروں میں جاگیریں تقسیم کیں (رستم بجنوری نے جاگیر کی جگہ جائیداد کی اصطلاح استعمال کی ہے۔) اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سرداروں کو جو علاقہ بھی دیا جاتا تھا وہ ہمیشہ کے لیے اُسے مل جاتا تھا۔ مثال کے طور پر رستم علی نے لکھا ہے کہ حافظ رحمت خاں کو چودھا لاکھ روپے کی جائیدادیں پیلی بھیت، بریلی اور بدایوں کے محلات دیے گئے۔ دوندے خاں کو بارہ لاکھ روپے کی جائیدادیں اسد پوری بھجوئی، علی گنج وغیرہ ملیں۔ فتح خاں خانساماں کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

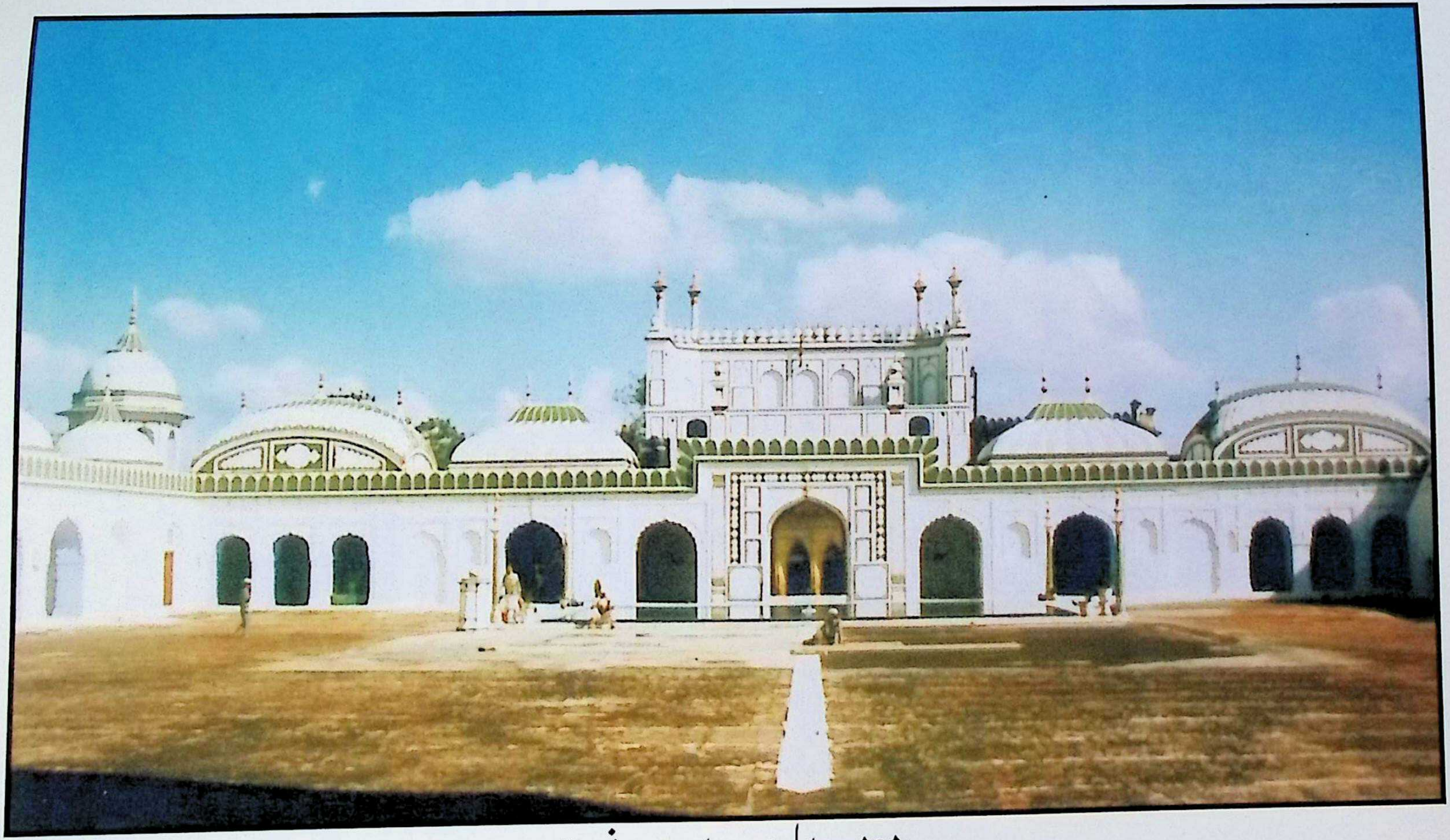

جامع مسجد پیلی بھیت کا اندرونی منظر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سات لاکھ روپے کی جائیدادیں بدایوں، منونہ وغیرہ محلات دیے گئے۔ محمد خاں پسر داؤد خاں کو برونی اور کئی دوسرے گاؤں دیے۔ اس کے علاوہ جو روہیلہ رسالہ دار تھے ان کو گاؤں دیے۔ رامپور شاہ آباد اور اجھیانی وغیر محلات کو تحصیل خاص کے لیے مخصوص کیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر بندوبست اور علاقے کی ترقی کے لیے منصوبوں پر عمل پیرا ہوا لیکن جلد ہی علالت میں مبتلا ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انتقال کر گیا (1748)۔ پانچ بیٹوں میں دو لڑکے عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں احمد شاہ ابدالی کے پاس قندھار میں تھے اور تین بیٹے سعد اللہ خاں، اللہ یار خاں اور محمد یار خاں باپ کے ساتھ رہتے تھے۔ روہیلہ سرداروں نے آنولہ میں جمع ہو کر جرگہ کیا اور متفقہ طور پر سعد اللہ خاں کو اس کے باپ کا قائم مقام تسلیم کر لیا۔[79]''

مندرجہ بالا بیان سے حافظ رحمت خاں پر نواب علی محمد خاں کی املاک غصب کرنے کے وہ تمام الزامات خود رد ہو جاتے ہیں جسکی وجہ سے اسے غاصب کہا گیا ہے۔ علی محمد خاں کے انتقال کے بعد کے حالات بیان کرتے وقت الہ یار بلگرامی لکھتا ہے ''سعد اللہ خاں کو نایب عبداللہ خاں و فیض اللہ خاں بنایا گیا اور حافظ رحمت خاں نایب مستقل سعد اللہ خاں تھا جسے عام طور پر مدار المہام یا سرپرست لکھا گیا ہے۔ دوندے خاں سپہ سالار، ملاّ سردار بخشی اور فتح خاں خانساماں۔ ''بدستور اپنے عہدوں پر قایم رہے۔[80]'' لیکن شو پرشاد کا بیان زیادہ معتبر ہے کیونکہ نواب فیض اللہ خاں نے اس کے مسودہ کو دیکھا تھا۔ وہ لکھتا ہے ''علی محمد خاں نے حافظ رحمت خاں دوندے خاں، بخشی محمد سردار خاں، فتح خاں خانساماں، عبدالستار خاں، کنور سین بخشی، سید احمد شاہ، سید محمد معصوم، شیخ محمد کبیر، بڈو خاں ارکانِ دولت کے سامنے سعد اللہ خاں کو جانشین

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مقرر کیا۔ حافظ رحمت خاں کو نایب، دوندے خاں کو سپہ سالار ملاّ محمد سردار خاں کو بخشی اور فتح خاں خانساماں کو سابقہ عہدوں پر فائز رکھا اور چاروں پسر صغیر سعد اللہ خاں، محمد یار خاں، الہ یار خاں اور مرتضیٰ خاں کو تربیت اور پرورش کے لیے فتح خاں خانساماں کے سپرد کیا۔ (فرح بخش مخلوطہ ورق 17 الف حدیقتہ الاقالیم مخطوطہ ورق 378 الف)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب: تین

فصل: چار

نواب علی محمد خاں اور اُن کے کارنامے

اٹھارویں صدی کی ابتدا میں جس روہیلہ حکومت کی بنیاد کٹھیر میں سردار داؤد خاں نے ڈالی تھی اُسے ایک طاقت ور، مضبوط اور وسیع حکومت بنانے میں نواب علی محمد خان کی حوصلگی، دانشمندی، استقلال، تحمل، سیاسی تدبر اور بہادری کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اس کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ اُس نے روہیلہ سرداروں کو متحد رکھا اور دہلی دربار سے تعلق بھی قایم کیے رہا۔ داؤد خاں کے قتل کے بعد وہ یتیم اور بے سہارا ہو کر فوجدار مرادآباد نواب عظمت اللہ خاں کی پاس پہنچا تھا اور اُس سے بہتر تعلقات کی بنا پر اُس نے عمدۃ الملک امیر خاں کی جاگیرات پر آسانی سے قبضہ کرلیا تھا۔ یہ اُس کی ڈپلومیسی تھی کہ اُس نے فوجدار بریلی سے بھی تعلقات بحال رکھے۔ دہلی دربار میں امراء کی باہمی کشمکش اور اقتدار پانے کی ہوس نے کٹھیر کے سیاسی حالات کو کمزور کردیا تھا اور اسی کمزوری سے فائیدہ اٹھا کر اس نے وسیع علاقہ پر قبضہ کرلیا تھا۔

اس نے محسوس کیا کہ ملک گیری کا مقصد دہلی دربار کی پشت پناہی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ دلّی کے دو مقتدر امیروں میں وزیر قمرالدین خاں (تورانی گروپ) اور صفدر جنگ، صوبیدار اودھ (ایرانی گروپ) میں سے اُسے ایک امیر کی سرپرستی چاہیے تھی۔ مرادآباد قمرالدین خاں کی جاگیر میں تھا اور بریلی آصف جاہ (نظام) کی جاگیر تھا۔ نواب عظمت اللہ خاں فوجدار مرادآباد اس کا سرپرست و مربی تھا اور اسی تعلق کے باعث اُس نے خواجہ سر احمد صالح کو قتل کر کے منونہ اور آنولہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ ملک

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گیری کی ہوس میں اُس نے وزیر قمر الدین خاں کی جاگیرات پر بھی قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ ہم قوم ہونے کے ناطے اس نے محمد خاں بنگش اور اس کے بیٹے قایم خاں بنگش سے بھی اچھے تعلقات قایم رکھے جو دلّی کے دربار کے مقتدر اور باا ثر منصب دار تھے۔ محمد خاں بنگش ضعیفی کے باعث قایم گنج ہی میں رہتا تھا لیکن اس کا لڑکا قایم خاں بنگش دہلی دربار میں اس کی نیابت کرتا تھا۔ قایم خاں بنگش سے دوستانہ تعلق کی وجہ سے اُسے دلّی دربار کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔

جب علی محمد خاں نے راجا ہرنند اروڑا (کھتری) کو شکست دیدی (مارچ 1748) تو دلّی دربار کے منصب دار اس کی طاقت پر حیران رہ گئے۔ وزیر قمر الدین خاں جس نے راجا ہرنند کو بہترین جنگی ساز و سامان اور مضبوط فوج کے ساتھ بھیجا تھا اور اس کی کمک کے لیے اپنے بیٹے معین الدین خاں کو بھی روانہ کیا تھا جو ہرنند کی شکست کے وقت مکٹیشر کے پاس خیمہ زن تھا، اس نے اپنی پالیسی کو یکسر بدل دیا اور اُسے علی محمد خاں کی طاقت کو تسلیم کرتے ہوئے صلح کا راستہ اپنانا پڑا۔

ادھر علی محمد خاں نے بھی ڈپلومیسی سے کام لیتے ہوئے 'نذرانے' کے نام پر کافی رشوت دیکر معین الدین خاں اور قمر الدین خاں کو راضی کر کے اپنے زیر اقتدار مقبوضات کی سالانہ رقم ادا کرنے کے عوض قانونی سند حاصل کر لی۔ راجا ہرنند کے قتل کے بعد وزیر قمر الدین خاں کو راضی کرنے میں علی محمد خاں نے محمد خاں بنگش کا سہارا لیا تھا اور قایم خاں بنگش بھی اس کا ہمنوا تھا۔

کٹھیر کے بڑے علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد جب اس نے الموڑہ پر قبضہ کر لیا (1744-1743) تو ایک بار پھر دہلی دربار میں اس کا نام ہر زبان پر آ گیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاص طور سے صفدر جنگ اس کا جانی دشمن بن گیا لیکن دہلی دربار میں وزیر قمرالدین خاں اور قایم خاں بنگش سے بہتر تعلقات کی بنا پر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی البتہ جب اُس نے صفدر جنگ کے داروغہ جنگلات کا قتل کر دیا تو بادشاہ اس کے خلاف کارروائی کرنے پر مجبور ہو گیا کیونکہ عمدۃ الملک امیر خاں اس سے پہلے ہی ناراض تھا جس کی جاگیر پر وہ قبضہ کر چکا تھا۔

بنگڑھ کی مہم کے دوران وزیر قمرالدین خاں اور قایم خاں بنگش اس کے دوست اور طرفدار بنے رہے اور گرفتاری کے بعد بھی وہ قمرالدین خاں کی نگرانی میں انتظام الدولہ کے سپرد کر دیا گیا اور صفدر جنگ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ بلکہ اُسے چار ہزاری منصب پر فائز کر کی سرہند کا چکلہ دار بنا کر بھیج دیا گیا۔

سرہند کی فتوحات میں حاصل کی ہوئی دولت سے وہ اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کرتا رہا اور جنگی آلات کو بہتر بناتا رہا یہاں تک کہ جب اس کے پاس تیس ہزار فوج جمع ہو گئی اور وہ تمام روہیلے جو کٹھیر چھوڑنے کے بعد بے روزگار ہو گئے تھے ان کی بڑی تعداد اس کی فوج میں شامل ہو گئی تھی۔ اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا کٹھیر پر دوبارہ قبضہ کرنا اور شیر شاہ سوری کی طرح ہندوستان پر افغان حکمرانی قایم کرنا۔ شاید یہ مقصد بھی پورا ہو جاتا اگر اس کی زندگی وفا کرتی اور وہ بیالیس سال کی عمر میں وفات نہیں پاتا۔ کٹھیر اور دوآب کے علاقوں کو تسخیر کر کے روہیلوں کی عظمت کو قایم کرنا اور فوجی اعتبار سے روہیلوں کی شمالی ہندوستان کی سب سے اعلیٰ فوجی صلاحیت رکھنے والی قوم ثابت کرنا اس کی تیئیس سالہ قیادت اور حکمرانی کا نتیجہ تھا۔

یہ اس کی دوراندیشی اور حکمرانہ صلاحیت کی دلیل ہے کہ اُس نے اپنی ہم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قبیلہ پٹھان قوم کی نفسیات اور خاص طور سے ان کی پیدائشی انا کا لحاظ کرتے ہوئے انھیں قابو میں رکھا۔ وہ جانتا تھا کہ پٹھان کسی ہم قبیلہ شخص کی حکمرانی پسند نہیں کرتا اس نے سرہند سے واپسی کے بعد مقبوضات کو مقتدر سرداروں کی جائیداد میں تقسیم کر کے ان کا اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ اس کی زندگی کے حالات جان کر یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس میں حکمراں کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔

اس کی تربیت، ذوق وشوق اور انتظامی صلاحیتوں کو دیکھ کر اُسے ایک مہذب اور اعتدال پسند کردار کا انسان کہا جا سکتا ہے۔ داؤد خاں نے اس کی تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ ''فن جنگ کے علاوہ اسے عربی اور فارسی کی تعلیم دلائی تھی۔ وہ سلسلہ قادریہ سے بیعت تھا۔ علماء فضلا کا قدر دان تھا اور انھیں آنولہ آنے کی دعوت دیتا تھا۔ اسی وجہ سے اکثر علماء وفضلا نے اس کی سرپرستی میں آنولے میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ جلال الدین خاں اس کی دعوت پر کابل سے آیا تھا اور سید علی شاہ ترمذ سے آئے تھے۔ علی محمد خاں سید ترمذ سے اتنی عقیدت رکھتا تھا کہ دونوں کی قبریں ایک جگہ بنی تھیں۔ سید حسن شاہ صاحب سید علی شاہ صاحب کے بیٹے تھے جن کا ذکر سعد اللہ خاں اور قایم خاں بنگش کی جنگ میں بار بار آتا ہے۔ روہیلہ یہ مانتے ہیں کہ روہیلوں کی فتحیابی میں شاہ صاحب کی دعائیں بھی روہیلوں کی شامل حال رہیں۔

علی محمد خاں کو دربار سجانے اور چین سے بیٹھنے کا موقع نہیں ملا۔ عدیم الفرصتی کے باوجود اس نے فنونِ لطیفہ کی طرف توجہ کی۔ اُسے خاص طور سے مصوری اور شاعری سے لگاؤ تھا۔ اس کے معاصرین میں پشتو کا شاعر کاظم علی خاں شیدا بھی گزرا ہے۔ جس کے کلام میں فارسی اور اُردو کی تاریخیں بھی شامل ہیں۔ وہ علم موسیقی کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دل دادہ اور ستار بجانے میں ماہر تھا۔ فن مصوری سے بھی خاص شغف تھا۔ چنانچہ عاقل خاں مصور سے جو اپنے ہنر میں اُستاد اور سحر کار تھا، ایک مرقعہ تیار کرا کر یادگار چھوڑا۔'' (اظہر علی ص 87) اس نے شعراء کی کفالت بھی کی۔ اُس نے میر سوز اور سودا کو آنولہ آنے کی دعوت بھی دی تھی۔

ملکی انتظام کے لیے اس نے اکبر کی روش کو قایم رکھا۔ تنخواہ کے بدلے امراء کو جاگیریں عطا کیں۔ اور رستم علی بجنوری کے بقول کٹھیر پر دوبارہ تسلط حاصل کرنے کے بعد جائیداد کے طور پر محالات دیے۔ اس نے کسانوں کو منصب داروں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا بلکہ خود بھی کسانوں کی حالت اور انتظام کا جائزہ لیتا رہا۔ جگہ جگہ تھانے بھی قایم کیے۔

علی محمد خاں نے فوجی نظام شیر شاہ کے طریقے پر قایم کیا تھا جسے اکبر بادشاہ نے بھی اپنایا تھا۔ یعنی اول سپاہی پھر دس سپاہیوں کا دستہ اور دس سپاہیوں کے دستہ پر ایک سوار پھر سو سپاہیوں کے دستہ کا ایک سردار۔ علی محمد خاں نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ ہر دستے کے سپاہی کی بندوق پر ایک خاص رنگین کپڑے کا نشان بندھوایا تا کہ دستے کی پہچان بھی رہے اور روانگی کے وقت فوج خوبصورت بھی دکھائی دے۔

علی محمد خاں نے مغلوں کی طرح خالصہ زمین اپنے ذاتی اخراجات اور فوجی اخراجات کے لیے کچھ علاقے مخصوص کر لیے تھے جس کا حساب کتاب دیوان کے سپرد تھا۔ فتحیابی کے بعد جو مالِ غنیمت جس کے ہاتھ آتا تھا وہ اس کا مالک ہوتا تھا۔ لیکن مالِ غنیمت کا مخصوص حصہ علی محمد خاں کو پیش کرنا لازمی تھا۔ اس رعایت کی وجہ سے دور دور سے پٹھان روہیلوں کی فوج میں بھرتی ہوتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس نے اخبار نویس اور خفیہ نویس محکمہ بھی قایم کیا تھا۔ دہلی دربار اور دیگر امراء سے خط کتابت کا محکمہ بھی قایم کیا تھا۔ پرچہ نویسی کے ذریعہ ہی اُسے سرہند میں دہلی دربار، صوبیدار اور کٹھیر کے روہیلوں کے حالات معلوم ہوتے تھے ایک اچھے حکمراں کی طرح وہ ملک کے سیاسی حالات سے باخبر رہتا تھا۔" 81

نواب علی محمد خاں کی اولادیں اس طرح ہیں۔ عبداللہ خاں، فیض اللہ خاں یہ دونوں لڑکے مرغلری بیگم قوم متنیا سے پیدا ہوئے تھے سعد اللہ خاں اور سارا بیگم قوم بنیر وال بیوی سے۔ محمد یار خاں لاڈو بیگم سے۔ اللہ یار خاں (یا الہ یار خاں) راج بیگم کے بطن سے۔ مرتضیٰ خاں شاہ بیگم (زوجہ عنایت خاں پسر حافظ رحمت خاں ہمشیرہ نواب فیض اللہ خاں) مرغلری بیگم سے۔ نیاز بیگم زوجہ شاہ محمد خاں قوم بڑھیچ برادر رحمت خاں جن کے نام سے ایک گھیر بریلی دروازے (رامپور) میں موجود ہے۔ معصوم بیگم والدہ غلام قادر خاں ابن نواب ضابطہ خاں خلف نواب نجیب الدولہ۔ عنایت بیگم زوجہ بہادر خاں قوم کمالزئی۔ ایک بیٹی بڈو خاں کی بیٹی کے بطن سے تھی جس کی منگنی اعتماد الدولہ قمر الدین وزیر محمد شاہ بادشاہ سے ہوئی تھی مگر بیاہ سے قبل انتقال ہو گیا تھا۔ 82

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

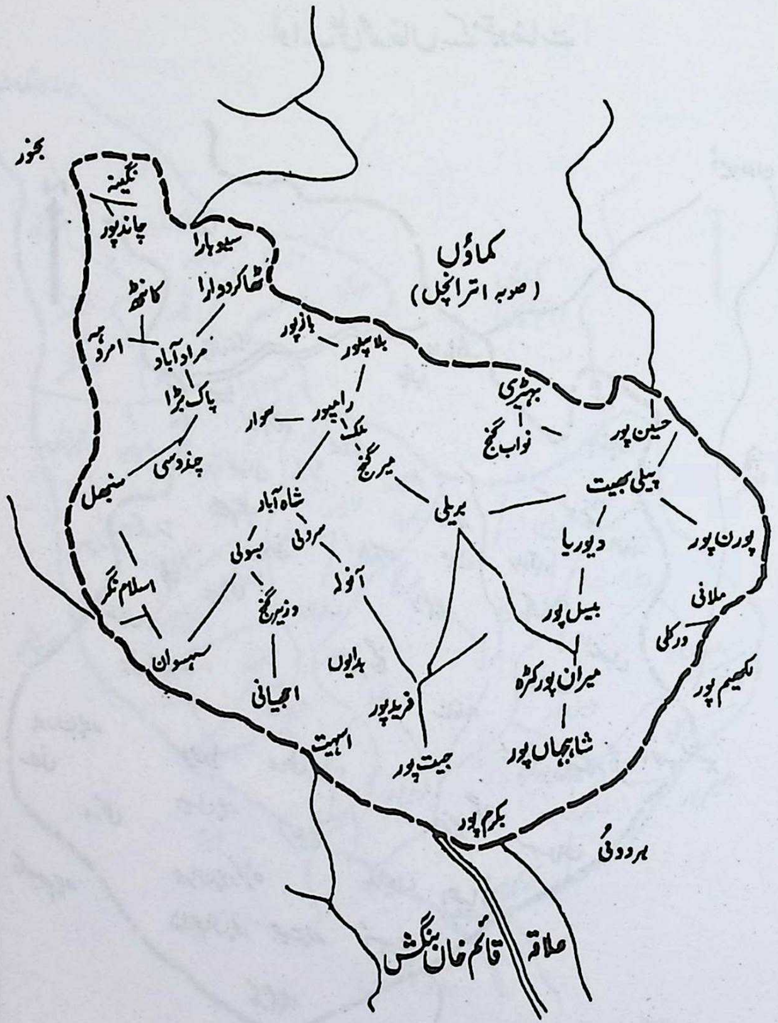

1744 تک نواب علی محمد خاں کے مقبوضات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

1745 تک کٹھیر میں
نواب علی محمد خاں کے مقبوضات

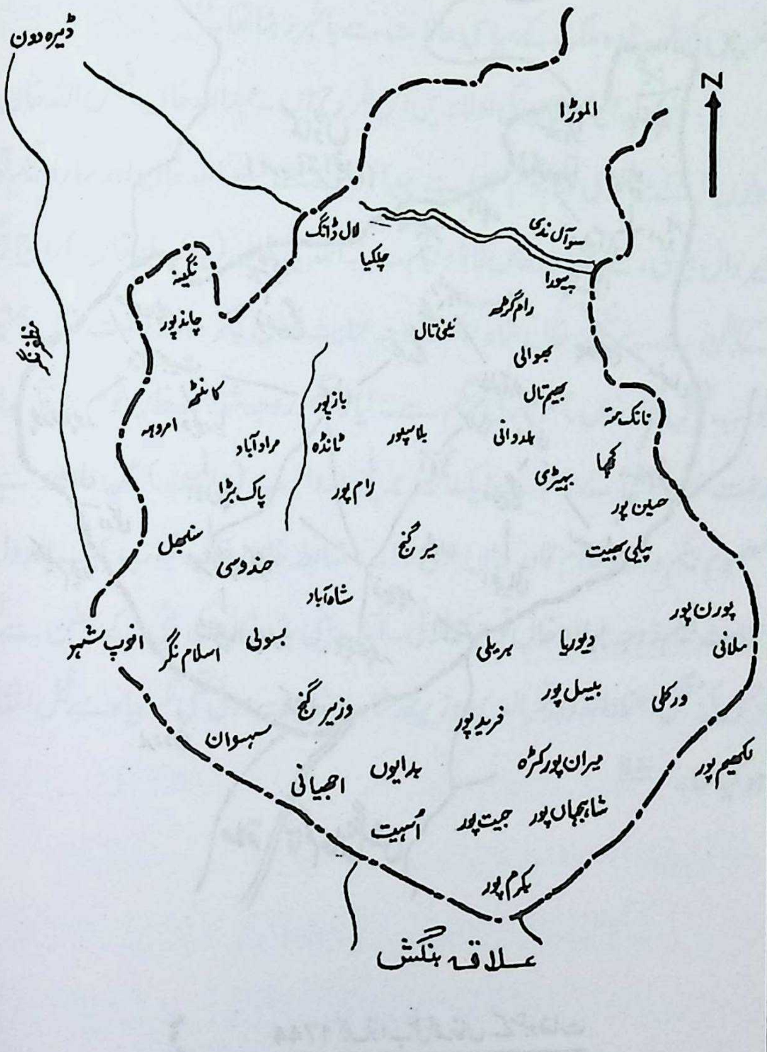

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

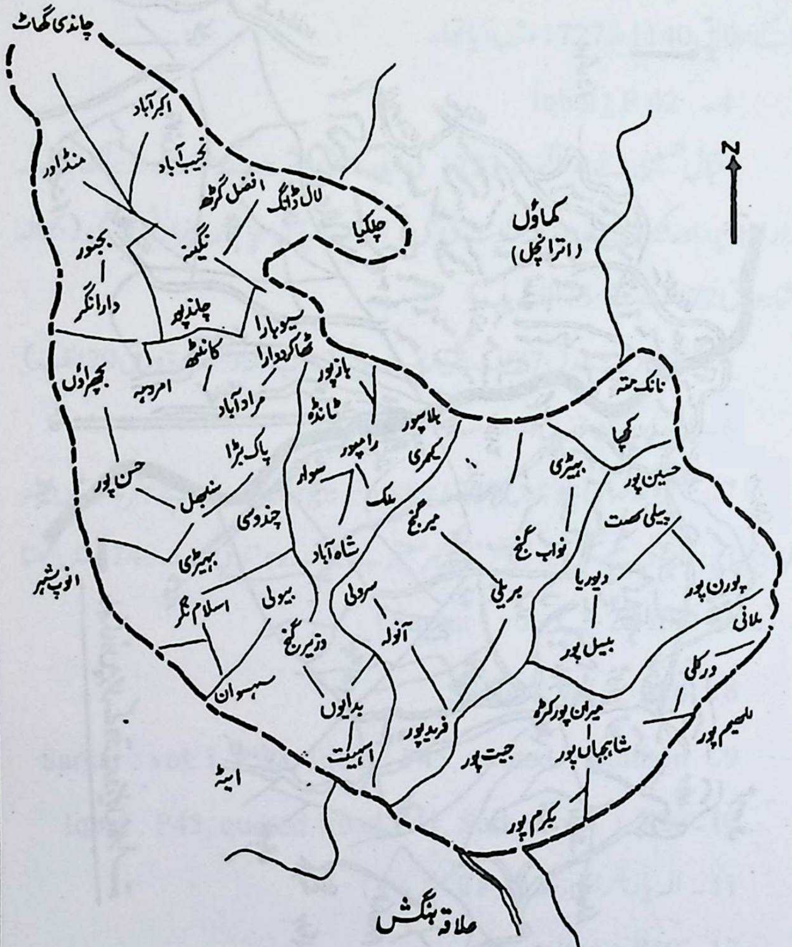

نواب علی محمد خاں کی سرہند سے واپسی کے بعد روہیلہ مقبوضات 1748

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

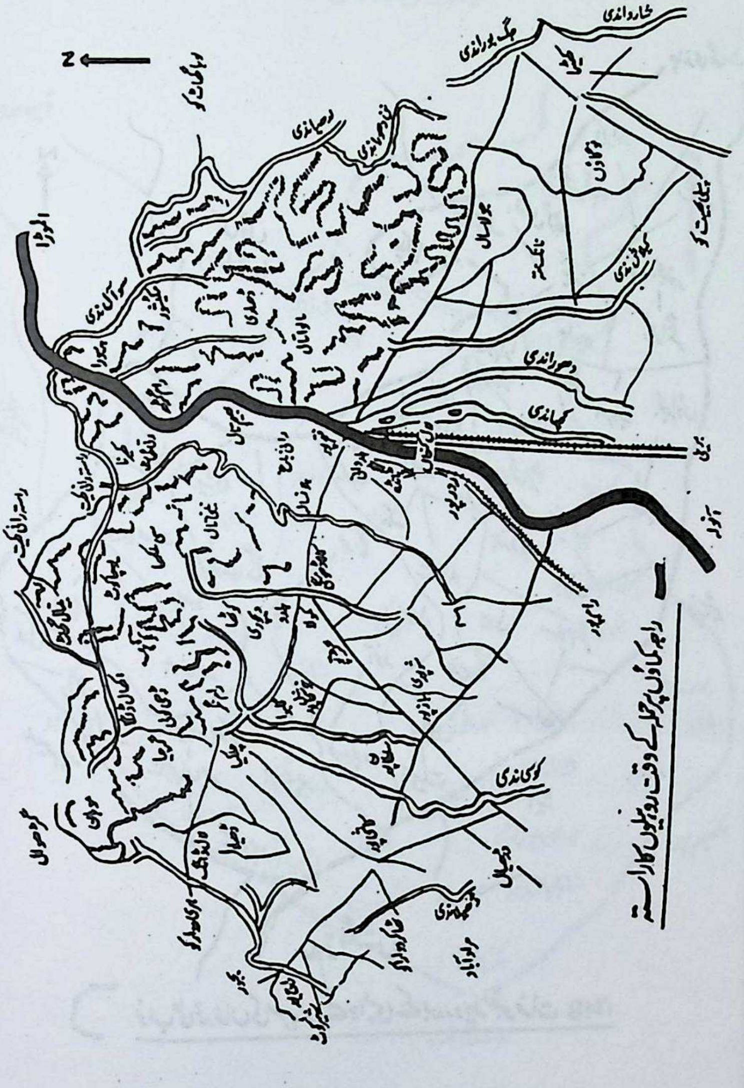

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1- Sarkar : vol. 1, P 47

2- اقبال حسین کے مطابق 1720-ص 40

3- پنڈت دیبی پرسات: تاریخ فرخ آباد-ص 75، اخبار الصنادید جلد اوّل-ص 108 کے مطابق 1140ھ 1727ء میں آیا تھا۔

4- Iqbal ; P 42

اقبال حسین نے 4/اگست 1723 کی ایک عرضداشت کے حوالے سے لکھا ہے کہ زمیندار لاہر پور اور کھیری نے جب بغاوت کی تھی تو اس کے پاس چالیس ہزار فوج تھی (بحوالہ شوپرشاد ورق 72 الف ب-75 الف ب)

5- گلستان رحمت ورق 27 اف، گل رحمت ورق 37 ب، عماد السعادۃ ورق 79 الف)

6- اقتدار حسین جنرل 4-5 رضا لائبریری 175

7- قتل محمد صالح کی تاریخ 1737 George Forster نے اپنے سفر نامہ میں جلد اول ص 105 پر درج کی ہے لیکن میری نظر میں غیر معتبر ہے کیونکہ وہ ہرنند کی موت 1749 میں لکھتا ہے۔ (Sarkar : vol. i, P 28 foot note)

8- Sarkar : vol. i, P28

9- Sarkar : vol. i, P 28, Iqbal : P45, quoted Hemilton

10- Iqbal : P45, quoted Imad P41, Sarkar, vol. i, P28

11- الہ یار بلگرامی: حدیقۃ الاقالیم ص 139

12- Hemilton : P40

13- Iqbal : P 4, quoted Imad ul saadat P 42, Yadgar-e-Bahadri 848

گل رحمت ورق 9 ب کے بیان کے مطابق حافظ رحمت خاں سیف الدین علی خاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رئیس جانسٹھ کے قتل کے بعد آئے تھے۔

14- Sarkar : vol. i, P28

15- غلام حسین: سیر المتاخرین جلد دوم ص102

16- شو پرشاد: فرح بخش (فارسی مخطوطہ) ورق 15 الف، حدیقۃ الاقالیم ورق376الف

''علی محمد خاں کو بائیس پارچہ کا خلعت مع ملبوس خاص، نوبت، نقارہ اور علم عطا ہوئے۔ مستاجری پرگنوں کی مالک گزاری میں تخفیف بھی ہوئی۔'' (ڈاکٹر اظہر علی: سفرنامہ آنندرام مخلص ص78)

منصب :- منصب ایک ملکی وفوجی درجہ ہے۔ اکبر بادشاہ نے اسے سلسلہ وار ایجاد کیا تھا۔ منصب میں دو حصے ہوتے ہیں ایک ذات اور دوسرا سوار۔ ذات سے عہدیداری ماہانہ تنخواہ اور سوار سے اس کی فوجی جمیعت ظاہر ہوتی ہے۔ اکبر سے اورنگ زیب تک اول درجے کے سرداروں کو پنج ہزاری منصب دیا جاتا تھا۔ سات ہزاری منصب کسی وزیر یا کسی خاص مصاحب کو ملتا تھا۔

ماہی مراتب :- ماہی کے معنی مچھلی اور چاند والی چیز کے ہیں۔ اور مراتب مرتبہ یا درجہ کو کہتے ہیں۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ ایران کے بادشاہ نوشیرواں کا پوتا خسرو پرویز ملکی فساد میں اپنی سلطنت سے خارج ہو کر ملک روم میں چلا گیا اور روم کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کر لی۔ وہاں سے فوجی مدد لیکر واپس آیا اور اپنی قدیمی سلطنت پر دوبارہ قابض ہو گیا۔ فتح پانے کے وقت نجوم کے حساب سے ماہ یعنی چاند برج حوت (ماہی یعنی مچھلی) میں تھا۔ اس ساعت کو نیک شگون سمجھ کر اپنے مددگار سرداروں کو جھنڈے تقسیم کیے جن پر چاندی اور سونے کی چاند اور مچھلی کی صورتیں بنی ہوئی تھیں۔ اسی چیز کا نام ماہی مراتب ہو گیا۔ مغلوں نے بھی ہندوستان میں اس رسم کو اپنا لیا۔ یہ پنج ہزاری سے کم منصب داروں کو نہیں دیا جاتا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پنج ہزاری:- اسپ عراقی 34، مجنس 34، ترکی 68، یابو 68، تازی 67، جنگلہ 66، ہاتھی شیر گیر 20، سادہ 30، منجھولہ 20، کربیہ 20، پھندرکیہ 10، اونٹ 80، خچر 20، عرابہ (چھکڑے اور گاڑی) 160

تنخواہ:- درجہ اول چھبیس ہزار آٹھ سو روپیہ، درجہ دوم چھبیس ہزار چھ سو روپیہ، درجہ سوم بائیس ہزار آٹھ سو روپے۔

17۔ اقتدار حسین: مضمون جرنل 4-5 ص 175

18۔ مثلاً جب نادر شاہ اور مغل منصب دار آصف جاہ کے درمیان شرائط طے ہو گئے تو برہان الملک سعادت خاں نے نادر شاہ سے زیادہ سے زیادہ تاوانِ جنگ وصول کرنے اور شاہی خزانے پر قبضہ کرنے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ اس کو مغلیہ دربار میں امیر الامراء کا عہدہ نہیں دیا گیا تھا۔

19۔ گل رحمت ورق 18 الف

20۔ اخبار الصنادید جلد اول ص 125-126

21- Iqbal : P. 48 - quoted shive prasad 15a, Hadigat -ul- Aqalim 39 Sair -ul- Mutakhrin 853, Makhzane -e-Akbar 53

22- Iqbal : P 48

23۔ اخبار الصنادید جلد اول ص 129-130

24- Iqbal : P 48, quoted Masaewida 61 ab, Lubbul Tawarikh 176

اخبار الصنادید جلد اول ص 130-131

25۔ اخبار الصنادید ص 131-132

26- Iqbal : 49

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

27- مرتضی حسین المخاطب الہ یار عثمانی بلگرامی: حدیقتہ الاقالیم (فارسی مخطوطہ)

ورق 376ب

28- اخبار الصنادید جلد اول ص 130

29- اخبار الصنادید جلد اول ص 132

30- گل رحمت ورق 11 الف پر جنگ کی تفصیل درج ہے۔ اور حدیقتہ الاقالیم

(فارسی مخطوطہ) میں ورق 376ب پر

31- اخبار الصنادید جلد اول ص 132-133

32- Iqbal : P49, quoted Azeez-ul- Qalb 32 ab, Shiv Prasad 15 a, Gule Rehmat 18a

33- حدیقتہ الاقالیم۔ ورق 376ب

34- اخبار الصنادید جلد اول ص 133

35- حدیقتہ الاقالیم ورق 376ب، فرح بخش ورق 16 الف، گلستانِ رحمت ورق 12 الف

36- Iqbal : P 50, quoted Ashob P 318 a

37- حدیقتہ الاقالیم ورق 376ب، Nevill: Bareilly Gazett, P 156

38- Nevill : Bareilly Gazett. P 156 Sarkar vol. i, P 28

39- Nevill.H.R.: Bareilly Gazett, P156

40- Sarkar : vol. i, P 29-30

41- آنند رام مخلص

42- Sarkar : vol. i, 30-31

43- بشت قوم کماؤں مین بادشاہ گر (King maker) کی حیثیت رکھتی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

44- بھابھر کو کماؤں میں مالا (Mala) کہتے ہیں۔ یہ علاقہ ہمالہ کی کوہستانی سلسلہ کی تلہٹی سے ترائی تک پھیلا ہوا ہے۔ محمد افزاء الرحمٰن کے مطابق ''ملک بھار'' کہتے ہیں۔

(Rohelkhand Terratory P 28)

45- حدیقتہ الاقالیم: ورق 376 ب

46- حدیقتہ الاقالیم: ورق 376 ب

47- بھیم تال کے میدانی علاقہ سے برکھاری کو راستہ جاتا ہے۔

48- Himalyan Distt, vol. ii, p 587 گل رحمت ورق 19 الف، فرح بخش 16 ب

49- ''راجا سری نگر سرمور بھٹ'' اخبا الصنا دید جلد اول ص 145

50- لاکھن پور پوڑی روڈ پر گانائی سے دو میل کے فاصلہ پر آباد ہے جواب برباد ہو چکا ہے۔ گانائی دُوار ہاٹ سے ساڑھے نو میل کے فاصلہ پر ہے۔(Gazett. Almora, P 234)

51- الہ یار بلگرامی مصنف حدیقتہ الاقالیم ص 376 ب اور رستم علی بجنوری کے بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کماؤں کی مہم میں نواب علی محمد خاں خود شریک تھا۔ ''علی محمد خاں دس ہزار سوار اور پیادوں کے ساتھ کمایوں کے پہاڑوں میں داخل ہوا۔ راجا بھاگ کر الموڑا آ گیا اور تمام گاؤں خالی کرنے کا حکم دیا۔ علی محمد خاں کو الموڑے کا راستہ معلوم ہونا مشکل ہو گیا۔ انھیں ایک فقیر ملا۔ دست بستہ علی محمد خاں نے عرض کیا۔

جامِ جہان نماست ضمیر منیر دوست - اظہارِ احتیاج خود آنجا چہ حاجب است

فقیر خوش ہوا اور اُس نے راستہ بتا دیا۔ (اقتدار حسین صدیقی: جرنل 4-5 رضا لائبریری رامپور ص 176) لیکن بدری دت پانڈ مصنف کماؤں کا اتہاس (ہندی) کا بیان ہے کہ روہیلوں کو بھاگتی ہوئی کماؤنی فوج نے راستہ دکھایا۔ (ص 329)۔ گلستانِ رحمت (ورق 13 الف) گل رحمت (ورق 12 الف) میں حافظ رحمت خاں کی سرداری میں فوج کا الموڑا جانا تحریر ہے۔ بعد کی تحریر کردہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کتابوں میں بھی حافظ رحمت خاں کا ذکر آتا ہے۔

''1744 میں علی محمد خاں نے الموڑا پر لشکر کسی کے لیے فوج روانہ کی جس نے الموڑہ پر قبضہ کرلیا۔ سات مہینے قیام کیا اور تین لاکھ روپیہ لیکر واپس آ گئے۔ علی محمد خاں اس تصفیہ سے رضامند نہیں ہوا۔ تین مہینہ بعد روہیلوں نے پھر حملہ کیا (1745) لیکن براکھیری کی پہاڑیوں میں شکست کھا کر واپس ہو گئے۔

(Hunter : Imperial Gazett vol. viii (Second Edition) 1886, Sarkar : vol. i, P 32.)

جارج فاسٹر (George Forster) جو مدراس میں سول ملازم تھا اس نے فروری 1783 میں جارجین مرچنٹ (Georgian Merchant) کے بھیس میں دورہ کیا تھا وہ لکھتا ہے ''روہیلوں نے اپنے دورِ اقتدار میں ایک عمدہ نظامِ حکومت قایم کیا تھا کہ رعایا خوش حال تھی اور لوگ (حکومت ختم ہونے کے بعد بھی) ان کا نام عزت سے لیتے تھے۔''

حافظ رحمت خاں کے عہد کا ذکر کرنے کے بعد وہ فیض اللہ خاں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے ''اس سردار (فیض اللہ خاں) کے علاقہ میں ترقی نمایاں ہے۔ افزائش نسل (Animal Husbandry) کے لیے حکومت کی طرف سے امداد دیجاتی ہے۔ گاؤں خوشحال ہیں اور چاروں طرف لہلہاتے کھیت دکھائی دیتے ہیں۔'' (Sarkar vol. i, P 32 Foot note)

53- Nevil, Barelly Gazett,: vol. Xiii, P 157 حدیقتہ الاقالیم (فارسی مخطوطہ) ورق 376 الف

54- بن گڑھ (یوسف نگر) آنولہ اور بدایوں کے درمیان میں ہے۔ (اخبار الصنادید جلد اول ص 152) بن گڑھ بدایوں کے شمال میں دس میل کی دوری پر ہے

(Iqbal : P 55, quoted Shiv Prasad)

55- شہباز پور صانع قلی خاں کی جاگیر میں تھا جو وزیر قمر الدین خاں کا دودھ شریک

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھائی تھا۔ اس پر علی محمد خاں نے قبضہ کرلیا تھا۔ محمد شاہ شہباز پور میں 9 ربیع الاول 1158 ہجری (31 مارچ 1745) کو خیمہ زن ہوا تھا۔ (سفرنامہ مخلصؔ فارسی ص 28)

مخلصؔ نے شہباز پور کی اقامت کے دوران کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے ''ایک دن لالہ چین سکھ مجھ سے ملنے آیا۔ اُس نے کہا کہ بادشاہ نے کمان اٹھا کر ایک تیر بن گڑھ کی طرف چھوڑا جہاں روہیلہ اقامت گزیں تھے۔ اور بادشاہ نے کہا ''مارا ہے۔''

اس وقت عمدۃ الملک بہادر (امیر خاں) نے کہا ''موئے کا کیا مارنا ہے۔'' (سفرنامہ مخلص فارسی ص 31-32)

56۔ جب قصبۂ حسن پور میں داخل ہوئے جو سرِ راہ تھا اتفاق سے سیر کرنے کا موقع ملا جس کا ذکر خالی از لطف نہیں۔

خوشنما باغا، سرسبز و شاداب، اکثر علاقے شاہجہاں آباد (شاہجہاں کی آباد کی ہوئی دلّی) کی طرح سرسبز تھے۔

حوض صاف ستھرے پر آب تھے۔ راستے اور بازار پختہ اور مال و اجناس سے بھرے ہوئے تھے۔ عمارتیں آسمان کو چھو رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی معمار نے شاہجہاں آباد کو دیکھ کر تعمیر کی ہیں۔ عمارتیں سادہ جن ہیں ہوادار کھڑکیاں تھیں۔ افغان قوم یہاں بہت پہلے سے آباد ہے۔ یہاں بے شمار باغات ہیں۔ (سفرنامہ مخلص فارسی ص 36-37)

57۔ مخلصؔ نے سنبھل کی بہت تعریف کی ہے۔ اس وقت موسم بہار تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ ہر درخت معشوقِ سبز فام زیور سے آراستہ نظر آتا تھا۔ اور درخت کی ہر شاخ زلف معشوق کی طرح تھی۔ آموں کی تعریف میں مرزا بیدلؔ کی رباعی نقل کی ہے۔

تا انبہ نمو بباغ آثار آورد- اَسرارِ قدم جملہ باظہار آورد

اصل زفرعش غیر حقیقت نمود- مولی گل کرد وانبیا بار آورد

(جب تک باغ میں انبہ نے آثارِ نمو پیدا کیے اس کی جتنی خوبیاں چھپی ہوئی تھیں وہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قدم سے وجود میں یعنی ظہور میں آ گئیں۔اس اصل (جڑ) اور اس کی شاخیں حقیقت کے خلاف نہیں ہوسکتیں۔مول کھل گیا اور شاخوں میں انبیاں نظر آنے لگیں) اردو کا شعر ہے........

درختِ آم بھی شاید خدا ہیں - کہ شاخوں میں ہزاروں انبیا ہیں۔

58۔شاہ معصوم علی روہیلوں کے ہمدرد اور صاحب باطن بزرگ تھے۔روہیلوں کی باہمی ناراضگی دور کرنے میں مدد کرتے تھے۔علی محمد خاں کی وفات کے بعد جب نواب قایم خاں بنگش روہیلوں پر حملہ کرنا چاہتا تھا تب بھی شاہ صاحب صلح کی غرض سے قایم خاں بنگش کے پاس گئے تھے۔

59۔نول رائے قوم کا کایستھ تھا۔اس کے اجداد اٹاوہ کے موروثی قانون گو تھے۔وہ ابتدا میں برہان الملک سعادت خاں کا منشی Secretary تھا۔صفدر جنگ نے اُسے راجا کا خطاب دے کر اودھ کا ناظم مقرر کیا۔انتظامی امور کا ماہر تھا۔رئیسانہ زندگی بسر کرتا تھا۔اس کے محل میں طلائی زربفت[1] کے پردے پڑے ہوئے تھے اور دروازوں پر سونے چاندی کے پتر چڑھے تھے۔کھانے پینے میں سونے چاندی کے برتن استعمال کرتا تھا۔

60۔حدیقۃ الاقالیم۔ورق 377 الف

61۔مخلص (فارسی) 69-70

62۔ملکہ زمانی فرخ سیر (بادشاہ) کی بیٹی اور محمد شاہ کی پہلی بیوی تھی۔ 9 دسمبر 1721 کو نکاح ہوا تھا۔ملکہ زمانی کی خالہ زاد بہن صفیہ سلطانہ بیگم کی بیٹی صاحبہ محل محمد شاہ کی دوسری بیوی تھی۔اس کے بطن سے حضرت محل پیدا ہوئی جس کا عقد احمد شاہ ابدالی سے ہوا تھا۔ملکہ زمانی اور صاحبہ محل سیاسی حالات سے دل برداشتہ ہو کر احمد شاہ ابدالی کے ساتھ افغانستان چلی گئی تھی۔لیکن نادرات شاہی کے مصنف کے مطابق وہ ہندوستان لوٹ آئی تھی۔

63۔حدیقۃ الاقالیم۔(فارسی مخطوطہ) ورق 377 الف تاریخ مظفری (مخطوطہ) 201

64۔حدیقۃ الاقالیم۔(فارسی مخطوطہ) ورق 377 الف

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

65۔ مخلص: ص80 حدیقتہ الاقالیم: ورق 377ب

66۔ سیر المتاخرین جلد سوم ص19

Sarkar : vol i, P 33, 32 -67

68۔ چکلہ دار: —چکلہ کی اصطلاح انتظامی معاملات کے سلسلہ میں شاہجہاں کے وزیر سعد اللہ خاں نے اختراع کی تھی۔ چکلہ میں بہت سے پرگنے شامل ہوتے تھے جو ایک دوسرے سے منسلک ہوتے تھے تاکہ لگان نافذ کرنے میں آسانی ہو سکے۔ چکلہ سرکار اور پرگنے کے درمیان کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی سرکار کے تحت بہت سے محال (پرگنے) اور کئی پرگنوں کا مجموعہ چکلہ۔ کٹھیر کی تاریخ میں چکلۂ سنبھل، چکلۂ مرادآباد اور چکلۂ بریلی استعمال ہوا ہے۔ نواب علی محمد خاں کو محمد شاہ کے عہد میں، سرہند کی چکلہ داری، پر تعینات کیا گیا تھا۔

Rehman: P 102 quoted Parmatma Saran 212 and I.H.Quraishi: Administration of the Mughal empire P 233.

Iqbal : P59, quoted Tabaseerul Nazreen 1110 b, -69 Shiv prasad, 196 Maswada 92ab, Gule Rehmat 22 a, Hemilton 66, Tareekh Shakir Khani 78 a, Tareekh Saadate Javed حدیقتہ الاقالیم ورق 377ب Harnam Singh , Rieu, vol. 111.

70۔ گل رحمت (فارسی مخطوطہ) ورق 24الف حدیقتہ الاقالیم ورق 377ب (مخطوطہ) کے بیان کے مطابق علی محمد خاں کو چار ہزاری منصب دے کر سرہند بھیجا گیا تھا۔

Nevill, Gazett Bareilly, vol XVi, P 156 -71

72۔ سیر المتاخرین جلد سوم (اردو) ص21

Sarkar, vol i, P 37 -73

78۔ حدیقتہ الاقالیم ورق 378الف

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

79۔اقتدار حسین صدیقی جرنل 4-5 ص 179-180

80۔حدیقۃ الاقالیم (فارسی مخطوطہ) ورق 378 الف

81۔اظہر علی۔ص 65 - 91 بحوالہ غلام حسین، تذکرہ مصحفی ص 87، واقعات مشتاقی ورق 74 ب، گلشن ورق 8 الف، انتخاب یادگار ص 71

82۔اخبار الصنادید جلد اول ص 196 - 197

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب: چار

فصل: پانچ

روہیلہ حافظ رحمت خاں کی قیادت میں

قمر الدین خاں کی موت (21 مارچ 1748)، بادشاہ محمد شاہ کے انتقال (17 اپریل 1748) نے دہلی دربار اور کٹھیر میں نئے مسائل پیدا کر دیے۔ مرکز میں وزیر قمر الدین خاں کا تورانی گروپ کمزور پڑ گیا۔ عہدۂ وزارت کے دو دعویدار پیدا ہو گئے۔ ایک انتظام الدولہ پسر قمر الدین خاں جو اپنے باپ کے عہدۂ وزارت پر اپنا موروثی حق سمجھتا تھا اور دوسرا اصفدر جنگ جو اقتدار پانے کے لیے مدتوں سے بے چین تھا۔ کافی دوڑ دھوپ اور درباری سازش میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد صفدر جنگ کو عہدۂ وزارت مل گیا (7/ اپریل 1749)۔

صفدر جنگ قمر الدین خاں کی پشت پناہی کے باعث کٹھیر کے روہیلوں کو نقصان نہیں پہنچا پایا تھا۔ اب اُسے روہیلوں سے انتقام لینے کا موقع مل گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ روہیلوں کے خلاف تادیبی کارروائی کرے ایک دوسرا واقعہ سامنے آیا۔ بادشاہ نے مرادآباد کی سند میر نظام الدین انتظام الدولہ خانِ خاناں پسر قمر الدین خاں کے نام لکھ دی کیونکہ یہ قمر الدین خاں کی جاگیر تھی اور روہیلوں کے قبضہ میں تھی۔ وہ درباری سیاسی توڑ جوڑ کے باعث دہلی چھوڑ کر مرادآباد آنا نہیں چاہتا تھا اس لیے اس نے قطب الدین خاں پوتا نواب عظمت اللہ خاں مرحوم (سابق فوجدار مرادآباد) کو اپنا نائب بنا کر مرادآباد بھیجنے کا فیصلہ کر دیا۔ لیکن روہیلوں کو بیدخل کرنا آسان نہیں تھا۔ قطب الدین خاں جوش میں آ کر چند ہزار سواروں کے ساتھ مرادآباد کی طرف چل دیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

غلام حسین کے بقول ''وہ مراد آباد کی فوجداری پر اپنا موروثی حق سمجھتا تھا۔ لیکن انتظام الدولہ نے کنجوسی کی وجہ سے اُسے نقد روپیہ اور معقول فوج اور سامانِ جنگ نہیں دیا۔ اس نے روپیہ قرض لے کر فوج فراہم کی تھی[1]۔'' حافظ رحمت خان جنگ نہیں چاہتا تھا۔ اس نے اس بات پر رضامندی کا اظہار کر دیا کہ روہیلہ قمر الدین خاں کی جاگیر سے دست بردار ہو جائیں گے لیکن باقی مقبوضات پر قابض رہیں گے لیکن قطب الدین خاں نی صلح کی تجویز کو ٹھکرا دیا۔ اس وقت مراد آباد اور اس کے محالات دوندے خاں کی جاگیر میں تھے اس سے پہلے کہ قطب الدین خاں مراد آباد میں داخل ہوتا دوندے خاں نے اُسے دھام پور پر روک لیا۔ مقابلہ میں قطب الدین خاں بہادری سے جنگ کرتا ہوا مارا گیا[2]۔

صفدر جنگ جانتا تھا کہ اب دہلی دربار میں کوئی امیر روہیلوں کا ہمدرد نہیں رہا البتہ اُسے قایم خاں بنگش سے خطرہ تھا کہ کہیں سابقہ تعلقات اور ہم قوم ہونے کے ناطے وہ روہیلوں کی طرفداری نہ کرے۔ اس کی نظر میں اس ممکن اتحاد کو توڑنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ روہیلوں کے دو بازوؤں میں سے ایک بازو توڑ دیا دیا جائے تو دوسرے بازو کو بزورِ شمشیر کاٹا جا سکتا ہے۔'' اس نے نیا منصوبہ بنایا کہ ایک افغان (بنگش) کو ہمنوا بنا کر دوسرے پٹھان (کٹھیر کے روہیلہ) کے خلاف جنگ پر آمادہ کرے تا کہ اس کا ایک دشمن مارا جائے تو صرف ایک دشمن باقی رہ جائے گا[3]۔''

صفدر جنگ کو یہ یقین تھا کہ نواب علی محمد خاں کے پاس کافی بڑا خزانہ تھا۔ اس دولت کا اشارہ اس نے قایم خاں بنگش سے بھی کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ فتح بعد مقبوضہ املاک کا وہی مالک ہوگا۔'' اس نے ایک فرمان بادشاہ کی طرف سے قایم خاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے نام جاری کرادیا کہ ایک بڑا اہم کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے یعنی بہت سے محال (پرگنے) بریلی و مراد آباد جو بادشاہ خلد مکاں (محمد شاہ) کے زمانے میں امداد سے حاصل ہوئے تھے (یعنی بنگڑھ کی مہم کے بعد 1745 میں حاصل کیے تھے) ان پر دوبارہ سعد اللہ خاں ولد علی محمد خاں روہیلے نے قبضہ کرلیا ہے۔(نواب علی محمد خاں نے سرہند کی واپسی کے بعد دوبارہ قبضہ کیا تھا) اور اس وقت صفدر جنگ نے روہیلوں کے مقابلہ کے لیے اشارہ کیا ہے۔لہذا یہ ملک تمہارے حوالے کیا جاتا ہے۔اس پر قبضہ کرلو۔ یہ فرمان بدست شیر جنگ بھیجا گیا[4]۔قایم خاں نے بخشی محمود خاں، شمشیر خاں، مقیم خاں، کمال خاں، سردار خاں اور چیلوں سے مشورہ کیا۔انھوں نے کہا کہ روہیلے آپ کے بدخواہ نہیں ہیں۔اگر اسے طلب کیا گیا تو سعد اللہ خاں (جانشین نواب علی محمد خاں) حاضر ہو جائے گا۔یہ مشورہ عرصہ تک ہوتا رہا۔شجاعت خاں نے بھی یہی رائے دی کہ جنگ سے بچنا چاہیے[5]۔"

"قایم خاں نے محمد خاں (آفریدی) کے چھوٹے بھائی معظم خاں کو روہیلوں کے پاس بھیجا اور کہا کہ وہ روہیلوں کے ذریعہ بادشاہ کی املاک پر کیے گئے قبضہ سے دست بردار ہو جائیں اور ان پر قبضہ حاصل کرنے میں تعرض نہ کریں اس کے بدلے میں انھیں 50,000 سوار کا ملک دے دیا جائے گا۔"[6]

تمام ماخذوں کی بیان کے مطابق حافظ رحمت خاں نے قایم خاں کو آخری حد تک سمجھانے کی کوشش کی کہ صفدر جنگ نے افغانوں کو آپس میں لڑوانے اور ان کے اتحاد کو برباد کرنے کے لیے یہ ترکیب نکالی ہے لہذا اُسے کٹھیر کی فوجداری کے فرمان کو نامنظور کر کے پٹھانوں کے دیرینہ اتحاد کو قایم رکھنا چاہیے۔اس سلسلہ میں اُس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نے ''ایک عرضداشت بیوہ نواب علی محمد خاں کی جانب سے تیار کرا کر سید معصوم شاہ (منتخب العلوم کے مطابق یا حضرت احمد شاہ عرف شاہ جی میاں والہ سید معصوم جو سید علی بابا کی اولاد میں تھے جو سادات ترمذ سے ہیں اور افاغنہ کے پیرزادے تھے اخبار حسن اور فرح بخش کے بیان کے مطابق) کے ذریعہ قایم خاں کو بھیجا تھا۔ اس کے علاوہ بیوہ نے اپنی چادر بھی بھیجی تھی (جو روہیلوں کے لیے عزّت وناموس کی روایتی نشانی تھی) لیکن یہ ناکام لوٹ کر آئے۔ راستے میں میاں فضل امام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے قایم خاں کے انکار کی بات سنی تو میاں فضل امام نے شاہ جی میاں سے کہا کہ ''قایم خاں پر قہر امام نازل ہوا ہے۔ حافظ رحمت خاں سے کہہ دو جنگ کی تیاری کرے فتحیاب ہوگا۔'' [7]

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ قایم خاں بنگش جنگ نہ کرنے اور روہیلوں سے صلح پر آمادہ ہو گیا تھا لیکن محمود خاں کے بیجا غرور نے اسے جنگ پر آمادہ کر دیا۔ [8]

اِرون کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قایم خاں بنگش نے روہیلوں کے خلاف زبردست تیاری کی تھی۔ اس نے رمآب کے زمیندار کوشل سنگھ پچیڑی یا پچین کے زمیندار راجا نندہ سنگھ [9] اور راجا شوراج پور کی فوجوں کو طلب کیا۔ یہ لوگ بیس ہزار فوج لے کر قایم خاں کی مدد کو آ گئے۔ قایم خاں کے پاس ساٹھ ہزار فوج ہو گئی جس میں بہترین توپخانہ بھی تھا۔ روہیلوں کے پاس صرف پچیس ہزار فوج تھی۔ قایم خاں کا سامانِ جنگ اور فوجی طاقت ہر لحاظ سے روہیلوں سے زیادہ تھی۔ افغان ہونے کے ناطے وہ روہیلوں کے طرزِ جنگ اور داؤں پیچ سے بھی پوری طرح واقف تھا۔

روہیلوں کے لیے یہ جنگ زندگی اور موت کی لڑائی تھی۔ وہ جنگ نہیں چاہتے تھے لیکن یہ جنگ ان پر تھوپی گئی تھی۔ حافظ رحمت خاں کے لیے یہ سخت امتحان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی گھڑی تھی۔ اسے اپنی قیادت اور جنگی مہارت کا پہلا ثبوت دینا تھا۔ اس کے پاس دوندے خاں، فتح خاں، ملاّ سردار خاں، شیخ کبیر وغیرہ جیسے آزمودہ سردار موجود تھے لیکن قایم خاں فوجی طاقت اور سامانِ جنگ کے لحاظ سے اس سے بہتر تھا۔ اس موقع پر اس نے نہایت استقلال، ہمت اور شجاعت کا ثبوت دیا اور ہر سپاہی کے دل میں جوش و خروش بھر کے انھیں متحد کر دیا۔ یہ جنگ صرف روہیلوں کے لیے ہی اہم نہیں تھی بلکہ شمالی ہندوستان کے سیاسی توازن اور عدم توازن کے لیے بھی بہت اہم تھی۔ اس جنگ کے اثرات دلّی دربار کی سیاست پر بھی اثر انداز ہونے والے تھے کیوں کہ صفدر جنگ اپنے منصوبہ کی تکمیل کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا اور اسے یقین تھا کہ جنگ ہونے کی صورت میں وہ دہلی دربار کا سب سے بڑا امیر بنکر اپنے دیرینہ دشمن روہیلوں، قایم گنج کے پٹھانوں اور تورانی گروپ کے لیڈر انتظام الدولہ کو سیاسی اور فوجی شکست دے سکتا ہے۔

قایم خاں 2 رنومبر 1749 کو فرخ آباد سے روانہ ہوا۔ گنگا عبور کی قادر گنج آیا اور آنولہ کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے ساتھ اس کے پندرہ بھائی اور کمک پر آئے ہوئے سردار بھی تھے۔ وہ 11 نومبر کو گاؤں ڈونری آ گیا جو بدایوں سے شمال مشرق میں چار میل دوری ہے۔ وہ شمشیر خاں اور بہادر خاں کو فوجی دستے کے ساتھ پہلے ہی روانہ کر چکا تھا تا کہ مناسب رزم گاہ کا انتخاب کریں۔

حافظ رحمت خاں بھی فوج لے کر ڈونری ورسول پور آ گیا۔ اس کی دور بین نگاہوں نے میدانِ جنگ کا جائزہ لیا تا کہ مناسب طریقہ پر فوج کو تعینات کر سکے۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ قایم خاں بنگش کو سیدھے مقابلہ میں شکست دینا آسان نہیں اس کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لیے کوئی اور حکمت عملی (War Strategy) اختیار کرنا پڑے گی۔ اس نے جنگ کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کیا جس کے پیچھے غار یا نالا (Ravine) تھا اور اس کے دونوں طرف جوار یا باجرے کے کھیت تھے جہاں اُس نے آٹھ ہزار بندوق بردار فوجیوں کو چھپا کر بٹھا دیا تھا۔ اور جہاں جہاں باغوں میں گھنے پیڑ تھے ان پر بھی سپاہیوں کو بندوق لے کر بٹھا دیا تھا۔ سید احمد، فتح خاں اور عبدالستار خاں کو ہراول مقرر کیا۔ دوندے خاں کو میمنہ میں اور بخشی سردار خاں کو میسرہ میں رکھا۔ سعد اللہ خاں کو عقب میں مقرر کیا اور حافظ رحمت خاں قلب لشکر میں رہا۔

بنگش فوج نے شمال اور جنوب سے روہیلوں پر زبردست حملہ کر کے ان کی صفیں توڑ دیں۔ سعد اللہ خاں اور دوندے خاں کی جان خطرے میں پڑ گئی۔ فوجیں اتنی قریب آ گئیں کہ دست بدست جنگ ہونے لگی۔ دوسرا حملہ قایم خاں نے کیا۔ روہیلہ پسپا ہو کر پیچھے ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ وہ نشیبی علاقہ (بیہڑ Ravine) میں اتر گئے جو پٹی کی شکل میں دور تک چلا گیا تھا۔ قایم خاں بنگش نے اس پسپا ہوتی ہوئی فوج کا تعاقب کرتے ہوئے نشیبی علاقہ میں ہاتھی اتار دیا اور آگے بڑھتا گیا۔ جب قایم خاں اور اس کا دستہ بندوق کی رینج میں آ گیا تو حافظ رحمت خاں نے باڑھ مارنے کا حکم دیا۔ آٹھ ہزار بندوقوں کی باڑھ نے بنگش فوج کو بھون کر رکھ دیا اور گولی لگنے سے قایم خاں بھی مارا گیا۔ بندوقوں کی باڑھ مار کر روہیلوں نے بندوقیں چھوڑ دیں اور تلواریں لے کر باجرے کے کھیت سے باہر نکل کر زندہ بچے بنگش سپاہیوں پر ٹوٹ پڑنے اور دور تک لاشوں کی سڑک بنا دی۔

قایم خاں کی موت اور ہراول دستے کی تباہی کا حال سن کر بنگش فوج بھاگنے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لگی۔اس بھاگتی ہوئی فوج پر پیڑوں پر بیٹھے روہیلوں نے فائرنگ شروع کر دی جس میں کافی فوجی مارے گئے۔قایم خاں کے ماتھے پر گولی لگی تھی۔اس کا مردہ جسم ہاتھی کے ہودے میں پڑا تھا۔ ہاتھی وان نے بھاگنے کی بہت کوشش کی لیکن روہیلوں کے ہاتھوں مارا گیا۔زین خاں اور شاغران خاں نے قائیم خاں کی لاش پر قبضہ کر کے اس کا سر کاٹ لیا۔اس طرح ڈونری ورسول پور کی جنگ کا اختتام ہوا۔حافظ رحمت خاں نے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے لاش کو سلوایا۔لاش پر دوشالہ ڈال کر، پالکی میں رکھ کر، فاتحہ پڑھنے والوں کے ساتھ اپنے چند معتمد روہیلوں کی نگرانی میں فرخ آباد روانہ کر دیا۔[10]

اس جنگ میں کافی مالِ غنیمت (Booty) ہتھیار، ہاتھی اور گھوڑے وغیرہ روہیلوں کے ہاتھ آئے۔روہیلہ فوج فرخ آباد کی طرف بڑھتی چلی گئی اور گنگا کے کنارے کے تمام پرگنوں، اوسیت (اُسہت) جلال آباد، مہر آباد، اوسیا، اجھیانی، کھاکھت، مئو ہلیا، امرت پور، اسلام گنج، پرم نگر اور سہسوان وغیر پر قبضہ کر لیا۔[11]

روہیلہ گنگا عبور کر کے فرخ آباد پر قبضہ کرنا چاہتے تھے لیکن حافظ رحمت خاں نے اعلیٰ ظرفی اور بے مثال اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔''افغان کو نہیں چاہیے تھا کہ وہ اپنے ہم قوم بھائی کو جنگ میں برباد کرے۔'' [12]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

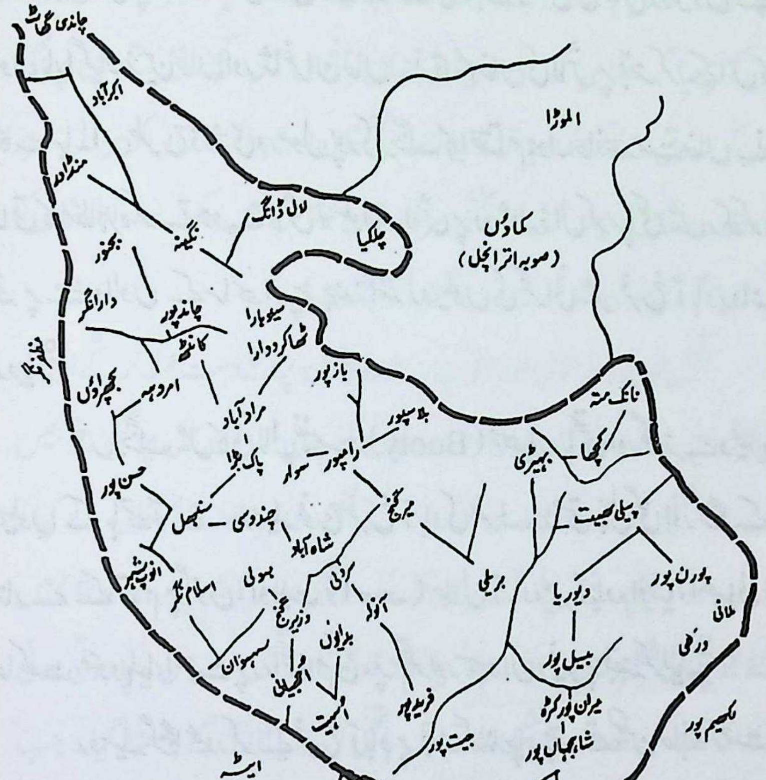

قائم خاں بنگش کی شکست (1749-1748) کے بعد کٹھیر میں حافظ رحمت خاں کے عہد میں روہیلہ مقبوضات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1۔ سیر المتاخرین جلد سوم ص 25-26

اقبال حسین ص 62 پر مختلف تاریخی حوالوں سے لکھتا ہے کہ قطب الدین خاں کے پاس پانچ سو فوجی تھے اور تاریخ مظفری جلد اول ورق 308 الف کا بیان ہے کہ قطب الدین خاں کی فوج کی تعداد 6 ہزار تھی اور سرکار کے مطابق یہ تعداد سات ہزار تھی۔ الہ یار بلگرامی کا بیان ہے کہ قطب الدین خاں تین سو سواروں کے ساتھ کٹھیر پہنچا۔ دوندے خاں نے بیس ہزار سواروں سے مقابلہ کیا اور قطب الدین خاں کو قتل کر دیا (حدیقۃ الاقالیم مخطوطہ ورق 378 ب)۔

2۔ شوپرشاد (مخطوطہ) ورق 22 الف، سیر المتاخرین جلد سوم ص 26۔

3۔ Sarkar : P 213 vol. i, quoted Ashub ii 425

4۔ شیر جنگ سیادت خاں کا بیٹا اور برہان الملک سعادت خاں کا بھائی تھا (تذکرہ عماد الملک ص 44)

5۔ ''منور علی خاں کہتا ہے کہ ایک کے بعد ایک تین فرمان قایم خاں کو بھیجے گئے تھے۔''
(اقبال حسین ص 42 بحوالہ لوحِ تاریخ ورق 81 ب)

6۔ اقبال حسین ص 62 بحوالہ عماد السعادۃ ورق 44 الف، ولی اللہ ورق 61 الف، بیان واقعی ورق 73 الف۔

7۔ ''حکیم محمد اعظم خاں مصنف اکسیر اعظم مجھ سے فرماتے تھے کہ میاں افضل امام روشن ضمیر سنّی المذہب عابد و زاہد تھے اس لیے صفدر جنگ ان سے تعصب رکھتا تھا۔ اس نے ضد میں اپنے دو غلاموں کا نام قہر امام اور غضب امام رکھا تھا۔'' اخبار الصنادید جلد اول ص 207

8۔ ''سید احمد شاہ جی میاں علماء کے ساتھ قایم خاں کے پاس گئے تھے اور قایم خاں ان کی باتوں سے راضی ہو گیا تھا لیکن اس نے آخری فیصلہ کا اختیار محمود خاں کو دیدیا جو شش و پنج میں مبتلا تھا۔ ممکن تھا کہ صلح صفائی ہو جاتی لیکن محمود خاں کے بیجا غرور تکبر نے قایم خاں کو جنگ پر آمادہ کر دیا۔''
اقبال حسین ص 62-63 بحوالہ گل رحمت ورق 38 ب، شوپرشاد ورق 25 الف، مسودہ ورق

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

124 الف سیر المتاخرین 874 عمادالسعادۃ 44، بیان واقعی 37 ب، تاریخ سادات جاوید 333

9۔ ''دکسل سنگھ روردوالے، راجا ہندوسنگھ پچیرڑی والے اور راجا شوراج پور (جو ضلع کانپور میں بلہور کے پاس ہے) بیس ہزار فوج کے ساتھ قایم خاں بنگش کے پاس آ گئے۔ کچھ سرداران مرہٹہ کالپی کے ناظم تھے بلائے گئے اور جعفر خاں اکبر پور اور شیخ فرحت اللہ لکھنوی بھی شریک ہوا۔'' (اخبار الصنادید جلد اول ص 204-205)

10۔ اقبال حسین ص 63 کے مطابق یہ جنگ 22 نومبر 1749 کو ہوئی تھی۔ اقبال نے دیگر ماخذوں کے حوالے بھی دیے ہیں۔ طباشیر الناظرین ص 110، ولی اللہ ورق 62 الف، کے مطابق 5 دسمبر 1748 سیر المتاخرین ص 874 خزانہ عامرہ ص 79 کے مطابق یکم دسمبر 1748 اقبال ص 63-64 گل رحمت 16 ب، تذکرہ عماد الملک (خدا بخش لائبریری پٹنہ مخطوطہ ورق 10 الف) کے حوالے سے لکھتا ہے کہ حملہ اس شدت سے کیا تھا کہ دوندے خاں کی فوج بھاگ پڑی تھی۔

''سعد اللہ خاں سخت خطرے میں تھا۔ منور خاں اور معظم خاں نے اسے زندہ پکڑنے کے لیے تین بار پٹکے کا پھندا بنا کر اسے کھینچنا چاہا لیکن خواصی میں بیٹھے ہوئے سید حسن شاہ نے تلوار سے پٹکا کاٹ دیا۔ (اخبار الصنادید جلد اول ص 211 بحوالہ گل رحمت و اخبار حسن)

11۔ اوسیت (اُسہت) ضلع بدایوں میں ہے، مہرآباد شاہجہاں پور میں کھاکھت، امرت پور، مئو وہلیا تحصیل علی گڑھ ضلع فرخ آباد میں ہے۔ (اخبار الصنادید جلد اول ص 217) ارون: ص 208 (اردو ترجمہ)

12- Sarkar : vol i, P 215, quoted Imad 45, Muz.11, Bayan 251, Syar iii 29, Gulistan -e- Rehmat 28,

ارون کا بیان ہے کہ قایم خاں بنگش کے کسی گمنام چیلے نے اپنی بہادری سے روہیلوں کو بڑھنے نہیں دیا اور امرت پور، کھاکھت مئو اور پرم نگر کو بچالیا۔ ص 208 (اردو)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صفدر جنگ کا فرخ آباد پر قبضہ

نواب قایم خاں بنگش کی موت کے بعد اس کی ماں بی بی صاحبہ نے محمد خاں بنگش کے گیارہویں بیٹے امام خاں کو اس کا جانشین بنا دیا لیکن اس میں حکومت کرنے صلاحیت نہیں تھی۔ اب صفدر جنگ کو من مانی کرنے کا پورا موقع مل گیا۔ اس میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ دلّی دربار کے قانونی ایجنٹ نواب قائم خاں بنگش کے قاتل روہیلوں کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کرتا۔ بلکہ اس نے بددیانتی کا ثبوت دیتے ہوئے مردے کے مال و ملک پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے بادشاہ احمد شاہ سے روپیہ حاصل کرنے کا لالچ دے کر فرخ آباد پر قبضہ کر کے اودھ میں ملانے کی سند حاصل کرلی[1]۔ دلّی حکومت کے غیر منصفانہ اور غیر اخلاقی رویہ نے یہ ثابت کر دیا کہ اس غیر اصولی اور ظالم حکومت کو مٹانے میں کچھ غیبی طاقت نے بھی مدد کی تھی[2]۔ اس بات کی اطلاع پا کر بی بی صاحبہ نے شمالی ہندوستان میں موجود مراٹھا سرداروں کو مدد کرنے کے عوض بیس لاکھ روپیہ دینے کی بھی پیش کش کی لیکن کسی وجہ سے وہ مدد کرنے پر راضی نہیں ہوئے۔

صفدر جنگ بادشاہ کو ساتھ لے کر 20 نومبر 1749 کو دہلی سے فرخ آباد پر قبضہ کرنے کے ارادے سے روانہ ہوا۔ اس خود غرض کو اتنا بھی لحاظ نہیں آیا کہ ابھی قایم خاں کی موت کو صرف سترہ دن ہوئے ہیں اور اس کا خاندان اس وقت غم زدہ ہوگا۔ چند پڑاؤ کرنے کے بعد وہ کول (علی گڑھ) پہنچ گیا۔ اس نے بادشاہ کو علی گڑھ میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چھوڑا اور خود دریا گنج آ گیا ضلع ایٹہ میں فرخ آباد سے 45 میل دور شمال مغرب میں ہے۔) اس نے اودھ میں مقیم اپنے نائب راجا نول رائے کو حکم دیا کہ وہ اودھ سے فوج لے کر روانہ ہو۔ نول رائے نے خدا گنج (فرخ آباد سے جنوب مشرق میں 16 میل کی دوری پر) پر قبضہ کر لیا۔ محمد خاں کے پانچوں بیٹوں انعام خاں، فخر الدین خاں، اسمعیل خاں اور خیر الدین خاں کو قید کر کے الہ باد بھیج دیا اور اس کے پانچوں چیلوں کو گرفتار کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔

بی بی صاحبہ نے زرِ پیشکش حاضر کرنے کے بارے میں خط لکھا اور وہ خود بھی 24 دسمبر کو صفدر جنگ کے خیمہ پر حاضر ہوئی اس نے امام خاں کو نواب بنا رہنے اور بدلے میں ساٹھ لاکھ روپیہ پیش کرنے کی گذارش کی۔ کئی دن کی گفتگو کے بعد معاملہ طے ہوا تو بی بی صاحبہ نے چوتھائی رقم نقد و جنس کی صورت میں فوراً ادا کر دی اور باقی رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ صفدر جنگ نے سعد اللہ خاں کو بھی تنبیہ کی کہ وہ جنگ میں حاصل کیا ہوا مالِ غنیمت اس کی خدمت میں حاضر کرے۔

روپیہ وصول کرنے کے بعد صفدر جنگ نے اپنے چہرے سے شرافت کا نقاب اتارا اور بی بی صاحبہ کو حراست میں لے لیا۔ نول رائے نے فرخ آباد پر بغیر کسی مزاحمت کے قبضہ کر لیا۔ صفدر جنگ نے فرخ آباد اور اس کے تحت بارہ پرگنوں کی آمدنی بی بی صاحبہ کے لیے مقرر کی اور قایم خاں بنگش کے تمام ملک پر قبضہ کر کے اپنی جاگیر میں شامل کر لیا۔ نول رائے قنوج کو مرکز بنا کر وہیں رہنے لگا اور صفدر جنگ قایم خاں کے پانچوں چیلوں کو لے کر اپنا مقصد پورا ہونے کے بعد دہلی چلا گیا۔

اب سارا فرخ آباد صفدر جنگ کے قدموں میں تھا۔ نول رائے نے زیادہ تر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہندوؤں کو نگہداری پر تعینات کیا تا کہ ساکنانِ فرخ آباد اور قایم گنج کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی جائے۔ لیکن اس کے ملازموں کی ناقابل برداشت حرکتوں نے بہت جلد رعایا کو ناخوش کر دیا۔ ان کی غیر شریفانہ حرکتوں نے شکست خوردہ پٹھانوں کی غیرت اور جنگجویانہ فطرت کو بیدار کر دیا۔ بی بی صاحبہ کو بقایا رقم کی ادائیگی تک قنوج میں حراست میں رکھ لیا گیا لیکن وہ اپنے قدیمی نمک خوار منشی صاحب رائے کی بدولت رہا ہوگئی۔ منشی صاحب رائے نے نول رائے کی اتنی قربت اختیار کر لی تھی کہ وہ اس کی تنہائیوں میں بھی شریک ہونے لگا تھا۔ ایک رات جب وہ نشے میں مدہوش تھا صاحب رائے نے بی بی صاحبہ کے رہائی کے پروانے پر دستخط کرا لیے اور آدھی رات کو ہی بی بی صاحبہ کو روانہ کر دیا۔

بی بی صاحبہ رہا ہو کر مئو رشید آباد آ گئی۔ اس نے افغانوں کے دستور کے مطابق اپنی چادر شہر اور دیہات کے پٹھانوں کے پاس عزت و ناموس بچانے کی مدد کے لیے بھیجی۔ افغان مدتوں سے ہندوستان میں رہتے ہوئے بھی عزت و ناموس کی نشانی چادر کو بھولے نہیں تھے۔ ان میں قبائلی جذبہ جاگ اُٹھا اور صفدر جنگ کے خلاف انتقامی کارروائی کے لیے متحد ہونے لگے۔

ایک دن مئو میں ایک آفریدی فوجی کی برقعہ پوش عورت اور نول رائے کے ہندو ملازم کے مابین تکرا ہو گئی اور اس نے غصہ میں عورت کے منہ پر جوتا مار دیا۔ وہ احمد خاں بنگش کے پاس پہنچی جو ان دنوں مئو میں رہ رہا تھا اور کہا کہ مردوں کی پگڑی تمہارے سر پر زیب نہیں دیتی۔ تم اپنے باپ کی رعیت کی عزّت اور عورتوں کی آبرو کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اچھا ہوتا کہ تم مرد کی جگہ عورت ہوتے۔ عورت کے اس طعنہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نے احمد خاں بنگش کی سوئی ہوئی غیرت افغانی کو بیدار کر دیا۔

فرخ آباد کی رعایا ایک زبردست دھاکہ کرنے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔ اُسے صرف اس باہمت قائد کی ضرورت تھی جو بارود کے ڈھیر میں چنگاری ڈالنے کی جرأت کر سکے۔ اس وقت بی بی صاحبہ نے بھی دور اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے سوتیلے بیٹے احمد خاں سے اتفاق کر لیا اور وہ متفقہ طور پر افغانوں کا قائد تسلیم کر لیا گیا۔ وہ ایسا سپہ سالار تھا جس کے پاس نہ فوج تھی نہ ہتھیار تھے اور نہ روپیہ۔ اس نے افغانوں کو پکارا۔ ان کی افغانی غیرت وحمیت کو للکارا اور لوگ جوش میں دیوانہ وار اس کی مدد کرنے پر راضی ہو گئے۔

رستم خاں آفریدی نے اپنا سارا اثاثہ بیچ کر پانچ ہزار روپیہ دیا۔ پٹھانوں نے اپنے ہل بیل برتن فروخت کر کے اور عورتوں نے اپنا زیور اتار کر وار فنڈ میں جمع کر دیے۔ کچھ جوشیلے لوگوں نے گروہ بنا کر مال دار لوگوں کے گھر ڈاکے ڈال کر وار فنڈ میں روپیہ جمع کرنا شروع کر دیا اور تھوڑے ہی دنوں میں چھ ہزار پٹھانوں کی مسلح فوج احمد خاں بنگش کی قیادت میں تیار ہو گئی جس نے فرخ آباد پر قبضہ کر کے شمال کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ نول رائے کے فوجی اور نوکر یا تو قتل کر دیئے گئے یا فرار ہو گئے۔

جب نول رائے کو خبر ہوئی تو وہ احمد خاں بنگش کی پیش قدمی روکنے کے لیے مع فوج کے آگے بڑھ کر خدا گنج آ گیا (جو فرخ آباد سے شمال کی جانب 16 میل دور پر کالی ندی کے کنارے آباد تھا۔) نول رائے قوم کا سکسینہ کایستھ تھا اور دیوانی کے معاملات میں ماہر تھا۔ وہ فوجدار جیسے انتظامی عہدے پر کبھی فائز نہ رہا تھا اور نہ ہی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس میں فطری بہادری کی خوبی تھی۔ اس لیے اس سے فوجی قواعد وضوابط کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ اُسے صفدر جنگ کا خط ملا جس میں اسے تاکید کی گئی تھی کہ وہ اس وقت تک جنگ سے دور رہے جب تک کہ دلّی سے فوجی کمک نہ آ جائے جو دلّی سے روانہ ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ جب تک ان پر حملہ نہ ہو وہ خود جنگ کی ابتدا نہ کریں۔ اس نے اپنے کیمپ پر سخت حفاظتی اقدامات کیے۔ کیمپ کے سامنے دشمن کی فوج کی طرف رُخ کر کے توپیں کھڑی کرائیں اور کمک آنے کا انتظار کرنے لگا۔

یہ افغانوں کی خوش قسمتی تھی کہ بروقت احمد خاں کے دوست ایک راجا نے اُسے تمام حالات کی خبر دیدی۔ احمد خاں نے اسی دن آدھی رات کو جب بارش ہو رہی تھی دو ہزار سواروں کے ساتھ مناسب مقام سے راستہ بنا کر نول رائے کے کیمپ پر حملہ کر دیا۔ جس طرف سے اس نے حملہ کیا ادھر توپوں کا رُخ نہیں تھا۔ توپخانہ کے انچارج سادات بارہہ نے اس کے پہلے حملے کو ناکام بنا دیا لیکن دوسرے حملہ کی وہ بھی تاب نہ لا سکے۔ اندھیری رات میں دشمن کا پتہ لگانا مشکل تھا اس لیے توپیں بے کار ہو گئیں۔ نول رائے کیمپ سے باہر آیا اور ہاتھی پر سوار ہوا۔ صبح تک جنگ جاری رہی جب اُجالا ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ نول رائے کا مردہ جسم ہاتھی پر پڑا ہے۔ قنوج پر پٹھانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ''وہ پٹھان جو معاشی طور پر سخت بدحال تھے ایک ہی رات میں مال دار ہو گئے۔ بہت سا سامانِ جنگ اور مال غنیمت ان کے ہاتھ آ گیا۔[3]'' انہوں نے گنگا کو عبور کیا اور مشرقی کنارے پر آباد بہت سے علاقوں کو لوٹ لیا جو اودھ کی حدوں میں تھے۔[4]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب پانچ/فصل سات

بنگش پٹھانوں کے خلاف صفدر جنگ کی روانگی

فرخ آباد پر قبضہ کرنے کے بعد صفدر جنگ مطمئن ہوکر دہلی دربار کی رنگ رلیوں میں کھو گیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ بنگش خاندان ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہو گیا لیکن فرخ آباد پر دوبارہ قبضہ کر کے احمد خاں کی جرأت نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس نے سامان جنگ مہیّا کیا، بادشاہ سے رسمی طور پر اجازت لی اور جولائی کو فرخ آباد کی طرف روانگی کے ارادے سے دہلی چھوڑ دی۔ لیکن وہ تین ہفتہ تک دہلی کے باہر ایک باغ میں ٹھہر کر منصوبہ بندی کرتا رہا۔ اب اُسے معاملہ کی نزاکت کا پورا احساس ہو گیا تھا اور وہ سمجھ گیا تھا کہ جس آسانی کے ساتھ بغیر ایک قطرہ خون بہائے اس نے قایم خاں بنگش کے ملک پر قبضہ کر لیا تھا، اب قبضہ کرنا آسان نہیں ہوگا کیونکہ افغان جاگ اٹھے ہیں اور عوامی محاذ کی شکل میں احمد خاں بنگش کی قیادت میں مضبوط ہو چکے ہیں۔ اس نے 22 جولائی کو اسمعیل بیگ خاں اور راجا دیوی دت کی قیادت میں دو دستہ فوج آگے روانہ کی اور 25 جولائی کو سست رفتاری کے ساتھ خود بھی روانہ ہوا۔

جب اگست کے شروع میں وہ مارہرہ (ضلع ایٹہ) پہنچا تب اُسے خدا گنج کی تباہی اور راجا نول رائے کے قتل کی اطلاع ملی۔ وہ ایک مہینہ تک یہیں پڑ ٹھہرا رہا اور اپنی فوج میں مزید اضافہ کرنے کے لیے حکم نامے بھیجتا رہا۔ اس کی فوج مارہرہ میں لوٹ مار کرنے اور مزاحمت کرنے والوں کو قتل کرنے میں مصروف رہی۔ اس کی فوج 10 ستمبر کو مارہرہ سے آگے بڑھی تب لوگوں نے چین کی سانس لی اور اس کے ظلم سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نجات پائی۔ تین دن بعد وہ رام چٹونی (مارہرہ سے 22 میل جانب مشرق) پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ ستر اسی ہزار تک بے ضابطہ فوج تھی۔ اس کا غرور اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ وہ کسی کا مشورہ لینا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کے مقابلہ میں احمد خاں کی فوج متحد اور ایک دل تھی۔

13 ستمبر 1750 کو سورج نکلنے کے تین گھنٹہ بعد جنگ شروع ہوئی۔ فوج کے داہنے بازو پر سورج مل جاٹ اور بائیں بازو پر اسمعیل بیگ خاں تھا۔ ان دونوں جانب سے حملہ شروع ہوا۔ صفدر جنگ کے توپ خانے نے بنگشوں کو بہت نقصان پہنچایا لیکن افغان بہادری سے لڑتے رہے یہاں تک کہ چھ ہزار پٹھان قتل ہو گئے اور ان کا بہادر کمانڈر رستم خاں آفریدی بھی مارا گیا۔ افغانوں کی بھاگتی ہوئی فوج کا اسمعیل بیگ نے پیچھا کیا۔ صفدر جنگ نے بندوق بردار، رہکلوں کا دستہ اور توپوں کو آگے بڑھنے اور تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ افغانوں کی جنگی ترکیب (War Tactics) کو نظر انداز کر کے صفدر جنگ اس طرح فوج آگے بڑھا رہا تھا جیسے افغانوں کی ساری فوج میدانِ جنگ سے فرار اختیار کر رہی ہو اور وہ فتح کے قریب پہنچ گیا ہو[6]۔ صفدر جنگ کی فوج کے دونوں بازو کافی دور نکل گئے۔ احمد خاں نے دیکھا کہ اب صفدر جنگ پیچھے اپنے حفاظتی دستے کے ساتھ رہ گیا ہے۔ احمد خاں نے ایک بجے کی بعد چھ ہزار تازہ دم پیدل فوج سے صفدر جنگ پر حملہ کر دیا۔ صفدر جنگ کا لائق کمانڈر اور رشتہ دار نصیر الدین حیدر مارا گیا۔ حفاظتی دستہ کا دوسرا کمانڈر کامگار خاں میدانِ جنگ سے فرار ہو گیا۔

ایرانی دستہ جو صفدر جنگ کی فوج کی ریڑھ کی ہڈی تھی بری طرح پسپا ہو کر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ادھر ادھر بکھر گیا۔ صفدر جنگ نے مدد کے لیے پکارا، صرف نور الحسن بلگرامی اور محمد علی خاں تین سو سوار کے ساتھ خونریز جنگ سے بچتے ہوئے وزیر کے پاس پہنچے۔ اچانک تیز آندھی آئی۔ گرد نے دوست اور دشمن کی پہچان مٹا دی۔ صفدر جنگ کا محافظ دستہ بھاگ کھڑا ہوا[7]۔ محمد علی خاں کے بندوق بردار دستے نے افغانوں کو روکنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ صفدر جنگ کی گردن میں گولی لگی اور وہ ہودہ میں بے ہوش ہو گیا۔ مہاوت گولی سے مارا گیا۔ ہاتھی بغیر مہاوت کے کسی طرف نکل گیا جسے افغان پہچان نہ پائے۔ اس طرح صفدر جنگ کو جنگ رام چتونی میں شکست ہوگئی (13 ستمبر 1750)۔[8]

اخبار الصنادید (ص 223) اور گل رحمت (ورق 32 ب) کے مطابق احمد خاں کی درخواست پر پرمول خاں اور دور خاں کو کچھ فوج کے ساتھ احمد خاں بنگش کی مدد کے لیے بھیجا تھا مگر دوسرے ماخذوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب پانچ/فصل آٹھ

صفدر جنگ کا فرخ آباد اور کٹھیر پر حملہ

اس ذلت آمیز شکست نے صفدر جنگ کی عظمت اور اعلی منصب کے وقار کو خاک میں ملادیا۔ دربار کے مخالف اس کا مذاق اڑانے لگے۔ اس نے دربار جانا چھوڑ دیا اور محل میں پڑا افغانوں سے بدلہ لینے کا منصوبہ بنانے لگا۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ مراٹھوں سے اتحاد کر کے افغانوں کو شکست دی جاسکتی ہے۔ اس نے مراٹھا سردار جے آپا سندھیا اور ملہار راؤ ہولکر کو فوجی خدمات کے بدلے میں 35 ہزار روپیہ یومیہ اور سورج مل جاٹ کو پندرہ ہزار روپیہ یومیہ ادا کرنے کا وعدہ کرلیا۔ اس نے جاوید خاں خواجہ سرا کے ذریعہ شاہی کارخانے سے سامانِ جنگ بھی فراہم کرلیا۔[9]

صفدر جنگ 11 فروری 1751 (مارچ 1751) کو بادشاہ سے اجازت لے کر دہلی سے روانہ ہوا۔ 18 فروری کو کشن داس کے تالاب پر خیمہ زن ہوا۔ دو دن بعد ملہار راؤ اور سورج مل جاٹ بھی فوج لے کر آگئے۔ ایک طرف صفدر جنگ پٹھانوں کی طاقت ختم کرنے کی آخری کوشش کر رہا تھا تو دوسری طرف احمد خاں بنگش الہ آباد کے مضبوط قلعہ کا محاصرہ کیے پڑا تھا اور اس کا بیٹا اودھ کو قبضہ میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ فرخ آباد میں معمولی سی فوج نگہداری کے لیے موجود تھی۔ اس کی فوجی چوکیوں پر بھی فوج کی کمی تھی۔ اچانک بیس ہزار فوجی دستہ کے ساتھ مراٹھوں نے علی گڑھ اور جالیسر پر حملہ کردیا جہاں شادی خاں بنگش چار ہزار فوج کے ساتھ فوج دار تھا۔ وہ مراٹھوں کی طاقتور فوج کا مقابلہ نہیں کر سکا اور کالی ندی و گنگا کے کنارے سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوتا ہوا فرخ آباد کی طرف فرار ہو گیا۔

اس واقعہ کی خبر جب احمد خاں بنگش کو الہ آباد میں ملی تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ الہ آباد کے قلعہ کے محاصرہ میں چا مہینے برباد کر کے وہ فرخ آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے اپنے بیٹے محمود خاں کو بھی حکم دیا کہ وہ اودھ کی مہم سے دست بردار ہو کر فرخ آباد کی طرف روانہ ہو۔ فرخ آباد کو بچانے کے لیے وہ فتح گڑھ کے چھوٹے سے قلعہ (فرخ آباد سے تین میل دوری پر مشرق کی سمت) میں آ گیا جہاں حسین پور کے پاس گنگا کا گھاٹ تھا اور اس کے دوسرے کنارے پر روہیلوں کا علاقہ تھا۔ یہاں خندقیں تیار کی گئیں۔ گہرے گہرے غار اور پانی کے بہاؤ سے بنے نالے اور کھائیاں (Ravine) قدرتی محافظ تھیں۔ بس اسی سمت سے کٹھیر کے روہیلوں سے امداد مل سکتی تھی۔

حالانکہ بنگش پٹھانوں اور کٹھیر کے روہیلوں کے درمیان قایم خاں کی موت کے بعد تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے لیکن روہیلہ ماخذوں کے مطابق جنگ رام چٹونی میں حافظ رحمت خاں نے پرمول خاں وغیرہ کے فوجی دستوں کو بھیج کر بنگشوں کی مدد کی تھی اور احمد خاں بنگش نے بھی ماضی کے کشیدہ تعلقات کو فراموش کر کے افغان قوم کی عزت کا واسطہ دے کر حافظ رحمت خاں اور تمام روہیلہ سرداروں سے مدد کی درخواست کی تھی۔ بی بی صاحبہ آنولہ آئیں اور سردارانِ روہیلہ سے مدد کی درخواست کی۔ لیکن ان سرداروں نے مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ بی بی صاحبہ نے سرداروں کی بیگمات سے روہیلوں کو مدد پر آمادہ کرنے کی درخواست کی لیکن سوائے سعد اللہ خاں، اس کا چیلہ[١٥] بہادر خاں اور فتح خاں[١١] خانساماں کے کوئی سردار مدد کرنے پر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راضی نہیں ہوا۔ حافظ رحمت خاں کا دل احمد خاں بنگش کی طرف سے صاف نہیں تھا اور اُسے صفدر جنگ سے بھی دشمنی کا خطرہ تھا۔ اس کی رائے تھی کہ اس جنگ میں روہیلوں کے ہاتھ سوائے دشمنی اور ناراضگی کے اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ احمد خاں بنگش کی فتح روہیلوں کے حق میں مستقبل میں نقصان دہ ہوگی اور احمد خاں کی طرف داری صفدر جنگ کو ناراض کردے گی۔ لیکن وہ سعد اللہ خاں کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جانے سے روک نہیں سکا۔ اور اس بچکانہ حرکت کا خمیازہ بعد میں روہیلوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا۔[12]

مراٹھا دوآب میں لوٹ مار کر کے فرخ آباد کی طرف بڑھے اور فتح گڑھ کے قریب نصف میل دوری پر قاسم باغ میں خیمہ زن ہوگئے۔ اس کے بعد صفدر جنگ سنگی رامپور میں آ گیا۔ اس نے دوبار ندی پر پل بنانے کی کوشش کی لیکن محمود خاں نے اس کی کوشش کو ناکام بنا دیا البتہ مراٹھوں نے فتح گڑھ پر قبضہ کرنے میں کامیابی حاصل کرلی اور احمد خاں کو قلعہ چھوڑ کر فتح گڑھ میں دوسری جگہ کیمپ لگانا پڑا۔ 17 اپریل کو صفدر جنگ کشتیوں کا پل بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ مراٹھا اور جاٹ ندی عبور کر کے ایک مہینہ بعد دوسرے کنارے پر آ گئے اور اپریل کو سعد اللہ خاں بارہ ہزار فوج کے ساتھ احمد خاں کی مدد کے لیے آ گیا۔ اس فوجی کمک کی آمد کی خوشی میں احمد خاں کی فوجوں نے توپیں داغنا شروع کر دیں۔ احمد خاں نے سعد اللہ خاں کو مشورہ دیا کہ جب تک محمود خاں اور تمہاری فوج میری فوج سے متحد نہ جائے حملہ نہیں کرنا۔ محمود خاں کی فوج سعد اللہ خاں سے آ کر مل گئی تو اس نے جوش میں مراٹھوں پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں جلد بازی کرنے کا سبب بہادر خاں تھا جسے اپنی شجاعت پر ناز تھا۔ خون ریز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جنگ کے بعد بہادر خاں قتل ہو گیا اور سعد اللہ خاں و محمود خاں کو فرار ہونا پڑا۔ سعد اللہ خاں آنولہ آ گیا اور محمود خاں فتح گڑھ چلا گیا۔ اس شکست نے بنگش فوج کے حوصلے پست کر دیے۔ دوسرا حادثہ یہ ہوا کہ ایک رات احمد خاں کے کیمپ میں آگ لگ گئی۔ توپیں بیکار ہو گئیں اور فوج میں دہشت پھیل گئی۔ فوج گھبرا کر فرار ہونے لگی اور احمد خاں اپنے خاندان اور رفقا کے ساتھ کامرول (Kamraul) سے گنگا عبور کر کے آنولہ آ گیا۔

مراٹھوں نے فتح گڑھ پر قبضہ کر لیا۔ اور صفدر جنگ نے ایک بار پھر بنگش خاندان کے ملک پر قبضہ کر لیا۔ برسات کا موسم تقریباً شروع ہو چکا تھا اس لیے صفدر جنگ عارضی طور پر جنگ ختم کر کے اودھ آ گیا۔ مراٹھا فرخ آباد میں ٹھہر کر دل کھول کر لوٹ مار کرنے میں مصروف ہو گئے اور وہ تمام دولت جو انھوں نے حاصل کی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف ایک چیز کی قیمت 16 لاکھ روپیہ تھی۔ ملہار کے حصہ میں دو کروڑ روپیہ نقد آیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ مال اور دولت تھی جو عام مراٹھا فوجیوں نے لوٹی تھی۔[13]

حافظ رحمت خاں کی پالیسی:- فرخ آباد پر صفدر جنگ کی لشکر کشی کے دوران حافظ رحمت خاں کی پالیسی روہیلوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی۔ وہ لڑائی سے دور بھی رہا اور احمد خاں بنگش کو آنولے میں پناہ دینے سے روک بھی نہیں سکا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ احمد خاں بنگش اس کا دشمن تھا تو اس سے بڑا دشمن صفدر جنگ تھا جس نے قایم خاں کو کٹھیر پر قبضہ کرنے کی سند بادشاہ سے دلوائی تھی اور بظاہر اس جنگ میں روہیلوں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی شکست کے امکانات زیادہ تھے۔ احمد خاں بنگش کی درخواست پر مدد نہ کرنے کا فیصلہ ممکن ہے اس وجہ سے بھی کیا ہو کہ فوجوں کے اخراجات کا سوال تھا جسے روہیلوں کو خود برداشت کرنا تھا کیونکہ احمد خاں بنگش نے فوجی امداد کی درخواست ہم قوم پٹھان ہونے کے ناطے کی تھی۔ فوجی اخراجات برداشت کرنے کا کوئی اشارہ نہیں دیا تھا۔ یہ بات سچ ہے کہ حافظ رحمت خاں نے سعد اللہ خاں کو جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی لیکن ہیملٹن کی یہ رائے بھی صحیح ہے کہ ''اگر صفدر جنگ اور مراٹھوں کو موقع مل جاتا تو وہ سعد اللہ خاں اور دوسرے روہیلہ سرداروں میں کوئی فرق نہیں کرتے اور تمام روہیلوں پر حملہ کیا جاتا''[14] اگر اس موقعہ پر حافظ رحمت خاں روہیلوں کی چالیس ہزار فوج کے ساتھ احمد خاں بنگش کی مدد کرتا تو صفدر جنگ کی شکست یقینی تھی اور یہ شکست نہ صرف صفدر جنگ بلکہ اس کے خاندان کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوتی اور اس کے خاندان کا نام ونشان بھی سادات بارہہ کے حسین علی اور عبداللہ خاں کی طرح دتی کی سیاست سے غائب ہو جاتا۔

برسات کے بعد صفدر جنگ کی واپسی:- صفدر جنگ کے جاتے ہی احمد خاں بنگش فرخ آباد کی طرف چلا گیا۔ اس کی آمد کی اطلاع صفدر جنگ کو مل گئی لیکن وہ برسات ختم ہونے تک اودھ ہی میں ٹھہرا رہا۔ جیسے ہی برسات ختم ہوئی اور ندیاں قابلِ عبور ہو گئیں صفدر جنگ اودھ سے روانہ ہو گیا اور مراٹھوں کو احمد خاں بنگش اور روہیلوں کو بھگانے کا حکم دیا۔ احمد خاں بنگش آنولہ آ گیا۔ باہمی مشورے سے یہ طے ہوا کہ مقابلہ کرنے کے بجائے کسی محفوظ مقام پر جانا چاہیے۔ اپنا ضروری سامان لے کر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روہیلہ اور بنگش چلکیا (لال ڈانگ) [15] کی طرف بڑھنے لگے جو گڑھوال کے پہاڑوں میں جنگلوں سے گھری ہوئی قدرتی پناہ گاہ تھی۔ کھانڈے راؤ اور ملہار راؤ ان کا تعاقب کر رہا تھا لیکن ایک مقام پر دوندے خاں نے مراٹھوں کا راستہ روک لیا۔ مراٹھوں کے تین طرف دریا تھا اور چوتھی طرف دوندے خاں کا فوجی دستہ تھا۔ مراٹھا سردار نے احمد خاں کو خط بھیجا اور کہا کہ ہم بادشاہ کے حکم پر جنگ کرنے آئے ہیں صفدر جنگ کے حکم پر نہیں۔ ہم قسم کھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ جب جنگ شروع ہوگی ہم آپ کو اطلاع کر دیں گے۔ آپ دوندے خاں سے کہیں کہ وہ ہمیں آگے بڑھنے کا راستہ دیدے۔ لیکن دوندے خاں کی رائے تھی کہ اس وقت مراٹھوں کو آسانی سے شکست دی جا سکتی ہے مگر احمد خاں نے اس کی بات سے اتفاق نہیں کیا۔ مجبور ہو کر دوندے خاں نے مراٹھوں کا راستہ کھول دیا۔ [16]

بنگش اور روہیلہ رامپور ہوتے ہوئے مراد آباد کی راہ سے کاشی پور پہنچ گئے۔ مراٹھوں نے اپنا وعدہ نباہتے ہوئے احمد خاں کو اطلاع دی کہ صفدر جنگ چاہتا ہے کہ ہم تیزی سے بڑھیں اور پہاڑ میں داخل ہونے سے پہلے افغانوں پر حملہ کر دیں۔ اس لیے آپ تیزی سے آگے بڑھ جائیں۔ حقیقت یہ تھی کہ مراٹھا مفت میں جانیں گنوانے سے گریز کر رہے تھے۔ انھیں صرف دولت کی ضرورت تھی جو فرخ آباد کی لوٹ مار میں کافی مل چکی تھی۔ یہ اطلاع ملتے ہی افغان چلکیا (لال ڈانگ) کی طرف بغیر پڑاؤ کیے تیزی سے بڑھتے رہے اور وہاں پہنچ گئے۔ جنگل صاف کر کے پناہ گاہ بنائی اور مورچے قایم کر کے دشمن سے محفوظ ہو گئے۔ کھانے پینے کی تنگی ضرور تھی لیکن پھر بھی پہاڑی لوگ، پہاڑی راستوں سے خورد و نوش کا سامان لے آتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صفدر جنگ نے راجا الموڑا کو روہیلوں کی مدد کرنے سے باز رہنے کا حکم دیا۔ حافظ رحمت خاں نے قاصد کے ذریعہ راجا دیپ چند (1777-1748) سے خورد و نوش کا سامان مہیا کرانے کی گزارش کی۔ راجا کے تعلقات روہیلوں سے اچھے تھے اس لیے اس نے رسد کا انتظام کر دیا[17]۔ صفدر جنگ کی توپ کے گولے روہیلوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے البتہ روہیلوں کے شبخون سے صفدر جنگ کو ضرور نقصان پہنچ رہا تھا۔ اُس نے مراٹھوں کو فوج کے آگے رکھا تھا اور بار باران کو حملہ کرنے کی تاکید کرتا تھا لیکن مراٹھوں کا ایک ہی غدر تھا کہ ہم کس سے جنگ کریں۔ دشمن جب جنگل کے اندر بیٹھ گیا تو جنگ کیسے کی جا سکتی ہے۔ کبھی کبھی صفدر جنگ اور ملہار راؤ کے درمیان تکرار بھی ہو جاتی اور ایک دن ایسی ہی گرم گفتگو کے دوران صفدر جنگ کی فوج کا اتیتوں کا سردار یہ دعویٰ کر بیٹھا کہ میں حملہ کروں گا اور جب اُس نے نجیب الدولہ[18] کے مورچے پر شدید حملہ کیا تو نجیب الدولہ نے باوجود کم فوج ہونے کے حملہ کو روک لیا۔ اس کی مدد کو روہیلہ آ گئے اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ اتیتوں کا سردار راجا اندر گسائیں جو گوریلا جنگ کے لیے بہت مشہور تھا روہیلوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ اس کے بہت سے آدمی قتل ہو گئے وہ خود جان بچا کر بھاگ گیا۔

اس درمیان یہ واقعہ بھی ہوا کہ ملہار راؤ کا لڑکا کھانڈے راؤ ایک حملہ میں روہیلوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا لیکن ملہار راؤ کی گزارش پر احمد خاں بنگش نے اُسے رہا کر دیا تھا۔ اس بات سے ملہار راؤ احمد خاں کا بہت احسان مند ہو گیا تھا۔ مراٹھا کئی وجوہات کی بنا پر اس جنگ سے بددل ہو رہے تھے۔ جنگ کے بادل چھائے ہوئے تھے لیکن جنگ نہیں ہو رہی تھی۔ پہاڑی مقام کی آب و ہوا نے روہیلوں اور مراٹھوں کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دماغی بخار میں مبتلا کر دیا تھا اور مراٹھا گھروں کو لوٹنے کے لیے بے چین تھے۔ اس بے مقصد محاصرہ اور بے نتیجہ جھڑپوں میں چار مہینے گزر چکے تھے (مراٹھا جنوری 1751 کے دوسرے ہفتہ میں جے پور سے چلے تھے) غیر صحت مند آب و ہوا نے انھیں بیمار کر دیا تھا۔[19]

اسی درمیان علی قلی خاں بادشاہ کا شقہ لے کر آیا۔ اس نے صفدر جنگ کو لکھا تھا کہ تم میری فوج اور زمینداروں کو لے کر ایک بے ہودہ جنگ میں مصروف ہو۔ ابدالی کے جلد آنے کی خبر ہے۔ تم احمد خاں سے صلح کر کے جلد دلّی آ جاؤ۔ صفدر جنگ نے بادشاہ کے شقہ کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا بلکہ جنگ کا فیصلہ کرنے کے لیے مراٹھوں پر زور ڈالنے لگا۔ اس کے بار بار اصرار پر ملہار نے جواب دیا کہ اگر دشمن میدان میں ہو تو ہم جنگ کر سکتے ہیں جنگل میں گھس کر جانیں گنوانا یا محاصرہ میں وقت برباد کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ مجبور ہو کر صفدر جنگ کو روہیلوں اور احمد خاں بنگش سے صلح کرنی پڑی۔

صلح کی شرائط:- فروری 1752 میں[20] ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ مراٹھوں کی کرائے کی فوج کی رقم جو صفدر جنگ کو ادا کرنا تھی وہ احمد خاں بنگش کے ذمہ ڈال دی گئی اور یہ بھی طے پایا کہ جب تک وہ مطلوبہ رقم ادا نہیں کرتا اس کا آدھا ملک مراٹھوں کے پاس مکفول رہے گا لیکن مراٹھوں نے مکفول علاقوں کا انتظام احمد خاں کے سپرد کر دیا جو ان علاقوں کے انتظام میں کیے گئے خرچ کو منہا کر کے باقی رقم قنوج اور علی گنج میں مقیم دو دکنی مہاجنوں (کوٹھی وال Bankers) کو ادا کرے گا۔ غلام حسین مزید تفصیل بیان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرتا ہے جسکی تصدیق ''بیان واقعی'' (مصنف خواجہ عبدالکریم کشمیری) سے بھی ہوتی ہے۔ احمد خاں اور محمد خاں (مرحوم) کے دوسرے لڑکوں کے لیے فرخ آباد اور دوسرے محالات 16 لاکھ روپیہ آمدنی کے (بیان واقعی کے مطابق 22 لاکھ روپیہ آمدنی) اور نواب علی محمد خاں کے لڑکوں کے لیے میراباد (نجم الغنی کے مطابق مہر آباد) اور دوسرے محالات کی آمدنی وصولیابی کے بعد مراٹھوں کو ادا کرنی تھی۔ (غالباً روہیلوں کو اجارہ پر دیے گئے تھے) قنوج اکبر پور شاہ اور خاندانِ بنگش کے دیگر علاقوں پر مراٹھا ایجنٹ گووند پنت بندیلہ کو قابض کر دیا گیا۔ چند محالات پر صفدر جنگ کا قبضہ مان لیا گیا۔ اس طرح بنگش اور روہیلوں کو کوئی دائمی نقصان نہیں ہوا بلکہ حیرت انگیز طور پر بہت تھوڑا سا خسارہ ہوا۔[21]''

لیکن اقبال کی رائے سرکار سے مختلف ہے۔ روہیلہ صفدر جنگ کو پچاس ہزار روپیہ پیش کش دینے اور فرماں بردار رہنے پر راضی ہو گئے۔ (بحوالہ شور شاد 33a مسودہ 197a لیکن سیر المتاخرین کے بیان کے مطابق یہ رقم 16 لاکھ تھی) رضامندی کے بعد روہیلوں نے تمسک (Bond) پر دستخط کیے۔ یہ پچاس ہزار روپیہ کی رقم روہیلوں کو ملہار راؤ ہولکر کو ادا کرنا تھی (بحوالہ شور شاد 33a، مسودہ 147a، طبا شیرۃ الناظرین 117a شرائف عثمانی 270، میزانِ دانش 32b لکھتا ہے کہ روہیلہ مراٹھوں کو چوتھ دینے پر بھی رضامند ہو گئے)۔ صفدر جنگ نے بنگش کے آدھے ملک کو لیکر مراٹھوں کو پچاس ہزار روپیہ کے عوض دیدیا کیونکہ یہ رقم مراٹھوں کو فوجی خدمات کے بدلے میں صفدر جنگ کو ادا کرنا تھی۔ اس طرح مراٹھوں کو دوآب میں بنگش کے مقبوضات سے کول سے کوڑا جہان آباد تک 16 محال مل گئے۔ یہ محالات اس وقت تک مراٹھوں کے پاس مکفول

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رہنا تھے جب تک پچاس ہزار روپیہ ادا نہیں ہو جاتے۔ اس طرح مراٹھوں کو جمنا کے ساتھ ساتھ مضبوط فوجی ٹھکانے مل گئے جہاں انھوں نے فوراً ہی انتظامات مکمل کر لیے (محصولات کی چوکیاں اور تھانے قایم کر دیے) ان آراضیوں کے نکل جانے سے بنگش دو مضبوط طاقتوں مراٹھا اور اودھ کے درمیان مستقل طور پر پھنس کر رہ گئے۔"[22]

اب صفدر جنگ نے بنگش اور روہیلہ اتحاد توڑنے کے لیے روہیلوں پر نوازشوں کا طریقہ اپنایا۔ حافظ رحمت خاں کو اپنے ساتھ لیا اور اودھ کی طرف چل دیا۔ راستے میں خاطر مدارات کرتا رہا۔ یہاں تک کہ لکھنؤ سے پندرہ میل دور موہن مقام پر آ کر تحائف دے کر رخصت کر دیا اور خود فیض آباد چلا گیا۔ اقبال حسین کا بیان ہے کہ صفدر جنگ نے سربنا اور پرم نگر کے علاقوں کی سند بھی حافظ رحمت خاں کو دی تھی (ص69)۔ اس مدارات کا مقصد صرف یہ تھا کہ حافظ رحمت خاں کے دل میں اس کے لیے جگہ پیدا ہو جائے اور آئندہ احمد خاں بنگش سے اتحاد نہ کر سکے۔ "صفدر جنگ نے حافظ رحمت خاں کے کسی پرگنہ پر قبضہ نہیں کیا کیونکہ اس نے باقاعدہ پیش کش دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔"[23]

صفدر جنگ کی مہم کا خاتمہ ہو گیا۔ اس نے پٹھانوں کی طاقت کو کچل دیا اور احمد خاں بنگش کا تقریباً آدھا ملک اس کے قبضہ سے نکل گیا۔ کٹھیر کے روہیلہ اپنی حدوں میں مقید ہو گئے۔ ان کے جنوب مشرق میں صوبہ اودھ تھا۔ گنگا کے جنوب میں احمد خاں بنگش کا ملک تھا اور کٹھیر کے مغرب میں جمنا کے ساتھ ساتھ سرہند کی قدرتی حد بندی تھی جو مرکزی حکومت کا زیر اقتدار علاقہ تھا جہاں بعد میں سکھوں نے قبضہ کر لیا تھا یا ان کی دست برد میں تھا۔ صرف جنوب میں کماؤں کے دامن کے میدانی علاقوں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے پہاڑی علاقے تھے جہاں راجپوت زمیندار قابض تھے، جن پر قبضہ کر کے روہیلہ مقبوضات میں اضافہ کیا جا سکتا تھا۔

جنگ کے بعد:- روہیلہ مقبوضات کے سب سے قریب پرگنہ سر بنا تھا (Himalyan Distt. Gazett. 585) کے مطابق اس کا نام Sarbana تھا اور گل رحمت 490 کے مطابق اس کا نام سبنا Sabna تھا) جسے معاہدہ کے بعد صفدر جنگ نے حافظ رحمت خاں کو دے دیا تھا۔ کھیری گڑھ (پرگنہ سرکار کھیری) اور خیرآباد (صوبہ اودھ) تھے۔ ان پرگنوں پر مغل اقتدار ختم ہو چکا تھا اور مقامی زمینداروں کے قبضے میں تھے۔ حافظ رحمت خاں نے صفدر جنگ کا اشارہ پاتے ہی ان علاقوں پر شیخ کبیر کے ذریعہ قبضہ کر لیا۔

''فوجی نقطہ نظر سے کھیری گڑھ (جواب ضلع کھیری ہے) کی بڑی اہمیت تھی۔ یہاں سرجو ندی کے شمالی کنارے پر ایک بڑا قلعہ تھا جو نشیبی علاقہ میں آباد ڈوٹی اور نیپال سے تحفظ کرتا تھا۔ آئین اکبری میں اس قلعہ کو ہندوستان کا اہم قلعہ مانا گیا ہے۔ (آئین اکبری جلد دوم ص 188) آئین اکبری ان چھ اینٹوں کے قلعوں کا بھی حوالہ دیتا ہے۔ جو اس قلعہ کے قریب و جوار میں موجود تھے۔ کھیری گڑھ اور سر بنا کے درمیان جنگل، دلدل اور نالے اور ٹیڑھے میڑھے راستے تھے جن پر گزرنا دشوار بھی تھا اور خطرات سے بھرا ہوا بھی۔ اس وقت ان علاقوں پر بنجارا اور راجپوت زمیندار قابض تھے۔ کسی بھی زمیندار کے پاس دو ہزار سے کم فوج نہیں تھی۔ گھاگھرا ندی جو اس علاقہ میں سرجو کہلاتی تھی، اتنی تیز بہتی تھی کہ اسے عبور کرنا نہایت دشوار تھا۔ شیخ کبیر نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہاتھیوں کے ذریعہ زمینداروں کی مزاحمت کے باوجود ندی کو پار کیا۔ شیخ کبیر نے سختی کے ساتھ لوٹ مار زیادتی اور آبروریزی کرنے کی ممانعت کردی۔

کھیری گڑھ کے بعد شیخ کبیر جنگل دلدل اور اونچے نیچے خطرناک راستوں سے بڑھتا ہوا بھرت پور فتح کرنے چلا۔ یہ علاقہ کھیری گڑھ سے شمال مشرق کی طرف بیس میل کی دوری پر تھا۔ اس کے مغرب میں کوڑیالا اور مشرق میں کرمانڈیاں قدرتی محافظ تھیں۔ بھرت پور راجپوت زمیندار کے قبضہ میں تھا۔ لیکن کھیری گڈھ پر شیخ کبیر کے قبضہ سے زمیندار بھرت پور اتنا خوفزدہ تھا کہ اس نے تھوڑی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیے اور خود بجولیا، درماپور اور سنگلپا کی طرف بھاگ گیا۔ شیخ کبیر نے اس کا تعاقب جاری رکھا۔ مجبور ہو کر زمیندار نے خود کو حوالے کردیا اور کافی رقم پیش کش کے طور پر ادا کی۔ اس فتح کے بعد روہیلہ کماؤں کے علاقوں میں داخل ہو گئے۔ شیخ کبیر نے ملہورہ اور مچھیالی پر بغیر کسی مزاحمت کے قبضہ کرلیا۔ مچھیالی تجارتی مرکز تھا اور اجا ڈوٹی کے قبضہ میں تھا۔ یہاں سال میں دو بار تجارتی میلہ لگتا تھا۔ راجا ڈونی کی فوجیں بھاگ گئیں لوٹ کا کافی مال روہیلوں کے ہاتھ آیا۔ اس کے بعد شیخ کبیر سربنا لوٹ آیا[24]۔ اس مہم میں تقریباً چار ماہ کا عرصہ لگا اور حافظ رحمت خاں کی دولت اور شہرت میں اضافہ ہوا۔

صفدر جنگ اور پٹھانوں کے تنازعہ کے باعث مقامی زمینداروں کو سر اٹھانے کا موقع مل گیا تھا۔ انھوں نے محصولات دینا بند کردیے تھے۔ ان سرکش زمینداروں میں مہر آباد اور جلال آباد کے زمیندار پیش پیش تھے۔ خاص طور سے کوریا (Kauriya) کا زمیندار بہت طاقتور تھا۔ اس کے پاس بہترین آلاتِ جنگ سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مسلح 12 ہزار فوج تھی۔ ان زمینداروں کی سرکوبی کے لیے فتح خاں، شیخ کبیر اور مرزا خاں کے ساتھ حافظ رحمت خاں کو خود جانا پڑا تھا۔ روہیلوں نے کوریا کے زمیندار سے جنگ کر کے اسے شکست دی۔ اور ان تمام علاقوں پر قبضہ کر کے آنولہ لوٹ آئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1۔ سیر المتاخرین جلد سوم 27

2۔ Sarkar : vol. i, 216

3۔ Sarkar ; vol. i, 219 quoted Bayan 259

4۔ Sarkar : vol. i. quoted Imad 48, Gazett. Farrukhabad 163.

5۔ سیر المتاخرین جلد سوم 32

6۔ Sarkar : vol i, 211, quoted Siyar iii 31-34, Bayan 260-262 Imad 49

7۔ سیر المتاخرین جلد سوم 33 گل رحمت ورق 33 الف، خزینۂ عامرہ ,81-83

8۔ سیر المتاخرین جلد سوم 33

9۔ سیر المتاخرین 36، گل رحمت ورق 40 الف

''صفدر جنگ کی شکست نے بادشاہ دہلی کو خوف زدہ کر دیا تھا۔ اس نے امراء سے مشورہ کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا کہ کہیں احمد خاں بنگش دتی پر حملہ نہ کر دے۔ سب نے کہا کہ یہ شرارت صفدر جنگ کی ہے ورنہ احمد خاں بنگش تو بادشاہ کا مطیع اور فرماں بردار ہے۔ اچھا یہ ہے کہ اُسے خلعت وغیرہ معہ فرمان بھیجا جائے۔'' (اِرون: اردو جلد دوم 32)

اِرون کے بیان کے مطابق شہزادہ فیروز جنگ احمد خاں بنگش کا ہمنوا ہو گیا تھا۔ صفدر جنگ کو یہ بھی خوف تھا کہ کہیں کٹھیر کے روہیلہ اس کے ہمنوا نہ ہو جائیں۔ اس نے جاوید خاں کو ہم خیال بنا کر بادشاہ کو راضی کرنے کوشش کی۔ جاوید خاں نے صفدر جنگ کی طرف داری کرتے ہوئے یہ دلیل دی کہ کتاب اخون درویزہ مصنفہ مرشد دوئی افغاناں میں لکھا ہے کہ کوئی افغان سردار بجمعیت زائد از دوازدہ ہزار (12 ہزار سے زیادہ جمیعت) مرتبہ شاہی کو پہنچے گا۔ احمد خاں کے پاس اِس سے زائد فوج ہے۔ وہ خود کو بادشاہ قرار دینے سے کیوں باز رہ سکتا ہے۔''
(ارون: جلد دوم 41)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

10۔ جس شخص کی پرورش اور تربیت کوئی امیر کرتا تھا وہ اس کا چیلہ کہلاتا تھا۔ بہادر خاں کی تربیت نواب علی محمد خاں نے اس وقت کی تھی جبکہ وہ سرہند میں چکلہ دار تھا۔ وہ پٹھان بھی ہوسکتا ہے اور جاٹ بھی۔ جب نواب علی محمد خاں سرہند سے دوبارہ کٹھیر میں آئے تھے بہادر خاں ان کے ساتھ آ گیا تھا۔ نواب سعد اللہ خاں کا ہم عمر تھا اس لیے اس کے ساتھ رہتا تھا۔ نہایت بہادر اور جوشیلا جوان تھا۔

نواب علی محمد خاں اور نواب قایم خاں بنگش کے ذکر میں ایسے چیلوں کا ذکر بھی ملتا ہے جو غیر مسلم تھے لیکن مسلمان ہونے کے بعد ان کے نام کے آگے خاں لکھا جانے لگا۔ قایم خاں کے قتل کے بعد جب صفدر جنگ نے فرخ آباد پر قبضہ کرلیا تھا تب اس کے بھائیوں کے ساتھ قایم خاں کے پانچ چیلوں کو بھی گرفتار کر کے دلی لے جایا گیا تھا اور رام چٹونی کی جنگ میں شکست کے بعد صفدر جنگ کے حکم سے ان کا قتل کر دیا گیا تھا۔

11۔ فتح خاں خانساماں چونکہ نواب علی محمد خاں کے زمانے سے ان کی اولادوں کا سرپرست تھا اس لیے سعد اللہ خاں کے ساتھ گیا تھا۔

12۔ اخبار الصنادید جلد اول 227

13- Sarkar : vol. i, 230, quoted syar iii 36, Imad 57-59,
T.Ahmadshahi 27b, 28a Gul-e-Rehmat 40-41.

14- Hemilton:217

15- Hemilton:217

گلستان رحمت اور منتخب العلوم کے مطابق اس پناہ گاہ کا نام چلکیا تھا جو کاشی پور سے 23 میل دوری پر ہے۔

لال ڈانگ:- اس وقت یہ علاقہ Rajaji National Park ضلع ہری دوار (اترانچل) میں ہے۔ پہلے نجیب آباد میں تھا۔ نجیب آباد سے ہری دوار اور ہری دوار سے چڑیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بور سے سیدھے ہاتھ مڑ کر پیلی ندی اتر کر ہے۔ نجیب آباد سے اس کا فاصلہ تقریباً تیس کلومیٹر ہے۔ یہاں پر پہاڑی پنڈت اور پہاڑی ٹھاکروں کی آبادی ہے۔ بن گوجر بھی رہتے ہیں۔ بن گوجروں اور جنگلی جانوروں کی دوستی اس درجہ ہے کہ اس علاقے کے جانور، ہاتھی اور ریچھ وغیرہ انھیں نقصان نہیں پہنچاتے۔ سمت کے لحاظ سے یہ علاقہ نجیب آباد کے جنوب مغرب میں ہے۔ (مصنف)

16۔ ارون: اردو 63

17۔ شو پرشاد: ورق 32 الف، اقبال حسین۔ بحوالہ گل رحمت اور مسودہ 67

18۔ جنگ کے دوران نجیب الدولہ ریہٹر میں تھا۔ نجیب الدولہ جب نواب علی محمد خاں کے ساتھ سرہند سے لوٹ کر کٹھیر میں آ گیا تھا اس وقت اس کی بیوی دختر بشارت خاں کا انتقال ہو گیا تھا۔ (1748) اُس نے دوندے خاں (چچازاد بھائی حافظ رحمت خاں) کی لڑکی دُر بیگم سے شادی کر لی تھی (1748)۔ دوندے خاں نے نجیب الدولہ کو ریہٹر کے بارہ پرگنے جہیز میں دیتے تھے۔ (Rasheed S.A. : An Account of Najeeb-ud-duala 53)

19- Sarkar ; vol. i, 231, quoted gule Rehmat

20- Iqbal : P67, quoted Shiv Prasad21

21- Sarkar: vol. i, 231, quoted syar and Bayan

22- Iqbal : 68.

23۔ اقبال حسین 69۔ بحوالہ ولی اللہ 66 سیر المتاخرین 88، شو پرشاد ورق 33 ب، تاریخ مظفری جلد اول ورق 324 الف، اوصاف الاوصاف ورق 68 ب۔

24۔ گلستان رحمت ورق 35 الف

25- Iqbal : 69-71

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

احمد شاہ ابدالی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روہیلہ اور احمد شاہ ابدالی میں روابط

کٹھیر میں روہیلوں کی ترقی اور مضبوط حکومت کی خبریں افغانستان پہنچ رہی تھیں اور احمد شاہ ابدالی روہیلوں کے حالات سے پوری طرح آگاہ تھا۔ ایک دوراندیش حکمراں ہونے کے ناطے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ مستقبل میں اُسے روہیلوں کی مدد کی ضرورت پیش آسکتی ہے اور کٹھیر کی مضبوط روہیلہ حکومت ہم قوم ہونے کے باعث اس کے لیے ہندوستان میں ایک کالونی بن سکتی ہے اس لیے اس نے عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں رہا کر کے روہیلوں سے دوستی اور وفاداری کا آغاز کر دیا۔ اقبال حسین کا یہ بیان کہ ابدالی نے حافظ رحمت خاں کو حکم دیا تھا کہ وہ علی محمد خاں کا ملک ان کے حوالے کر دے[1]، سیاسی اور تاریخی اعتبار سے درست نہیں۔ اول تو اقبال حسین کا بنیادی ماخذ تاریخ فرح بخش مصنف شو پرشاد ہے جس کا مسودہ نواب فیض اللہ خاں ابن نواب علی محمد خاں نے خود دیکھا تھا دوسرے یہ کہ حافظ رحمت خاں جیسی طاقت کو نظرانداز کرنا ایک سیاسی بھول تھی جسے ابدالی جیسا ذہین آدمی کبھی نہیں کرتا جبکہ حافظ رحمت خاں نے دونوں (عبداللہ خاں، فیض اللہ خاں) کی رہائی کے لیے ابدالی کو خط لکھے تھے۔[2]

رہائی کے بعد دونوں بھائیوں کا شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ نجیب الدولہ نے دھام پور اور نگینہ میں ان کا استقبال کیا خاطر داری کی اور سواری کے لیے پالکیاں اور ضروری زادِ راہ کا بندوبست کر کے انھیں رخصت کیا۔ حافظ رحمت خاں اور سعد اللہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاں استقبال کے لیے امروہہ آئے اور انھیں لے کر آنولہ آگئے۔ حافظ رحمت خاں نے ان کے اخراجات کے لیے جاگیریں مقرر کیں لیکن عبداللہ خاں[3] کے مزاج کی سختی اور علی محمد خاں کے ملک کا وارث سمجھنے اور اس پر تنہا وارث ہونے کا دعویٰ کرنے کی خواہش نے کٹھیر میں نئے مسائل پیدا کر دیے۔ حافظ رحمت خاں جو چلکیا کے معاملات میں بری طرح پریشان ہو چکا تھا اور اپنی املاک سے دور رہنے کے باعث سب سردارانِ روہیلہ معاشی بدحالی اور انتظامی پریشانیوں میں مبتلا تھے، عبداللہ خاں کی آمد پر اور زیادہ پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا۔ علی محمد خاں کی اولادوں میں بھی کشیدگی بڑھتی گئی اور مجبور ہو کر حافظ رحمت خاں کو ملک کو تین حصوں میں تقسیم کرنا پڑا حالانکہ سردارانِ روہیلہ اس تقسیم کے مخالف تھے اور فیض اللہ خاں بھی نہیں چاہتا تھا کہ عبداللہ خاں تنہا علی محمد خاں کا وارث بن جائے۔

ملک کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر حصہ دو بھائیوں کے سپرد کر دیا گیا۔ آنولہ، منونہ، بدایوں اُسہت، اور کوٹ عبداللہ خاں اور مرتضیٰ خاں[4] کو دیا۔ بریلی اور اہرات وغیر فیض اللہ خاں اور محمد یار خاں کو دیا۔ مراد آباد سعد اللہ خاں اور الہ یار خاں کو دیا۔ (غالباً 1752-1753) ہر حصہ کی آمدنی تیرہ لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔ ملک کے باقی حصوں پر سرداران روہیلہ قابض رہے۔ لیکن اس تقسیم کے بعد بھی علی محمد خاں کی اولادیں آپس میں لڑتی رہیں یہاں تک کہ ان کے مصاحبین کے جھگڑے سر بازار بھی ہونے لگے۔ عبداللہ خاں اس درجہ آگے بڑھ گیا کہ اس نے فیض اللہ خاں کو مار ڈالنے کی کوشش کی۔ مجبوراً حافظ رحمت خاں نے اسے کٹھیر سے نکال دیا۔ وہ فرخ آباد چلا گیا لیکن نواب احمد خاں کی سفارش پر اُسے ضلع بدایوں میں سہسوان اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اجھیانی کی جاگیر دے دی گئی۔ اور حافظ رحمت خاں کو پھر تیسری بار[5] ملک تقسیم کرنا پڑا تا کہ بھائیوں کی آپسی خانہ جنگی ختم ہو جائے (1754) اس تقسیم کی بابت نجم الغنی لکھتا ہے۔

عبداللہ خاں- کو سہسوان، اجھیانی، اور سہداپور (ضلع بدایوں) - آمدنی تین چار لاکھ

فیض اللہ خاں کو- شاہ آباد (ضلع رامپور) چھاچھٹ (ضلع بریلی) - آمدنی تین چار لاکھ

بخشی سردار خاں کو- اہروت اور کوٹ

فتح خاں خانساماں کو- اوسیت (اُسہت)، بدایوں اور آنولہ

دوندے خاں کو- مراد آباد، بجنور، سنبھل، امروہہ، کاشی پور، راجپورر، اسد پور، اسلام نگر، بسولی، ستاسی (قلع بدایوں)

حافظ رحمت خاں- ضلع بریلی اور پیلی بھیت وغیرہ

نواب سعداللہ خاں کو- آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ [6]

نجم الغنی کا بیان نورالدین کے بیان سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ ''احمد شاہ نے جنگ کے دوران (جنگ بادشاہ عمادالملک اور صفدر جنگ کے درمیان) نجیب الدولہ کو چھ پاچے کا خلعت، ماہی مراتب 16 ستمبر 1753 کو عطا کیے تھے بعد میں منصب ہفت ہزاری کر دیا گیا۔ اور جنگ کے بعد (17 ستمبر 1753 کو صفدر جنگ دہلی چھوڑ کر اودھ کے لیے روانہ ہو گیا تھا) اُسے غازی الدین عمادالملک کی طرف سے سہارن پور کی فوجداری اور صفدر جنگ کی طرف سے نگینہ کی جاگیر بھی مل گئی۔ اُس نے مراد آباد اور نگینہ کی سند بھی اپنے سسر دوندے خاں کے لیے حاصل کر لی[7]۔'' رستم علی بجنوری کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیان کے بقول یہ علاقہ دوندے خاں کو نواب علی محمد خاں نے بطور جائیداد دیا تھا۔ یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ جب نواب بشارت خاں کی بیٹی (والدہ ضابطہ خاں) کا انتقال ہو گیا تو اس نے دوندے خاں کی بیٹی دُر بیگم سے شادی کر لی تھی۔ (1749) تب اُسے مرادآباد کے علاقہ ریٹھر کے بارہ پرگنے جہیز میں دیئے تھے" اور دوندے خاں نے اُسے پرگنہ چاندپور اور نگینہ کا عامل بنا دیا تھا۔[8]"

اس تیسری تقسیم کے بارے میں اقبال حسین لکھتا ہے "اجھیانی، سہسوان اور شہباز پور، پانچ لاکھ روپیہ آمدنی کا علاقہ عبداللہ خاں کو دیا گیا۔ فیض اللہ خاں کو پانچ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کے علاقے رامپور، شاہ آباد اور چھاچھٹ دیئے گئے۔ سعداللہ خاں کو کوئی جاگیر نہیں دی گئی بلکہ ان کے ذاتی خرچ کے لیے آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کیے گئے۔ اس رقم کی ادائیگی کے لیے حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں کو تین تین لاکھ روپیہ اور فتح خاں خانساماں کو دو لاکھ روپے سالانہ ادا کرنا تھے۔[9]

اس تقسیم سے صاف ظاہر ہے کہ حافظ رحمت خاں سخت ذہنی انتشار میں مبتلا رہا تھا اور اس کی وجہ نواب علی محمد خاں کی نااہل اولادیں تھیں۔ عبداللہ خاں نیم پاگل تھا اور سعداللہ خاں[10] لا اُبالی اور عیش پسند تھا۔ صرف فیض اللہ خاں ہی لائق اور صاحب رائے تھا جو خود بھی عبداللہ خاں کی سرکشی کا شکار بنا رہا۔ اگر حافظ رحمت خاں سردارانِ روہیلہ سے اچھے تعلقات اور اتحاد بنائے نہیں رکھتا تو روہیلوں کی چالیس ہزار فوج کو تنخواہ دینے والا کوئی نہیں تھا۔ روہیلوں کی مملکت سردارانِ روہیلہ کی خود غرضیوں کے باعث دہلی سلطنت کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی۔ ان تمام خدمات کے بعد بھی اُسے "غاصب[11]" لکھنا تاریخی بددیانتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

Iqbal : P 74. quoted Shive Prasad 340. Maswada -1 150b. Lubbul Tawareekh181.

2۔ ''جب جنگ چلکیا (فروری 1752) کے معاہدہ کے بعد حافظ رحمت خاں لوٹ کر اپنی مملکت میں آئے تو انھوں نے ابدالی کو عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کی رہائی کے لیے متواتر خط لکھے۔'' (گلستار رحمت ورق 43ب)

''جب علی محمد خاں کے انتقال کی خبر احمد شاہ ابدالی کو پہنچی اور ان دونوں بھائیوں نے بار بار استدعا کی تو ابدالی نے انھیں رہا کر دیا۔'' (حدیقتہ الاقالیم ورق 378ب، 379الف)

3۔ عبداللہ خاں نواب علی محمد خاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ جب وہ افغانستان سے لوٹ کر آ رہا تھا تو قطب شاہ نام کا ایک آدمی اس کی رفاقت میں آ گیا۔ اس نے عبداللہ خاں کو سمجھایا کہ جب تک حافظ رحمت خاں زندہ ہے من مانی حکومت کا مزہ نہیں آئے گا۔ عبداللہ خاں نے کئی بار کھانے میں زہر ملا کر حافظ صاحب کے پاس بھیجا۔ کئی بار قتل کرانے کی کوشش میں ناکام رہا۔ تقسیم کے بعد آنولہ میں رہتا تھا۔

مزاج کا سخت اور جھگڑالو تھا۔ بھائیوں سے تعلقات دشمنی کی حد تک خراب تھے۔ ظاہری درویشوں کی خدمت گزاری کر کے ان کی دعاؤں کے ذریعہ ملک و دولت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ خود کو مرد کامل سمجھتا تھا۔ سانپ اور شیر پالنے لگا۔ انھیں اپنے ہاتھ سے کھلاتا اور آزاد چھوڑ دیتا۔ سانپ کے کاٹنے سے چھتیس برس کی عمر میں 5 صفر 1181ھ (3 جولائی 1762ء) میں انتقال ہوا۔ انجھیانی میں دفن ہوا۔ تعویز لحد پر یہ اشعار کندہ ہیں۔ چوتھے مصرعہ سے سال رحلت حاصل ہوتا ہے۔

فلما ذهب نواب عبد الله خان الى دار البقا من دارِ فان
لفتحت عليه ابواب الجنان قالو الملائكة بصوتِ حزين

عبداللہ خاں کو شاعری کا شوق تھا۔ عاصی، آزاد اور مبتلا تخلص تھا۔ میر فیض علی ابن میر حسن متوطن دہلی ڈیڑھ برس پیشتہ سے اشعار نویسی پر نوکر تھے۔ خود پسندی نے کلام کو بے مزہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کردیا تھا۔ان کا تذکرہ مولوی قدرت اللہ شوق نے طبقات الشعراء میں جو جامِ جہاں نما کے تکملے (کسی چیز کو مکمل کرنا) کے طور پر کیا ہے لکھا ہے کہ غرور کی وجہ سے کسی سے اصلاح نہیں لی اس لیے کلام بے رتبہ ہے۔

4۔مرتضیٰ خاں بھائیوں کی آپسی نفرت اور جھگڑوں سے تنگ آکر نجیب الدولہ کے پاس نجیب آباد میں چلا گیا اور قصبہ جھانسو میں بیماری سے مرگیا۔آنولہ میں نواب علی محمد خاں کی مقبرہ میں دفن ہوا۔بعض کہتے ہیں کہ سکندرآبادی میں انتقال ہوا (اخبار الصنادید جلد اول 285)

5۔شوپرشاد ورق 18ب، حدیقتہ الاقالیم ورق 379 الف

6۔اخبار الصنادید جلد اول 283-283

7۔ نورالدین (فارسی) ص 3 Rasheed S.A.: L vii

8۔تاریخ نجیب الدولہ (مخطوطہ) ورق 6 الف

9۔ Iqbal : P 76

10۔ وہ اتر چھینڈی (آنولہ سے مشرق کی طرف دو تین کوس پر دریائے ارل کے کنارے عمارات بنوا کر عیش وعشرت میں ڈوبا رہتا۔گانے بجانے کی صحبت دن رات رہتی تھی۔خود بھی بین بجاتا تھا اور ستار بھی۔ گلے سے بھی گاتا تھا۔بڑے بڑے نامی گویّے اس کی شہرت سن کر دور دراز سے آتے اور مال واکرام پاتے اس دور کے موسیقاروں کے نام معلوم نہیں ہوتے البتہ 'بین' کے حوالے سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دہلی دربار کے سیاسی حالات نے موسیقاروں اور اہل کمال کو دہلی چھوڑنے پر مجبور کردیا تھا،تب کوئی فن کار جس کا تعلق تان سین اور نبات خاں کے خاندان سے ہوگا اسی نے سعد اللہ خاں کو بین اور دھرپد کی تعلیم دی ہوگی کیونکہ 'بین' اور 'دُھرپد' کی تعلیم اسی خاندان کے ذریعہ مشرقی ہندوستان میں پھیلی تھی۔ممکن ہے نواب علی محمد خاں کے دور کا کوئی فن کار آنولہ وغیرہ میں اس وقت بھی موجود ہو۔شراب نوشی اور طوائفوں سے زیادہ رغبت تھی۔ اسے ملکی انتظام اور سیاسی حالات سے کوئی سروکار نہ تھا۔دوسرے لفظوں میں وہ روہیلہ سرداروں کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پنشن پر زندگی گزار رہا تھا۔ البتہ جنگوں اور سیاسی معاملات میں اسکی شرکت مستند ہے۔

11۔ ''اس طرح (نواب علی محمد خاں کے) بچوں کے پیدائشی حق پر نگراں (حافظ رحمت خاں) نے غیر اخلاقی طریقہ پر قبضہ کرلیا۔ (Hemilton: 122) ان سرداروں نے اپنے ولی نعمت کے حق نمک سے چشم پوشی کر کے تمام ملک پر قبضہ کرلیا۔''

(اخبار الصنادید جلد اوّل 286)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب: سات
فصل: دس

صفدر جنگ کا زوال اور نجیب الدولہ کا عروج

وقت کے ساتھ ساتھ صفدر جنگ نے اپنا اقتدار، دولت اور اثر اتنا بڑھالیا تھا کہ وہ سید برادر کی طرح خود کو بادشاہ گر (King Maker) اور بادشاہ احمد شاہ خود کو اس کے آگے مجبور سمجھنے لگا تھا۔ کاروبارِ سلطنت کی ساری طاقت صفدر جنگ کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی اور بادشاہ صرف حرم نشین ہو کر رہ گیا تھا۔ دونوں کے درمیان رنجشیں اور دوریاں بڑھتی رہیں جن کا اثر ملک کے سیاسی حالات پر پڑنا یقینی تھا۔ حالات اتنے خراب ہو گئے کہ صفدر جنگ کے فوجی مددگار سورج مل جاٹ کے فوجی پرانی دلّی اور شاہجہاں آباد کو لوٹنے لگے اور اس جاٹ گردی کو صفدر جنگ بھی نہیں روک پایا۔ بادشاہ کو امراء اور عوام میں ذلت اور ندامت کا سامنا کرنا پڑا۔ گمنام درباری تاریخ نویس لکھتا ہے: ''بادشاہی وقار بری طرح برباد ہو گیا۔ بادشاہ نے جب صفدر جنگ کے ہاتھوں اس تباہی کو دیکھا اور اس کے ذریعہ کمتر لوگوں کو اعلیٰ منصبوں اور اہم عہدوں پر فائز ہونے کو روکنے سے خود کو مجبور پایا تو دربار چھوڑ کر حرم نشیں ہو گیا۔ غرور اور طاقت کے نشے میں صفدر جنگ یہ بھول گیا کہ اس جیسے ناتجربہ کار جوان کو عہدۂ وزارت وراثت میں نہیں ملا تھا بلکہ اس کا موروثی حقدار انتظام الدولہ ابن قمر الدین خاں تھا جس کے خاندان میں تین پشتوں سے عہدۂ وزارت چلا آرہا تھا اور تورانی گروپ کے دو لیڈر انتظام اور عماد الملک ابھی زندہ تھے اور صفدر جنگ کا آزمودہ تجربہ کار مغلیہ یا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کلاہ پوش فوجی دستہ کا تعلق تورانی گروپ کے ترک لیڈروں سے تھا۔

وہ ایک ایسا جواری تھا جو جتنا جیتتا ہے اتنا ہی ہارتا ہے۔ اس نے اپنی مہربانی سے، بادشاہ کی مرضی کے خلاف سولہ سالہ کم عمر ناتجربہ کار غازی الدین خاں (وفات 29/اکتوبر 1752) کے بیٹے شہاب الدین خاں کو میر بخشی (Pay master) بنانے اور غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ امیر الامراء عماد الملک آصف جاہ کے خطابات سے نوازنے پر بادشاہ کو مجبور کردیا (12 دسمبر 1752) کیونکہ اُسے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا۔ اس نے تورانی گروپ کے عہدیداروں کو بے طاقت بنانے کے لیے انتظام الدولہ کی موروثی سرہند کی جاگیر چھین کر اس پر خود قابض ہوگیا جو پانچ ہزار ترک فوجیوں کی تنخواہ میں تھی۔ اسی دن سے اس کے اور انتظام الدولہ کے درمیان عداوت اور نفرت کی دیوار کھنچ گئی اور کبھی کبھی تو حالات اس درجہ بدتر ہوجاتے تھے کہ دونوں گروپ کے لیڈروں کے فوجی دلّی کے بازاروں میں خون خرابے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ بازار بند ہوجاتے اور لوگ گھروں کو بند کر لیتے۔[1]"

صفدر جنگ نے سہارن پور کی فوجداری کی سند بادشاہ سے اپنے نام لکھوالی جس کی آمدنی چھ ہزار روپیہ یومیہ تھی اور یہ جاگیر بادشاہ کے ماموں کے نام تھی۔ اُس نے غیر مہذب، تند خو راجا اندر گیر گسائیں کو محالات کی آمدنی وصول کرنے پر تعینات کیا جس کے ہاتھوں ساداتِ بارہہ، شیخ اور گوجروں کی عزّت پامال ہونے لگی۔ اسی طرح بادشاہ کو مجبور کر کے اٹاوہ اور کوڑا کی خالصہ زمینوں کو اپنے نام کرالیا۔[2]

بادشاہ نے چلکیا میں شقہ بھیج کر صفدر جنگ کو دہلی طلب کیا تھا کیوں کہ اسے احمد شاہ ابدالی کے حملہ کا خطرہ تھا۔ لیکن احمد خاں بنگش اور روہیلوں سے معاہدے کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بعد وہ اودھ چلا گیا تھا اسی درمیان میں احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر قبضہ کرلیا اور ایک درخواست بادشاہ کو بھیجی تاکہ پنجاب کو قانونی طور پر اس کے حوالے کر دیا جائے۔ بادشاہ نے ابدالی کے حملہ کے خوف سے اسکی درخواست کو منظور کر کے ابدالی کو بھیج دیا۔ صفدر جنگ کی غیر موجودگی میں دہلی دربار میں عماد الملک اور جاوید خاں خواجہ سرا کو ترقی کرنے کا موقع مل گیا۔ اسے یہ بھی ناگوار گزرا کہ اس کی غیر موجودگی میں ابدالی کی عرضی کا فیصلہ کر دیا گیا اور اس سے مشورہ بھی نہیں کیا گیا۔ جاوید خاں خواجہ سرا پر بادشاہ اور اس کی ماں کی مہربانیاں دیکھ کر وہ جل اُٹھا تھا۔ وہ احسان فراموش یہ بھی بھول گیا کہ عہدۂ وزارت پانے میں خواجہ سرا نے اسکی بہت مدد کی تھی۔ اس نے خواجہ سرا کو اپنے گھر دعوت پر بلا کر دھوکہ دیکر، اس کا قتل کرادیا[3] (27 اگست 1752)۔ اس واقعہ سے بادشاہ اور اس کی ماں کو بہت صدمہ ہوا۔ اس نے خواجہ سرا کے خزانے اور جاگیر پر بھی قبضہ کرلیا۔

صفدر جنگ نے اپنا اثر قایم کرنے اور کسی بھی امکانی مخالفت پر کنٹرول کرنے کے لیے تراب خاں کو قلعہ دار اور محافظ و پہریدار دستہ کا نگراں مقرر کر کے بادشاہ کو طاق میں بٹھا دیا۔ اسے اطلاع ملی تھی کہ بادشاہ کی ماں حرم میں بیٹھ کر اس کے خلاف اُمراء سے خط کتابت کرتی ہے۔ اس نے آٹھ عورتوں کو حرم میں تعینات کیا تاکہ خفیہ خط کتابت اور حرم میں ہونیوالی باتوں پر نظر رکھی جا سکے لیکن بادشاہ کی ماں نے ان عورتوں کو حرم سے نکال کر شاہی وقار کی لاج رکھ لی۔ صفدر جنگ کی ہمت نہیں ہوئی کہ ملکہ معظّمہ سے جھگڑا مول لیتا۔ لیکن صفدر جنگ نے ناراض ہوکر دربار میں جانا بند کر دیا اور بادشاہ سے کہہ دیا کہ جب تک دل صاف نہیں ہوجاتا وہ دربار کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تقریبات میں شرکت نہیں کرے گا۔ اس موقع پر سیاست سے کام لیتے ہوئے ملکہ معظّمہ اور بادشاہ صفدر جنگ کی محل سرا گئے (13 ستمبر) اور جاوید خاں کے قتل کے بعد پہلی بار اُسے اپنے محل میں اپنے ساتھ لائے۔ اس نے اپنے لڑکے شجاع الدولہ کو احدی (ahadi) کے عہدہ پر فائز کر دیا جس کا کام تقرری پر تصدیق کرنا، بادشاہ کی سواری کا انتظام کرنا وغیرہ تھا لیکن اسی دن (28 ستمبر 1752) کو بادشاہ نے جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے صفدر جنگ کو حکم دیا کہ وہ آئندہ کوئی تقرر نہ کرے لیکن اس نے بادشاہ کے حکم کی پرواہ نہ کرتے یکم جنوری 1753 کو شجاع الدولہ کو بادشاہ کی ذاتی محفلوں کا نگراں (Superintendent of Private audience) مقرر کر دیا تاکہ کسی بھی امکانی منصوبہ پر روک لگائی جاسکے۔ پرائیویٹ روم کے گیٹ پر کشن نرائن (راجا لکشمی نرائن ایجنٹ صفدر جنگ) کو تعینات کر دیا۔

ان تمام باتوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ بادشاہ کے رفقاء اور ہمدرد منصب داروں پر نگہداری رکھ سکے اور بادشاہ کو عہدیداروں کی نظروں میں بے وقعت بنا کر اپنا رعب قایم کرنا اور اس مقصد میں وہ کامیاب بھی ہوگیا۔ منصب داروں نے بادشاہ سے ملنا اور دربار میں آنا ترک کر دیا۔ کبھی کبھی تو بادشاہ کا محافظ دستہ بھی موجود نہیں ہوتا تھا۔ بادشاہ کے 16 اور 17 ستمبر کے دربار میں کوئی منصب دار نہیں آیا۔ پوچھا گیا تو سب نے بیماری کا عذر کر دیا۔[4]

نومبر 1752 میں جب پنجاب پر ابدالی کے حملہ کی خبر ملی تو صفدر جنگ نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ اُسے خود مقابلہ کے لیے جانا چاہئے لیکن بادشاہ نے جواب دیا کہ تمام فوج تمہارے حکم کی تابعدار ہے۔ اگر تنہا میری ذات سے ابدالی کو شکست دی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جاسکتی ہے تو میں جانے کے لیے تیار ہوں اور اس کے بعد کی ملاقات میں اس نے اپنی ماں کی موجودگی میں صفدر جنگ کو خبردار کیا کہ وہ جہاں سے بھی ممکن ہو اخراجاتِ جنگ کے لیے روپیہ کا انتظام کرے۔ 5 فروری 1753 کو دو ہزار سواروں کے ساتھ ابدالی کا وفد پچاس لاکھ زرِ پیشکش وصول کرنے آیا۔ یہ وفد 22 فروری تک ٹھہرا رہا لیکن دتی دربار کے منصب داروں کی موجودگی میں کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا کہ جنگ لڑی جائے یا زرِ پیشکش بھیجا جائے اور بحث ومباحثہ کے دوران آپسی خانہ جنگی کا ماحول پیدا ہو گیا اور وفد کو ناکام لوٹنا پڑا۔[5]

ملکہ معظمہ نہایت عقل مندی کے ساتھ حالات کا جائزہ لے کر صفدر جنگ کے مخالفین کو متحد کرنے اور وزارت کے عہدے سے صفدر جنگ کو برطرف کرنے کی کامیاب منصوبہ بندی کرنے لگی۔ عماد الملک اس منصوبہ بندی میں کلیدی کردار ادا کر رہا تھا۔ عماد الملک اور صفدر جنگ کی دشمنی کا اثر قلعہ کے اندر اور شہر میں پڑنے لگا یہاں تک کہ خاص چوکی اور جلوئے خاص کے پہریدار بھی بادشاہ کو خاطر میں نہ لا کر لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ بادشاہ نے محسوس کیا کہ وہ بالکل تنہا رہ گیا۔ اس نے نائب میر آتش (Deputy chief of Artillery) اور قلعہ کے محافظی دستہ کے نگراں شجاع الدولہ کو بلا کر شکایت کی کہ تمہاری نگرانی کی وجہ سے میرے ذاتی ملاقات کے کمرے میں بھی کوئی نہیں آتا۔ ابوتراب خاں قلعہ دار کو برخاست کر دیا گیا۔ قلعہ کی توپوں کا رُخ صفدر جنگ کی حویلی کی طرف کر دیا گیا اور صفدر جنگ جو اس وقت دارا شکوہ کی حویلی میں رہتا تھا، وہ حویلی چھوڑ کر قلعہ سے دور اپنی حویلی میں چلا گیا۔[6]

صفدر جنگ اب بھی یہی سمجھتا رہا کہ بادشاہ اس سے ناراض نہیں۔ اس نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

18 مارچ کو بادشاہ کو لکھا کہ عالیجاہ جہاں جانے کا حکم دیں گے میں چلا جاؤں گا۔ عالیجاہ پہریداروں کی تنخواہ ادا کردیں اور جس کو چاہیں عہدۂ وزارت سپرد کردیں۔ بادشاہ نے اس کی توقع کے خلاف اسے اپنے قلم سے لکھا کہ وہ اپنے صوبۂ اودھ کو روانہ ہوجائے لیکن املاک وغیرہ سے کوئی سروکار نہ رکھے۔ اس نے دلّی سے باہر نور آباد میں خیمے ایستادہ کرادیے (23 مارچ) اور 26 مارچ کو حویلی سے روانہ ہوا۔[7] تھوڑی دور جاکر وہ بہت جذباتی ہوگیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے قلعہ کی طرف منہ کرکے اُسے سلام کیا اور آگے بڑھ گیا۔ بادشاہ آزاد ہوگیا۔ جب چھ مہینے بعد دربار کیا تو درباریوں سے دربار بھر گیا۔[8]

صفدر جنگ اور بادشاہ کے درمیان خانہ جنگی:- نور آباد پہنچ کر صفدر جنگ کو بادشاہ کی سوتیلی ماں ملکہ زمانی کا خط ملا جس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ اور منصب داروں کی سازش سے اُنسے دلّی سے دور کیا گیا ہے۔[9] اس نے اودھ جانے کا ارادہ بدل دیا۔ غلام حسین کے بقول اس نے ناسمجھ صلاح کاروں کے مشورے کے بعد یہ قدم اُٹھایا تھا۔[10] صفدر جنگ اور بادشاہ کے درمیان خانہ جنگی 26 مارچ 1753 کو شروع ہوئی اور 7 نومبر کو ختم ہوئی جب صفدر جنگ ناکام ہوکر اودھ کی طرف روانہ ہوگیا۔ پہلے تین ہفتہ تک (26 مارچ - 8 مئی) کوئی محاذ آرائی نہیں ہوئی۔ صفدر جنگ یہ فیصلہ نہیں کرپایا کہ وہ جنگ کرے یا اودھ کو لوٹ جائے۔ وہ مراٹھوں کو مدد کے لیے بلائے یا نہ بلائے۔ لیکن جب یکم مئی کو سورج مل جاٹ اور 4 مئی کو صلابت خاں اسکے خیمہ میں آئے تو دونوں نے اسے جنگ پر اُکسایا۔ 9 مئی کو جاٹوں نے دلّی میں لوٹ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مار شروع کردی جس سے دونوں طرف سے اعلان جنگ کا آغاز ہوگیا۔ بادشاہ نے انتظام الدولہ کو قمر الدین خاں بہادر و اعتماد الدولہ کا خطاب دیکر وزارت کے عہدے پر اور عماد الملک کو میر بخشی کے عہدے پر فائز کر دیا (13 مئی)۔ صفدر جنگ نے ردعمل کے طور پر شجاع الدولہ کے ذریعہ ایک خوبصورت ہجڑے کو خرید کر اُسے کام بخش (پسر اورنگ زیب) کا پوتا مشہور کر کے اکبر عادل شاہ کے لقب سے بادشاہ بنا دیا اور خود کو اس کا وزیر اور صلابت خاں کو میر بخشی کہنے لگا۔[11]

نئے وزیر نے فوجی طاقت بڑھانے کے لیے عام اعلان کرا دیا کہ جو کوئی راجپوت سردار، معزول منصب دار، عہدیدار انعام اور جاگیر چاہتا ہے، جو کوئی مراٹھا سردار خالصہ آراضی حاصل کر کے چوتھ وصول کرنا چاہتا ہے، وہ تلوار کے ساتھ بادشاہ کا طرف دار بن جائے۔ 17 مارچ کو بادشاہ نے عماد الملک کے ذریعہ صفدر جنگ کو سمجھانے کی اور کوشش کی لیکن وہ نہیں مانا۔ عماد الملک اپنے مربّی اور سرپرست صفدر جنگ کا ساتھ چھوڑ کر بادشاہ کا طرفدار بن گیا۔ ملکہ معظّمہ نے اُسے ذاتی خزانے سے دو کروڑ روپیہ دیا اور ستر لاکھ روپیہ جو اعتماد الدولہ کے باپ کا خزانہ تھا، فوجی اخراجات میں خرچ ہو گئے۔

مراٹھوں کی مدد حاصل کرنے کے لیے دونوں طرف سے بولیاں بولی جانے لگیں لیکن وزیر نے ان کی مدد حاصل کر لی۔ باپوراؤ پانچ ہزار سواروں کے ساتھ آ گیا کیونکہ بادشاہ نے اپنے دو فرمان کے ذریعہ پیشوا کو اودھ اور الہ آباد کی صوبیداری دینے کا وعدہ کیا تھا۔ صفدر جنگ نے پرانے ساتھی ملہار راؤ ہولکر سے مدد مانگی لیکن اس نے مدد کرنے سے انکار کر دیا۔[12] صفدر جنگ نے راجندر گری گسائیں کو سہارن پور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے واپس دلّی بلالیا۔ جاٹوں اور گسائیں دستہ نے دلّی میں لوٹ مار اور قتل و غارت گری شروع کردی۔ ساکنانِ دلّی صفدر جنگ سے نفرت کرنے لگے۔ عمادالملک اور اس کے نائب عاقبت محمود نے بادشاہ کے لشکر کی کمانڈ سنبھالی۔ بادشاہ نے تمام زمینداروں، منصب داروں، شاہزادوں، روہیلوں، جاٹ، میواتی اور گوجر ڈاکوؤں کے نام فرمان جاری کردیے۔ شیعہ اور سنّی کے نام پر گروپ بندی ہوگئی۔ کچھ سنّیوں نے محمدی جھنڈا (ہرا جھنڈا) بلند کرکے صفدر جنگ کے خلاف جہاد کا اعلان کردیا۔ مغلیہ فوج (ترک) صفدر جنگ کو چھوڑ کر بادشاہ کی طرف دار بن گئی۔ خاص طور سے پنجابی اور کشمیری صفدر جنگ کے شدید مخالف ہوگئے جنھوں نے خونریز معرکہ آرائی میں صفدر جنگ کو کافی نقصان پہنچایا۔ اب لڑائی تقریباً دہلی کے ہر محاذ پر خونریز جھڑپوں کی شکل میں شروع ہوچکی تھی۔ یہ وقت دونوں فریقوں کے لیے بڑا نازک تھا۔ ایسے نازک وقت میں کسی بھی فریق کے لیے روہیلوں کی مدد فیصلہ کن ثابت ہوسکتی تھی۔

روہیلوں کو مدد کے لیے بلانا اور نجیب الدولہ کی آمد:- عمادالملک

''انتظام الدولہ اور بادشاہ کے مقابلہ میں صفدر جنگ روہیلوں سے سب سے زیادہ قریب تھا اور اُسے رہیلوں سے مدد کی امید بھی تھی۔ اُس نے معاہدۂ چلکیا (اپریل 1752) کے ذریعہ حافظ رحمت خاں سردار روہیلہ کو مدد کرنے کا پابند کرلیا تھا۔ اُس نے روہیلوں کو مدد کرنے کے لیے طلب کیا اور حافظ رحمت خاں تمام سرداران روہیلہ کے ساتھ چالیس ہزار سوار اور پیدل کے ساتھ آنولہ سے روانہ ہوکر ہاپوڑ آگیا۔ روہیلوں کی آمد کی خبر پاکر عمادالملک پریشان ہوگیا کیونکہ روہیلوں کی مدد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جنگ میں فیصلہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔ اس لیے اس نے روہیلہ فوج میں صفدر جنگ کے خلاف مذہبی جذبات ابھارنے کا فیصلہ کیا اور یہ کام وہ علماء کے فتووں سے لے سکتا تھا۔ صفدر جنگ نے بھی بن گڑھ کے محاصرہ (مئی 1745) میں روہیلوں کو ورغلانے کے لیے بادشاہ محمد شاہ کو علماء کے فتوں کا کامیاب حربہ استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا۔[13] بادشاہ کا فرمان لیکر چند علماء (جو مولوی نظر محمد کی قیادت میں آئے تھے) راجا دیوی دت، جلال الدین خاں اور بسنت خاں روہیلوں کے پاس ہاپوڑ میں آئے۔ فرمان کے ذریعہ روہیلوں کو صفدر جنگ کا ساتھ دینے سے منع کیا گیا تھا اوران کی مدد کا خیر مقدم کیا گیا تھا۔ علماء نے روہیلوں کو سمجھایا کہ خلیفۂ وقت (بادشاہ) کے ساتھ جنگ کرنا سخت گناہ ہےاوراس کی مدد کرنا اوراس کے لیے جان دینا شہادت کا درجہ رکھتا ہے۔

صفدر جنگ بھی حالات سے باخبر دار تھا۔ اس نے حافظ رحمت خاں کو وارننگ دی کہ اگر بادشاہ کا ساتھ دیا تو رہیلوں کو نیست و نابود کردوں گا۔ حافظ رحمت خاں تذبذب میں پڑ گیا۔ احمد خاںِ بنگش اور صفدر جنگ کے مابین جنگ میں بھی وہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ کس کا ساتھ دے اور صحیح فیصلہ نہ کرنے کی وجہ سے وہ سزا بھگت چکا تھا اوراس وقت بھی وہی مسئلہ درپیش تھا۔ اس نے سردارانِ روہیلہ سے مشورہ کرکے یہ فیصلہ کیا کہ روہیلوں کو غیر جانبدار رہنا چاہیے۔ اس نے اپنے فیصلہ سے بادشاہ کو مطلع کردیا لیکن علماء روہیلہ فوج کو جنگ میں بادشاہ کا ساتھ دینے کو ثواب کا کام کہہ کر ورغلاتے رہے۔ روہیلوں کے علماء اور بادشاہ کے وفد کے علماء کے بحث و مباحثہ کو نجیب الدولہ غور سے سنتا رہا اور آخر میں اس نے ایسا قدم اُٹھایا جس نے اسکی حیثیت ہی بدل دی۔ اس کے قدم اس راہ پر اٹھ گئے جس کا راستہ دلّی دربار کو جاتا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس نے روہیلہ سرداروں کی بزدلانہ پالیسی ترک کر کے دلّی جانے اور بادشاہ کی مدد کر کے کوئی نمایاں کام انجام دیکر اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ پانچ ہزار روہیلوں[14] کے ساتھ حافظ رحمت خاں کی مرضی کے خلاف بغیر اطلاع دیے دلّی روانہ ہو گیا۔[15]

گزشتہ تاریخی واقعات کی روشنی میں اس وقت حافظ رحمت خاں کو اسی پوزیشن سے دوچار ہونا پڑا تھا جس پریشانی میں وہ اس وقت مبتلا تھا جب سعد اللہ خاں بارہ ہزار فوج کے ساتھ، بغیر اسکی مرضی کے احمد خاں بنگش کی مدد کو چلا گیا تھا اور اسے صفدر جنگ سے شرمندگی اُٹھانی پڑی تھی۔ اپنی اسی سیاسی غلطی کی وجہ سے اسے مستقبل میں کافی نقصان بھی اُٹھانا پڑا تھا۔

نجیب الدولہ کی دلّی آنے کی خبر پا کر سورج مل جاٹ نے صفدر جنگ کو مشورہ دیا کہ اُسے راستے ہی میں روک لیا جائے لیکن صفدر جنگ نے اس مشورے سے اتفاق نہیں کیا۔ نجیب الدولہ کی فوج میں سفر کے دوران اور روہیلہ بھی شامل ہو گئے اور بہت سے روہیلہ کٹھیر کے علاقے سے بھی آ کر اس کی فوج میں شامل ہونے لگے۔ وہ بغیر کسی فوجی مزاحمت کا سامنا کیے دلّی آ گیا (یکم جون 1753)۔ عماد الملک اُسے بادشاہ کے حضور لے گیا (2 جون)۔ بادشاہ نے اسے منصب پنج ہزاری اور خطاب نجیب الدولہ سے سرفراز کیا۔[16]

دلّی پہنچ کر نجیب الدولہ نے اندازہ لگالیا کہ بادشاہ کے پاس نہ روپیہ ہے اور نہ وہ قوتِ فیصلہ رکھتا ہے۔ وہ اپنا وعدہ پورا کرنیکی قدرت نہیں رکھتا اور نہ ہی وعدہ وفا کرنیکی اس کی نیت ہے بلکہ وہ باتیں بنا کر عہدے سے سرفراز کر کے مفت میں کام لینا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چاہتا ہے۔ ایسے ناسمجھ اور بے لیاقت حکمراں کی مدد کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس نے جنگ میں حصہ لینے سے صاف انکار کر دیا اور اس وقت تک جنگ میں شامل نہیں ہوا جب تک اُسے فوراً پانچ لاکھ روپیہ نقد نہیں دیے گئے اور بارہ آنہ فی گھوڑا اور چار آنے فی پیدل روزینہ دینے کا معاملہ طے نہیں ہوگیا۔[17] نجیب الدولہ کو جاوید خاں خواجہ سرا کی حویلی رہنے کو دی گئی۔[18] مراد آباد اور سہارن پور کے 25 ہزار روہیلہ دلّی آ گئے (5 جون 1753)۔ انہیں بادشاہ کی نوکری میں لے لیا گیا۔ انہیں منصب اور بیس لاکھ روپیہ انعام میں بھی دیا گیا۔ سید قطب شاہ چار ہزار سوار اور پیدل کے ساتھ نجیب الدولہ کی فوج میں شامل ہوگیا (16 جون 1753)۔ بخشی بنسی دھر (بخشی سعد اللہ خاں) کی قیادت میں پانچ ہزار سوار اور پیدل نجیب الدولہ کی فوج میں شامل ہو گئے۔ اس نے بڑی دلیری سے جنگ کی۔ صفدر جنگ کا آزمودہ تجربہ کار فوجی افسر راجندر گری گسائیں نجیب الدولہ کے ہاتھوں مارا گیا حالانکہ نجیب الدولہ نے بھی گولی کا زخم کھایا لیکن جنگ میں ڈٹا رہا (16 جون 1753)۔ اس نے صفدر جنگ کی فوج میں ملازم روہیلوں سے اپیل کی کہ وہ صفدر جنگ کی نوکری چھوڑ کر اس کی ملازمت میں آ جائیں اور بہت سے روہیلہ صفدر جنگ کی ملازمت چھوڑ کر اس کے پاس آ گئے۔[19]

اب بادشاہ کی فوج کی کمانڈ عماد الملک اور نجیب الدولہ کے ہاتھوں میں تھی اور صفدر جنگ کو شکست کے آثار دکھائی دینے لگے تھے۔ صفدر جنگ اور سورج مل جاٹ کے وہ فوجی جو دلّی اور قرب و جوار میں (صاحب آباد وغیرہ) رات دن لوٹ مار کر رہے تھے دلّی چھوڑ کر بھاگنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ صفدر علی خاں (صفدر جنگ کا بھائی) سالار جنگ اور اسمٰعیل بیگ کے مکانوں کو غارت کر دیا گیا اور صفدر جنگ کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باا ثر متوسلین اور سرداروں کے مکانوں کو مسمار کر دیا گیا۔[20] وہ تمام ترک جو صفدر جنگ کی نوکری میں تھے، نوکریاں چھوڑ کر (23 ہزار) عمادالملک کی نوکری میں شامل ہو گئے اور عمادالملک نے ان ترک فوجیوں سے صندق برگیڈ بنالی۔

عمادالملک اپنی طاقت بڑھانے کے لیے فوج میں روز بروز اضافہ کرنے لگا۔ وہ ہر قیمت پر صفدر جنگ کو شکست دے کر اپنا اثر قایم کرنا چاہتا تھا۔ روہیلہ، بلوچ، گوجر اور زمینداروں کے فوجی دستوں نے اس کی فوج کی تعداد اسّی ہزار تک بڑھادی۔ بادشاہ کو بڑھتی ہوئی فوج کے اخراجات اور اعتمادالدولہ کی طاقت سے خطرہ پیدا ہوا۔ اس نے وزیر انتظام الدولہ سے مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ کسی نہ کسی طرح بغیر جنگ کے صلح ہو جائے اور صفدر جنگ اپنے صوبہ میں چلا جائے۔ جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا کہ عمادالملک نے ملہار راؤ اور جے اپّا سندھیا کی فوجوں کو بھی مدد کے لیے بلایا ہے تو وہ اور زیادہ بے چین ہو گیا اور جلد سے جلد مراٹھوں کی آمد سے پہلے صلح کی ترکیبیں سوچنے لگا۔

''حالانکہ شاہی فوج اس لایق ہو گئی تھی کہ وہ صفدر جنگ کے ہر حملہ کا منھ توڑ جواب دیکر اُسے مرکز (دلّی) سے بہت دور کر سکتی تھی لیکن اس نے جنگ کے ذریعہ فتح حاصل کرنے کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا اور اپنی فوجی طاقت کی فتح کا پھل نہیں چکھا۔ عمادالملک عیدگاہ کی خندقوں کے درمیان لگے خیمہ سے باہر نکلا اور اس نے بادشاہ اور اس کی ماں کو مخاطب کر کے کہا:[21] ''میں نے اپنے باپ، دادا کے جواہرات، خزانہ اور املاک فوجی انتظام میں صرف کر دیئے۔ ان کی تنخواہیں ادا کر دیں اور ان کے مطالبے پورے کر دیے۔ یہ کثیر فوجیں بار بار مجھ سے بقایاجات کی وصول یابی کا اصرار کر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رہی ہیں۔ اگر بادشاہ جنگ پر آمادہ ہیں تو مزید تاخیر نہیں کرنی چاہیئے اور اگر بادشاہ کا ارادۂ جنگ نہیں تو مجھے فوجوں کی برخاستگی کا حکم عطا کیا جائے۔"[22]

"11 جون کو نجیب الدولہ روہیلہ اور بہادر خاں بلوچ نے شاہ کو خبردار کیا کہ ان کی کثیر فوج خندقوں میں بیٹھی مکھیاں مار رہی ہے اور حضور اعلانِ جنگ میں تاخیر کررہے ہیں۔ اس تاخیر کے باعث فوجی اخراجات بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہماری رائے میں اب وقت آ گیا ہے کہ ہم کھلے میدان میں صفدر جنگ سے جنگ کریں۔ مجبور ہوکر بادشاہ نے حملہ کے لئے 16 جون کی تاریخ مقرر کی۔ عمادالملک بھی اسی دن بادشاہ کے خیمہ میں آیا۔ اُس نے بادشاہ سے تلوار اُٹھانے اور میدانِ جنگ میں تشریف لانے کی دعوت دی اور اسے سمجھایا کہ بغیر جنگ کے فوج خالی بیٹھے بیٹھے اکتا رہی ہے۔ لیکن اس نے خاموشی اختیار کرلی۔ 26 جولائی کو عمادالملک جنگی محاذ سے پھر بادشاہ کے پاس آیا۔ اعلانِ جنگ کے لیے کہا اور شدید اصرار کیا کہ وہ خود بھی جنگ میں آ کر فوج کی ہمت افزائی کرے۔ بادشاہ کی خاموشی سے اس کے تیور بگڑنے لگے لیکن ملکہ معظّمہ کی شائستہ تقریر سن کر وہ غصہ میں چلا گیا۔[23]

اس وقت عمادالملک کی فوجی طاقت اور فوجیوں میں جوش وخروش شباب پر تھا۔ صندق برگیڈ، نجیب الدولہ اور جیتا سنگھ گوجر نے صفدر جنگ اور سورج مل کی فوجوں کو کھدیڑ کر دلّی سے باہر نکال دیا تھا۔ صفدر جنگ کا تجربہ کار آفیسر اسمٰعیل خاں جنگ میں زخمی ہوکر فوج کے ساتھ بلبھ گڑھ کی طرف بھاگ گیا تھا۔ عمادالملک اور نجیب الدولہ اس کے تعاقب میں بلبھ گڑھ تک پہنچ چکے تھے اور بادشاہ کی اجازت بلبھ گڑھ کو ان کے قدموں میں جھکا کر سورج مل کو شکست دے سکتی تھی۔ بادشاہ کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاموشی پر تبصرہ کرتے ہوئے سرکار لکھتا ہے ''فیصلہ میں تاخیر کی بناء پر بادشاہ کا خزانہ بھی خالی ہو گیا تھا۔ اسی ہزار فوج کی تنخواہ ادا کرنے میں ملکہ معظّمہ کے دو کروڑ روپیہ، بادشاہ کے زیورات، سونے کی پلیٹیں اور تمام کارخانوں کا مال و اسباب بک چکا تھا۔ شہر میں بیکار فوجی لوگوں سے مال و اسباب چھین رہے تھے لیکن عماد الملک اور وزیر انتظام الدولہ کے درمیان اختلاف بنا رہا۔ عماد الملک چاہتا تھا کہ صفدر جنگ کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے اور انتظام الدولہ کی رائے تھی کہ اگر صفدر جنگ تباہ ہو گیا تو اس کی جگہ اس سے زیادہ طاقت ور دشمن عماد الملک پیدا ہو جائے گا۔ وہ چاہتا تھا کہ صفدر جنگ اس کا دوست بھی بنا رہے اور وہ خود بھی عہدۂ وزارت پر قایم رہے۔[24]

12 ستمبر 1753ء کو سورج مل نے خفیہ طور پر وزیر انتظام الدولہ سے بات کی اور 12 لاکھ روپے کی پیشکش کی تا کہ وہ بادشاہ اور صفدر جنگ کے درمیان تصفیہ کرائے لیکن ناکام رہا۔ اکتوبر کے وسط میں سورج مل نے براہِ راست عماد الملک سے بات کی اور چند لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا۔ یہ رقم اس لیے دی جا رہی تھی تا کہ اس کے زیرِ اقتدار مقبوضہ علاقوں پر قبضہ بحال رہنے دیا جائے لیکن عماد الملک نے یہ کہہ کر اس کی بات مسترد کر دی کہ اُسے اپنے باپ بدن سنگھ کے زمانے کے مقبوضات پر اکتفا کرنا پڑے گا۔

''اسی درمیان میں بادشاہ نے راجا مادھو سنگھ والئی جے پور کو اپنی پریشانی کا خط بھیجا اور اُسے تصفیہ کرانے کے لیے دلّی آنے کی دعوت دی۔ دس اکتوبر کو وہ دلّی آیا۔ 23 اکتوبر کو مادھو سنگھ بادشاہ کے بیچ خفیہ بات چیت ہوئی۔ سورج مل مادھو سنگھ کے کیمپ میں موجود رہا اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ نومبر 1753 میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بادشاہ اور صفدر جنگ کے بیچ صلح ہوگئی۔ سات نومبر کو صفدر جنگ نے جنگی کیمپ ختم کر دیا اور اودھ کی طرف روانہ ہو گیا۔[25]

یہ معاہدہ صفدر جنگ اور بادشاہ کے درمیان وزیر انتظام الدولہ کی ایماء پر ہوا تھا جس میں سورج مل نے اہم رول ادا کیا تھا۔ بادشاہ نے عماد الملک کو دھوکہ دیا تھا جس نے اپنے باپ، دادا کا جمع کیا ہوا سارا خزانہ خرچ کر دیا تھا۔ شاہی خزانہ خالی ہوگیا تھا۔ اس وقت 44 ہزار سے 49 ہزار تک روہیلہ نجیب الدولہ کی کمانڈ میں دلّی میں موجود تھے جنہیں عماد الملک نے صفدر جنگ کے خلاف فیصلہ کن جنگ کے لئے جمع کرلیا تھا اور ان کی تنخواہ ادا کرنا تھی۔[26]

شاہی فوج کی تعداد 80 ہزار تھی جن کو 24 ہزار روپیہ ماہوار ادا کرنا تھا اور سات مہینے کی تنخواہ 1,68,00,000 روپیہ واجب الادا تھی۔ اس میں سے 25,00,000 روپیہ نجیب الدولہ کو ادا کرنا تھا۔ نجیب الدولہ نے عماد الملک پر زور دیا کہ وہ رقم ادا کرے۔ حالات اور بگڑ جاتے اگر ملہار ہولکر کا وکیل باپو پنڈت درمیان میں آ کر تصفیہ نہ کرا دیتا۔ اس نے طے کیا کہ سوار کو بارہ آنہ (75 پیسے) اور پیدل کو چار آنا (25 پیسے) کے حساب سے رقم ادا کی جائے۔'' (اقبال حسین: 84 بحوالہ تاریخ احمد شاہی)

26 ستمبر 1753 کو نجیب الدولہ کو 4 لاکھ روپیہ جزوی ادائیگی کی طور پر دیا گیا اور یہ رقم بھی 14,000 سونے کے سکّے اور محل کی چیزیں بیچ کر فراہم کی گئی تھی۔ اس ادائیگی کے بعد بھی دیوالیہ حکومت شرائط کے مطابق طے شدہ ماہوار رقم ادا نہ کرسکی۔ روہیلہ شورش پر آمادہ ہو گئے اور عماد الملک کو قید کرلیا۔ اس بات کی اطلاع بادشاہ کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوئی اور اس وقت اُسے 25 لاکھ روپیہ ادا کرنا پڑے۔

صفدر جنگ کے بلبھ گڑھ کا فوجی کیمپ چھوڑنے (7 نومبر 1753) کے بعد نجیب الدولہ عماد الملک سے ملا۔ نجیب الدولہ کو بجنور[27] (سہارن پور) کی جاگیر کی سند مل گئی (21 نومبر 1753) اور نجیب الدولہ کے بھائی سلطان خاں کو عماد الملک نے ملازم رکھ لیا۔ اس جاگیر پر پہلے بادشاہ احمد شاہ کا ماموں جاگیر دار تھا. جس پر صفدر جنگ نے قبضہ کر کے راجا راجندر گری گسائیں کو تعینات کر دیا تھا۔ غالباً وزارت پانے کے بعد یہ علاقہ انتظام الدولہ کی جاگیر بن گیا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1- Sarkar : vol. i 255, quoted Tareekh-e-Ahmadi 48 a

2- 15b, 37 b, 80 a " " " "

3- سیرالمتاخرین جلد سوم 43

4- Sarkar : vol, i, 259-260 quoted T. Ahm, 41b, 43a, Delhi Chronicle

5- Satkar : vol i 261, quoted selection from peshwa dafter, xxi 53-56

6- سیرالمتاخیرن جلد سوم 44

7- سیرالمتاخیرین جلد سوم 46، سرکار، بحوالہ تاریخ احمدی ورق 47 الف، 49 ب۔ص 264

8- سیرالمتاخرین جلد سوم 46

9- سرکار 264 (فٹ نوٹ) انتا جی مان کیشور کے خط مورخہ 28 مارچ میں دلی سے پیشوا کو سیاسی حالات کے بارے میں تفصیل لکھتا ہے (Aiti Patr. ii 86)

10- سیرالمتاخرین جلد سوم 43

11- " " 43

Sakar: vol i, 272, quoted T.Ahmadi 54b, Cgargulzar. i., Shuja i 409 b, Bayan 276

12- Sarkar: vol i, 268, quoted T.Ahmadi 48b, T.Muz. 66, Imad 63

13- Iqbal ; 80. quoted T.Najeebabad 60, 70

14- نجیب الدولہ کی فوجی تعداد کے بارے میں کافی اختلاف ہے ممکن ہے کہ یہ اختلاف اس وجہ سے ہو کہ جب نجیب الدولہ روہیلوں کے کیمپ سے چلا تھا اس وقت اس کے ساتھ پانچ ہزار فوج

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہو۔ بعد میں کچھ روہیلہ راستے میں شامل ہو گئے ہوں اور دلی پہنچا ہو تو تعداد میں اضافہ ہو گیا ہو۔ دلی پہنچنے کے بعد بھی اور روہیلہ آ گئے ہوں۔

14a۔ نجیب الدولہ کی فوج پانچ ہزار سے سات ہزار تھی (اقبال حسین 81 بحوالہ تاریخ نجیب الدولہ ورق 8 الف، مرأتِ آفتاب نما 27a، دورنامہ 25، بیان واقعی 78a، تاریخ احمد شاہی 68b،

14b۔ گل رحمت کے مطابق 2 ہزار سے تین ہزار ورق 75 ب

14c۔ سات ہزار سوار 15 ہزار پیدل۔ اقبال حسین 81 بحوالہ میزانِ دانش 32b، بہاری لال 2

14d۔ ۱۱ ہزار۔ اقبال حسین 81 بحوالہ مضمون خلیل الرحمٰن

14e۔ سرکار کے مطابق 15 ہزار ص 273 حافظ رحمت خاں کو شک تھا کہ نجیب الدولہ ڈوندے خاں کی مرضی سے دلی گیا تھا۔ اس لیے حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے۔ تعلقات اس درجہ کشیدہ تھے کہ تلواریں باہر نکل آتیں لیکن دوندے خاں نے ٹکراؤ سے بچنے کے لیے یہ راستہ اپنایا کہ وہ بغیر فوج کے حافظ رحمت خاں کے پاس آنولہ چلا گیا۔ اس نے نجیب الدولہ کے معاملہ پر معافی مانگی اور یہ ظاہر کر دیا کہ نجیب الدولہ ہاپڑ کا کیمپ چھوڑ کر اس کی مرضی سے نہیں گیا تھا۔

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ نجیب الدولہ نے بادشاہ احمد شاہ سے 2 دسمبر 1753 کو اجازت لی اور آنولہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ خود کو نواب سعد اللہ خاں کا نوکر سمجھتا تھا اس لیے اس نے سعد اللہ خاں سے اجازت طلب کی اور یہ بھی معلوم کیا کہ کتنی فوج کے ساتھ وہ ملاقات کے لیے آ سکتا ہے۔ اجازت پا کر وہ سات ہزار سوار و پیدل کے ساتھ ملا اور پیشکش حاضر کی۔ نجیب الدولہ نے اسے حافظ رحمت خاں کے خلاف اُکسایا جو با قاعدہ سعد اللہ خاں کو رقم ادا نہیں کر رہا تھا۔ اس نے خواہش ظاہر کی کہ سعد اللہ خاں اپنے باپ کے ملک پر خود قابض ہو جائے۔ سعد اللہ خاں بھی کٹھیر کی تقسیم سے ناراض تھا۔

یہ اطلاع ملتے ہی حافظ رحمت خاں فوج لیکر رام گنگا کے کنارے آ کر خیمہ زن ہو گیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(بہاری لال: ص 3) دوندے خاں بسولی سے آیا اور منونہ کے باہر ٹھہر گیا لیکن اس نے کسی جانب سے ہمدردی کا اظہار نہیں کیا۔ بخشی سردار خاں اور فتح خانساماں بھی فوجیں لے کر آ گئے اور دونوں جانب سے جنگ کا ماحول بن گیا۔ آخر کار دوندے خاں کی بیوی نے درمیان میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کیا۔ سعد اللہ خاں نے دربار میں کہا کہ اسے نجیب الدولہ نے ورغلایا تھا۔ اس طرح روہیلوں کی آپسی جنگ کا خطرہ ٹل گیا۔ (اقبال حسین 86 بحوالہ تاریخ سعادت جاوید 340، گل رحمت 78a، تاریخ احمدی، بہاری لال تاریخ نجیب الدولہ Forster,: vol. i 13ab P140 وغیرہ)

15- Rasheed S.A.: LVI

16- اقتدار حسین (مضمون) 185

17- Rasheed S.A.: LVIII

18- اقبال حسین 82 بحوالہ تاریخ نجیب الدولہ 8 الف

19- Sarkar: vol i, 273, quoted syar 47, T-Muz. 73, Imad 60

20- سیر المتاخرین جلد سوم 45

21- عماد الملک نے اپنے دادا کے خزانے سے ستر لاکھ روپیہ نقد اور تمام بیش قیمت اشیاء فروخت کر کے اسی ہزار فوج جمع کی تھی۔

22- Sarkar : vol. i, 280

23- " " 280

24- سرکار 281، بحوالہ تاریخ احمدی 72b، 73 b، 74a

25- سرکار 281 " " "

26- دس ہزار سے پندرہ ہزار تک روہیلہ نجیب الدولہ کے ساتھ آئے تھے۔ 25 ہزار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روہیلہ 5 جون کو آئے تھے۔ چار ہزار 19 جون کو اور پانچ ہزار روہیلہ 27 جون کو آئے تھے جن کی تفصیل تاریخ احمدی میں 57 سے 60 ہزار تک ملتی ہے۔

27۔ عماد الملک نے نجیب الدولہ کو صفدر جنگ کی جاگیر جس میں شیر کوٹ، نہٹور، نگینہ، بجنور وغیرہ محالات شامل تھے، بادشاہ سے دلوائے۔ (اقتدار حسین بحوالہ رستم علی بجنوری 185) لیکن بیشتر ماخذوں میں سہارن پور کی جاگیرداری لکھا ہے۔ اقتدار حسین کی رائے میں رستم علی کا بیان زیادہ معتبر ہے۔

شیخ عبد الرشید سید نور الدین کے حوالے سے لکھتا ہے ''نجیب الدولہ کو سہارن پور کی فوجداری عماد الملک (غازی الدین خاں) اور نگینہ صفدر جنگ سے ملا۔ اس نے مراد آباد، سنبھل اور بدایوں کی سند اپنے سُسر دوندے خاں کے لیے بھی بادشاہ سے حاصل کر لی۔''

(Rasheed : Lvii)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دہلی کی سیاست میں نیا موڑ

7 رنومبر 1753 کو تصفیہ ہونے کے بعد صفدر جنگ اپنی جاگیر صوبۂ اودھ پر چلا گیا اور نجیب الدولہ فوجدار سہارنپور (بجنور بقول رستم علی) بن کر اپنے علاقہ کا بندوبست کرنے میں مصروف ہو گیا۔ نجیب الدولہ کے علاوہ اس خانہ جنگی میں سبھی امراء نے کچھ نہ کچھ کھویا تھا۔ اس نے عماد الملک کا ساتھ دیکر اس سے سہارن پور کی جاگیر اور صفدر جنگ سے نگینہ وغیرہ کے محالات حاصل کیے اور کٹھیر کے روہیلوں سے اوپر اُٹھ کر دلی دربار کی سیاست میں شامل ہو گیا۔ صفدر جنگ نے عہدۂ وزارت اور دلی کو چھوڑ دیا۔ سورج مل جاٹ شاہ عالم کے مشوروں میں شامل ہونے لگا۔ انتظام الدولہ نے عہدۂ وزارت کے ساتھ ساتھ عماد الملک کی دشمنی بھی مول لے لی لیکن سب سے زیادہ نقصان عماد الملک کو اُٹھانا پڑا۔ اس نے دلیری کے ساتھ صفدر جنگ کے خلاف اسّی ہزار فوج جمع کر کے صرف اتنا حاصل کیا کہ اس کا بدترین دشمن صفدر جنگ جو کبھی اس کا منھ بولا باپ اور سرپرست تھا، عہدۂ وزارت چھوڑ کر صوبۂ اودھ کو چلا گیا۔ بادشاہ کی بزدلی اور انتظام الدولہ کی سیاست کے باعث وہ صفدر جنگ کو شکست دیکر دلی دربار کا سب سے طاقت ور امیر نہیں بن سکا اور نہ ہی بادشاہ کا اعتماد حاصل کر سکا جبکہ اس نے اپنے باپ دادا کا جمع کیا ہوا سارا خزانہ داؤں پر لگا دیا تھا اور بادشاہ کا خزانہ بھی خالی کرا دیا تھا۔ اس کی حالت ایک ایسے جواری جیسی تھی جو ہارا بھی نہیں تھا اور اس کی ساری دولت بھی ختم ہو گئی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس وقت اس کے ساتھ ترکوں کی مضبوط اور تجربہ کار صندق برگیڈ (بدخشی)، نجیب الدولہ کی قیادت میں بہادر روہیلہ فوج اور عوامی ہمدردی بھی تھی۔ حالات ایسے بن گئے تھے کہ وہ نہ صرف صفدر جنگ کو بُری طرح شکست دیتا بلکہ سورج مل جاٹ کی جاٹ گردی کو بھی ختم کر سکتا تھا۔ اس کی دعوت پر آنیوالی تازہ دم مراٹھا فوج اس کے منصوبے کو کامیاب بھی کر سکتی تھی۔ لیکن انتظام الدولہ، سورج مل جاٹ اور بادشاہ نے مل کر اُسے نا اُمید کر دیا۔ اگر اُسے کسی سے کچھ امید تھی تو صرف نجیب الدولہ ہی کی ذات تھی جو سہارن پور پہنچ کر اپنے ملکی انتظام میں مصروف ہو گیا تھا اور دھیرے دھیرے اپنی طاقت اور مملکت کو بڑھا رہا تھا۔ یہ بات سب جانتے تھے کہ نجیب الدولہ خالصہ زمینوں پر بھی قبضہ کر رہا تھا لیکن کسی میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ اُسے روک سکتا۔

اس خانہ جنگی میں اسی ہزار فوجیوں کی تنخواہ 24 ہزار روپیہ ماہانہ کے حساب سے 68 لاکھ روپے شاہی خزانے سے خرچ ہوئے تھے اور خانہ جنگی شروع ہونے سے پہلے بادشاہ کی باقاعدہ فوج کی دو سال کی تنخواہ واجب الادا تھی۔ بادشاہ کے اعلیٰ افسران اور شاہی عملہ کی تنخواہ 32 مہینے سے نہیں ملی تھی۔ عماد الملک کا دست راست عاقبت محمود بادشاہ کے خلاف نوکروں کو بھڑکا رہا تھا۔ جب عماد الملک نے بادشاہ سے تنخواہ ادا کرنے کے لیے کہا تو اُس نے کہا کہ توپخانے کے نوکروں کی پندرہ لاکھ روپے تنخواہ ادا کرنیکی ذمہ داری تم پر ہے، خصوصاً صندق برگیڈ کی تنخواہ بلبھ گڑھ اور الہ آباد کے علاقوں کی آمدنی سے ادا کرو[1]

ملک میں پھیلی ہوئی بدامنی اور لاقانونیت نے جسکی لاٹھی اُس کی بھینس کا ماحول پیدا کر دیا تھا۔ دلّی میں مقیم مراٹھا ایجنٹ نے پیشوا کو رپورٹ بھیجی تھی کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

برسر اقتدار تورانی گروپ عماد الملک اور انتظام الدولہ کے دو خیموں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ عماد الملک وزیر انتظام الدولہ پر دربار میں اسکے بزدلانہ رویہ پر طنز کرتا تھا اور جنگ کے دوران گھر میں بیٹھے رہنے پر طعنہ زنی کرتا تھا۔ روپیہ کی بڑی سخت ضرورت تھی۔ جب اسکی بلائی ہوئی مراٹھا فوجی امداد آ گئی تو عماد الملک کو اسکی تنخواہ ادا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نے مراٹھوں کے ساتھ بلبھ گڑھ پر حملہ کر دیا۔ سورج مل جاٹ، ڈیک، کمہیر اور بھرت پور کے قلعوں کو مضبوط کر کے، قلعہ بند ہو گیا۔ محمود خاں کشمیری فصیل شکن توپیں لینے بادشاہ کے پاس آیا۔ انتظام الدولہ کی رائے کے مطابق بادشاہ نے توپیں دینے سے انکار کر دیا لیکن محمود خاں نے توپخانہ کے پہریداروں کو ڈرا دھمکا کر توپیں حاصل کر لیں اور غصہ میں انتظام الدولہ کی حویلی پر حملہ کر دیا لیکن انتظام الدولہ کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا سکا۔

سورج مل کے مشورے پر بادشاہ اور انتظام الدولہ شکار کے بہانے سکندرہ چلے گئے جہاں پہنچ کر وہ صفدر جنگ سے مدد کی درخواست کرنے لگے تاکہ عماد الملک اور مراٹھا سردار جے آپا اور ملہار ہولکر کے ہاتھوں بربادی سے بچ سکیں لیکن ملہار ہولکر کے آنے کی خبر پا کر بادشاہ اور انتظام الدولہ خیموں کو چھوڑ کر جان بچا کر بھاگ پڑے اور ان کے خیموں کو مراٹھوں نے لوٹ لیا۔ ملکہ زمانی دختر فرخ سیر زوجہ محمد شاہ اور دوسری پردہ نشین عورتیں مراٹھوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئیں۔ بادشاہ دہلی آ گیا۔ یہ خبر پاتے ہی عماد الملک سورج مل کا محاصرہ چھوڑ کر دلّی چلا آیا۔ جے آپا بھی چلا گیا۔ دلّی آ کر اس نے ملہار ہولکر کی مدد سے وزارت پر خود قبضہ کیا۔ صمصام الدولہ کو میر آتش اور امیر الامراء بنایا۔ بادشاہ احمد شاہ اور اس کی ماں کو قید کیا اور عزیز الدین خلف معز الدین

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاندار شاہ کو عالمگیر ثانی کے لقب سے تخت نشین کر دیا (3 جون 1754)۔ ایک ہفتہ بعد بادشاہ احمد شاہ اور اس کی ماں کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی۔[2]

ملہار ہولکر کے دیوان گنگا دھر چندرا چُد اور مراٹھا سردار رگھوناتھ نے انتظام الدولہ اور عماد الملک کے مابین صلح کی کوشش کی اور عماد الملک کو مشورہ دیا کہ اگر وہ دولت حاصل کرنے کا خواہشمند ہے تو انتظام الدولہ کو عہدۂ وزارت دے دے لیکن عماد الملک راضی نہیں ہوا (اکتوبر 1754)۔ بادشاہ کے دربار میں حاضر نہ ہونے پر انتظام الدولہ سے جواب طلب کیا گیا۔ (22 نومبر 1754)۔ انتظام الدولہ مراٹھوں کے کیمپ میں چلا گیا اور رگھوناتھ و ملہار ہولکر سے عماد الملک کے خلاف مدد کی درخواست کی۔ مراٹھوں نے عماد الملک سے جنگ کرنے سے منع کر دیا لیکن دونوں میں سمجھوتہ کرا دیا۔ عماد الملک بادلی میں انتظام الدولہ کے خیمہ پر آیا اور اُسے اپنے گھر لا کر مہمان رکھا (17 جنوری 1755)۔ پھر دو دن بعد اُسے دربار میں لے گیا لیکن اسکے بعد بھی دونوں میں سرد جنگ باقی رہی۔

مراٹھوں کے جانے کے بعد عماد الملک نے چین کی سانس لی۔ اس نے سب سے پہلے قطب شاہ کی سرکوبی کے لیے بدخشی فوج (گیارہ ہزار) بھیجی (11 مارچ 1755)۔ قطب شاہ کو بہادری کے صلہ میں (صفدر جنگ اور بادشاہ کی خانہ جنگی میں) بادشاہ احمد شاہ نے سہارن پور اور میرٹھ کے مشرقی جمنا کے کچھ علاقے انعام میں دیے تھے۔ عہدۂ وزارت پانے کے بعد عماد الملک نے یہ علاقے مراٹھوں کو دے دیے تھے۔ قطب شاہ پیدائشی روہیلہ نہیں تھا لیکن وہ روہیلوں کا پیر کہلاتا تھا۔ قطب شاہ کی دو ہزار روہیلہ فوج نے عماد الملک کی سب سے زیادہ مضبوط فوج صندق

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

برگیڈ (بدخشی) کوشکست دیدی۔ قطب شاہ نے تھانیسر پر قبضہ کر کے فوجی چوکیاں قایم کیں اور سرہند کی طرف بڑھا۔ [3]

عمادالملک کو نجیب الدولہ کی ضرورت:- صندق برگیڈ کی شکست کے بعد عمادالملک بادشاہ کو لیکر قطب شاہ کی سرکوبی کے لیے دلّی سے روانہ ہوا (15 مارچ)۔ وہ دلّی سے باہر پہنچا۔ وہاں بادشاہ کے لیے نہ کوئی خیمہ تھا اور نہ نوکر کیونکہ بغیر تنخواہ کے ملازمین نے کام کرنے سے منع کر دیا تھا۔ وہ چار ہفتہ تک وہیں ٹھہرا رہا کیوں کہ بغیر جنگ کیے وہ قطب شاہ سے علاقے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے نجیب الدولہ اور کامگار خاں بلوچ کو طلب کیا کیونکہ نجیب الدولہ اور قطب شاہ کے اچھے تعلقات تھے۔ نجیب الدولہ 4 اپریل 1755 کو دلّی آیا اور دو دن بعد بادشاہ کے حضور پیش ہوا۔[4] اسی درمیان میں قطب شاہ نے سرہند پہنچ کر فوجدار سرہند صادق بیگ کو بھاگنے پر مجبور کر دیا لیکن ستلج پر اسے آدینہ بیگ نے شکست دیدی اور تھانیسر پر قبضہ کر لیا۔ یہ خبر عمادالملک کو گیارہ اپریل کو ملی۔ وہ بادشاہ کے ساتھ پانی پت آ گیا[5] (19 / اپریل) اور نواب لطف اللہ خاں صادق کی حویلی میں ٹھہرا۔ پانی پت میں اُسے صندق برگیڈ نے عدم ادائیگی تنخواہ کے معاملہ میں پکڑ کر ذلیل کیا۔ اس کو سڑکوں پر کھینچا گیا اور کپڑے پھاڑ ڈالے۔ لیکن حسن بیگ خاں نے اسے بچالیا۔ [6]

غلام حسین نے اس واقعہ کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ پانی پت اور تھانیسر، اور سرہند کی فوجداری اس کے والد ہدایت علی خاں کے سپرد ہوئی تھی۔ ناگرمل (مراٹھا ایجنٹ) نے رسالہ سین داغ (صندق برگیڈ) کو اُکسا کر دو لاکھ روپیہ تنخواہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

طلب کرنے کے لیے ہدایت علیخاں کے پاس بھیج دیا۔ ہدایت علی خاں کو جب جھگڑے کا اندیشہ ہوا تو اس نے عمادالملک کو استعفیٰ پیش کر دیا۔ عمادالملک نے سپاہیوں سے کہا کہ وہ موجودات داخل کر کے تنخواہ لے لیں۔ اور نجیب الدولہ کو حکم دیا کہ وہ موجودات جمع کرالے۔ نجیب الدولہ نے ضابطہ خاں سے کہا کہ وہ موجودات جمع کرالے۔ اس نے موجودات جمع کرانے کے لیے الگ خیمہ لگایا لیکن اسی درمیان میں رسالہ سین داغ کے سپاہی عمادالملک کو پکڑ کر ذلیل کرنے لگے۔ اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ گالیاں دیں اور پانی پت کے گلی کوچوں سے اپنے لشکر میں کھینچ کر لے گئے۔ اسی درمیان بادشاہ کا پیغام پہنچا کہ عمادالملک کو اسی حالت میں ہمارے حوالے کردو۔ تمہاری تنخواہ ہمارے ذمہ ہوگی۔ محل پہنچ کر عمادالملک نے نجیب الدولہ کو حکم دیا کہ جہاں کہیں رسالہ سین داغ کے لوگوں کو دیکھے قتل کر دے۔ نجیب الدولہ نے ان کو قتل کرنا شروع کیا اور تمام رات یہ سلسلہ چلتا رہا۔ 7

نجیب الدولہ عمادالملک کی کمزوری سے واقف تھا۔ اس نے سودے بازی کے ذریعہ عمادالملک سے اودھ کی صوبہ داری حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ راضی نہیں ہوا۔ عالمگیر ثانی بہت جلد ہی عمادالملک کی طاقت اور اس کی عادت سے واقف ہو گیا۔ اس نے عمادالملک کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش بھی شروع کر دی۔ اس نے نجیب الدولہ کو اعلیٰ منصب دینے کی بھی پیش کش کی۔ اس بات کا علم عمادالملک کو بھی ہو گیا لیکن اس نے نجیب الدولہ سے تعلقات بحال رکھے۔ 8

اپنی ذلت کا ازالہ اس نے اس طرح کیا کہ بدخشی فوج کے خلاف انتقامی کارروائی شروع کر دی۔ دہلی میں مقیم بدخشی فوجیوں کو گھروں سے نکال دیا گیا اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں جہاں املاک ان کے قبضہ میں تھیں، اُن کے اعلیٰ آفیسروں سے چھین لی گئیں اور وہ بدخشی فوج جو اس کی ریڑھ کی ہڈی تھی وہ ٹوٹ گئی جس کا خمیازہ اسے مستقبل میں برداشت کرنا پڑا۔

نجیب الدولہ اور عماد الملک میں کشیدگی:- عماد الملک روپیہ حاصل کرنے کے لیے پنجاب پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے نجیب الدولہ کو طلب کیا۔ وہ شاملی میں عماد الملک سے ملا (19 نومبر 1755)۔ یہ ملاقات دوستانہ ماحول میں نہیں ہوئی کیونکہ نجیب الدولہ نے اپنی فوج کے اخراجات طلب کیے جسے وہ عماد الملک کی خواہش پر پنجاب لے گیا تھا۔ اس بات پر دونوں میں اختلاف بڑھ گیا[9] اور نجیب الدولہ اپنی جاگیر پر لوٹ آیا (29 دسمبر 1755)۔ دراصل نجیب الدولہ عماد الملک کی بچکانہ حرکتوں سے تنگ آچکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عماد الملک کو صرف دولت کی ضرورت ہے ملک کے انتظام کی کوئی پرواہ نہیں۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی معاملات میں عماد الملک کے لیے فوجی خدمات انجام دے چکا تھا۔ جون 1755 میں جب عماد الملک کو معلوم ہوا تھا کہ علی قلی خاں داغستانی کے ذریعہ بادشاہ، شجاع الدولہ، احمد خاں بنگش اور سورج مل جاٹ کی یہ بات چل رہی ہے کہ شجاع الدولہ کو عہدۂ وزارت دیا جائے اس وقت عماد الملک نے نجیب الدولہ کو حکم دیا کہ وہ سورج مل سے دوآب کے علاقوں کو چھین لے (جون 1755) لیکن نجیب الدولہ نے جنگ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور ناگرمل کے ذریعہ عماد الملک اور سورج مل میں تصفیہ کرا دیا۔[10] اس کے بعد نجیب الدولہ اپنی جاگیر پر واپس چلا گیا تھا (17 جون 1755)۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جب عمادالملک نے دھوکہ دیکر معین الدین عرف میر منّو کی بیوہ کو ہٹا کر لاہور پر قبضہ کرلیا (فروری 1756) اور آدینہ بیگ کو لاہور کا فوجدار مقرر کردیا تو نجیب الدولہ کو یقین ہوگیا کہ عمادالملک کے برے دن آگئے کیونکہ ابدالی یہ توہین برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ اس کی منہ بولی بیٹی کے ساتھ کوئی زیادتی کرے کیونکہ وہ ابدالی کی طرف سے لاہور کی فوجدار تھی۔

عمادالملک جب بادشاہ کے ساتھ لونی میں تھا تب اس نے پار روہیلوں (کٹھیر کے روہیلے) سے روپیہ طلب کرنے کی کوشش کی لیکن اُسے کچھ نہیں ملا۔ عمادالملک نے ایک اور بیوقوفی کی حرکت یہ کی کہ اُس نے الہ آباد کی صوبیداری کی سند احمد خاں بنگش کے نام لکھوا کر اس کو بھیج دی۔ سورج مل شجاع الدولہ کی مدد کے لیے چلا اور شجاع الدولہ بھی الہ آباد پہنچ کر حفاظتی انتظامات کرنے لگا لیکن نجیب الدولہ اور ناگرمل نے درمیان میں پڑ کر تصفیہ کرادیا (11 نومبر 1756) اور احمد خاں بنگش بھی فرخ آباد میں بیٹھا رہا اور شاہی فرمان کو نظرانداز کردیا۔[11]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

Sarkar : vol. i 258, quoted T. Ahmadi 103 b -1

2- سیر المتاخرین جلد سوم 46-47، اقبال حسین 86، بحوالہ تاریخ احمد شاہی 135a، تاریخ عالمگیر ثانی 16b

Sarkar : vol. ii،30-31 -3

Rasheed S.A.: LVIII, quoted Nooruddin -4

Sarkar : ii, 32 -5

Sarkar : ii, 33 -6

7- سیر المتاخرین جلد سوم 50-51

Iqbal : 86-87,quoted T. Najeebud Daula, 13ab, 14a -8

Rasheed S.A.: Lviii -9

تذکرہ عمادالملک کے حوالے سے شیخ عبدالرشید لکھتا ہے کہ عمادالملک نے نجیب الدولہ کو طلب کیا اور کہا کہ ہمیں ایک جنگ ابدالی کے ساتھ بھی لڑنا چاہیے۔ نجیب الدولہ نے جواب دیا کہ مجھے آج تک کے فوجی خدمات کے دو کروڑ روپیہ ادا کردو تب میں جنگ کروں گا۔ عمادالملک نے اس سے کہا کہ جو علاقہ میں نے تمہیں دیا ہے اس کی نصف آمدنی سے یہ رقم پوری ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ مجھ پر کوئی اور رقم باقی نہیں ہے اور اس وقت میں رقم ادا بھی نہیں کرسکتا۔ تمہاری اطاعت اور فرمانبرداری کا یہ تقاضا نہیں کہ تم مجھ سے رقم طلب کرو۔ (Raseed : Lxii)

Sarkar : vol. ii 33-34, quoted TALS 54b, 58b -10

Sarkar : vol. 35, quoted TALS 79b, 83 a -11

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ابدالی کا پنجاب پر حملہ اور نجیب الدولہ کی اطاعت

عمادالملک نے تیس لاکھ روپیہ کے عوض صوبۂ لاہور آدینہ بیگ کے سپرد کردیا تھا لیکن چھ مہینے کے بعد ابدالی کے جنرل جنگ باز خاں نے لاہور پر بغیر کسی مزاحمت کے قبضہ کرلیا[1] (20 دسمبر 1756)۔ آدینہ بیگ لاہور چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس وقت نجیب الدولہ عمادالملک کے کیمپ میں تھا جو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کررہا تھا کہ کس طرح ابدالی کا مقابلہ کیا جائے کیونکہ ابدالی جنگ باز خاں کے ہراول دستے کے پیچھے آرہا تھا جس نے لاہور پر قبضہ کر کے خواجہ عبداللہ کو دوبارہ لاہور کا ایجنٹ بنا دیا تھا۔ عمادالملک نے مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دلّی میں داخل ہونے سے پہلے ہی ابدالی کا مقابلہ کیا جائے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اس نے ہراول دستہ کے طور پر نجیب الدولہ کو روانہ کردیا۔ نجیب الدولہ نے خودغرض عمادالملک سے ناطہ توڑ کر ابدالی کو لکھا۔

''میں بھی افغان ہوں اور آپ کو بھی افغانوں کی عزّت و آبرو کی حفاظت کرنی چاہیے۔ میرے پاس اس وقت شہر میں بیس ہزار افغان ہیں اور چالیس ہزار افغان گنگا کے کنارے آپ کی اطاعت اور خدمت گزاری کے لیے موجود ہیں۔ آپ بے خوف وخطر آجایئے۔ عمادالملک کی طاقت اس لائق نہیں کہ آپ کا مقابلہ کرسکے۔ میں اس کا (عمادالملک) سب سے بڑا مددگار ہوں لیکن میں نے آپ کی خدمت گزاری کا تہیہ کرلیا ہے۔ آپ کے مقابلے کی کسی میں جرأت نہیں[2]۔''

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نجیب الدولہ سونی پت میں ابدالی کے حضور حاضر ہو گیا۔ اس وقت عماد الملک دلّی میں موجود تھا۔ وہ اس لائق نہیں تھا کہ ابدالی کا مقابلہ کر سکے۔ سوائے ابدالی کی اطاعت کے اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ 23 جنوری 1757 کو ابدالی دلّی میں داخل ہوا اور شاہدرہ میں کیمپ لگایا۔ ''نجیب الدولہ 20 جنوری (1757) کو ابدالی کے کیمپ (شاہدرہ دلّی) میں داخل ہوا۔ ابدالی نے اس کا خیر مقدم کیا اور اُسے چغہ، نادری ٹوپی اور کمر بند دیا۔ نجیب الدولہ ابدالی سے ملاقات کر کے دلّی آ گیا اور اس کے خیر مقدم کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔'' 4

عماد الملک نے اپنی بیکسی کا تذکرہ بڑے پر درد انداز میں کیا ہے۔

''نجیب الدولہ اور اس کے ساتھیوں نے میری حویلی کو گھیر کر میرا آنا جانا بند کر دیا اور رقم کا مطالبہ کیا۔ نجیب الدولہ نے اپنے ایجنٹ رسول خاں کو ابدالی کے کیمپ میں بھیج کر اپنی اطاعت کا اظہار کر دیا۔ اسی دن ابدالی نے شفقت اور مہربانی سے بھرپور خط لکھ کر نجیب الدولہ کو طلب کیا۔ وہ آدھی رات کو اسکے حضور پہنچا اور شاہی خلعت سے سرفراز ہوا۔ اب میں ایسا بیکس، مجبور، تنہا اور بے یار و مددگار شخص تھا جس کے پاس اختیاراتِ شاہی کے نام پر کچھ نہیں تھا۔ میں نے بڑی بے چینی سے صبح کا انتظار کیا۔ طلوعِ آفتاب کے بعد گھوڑے پر بیٹھا اور چار خدمت گاروں کے ساتھ خانِ جہاں خاں (چیف منسٹر ابدالی) کے پاس پہنچ گیا جس نے مجھے گلے لگایا اور شاہ ابدالی کی اجازت سے اس کی خدمت میں پیش کر دیا جہاں نجیب الدولہ دست بستہ حاضر تھا۔ اس نے مجھ پر رحم کھا کر میری خطاؤں کو معاف کر دیا۔'' 5 ابدالی نے اس کے اندازِ بیان اور عاجزی سے متاثر ہو کر اسے عہدۂ وزارت پر برقرار رکھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کٹھیر کے روہیلوں خصوصاً حافظ رحمت خاں اور سعد اللہ خاں نے یعقوب علی خاں (ابدالی کا چچا زاد بھائی جو فرخ آباد میں احمد خاں بنگش کے پاس رہ رہا تھا) کے ہمراہ پیشکش اور اطاعت کے طور پر زرِ نقد اور تحائف لیکر ابدالی کی خدمت میں بھیجے اور جواب میں ابدالی نے بھی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے جواب بھیجا۔ [6]

دلّی کو جی بھر کر لوٹنے کے بعد ابدالی نے دو مہمات کا آغاز کیا۔[7] ایک جنوبی دلّی کی مہم تھی جس میں وہ خود، جہان خاں اور نجیب الدولہ کے ساتھ سورج مل جاٹ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا تھا اور دوسری مہم شجاع الدولہ کے خلاف تھی جس میں جنگ باز خاں کا دستہ (تین ہزار فوجی)، ضابطہ خاں (پسر نجیب الدولہ) سلطان خاں (بھائی نجیب الدولہ)، عماد الملک، شہزادہ ہدایت بخش (پسر عالمگیر ثانی)، مرزا بابا (مرزا بابر داماد اور بھتیجا عالمگیر ثانی) شامل تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1۔ اقبال حسین 87 بحوالہ تاریخ عالمگیر ثانی 85a، عبد الکریم 9، سیر المتاخرین، شاہ عالم نامہ 14 اکتوبر 1756 کو لاہور میں داخل ہوا، سرکار جلد دوم 45، بحوالہ مسکین۔

2۔ اقبال حسین 87 بحوالہ تاریخ نجیب الدولہ 14a، 15a

3۔ سرکار جلد دوم 46 کے بیان کے مطابق ابدالی 23 جنوری 1757 کو دلّی میں داخل ہوا اور اقبال حسین کے مطابق 20 جنوری 1757 کو داخل ہوا۔

4۔ شیخ عبد الرشید Lx بحوالہ سید نور الدین و تذکرہ عماد الملک

5۔ شیخ عبد الرشید Lxi

6۔ اخبار الصنادید جلد دوم 296-297

7۔ دلّی اور جنوبی ہند کی مہم میں ابدالی نے تین، چار نو یا بارہ کروڑ روپیہ لوٹا تھا۔ اس لوٹ میں حضرت بیگم (بیٹی محمد شاہ) بھی شامل ہے۔ یہ وہی شہزادی ہے جسے بوڑھے بادشاہ عالمگیر ثانی نے حراست میں رکھ دیا تھا کیونکہ اس نے بادشاہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ فروری 1756 میں اس شہزادی کی عمر صرف 16 سال تھی۔ افغانستان کو لوٹتے وقت 28 ہزار اونٹوں پر صرف ابدالی کا سامان تھا اور دوسو اونٹوں پر محمد شاہ کی بیوہ کا سامان تھا۔

(Sarkar : vol. ii 83, quoted selection from Peshwa Daftar 71)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب: دس

فصل: تیرا

جنوبی دلّی کی مہم میں نجیب الدولہ ابدالی کے ساتھ

ابدالی نے اپنی جنوبی دلّی کی تسخیرات کی مہم کا آغاز 22 فروری 1757 سے کیا۔ سورج مل جانتا تھا کہ وہ ابدالی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس نے نجیب الدولہ اور انتظام الدولہ کے ذریعہ ابدالی سے درخواست کی کہ وہ اطاعت کے لیے راضی ہے اور یہ بھی تجویز رکھی کہ اگر ابدالی عماد الملک کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ قندھار لے جائے تو وہ پچاس لاکھ روپیہ دے گا کیونکہ عماد الملک مراٹھوں کی کمک پر، ابدالی کے جانے کے بعد بھی فساد پھیلاتا رہے گا۔ اس وقت بھی مراٹھے دلّی کے آس پاس کے علاقوں میں موجود تھے اور ابدالی کے افغانستان جانے کا انتظار کر رہے تھے تاکہ شیر کے جانے کے بعد مردہ جانوروں کا گوشت گیدڑوں کی طرح کھا سکیں۔ مراٹھا سردار انتاجی کو جب سورج مل کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے سورج مل کی مدد کرنے کا یقین دلایا۔ ادھر ابدالی نے بھی سورج مل کی تجویز مسترد کر کے اُسے حاضر ہونے اور زرِ پیشکش ادا کرنے کو کہا۔ سورج مل نے زرِ پیشکش ادا کرنے کے معاملہ کو گفتگو کے ذریعہ طول دیدیا کیونکہ اُسے یقین تھا کہ کچھ ہفتہ بعد انتاجی مراٹھا فوج کو لیکر آ جائیگا۔ انتاجی 4 جولائی کو متھرا آیا اور ابدالی کے خلاف جنگ کرنے کی بات کی لیکن سورج مل رضامند نہیں[1] ہوا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ مراٹھے غیر یقینی دوست ہیں اور جس طرح عماد الملک کو مُرغی بنا رکھا ہے اسی طرح اُسے بھی اپنے جال میں پھنسا لیں گے۔ گفتگو ناکام ہوگئی تو ابدالی نے بلبھ گڑھ کی طرف فوج روانہ کر دی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

25 فروری 1757 کو ابدالی بلبھ گڑھ سے 6 میل کی دوری پر خیمہ زن ہوا۔ 26 فروری کو اس کی فوج نے بلبھ گڑھ پر حملہ کیا۔ جاٹوں کے بھاری توپخانے نے ابدالی کی فوج کو جانی نقصان پہنچایا۔ اپنے ہم وطنوں کی موت پر اُسے بہت غصہ آیا اور فوج کی کمان خود سنبھال کر بلبھ گڑھ پر قبضہ کر کے جاٹوں کو پہلی شکست دی۔ 26 اور 27 کی رات میں اس نے جہان خاں اور نجیب الدولہ کی قیادت میں دو فوجی دستے (بیس ہزار فوج) دیکر حکم دیا کہ سورج مل کے ملک میں داخل ہو کر متھرا سے آگرہ تک اس کے ملک کو برباد کر دو۔[2] اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ پانچ روپیہ فی سر دیا جائے گا اور لوٹ مار کا مال فوجیوں کی ذاتی ملکیت قرار دیدیا۔

جس وقت متھرا کو لوٹا جا رہا تھا اس وقت ہندو پادشاہی کے دعویدار مراٹھا متھرا کے آس پاس کے علاقوں کو لوٹ رہے تھے۔ ان میں اتنی جرأت بھی نہیں تھی کہ وہ اس مقدس مقام کی حفاظت کے لیے تلوار اُٹھاتے بلکہ وہ اپنی جان بچا کر بھاگ گئے اور متھرا کو ابدالی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ ابدالی کی فوج برج میں داخل ہوگئی۔ اتنا ضرور ہوا کہ جواہر سنگھ پسر سورج مل نے چومحلّہ (متھرا کے جنوب میں آٹھ میل کے فاصلہ پر) کے مقام پر ابدالی سے خونریز جنگ کی (28 فروری 1757) لیکن جاٹ شکست کھا کر بھاگ گئے۔ دونوں طرف سے دس بارہ ہزار جانیں گئیں۔[3] چومحلّہ کی جنگ کے بعد ابدالی کی فوجیں متھرا میں داخل ہوگئیں (یکم مارچ 1757)۔ قتل عام شروع ہوگیا۔ معزز لوگوں کی گزارش پر دس بارہ لاکھ روپیہ لیکر جہان خاں اور نجیب الدولہ نے قتل عام بند کرنے کا حکم دیا۔ اسی رات جہان خاں متھرا سے چلا گیا۔ لیکن نجیب الدولہ متھرا میں ٹھہرا رہا اور گھر گھر دفینے تلاش کرتا رہا۔[4]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

متھرا کے بعد برندا بن میں بھی یہی کہانی دوہرائی گئی۔ ابدالی جس نے بلبھ گڑھ پر 3 مارچ کو حملہ کیا تھا، وہ ہراول دستوں کے روانہ ہونے کے بعد دو دن بعد خود بھی روانہ ہو گیا تھا۔ متھرا میں لاشیں سڑ کر ماحول کو زہر آلود بنا رہی تھیں اس لیے ابدالی متھرا کا راستہ چھوڑ کر جمنا کے جنوبی کنارے سے راستہ طے کر کے مدھوبن پہنچا۔ (متھرا سے چھ میل دوری پر جنوب مشرق میں)۔ اس نے جہان خاں اور نجیب الدولہ کو واپس بلا کر آگرہ روانہ کر دیا۔ اس کا پلان تھا کہ آگرہ کو مرکز بنا کر سورج مل کے خلاف جنگ کی جائے۔

نجیب الدولہ اور جہان خاں فوج کے ساتھ آگرہ آئے۔ مرزا سیف اللہ (شاہی قلعہ دار کا بیٹا) نے آگرہ کے قلعہ کی فصیل سے گولہ باری کر کے فوج کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ آگرہ میں قتل اور لوٹ مار کو روکنے کے لیے، آگرہ کے مہاجنوں نے پانچ لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا۔ وہ صرف ایک لاکھ روپیہ ہی ادا کر پائے تھے کہ ابدالی کا حکم پہنچا کہ آگرہ چھوڑ کر فوراً چلے آؤ۔ اسی دن نجیب الدولہ اور جہان خاں 23 مارچ 1757 کو آگرہ سے روانہ ہو گئے اور 24 مارچ کو ابدالی کے پاس متھرا پہنچ گئے۔ متھرا میں پانی میں لاشیں سڑ رہی تھیں۔ گرمی کی شدت اور لاشوں کے سڑنے سے ماحول اتنا غیر صحت مند ہو گیا تھا کہ ابدالی کے فوجی اور گھوڑے مرنے لگے تھے[5] اور دہشت کے باعث واپس جانا چاہتے تھے۔

ابدالی متھرا سے روانہ ہو کر 30 مارچ کو فرید آباد آیا اور یہاں سے راج گھاٹ کی راہ سے دلّی کی طرف چلدیا۔ شہر میں داخل نہ ہو کر وہ جمنا کے کنارے بڑھتا ہوا بسنت سرائے اور سرائے سہیل پہنچا۔ یہاں پر 31 مارچ سے 2 اپریل تک رہا تا کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بادشاہ اور اس کے خاندان سے مل کر رخصت ہو سکے۔ جانے سے پہلے اس نے عمادالملک کو وزیر اور نجیب الدولہ کو میر بخشی بنایا اور دس اپریل 1757 کو سونی پت پہنچ گیا۔

جب ابدالی افغانستان لوٹنے کی تیاری کر رہا تھا اس وقت اس کا وفد جس میں جگل کشور اور ایک ولایتی افغان تھا، سورج مل سے روپیہ طلب کرنے گیا ہوا تھا جس نے پانچ لاکھ روپیہ ابدالی کو اور دو لاکھ روپیہ اسکے وزراء کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔ جیسے ہی سورج مل کو ابدالی کے واپس جانے کی اطلاع ملی اس نے ابدالی کے وفد کو نکال دیا۔[6] ابدالی کے واپس جانے کا سب سے بڑا فائدہ سورج مل کو ہوا۔ وہ بربادی سے بھی بچ گیا اور اُسے دلّی کی سیاست میں دخل اندازی کا موقع بھی مل گیا۔ نجیب الدولہ کا مقام ہندوستان کی سیاست میں اور زیادہ بلند ہو گیا۔ اس نے میرٹھ، کاندھلہ، کرانہ، جھنجھانا اور شاملی پر قبضہ کر لیا۔[7]

صوبۂ اودھ کی مہم:- شجاع الدولہ نے ابدالی کی خدمت میں وفد نہ بھیج کر اس کی توہین کی تھی۔ ابدالی کی نظر میں وہ شمالی ہندوستان کا سب سے طاقتور اور مالدار حکمراں تھا۔ ابدالی کی اطاعت نہ کرنیکی وجہ یہ بھی تھی کہ اس کے باپ کے دو دشمن عمادالملک اور نجیب الدولہ ابدالی کے ساتھ تھے۔ وہ کٹھیر کے روہیلوں (حافظ رحمت خاں، سعد اللہ خاں) وغیرہ سے بھی ناراض تھا جنہوں نے معاہدۂ چلکیا کی خلاف ورزی کر کے صفدر جنگ کا ساتھ نہیں دیا تھا البتہ اتنا ضرور کیا تھا کہ وہ غیر جانبدار رہے تھے۔ یہ واقعہ بھی ہوا تھا کہ نجیب الدولہ اور عمادالملک میں اختلاف ہو گیا تھا تب نجیب الدولہ نے ابدالی سے درخواست کی تھی کہ عماد الملک جیسے بے طاقت اور غیر معتبر شخص کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

برخاست کر کے عہدۂ وزارت شجاع الدولہ کو دے کر اُسے ہمنوا بنالیا جائے لیکن ابدالی نے اس کا مشورہ قبول نہیں کیا تھا۔عماد الملک بھی صفدر جنگ کا شدید ترین مخالف تھا اور اسکی مخالفت شجاع الدولہ کے ساتھ بھی باقی رہی تھی اس لیے یہ ہوسکتا ہے کہ اودھ، الہ آباد، بہار اور بنگال پر قبضہ کرنے کی رائے ابدالی کو عماد الملک نے ہی دی ہو۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ جس وقت ابدالی متھرا میں تھا اس نے بادشاہ سے درخواست کی تھی کہ وہ اودھ اور بنگال (اس وقت الہ آباد صوبۂ اودھ اور بہار صوبۂ بنگال میں شامل تھا) کی صوبیداری کی سند شہزادہ ہدایت بخش (عالمگیر ثانی) اور مرزا بابا (بادشاہ کا بھتیجا اور داماد پسر عزالدین جسے مرزا بابر بھی کہتے ہیں) کے نام لکھ کر روانہ کردے۔دونوں شہزادے سند لے کر 19 مارچ کو ابدالی کے حضور متھرا آئے جن کے ساتھ معمولی عہدیدار سے بھی کم حیثیت کا حفاظتی فوجی دستہ تھا۔نہ قابلِ اعتبار فوج تھی اور نہ فوج بھرتی کرنے کے لیے روپیہ۔ابدالی اپنی فوج بھیجنے کو تیار نہیں تھا۔البتہ اس نے اتنا ضرور کیا کہ اپنی فوج کا تین ہزار آزمودہ فوجیوں کا دستہ جنگ باز خاں کی قیادت میں عماد الملک، اور دونوں شہزادوں کے ہمراہ کردیا اور سلطان خاں برادر نجیب الدولہ اور ضابطہ خاں پسر نجیب الدولہ کو بھی ان کے ساتھ کردیا[8]۔اس مہم میں جنگ باز خاں کی حیثیت کمانڈر انچیف کی تھی۔عماد الملک کے مشورہ کے مطابق یہ پلان بنایا گیا کہ یہ فوج پہلے دوآب (ضلع بلند شہر) اور فرخ آباد جا کر احمد خاں بنگش سے رابطہ قایم کرے۔اس علاقے میں جہاں جہاں مراٹھوں کی چوکیاں قائم ہیں انہیں ہٹا کر نئی چوکیاں قائم کر کے روپیہ حاصل کریں۔اپنی فوجی طاقت مضبوط کر کے صوبہ اودھ پر قبضہ کرلیں اور اس کے بعد بنگال کے زرخیز علاقے پر قابض ہوجائیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بظاہر یہ ناقابل عمل اور مشکل ترین منصوبہ تھا۔ شجاع الدولہ جیسے طاقت ور صوبیدار کو شکست دینا ناممکن تھا لیکن عماد الملک کوئی ایسا بڑا معرکہ سر کرنا چاہتا تھا کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی طاقت پا سکے۔

یہ فوج پہلے آگرہ پہنچی (23 مارچ) وہاں جہان خاں موجود تھا۔ اس نے آگرہ ان کے حوالے کیا اور خود مع فوج کے ابدالی کے کیمپ کی طرف روانہ ہو گیا۔ آگرہ سے 25 مارچ کو جمنا عبور کر کے فیروز آباد ہوتی ہوئی 31 مارچ کو مین پوری آئی جہاں احمد خاں بنگش نے ان کا استقبال کیا۔ احمد خاں بنگش مرزا بابا (مرزا بابر) کو اپنے ساتھ قادر گنج لے آیا اور شہزادہ ہدایت بخش جنوب مشرق کی طرف روانہ ہو کر ایٹہ پہنچ گیا۔ مراٹھا ایٹہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ایٹہ کا انتظام درست کرنے اور لگان کی چوکیاں بٹھانے میں مدد کرنے کے بجائے ابدالی کے فوجیوں نے ایٹہ میں لوٹ مار شروع کر دی کیوں کہ انہیں دولت حاصل کرنے کے علاوہ کسی انتظامِ مملکت یا امن قایم کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لوگ پریشان ہو کر بھاگنے لگے۔ شہزادے کو لگان کے نام پر کچھ نہ ملا البتہ ابدالی کے فوجیوں نے لوٹ مار کر کے دولت جمع کر لی۔

گل رحمت کے بیان کے مطابق ابدالی نے یعقوب علی خاں کے ذریعہ کٹھیر کے سردارانِ روہیلہ کو تحریر کیا تھا کہ عماد الملک صوبۂ اودھ پر قبضہ کرنے کے لیے فوج لیکر روانہ ہوا ہے تا کہ شجاع الدولہ سے میرے لیے زرِ پیشکش وصول کرے۔ اگر شجاع الدولہ زرِ پیشکش دینے میں عذر کرے تو تم لوگ عماد الملک کی مدد کرنا۔ 9

عماد الملک ایٹہ سے مہر آباد آ کر خیمہ زن ہو گیا اور شجاع الدولہ کو پیغام بھیجا کہ شاہزادوں کے لیے زرِ پیشکش حاضر کرو اور صوبۂ اودھ خالی کر دو۔ ابدالی ہندوستان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں موجود تھا اور وہ عماد الملک کی مدد کے لیے آ سکتا تھا۔ اس لیے شجاع الدولہ نے گول مول جواب دیکر وزیر عماد الملک کو ٹال دیا۔ شجاع الدولہ کو خوف تھا کہ کہیں روہیلہ اور احمد خاں بنگش عماد الملک کا ساتھ نہ دیں۔ اس کی نظر میں روہیلہ سرداروں میں سعد اللہ خاں دوسرے سرداروں کے مقابلہ میں زیادہ لایق اعتبار تھا۔ اس نے اپنے سالے سالار جنگ کو سعد اللہ خاں کے پاس آنولہ بھیجا[15] (10 جون 1757)۔

اس وقت سردارانِ روہیلہ خصوصاً حافظ رحمت خاں عماد الملک کا طرفدار تھا لیکن اندرونی طور پر وہ روہیلوں کے جان و مال کو برباد ہونے سے بچانے کے لیے اسکا کھل کر ساتھ دینا نہیں چاہتا تھا۔ اخلاقی طور پر وہ معاہدہ چلکیا کی رو سے جو اس کے اور صفدر جنگ کے دوران اپریل 1752 میں ہوا تھا، شجاع الدولہ کی مدد کرنے کا پابند تھا لیکن حالات کا تقاضا یہی تھا کہ بظاہر عماد الملک کی طرفداری کی جائے اور جنگ سے گریز کیا جائے۔ ''گل رحمت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ رحمت خاں احمد شاہ ابدالی کے احکام کی پابندی کی وجہ سے بظاہر عماد الملک کا ہی جنبہ دار تھا۔ [11]

سعد اللہ خاں ایمانداری سے شجاع الدولہ کی مدد کرنا چاہتا تھا لیکن تمام روہیلہ اندرونی طور پر عماد الملک کے طرفدار دکھائی دیتے تھے اور جو طرفدار نہیں تھے وہ یا تو شجاع الدولہ کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں تھے یا پھر غیر جانب دار رہنے میں بھلائی سمجھتے تھے۔ ''سعد اللہ خاں نے سیاسی تدبر سے کام لیا۔ سالار جنگ سے بھی معاملہ پوشیدہ رکھا اور پچاس ہزار فوج جمع کر کے شجاع الدولہ کی مدد پر آمادہ ہو گیا'' اسے معلوم ہوا کہ روہیلہ اس کی رائے سے متفق نہیں ہیں اور جب وہ تنہا رہ گیا، تو اپنی مرضی کے خلاف شاہزادوں کی خدمت میں حاضر ہو گیا''۔ (پچاس ہزار فوج جمع کرنا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مبالغہ ہے)

حالاں کہ سعد اللہ خاں کو شمس الدولہ مبارز الملک خلعت خطاب اور تلوار پیش کر کے اس کی عزت افزائی کی گئی لیکن اندرونی طور پر وہ شجاع الدولہ کا ہی طرفدار رہا۔"حافظ رحمت خاں، دوندے خاں، سردار خاں وغیرہ بھی شاہزادگان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ وفاداری کا حلف بھی لیا تھا لیکن انہوں نے سعد اللہ خاں کی اطاعت اور فرماں برداری کو نظر انداز کر کے بلکہ اپنی اہمیت دکھانے کے لیے سعد اللہ خاں کی مرضی کے خلاف یہ کام کیا تھا۔ باوجود اس کے کہ سعد اللہ خاں نے شاہزادگان کی اطاعت کر لی تھی لیکن روہیلہ سرداروں پر ظاہر کر دیا تھا کہ وہ جنگ کے دوران غیر جانبدار رہے گا۔[12] شجاع الدولہ بھی ان حالات سے باخبر تھا۔ اسے سعد اللہ خاں کی مجبوری کا بھی علم تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ" عماد الملک 30 جون کو حافظ رحمت خاں سے ملنے آیا تھا اور جب حافظ رحمت خاں قادر گنج میں ندی کے اس پار خیمہ زن تھا اور دوسرے دن دونوں شہزادے بھی آئے تھے اور چار دن حافظ رحمت خاں کے مہمان رہے تھے۔[13] اس کے علم میں یہ بھی تھا کہ شہزادگان ابدالی کے سردار جاں باز خاں سے خوش نہیں کیونکہ ایٹہ میں مراٹھوں کی چوکیوں کو ہٹانے اور اپنی چوکیاں بٹھانے کے دوران لوٹ مار کا جو مال ہاتھ آیا تھا اور جو روپیہ محصولات کا وصول کیا گیا تھا اس پر جاں باز خاں نے قبضہ کر لیا تھا۔ پھر بھی شجاع الدولہ نے ہمت سے کام لیا اور جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

"جب شجاع الدولہ کو معلوم ہوا کہ عماد الملک بھی قادر گنج میں آ گیا ہے[14] تو اس نے شہزادگان اور اس کی فوج کو لوٹنے کا منصوبہ بنایا۔ احمد خاں بنگش فرخ آباد کو بچانے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے لیے تیزی سے قادر گنج سے روانہ ہوا۔ حافظ رحمت خاں کی قیادت میں جو روہیلے آئے قادر گنج میں ندی کے کنارے ٹھہر گئے۔ ایٹہ سے شہزادہ ہدایت بخش بھی آ گیا (6 مئی 1757)۔ مرزا بابا اس کے ایک دن بعد (فرخ آباد) آیا۔ عماد الملک ندی عبور کر کے حافظ رحمت خاں سے ملنے آیا اور دوسرے دن دونوں شہزادے آئے اور چار دن (حافظ رحمت خاں کے) مہمان رہے۔ حافظ رحمت خاں نے شہزادگان کو صلح کا مشورہ دیا۔ انھوں نے بھی صلح کے مشورے کو پسند کیا۔ سعد اللہ خاں بھی شجاع الدولہ کا دوست تھا اس نے بھی صلح پر زیادہ زور دیا۔ اس نے حافظ رحمت خاں اور شجاع الدولہ کے درمیان دوستی قائم کرنے کی بات کی۔

اس درمیان میں شجاع الدولہ بھی کافی فوج لے کر آ گیا۔ اس کی آمد نے اچانک نیا موڑ دیا۔ اس نے شہزادگان کی اطاعت کا اعلان کیا اور یہ شرط بھی رکھی کہ اگر عماد الملک اور احمد خاں بنگش ان کا ساتھ نہیں چھوڑتے تو وہ حملہ کر دے گا۔[15]

شجاع الدولہ نے ڈپلومیسی سے کام لیکر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ شہزادگان اور بادشاہ کا فرماں بردار ہے اور یہ بات بھی واضح کر دی کہ وہ وزیر عماد الملک کو خاطر میں نہیں لاتا کیوں نکہ اس وقت وہ زرِ پیشکش حاضر کر کے عماد الملک کو سرخرو کرنا نہیں چاہتا تھا۔ عماد الملک نے شجاع الدولہ کی تجویز کو نامنظور کر کے اپنی فوج آگے بڑھا دی (8 جون 1757)۔ شجاع الدولہ بھی آگے بڑھا۔ گرّا ندی عبور کی اور سانڈی گاؤں میں شہزادگان کی فوج سے 14 میل دوری پر کیمپ لگا دیا۔ زرِ پیشکش کی رقم طے کرنے کے سلسلہ میں جب صلح کی بات چیت چل رہی تھی جاں باز خاں کے دستہ اور شجاع الدولہ کی فوج میں دو جھڑپیں بھی ہوئی تھیں لیکن اس وقت گفتگو کی نوعیت بدل گئی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جب سکھارام باپو کی قیادت میں مراٹھوں کی فوج کاس گنج تک آ گئی[16] (17 جون) لیکن اس بارے میں اقبال حسین سرکار کے اس بیان کو کہ مراٹھے آ گئے تھے، اختلاف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ سعد اللہ خاں[17] نے اس سلسلہ میں نہایت اہم رول ادا کیا۔ خوش قسمتی نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ جیسے ہی یہ اطلاع ملی کہ ابدالی ہندوستان چھوڑ کر واپس افغانستان جا رہا ہے ابدالی کا بیٹا جہان شاہ افغانستان جانے کے لیے بیتاب ہو گیا۔ دشمنی کا ماحول ختم ہو گیا جس سے احمد خاں بنگش کو بڑی نا امیدی ہوئی۔ شجاع الدولہ نے جن مراٹھوں کی مدد طلب کی تھی وہ بھی نہیں آئے تھے۔ وہ پانچ لاکھ روپیہ زر پیشکش شہزادگان کو دینے پر راضی ہو گیا۔

دوسرے دن شجاع الدولہ نے ایک لاکھ روپیہ بھیجے اور بقیہ چار لاکھ روپیہ ادا کرنے کی ذمہ داری سعد اللہ خاں نے لے لی اور اودھ کی مہم جس نے شجاع الدولہ کو پریشان کر دیا تھا ناکام ہو گئی۔ کٹھیر کے روہیلوں کے عمل سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ متحد نہیں ہو سکتے۔ یہ بات خود ان کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔[18]

اس درمیان میں عماد الملک اور احمد خاں بنگش کی بہت قربت رہی۔ دونوں مستقبل کا پلان بناتے رہے اور مہم کے خاتمہ پر عماد الملک احمد خاں بنگش کو اپنے ساتھ دلّی لے گیا۔ ابدالی کے جاتے ہی سورج مل نے جمنا کے مشرقی کنارے کے مقبوضات پر اپنا تسلط دوبارہ قایم کر لیا اور مراٹھوں کو شمالی ہندوستان میں آنے کا موقع مل گیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1۔ سورج مل نے اننا جی کو جواب دیا کہ جب ایرانی بادشاہ (درّانی) پچاس ہزار فوج کے ساتھ ہندوستان پر حملہ (1739) کر کے بادشاہ ہند بن گیا تھا تو ہندوستان میں کوئی بہادر ایسا نہیں تھا جس نے ہندوستان کی حفاظت کے لیے جان دی ہو یا درّانی کی فوج پر بندوق کا ایک فائر بھی کیا ہو۔ Sarkar : vol. ii 82, quoted SPD xxi, 96, 99, 100

2۔ Sarkar: vol. ii, 84. quoted samin in Indian Antequary 51

3۔ Sarkar : vol. ii, 84

4۔ Rasheed S.A.: xxi, quoted Nooruddin

5۔ ورندابن اور متھرا مذبح (Slaughter House) بن چکے تھے۔ ندی کا پانی مہابن میں ابدالی کے کیمپ تک پہنچ گیا تھا۔ کالرا سے لگ بھگ 150 فوجی روز مر رہے تھے۔ اس کا علاج اس زمانے میں صرف املی تھا جس کا بھاؤ ایک سو روپے سیر ہو گیا تھا۔

(Sarkar : vol. ii 91, quoted Samin)

6۔ Sarkar : vol. ii 91, quated S.P.D. ii 71

7۔ Iqbal : 88, quoted T.Najeeb-ud- daula 6a

8۔ Sarkar : vol. ii 94-95

9۔ اخبار الصنادید جلد اول 298

10۔ Iqbal: 90, quoted Shiv Prasad 47b, Maswada 178 ab

11۔ اخبار الصنادید جلد اول 298

12۔ Iqbal: 90 quoted Gul-e-Rehmat 79b, T. Alamgir Sani 230

13۔ Sarkar : vol. ii, 93

14۔ احمد خاں بنگش نے مین پوری میں استقبال کیا تھا۔ مین پوری سے یہ لوگ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوسمتوں میں چلے گئے تھے۔مرزاہدایت بخش اور جاں باز خاں اٹاوہ چلے گئے اور عمادالملک قادر گنج آ گیا تھا۔ (Indian Antiquery 67)

15۔ Sarkar : vol. ii, 96

16۔ " " "

17۔ سیر المتاخرین جلد سوم 52

18۔ اقبال حسین 91 بحوالہ تاریخ مظفری جلد دوم b خزانۂ عامرہ 68، عالمگیر ثانی 234 اخبار الصنادید جلد اول 300 بحوالہ فرح بخش

پانچ لاکھ روپیہ کی تقسیم اس طرح ہوئی کہ ڈھائی لاکھ روپیہ جاں باز خاں نے فوجی اخراجات کے لیے باقی ڈھائی لاکھ روپیہ پچاس ہزار فی آدمی کے حساب سے دونوں شہزادوں، عمادالملک، احمد خاں بنگش اور یحییٰ خاں (بخشی مرزا بابر) میں تقسیم ہو گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مراٹھے، عماد الملک اور احمد خاں بنگش

نجیب الدولہ کے خلاف

ابدالی کے افغانستان جانے کے بعد شمالی ہندوستان میں مراٹھوں کو دخل اندازی کا موقع مل گیا۔ پونا دربار کی توجہ شمالی ہندوستان کی طرف ہوگئی اور ابدالی کے قیام کے دوران جو مراٹھے پناہ گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے وہ باہر نکل آئے۔ مئی 1757 کے وسط میں رگھوناتھ راؤ کے حکم پر بیس ہزار مراٹھا سوار سکھارام باپو، وٹیل سچدیو، تاتیا گنگادھر (دیوان ملہار راؤ ہولکر) انتاجی مانا کیشور کی قیادت میں شمالی ہندوستان کی طرف روانہ ہوگئے۔ آگرہ پہنچ کر سورج مل جاٹ سے روپیہ طلب کیا اور جمنا عبور کر کے کاس گنج پہنچ گئے (17 جون)۔ دوآب کے علاقہ میں اور احمد خاں بنگش نے جن جگہوں پر فوجی اور لگان وصول کرنے کی چوکیاں قائم کردی تھیں، ان پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ انتاجی نے سکندرہ پر بھی قبضہ کرلیا (2 جولائی)۔ اب مراٹھا میرٹھ اور سہارن پور کے مضافات کی طرف بڑھے۔ میرٹھ میں نجیب الدولہ کے تین ہزار فوجیوں نے مراٹھوں کی بڑی فوج سے دو لڑائیاں لڑیں (10 اور 15 جولائی)۔ دونوں طرف سے کافی لوگ مارے گئے۔ لیکن مراٹھوں کی طاقت ور فوج قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ مراٹھوں نے سہارن پور، شکوہ آباد، پھپھوند، اٹاوہ اور کوڑا جہاں آباد کے علاقوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ یہ علاقے بادشاہ اور نجیب الدولہ سے متعلق تھے۔ مراٹھوں کی چھاتی سے شیر خوار بچے کی طرح چپٹا ہوا عماد الملک، مراٹھوں کے رحم و کرم پر اقتدار پانے کی ہوس میں دیوان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ناگرمل کے وسیلہ سے انوپ شہر کے مراٹھوں کے کیمپ میں پہنچ گیا اور ان سے معافی مانگ لی۔

عمادالملک بہت پہلے سے ہی نجیب الدولہ کی بڑھتی ہوئی طاقت، اور عمادالملک کے دستِ نگر نہ رہنے کے رویّہ سے ناراض تھا لیکن جب ابدالی نے اُسے اپنی طرف دلّی حکومت کا ایجنٹ بنا دیا اور بادشاہ عالمگیر ثانی نے اپنی تمام جاگیرات اس کی نگرانی میں دے دیں تو وہ اور زیادہ ناراض ہو گیا۔ غالباً اودھ کی مہم کی ناکامی کے بعد ہی اس نے یہ پلان بنا لیا تھا کہ وہ مراٹھوں کی مدد سے نجیب الدولہ کو دلّی سے نکال کر اس کی جگہ احمد خاں بنگش کا تقرر کر دے گا کیونکہ صفدر جنگ کے ہاتھوں شکست کے بعد سیاسی بساط پر وہی ایک پٹا ہوا مہرہ باقی رہ گیا تھا جسے وہ اپنی مرضی سے آگے بڑھا سکتا تھا۔ اسی لیے وہ دلّی آتے وقت احمد خاں بنگش کو بھی اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ عمادالملک کی ذہنیت اور منصوبہ بندی کا اندازہ اس بات لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے ابدالی کے جانے کے بعد پیشوا کو خط لکھا تھا کہ ابدالی ہندوستان کے سیاسی حالات سے ناواقف ہے البتہ اس کا ایجنٹ نجیب الدولہ ہندوستان کی حالات سے بخوبی واقف ہے۔ وہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ وہ ہندوستان میں مقیم تمام پٹھانوں کو متحد کر کے ہندوستان پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ غیر مہذب، ناشائستہ، برہمنوں اور مورتیوں کا دشمن ہے۔ اودھ کی مہم سے لوٹ کر دلّی آنے کے بعد اُسے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ نجیب الدولہ اور بادشاہ اسے عہدۂ وزارت سے برطرف کر کے شجاع الدولہ کو وزیر بنانا چاہتا ہے حالانکہ عمادالملک کا رویہ بھی مراٹھوں کی نظر میں ناقابلِ اعتبار اور غیر دوستانہ رہا تھا لیکن مراٹھا یہ بھی جانتے تھے کہ اس کے پاس کوئی فوجی طاقت نہیں ہے البتہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عہدۂ وزارت ضرور ہے جس کی وجہ سے وہ دربار میں رسائی حاصل کر کے بادشاہ کو ہمنوا بنا کر شمالی ہندوستان میں اپنی حکومت قایم کر سکتے ہیں اور دوآب، کٹھیر، اودھ، بہار اور بنگال کی زرخیز زمین کو قبضے میں لیکر کافی مالدار بن سکتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ سب سے پہلے سورج مل جاٹ اور نجیب الدولہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

10 جون 1757 کو رگھوناتھ نے جے پور سے نجیب الدولہ کو ایک خط بھیجا جس میں اسے چوتھ ادا کرنے کے لیے کہا گیا۔ اس نے لکھا تھا کہ جن علاقوں پر نجیب الدولہ قابض ہے ان علاقوں کی چوتھ محمد شاہ (1719-1748) اور اس کا لڑکا احمد شاہ (1748-1754) مراٹھوں کو ادا کرتے تھے اور اسی مضمون کا ایک خط سورج مل کو بھی لکھا گیا۔ سورج مل نے چوتھ ادا کرنے کا اقرار کرلیا۔ اس اقرار کے بعد اس پر مزید دباؤ ڈالا گیا کہ وہ 1754 کی جنگ کا تاوان بھی ادا کرے۔ اس نے تاوانِ جنگ ادا کرنے کا بھی اقرار کرلیا۔ جب بادشاہ سے چوتھ ادا کرنے کو کہا گیا تو اس نے جواب دیا کہ افغان لٹیروں نے میرے پاس چھوڑا ہی کیا ہے[2]۔ نجیب الدولہ نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ مراٹھوں کے ساتھ جنگ کرنا ہی مناسب ہے لیکن بادشاہ نے اس کی تجویز سے اتفاق نہیں کیا بلکہ وہ مراٹھوں کی آمد سے اس قدر خوف زدہ ہو گیا تھا کہ جب ابدالی کے خوف سے کمہیر میں چھپا بیٹھا باپو مہادیو ہنگانے (وکیل پیشوا مقیم دلّی دربا) بادشاہ کے پاس آیا (15 جون 1757) تو اس نے اس معمولی عہدیدار کو مہاراج دھیراج کا خطاب دیکر سرفراز کیا۔ اس نے اعلانیہ طور پر مراٹھوں کے خلاف پالیسی ترک کر کے رگھوناتھ کے استقبال کی تیاری شروع کردی۔ عماد الملک کے دلّی آنے سے پہلے (24 جولائی) سکھا رام باپو جے پور سے پٹ پڑ گنج آ چکا تھا (وسط

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جولائی) اور جولائی کے آخر میں رگھوناتھ بھی جے پور سے روانہ ہو چکا تھا۔ بادشاہ میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ عماد الملک کی ایما پر نجیب الدولہ کو معزول کر کے احمد خاں بنگش کو عہدہ بخشی دیدے کیونکہ قلعہ پر روہیلوں کا قبضہ تھا۔

11 اگست 1757 کو رگھوناتھ اور ملہار ہولکر دلّی کے قریب خضر آباد میں خیمہ زن ہو گیا۔ عماد الملک نے مراٹھوں سے تعلقات بحال کرنے کے لیے اپنے دیوان ناگرمل کو رگھوناتھ کے کیمپ میں بھیجا۔ چند دن بعد وہ خود بھی گیا اور اپنی خطاؤں کو معاف کرایا۔ اس کی اس حرکت سے روہیلہ سخت برہم ہو گئے اور انھوں نے اس کی حویلی پر حملہ کر کے اس کی بیوی اور بیٹیوں کو باہر نکال لیا اور اعلان کیا کہ اب روہیلہ اور عماد الملک کے درمیان دوستی ختم ہو گئی۔ [3]

رگھوناتھ راؤ نے باپو پنڈت کی قیادت میں ایک وفد نجیب الدولہ کے پاس بھیجا تا کہ نجیب الدولہ کو عہدۂ بخشی گری چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔ نجیب الدولہ نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا۔ انھوں نے کہا۔ ''تم مراٹھوں سے صلح کی بات کرتے ہو۔ کیا ہماری مردانگی کتّوں کی بزدلی میں بدل گئی ہے جو نواب (نجیب الدولہ) مراٹھوں سے صلح کی بات کر رہا ہے۔ بے عزتی کی زندگی سے موت بہتر ہے۔'' [4]

اس وقت نجیب الدولہ کے پاس دلّی میں صرف دس ہزار فوج تھی اور پانچ ہزار فوج میرٹھ میں فرید خاں کے زیر کمان تھی۔ فرید خاں جوش میں میرٹھ سے فوج لیکر بغیر نجیب الدولہ سے مشورہ کیے جمنا کے قریب آ کر مراٹھوں کی کثیر فوج سے بھڑ گیا اور قتل ہو گیا۔ اس شکست سے اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اس کی رائے میں غیر ضروری طاقت آزمائی روہیلوں کی موت کا پیغام ہو سکتی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس وقت نجیب الدولہ کے مقابلہ میں مراٹھوں کے پاس زبردست فوج تھی۔ سورج مل جاٹ، احمد خاں بنگش اور عماد الملک بھی ان کے ساتھ تھے۔ اس کے باجود مراٹھوں کی ہمت نہیں تھی کہ وہ دلّی میں داخل ہوسکیں اس لیے جولائی کے باقی دن اور اگست کا پورا مہینہ دلّی کی نگہداری اور مشوروں میں گزر گیا۔ مراٹھوں کی فوج نے کئی طرف سے دلّی میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن ان کی ہر کوشش کو روہیلوں نے ناکام بنا دیا۔ 2 اگست کو اوکھلا ندی کو کشتیوں کے ذریعہ عبور کرنے کی کوشش کی گئی تو نجیب الدولہ کی فوج نے بھگا دیا۔

''اب مراٹھوں نے فوجی دستوں کی جگہ بھاری فوج سے حملہ کیا۔ انھوں نے صفدر جنگ کے مقبرے اور امان خاں کی حویلی کی سمت سے حملہ کیا اور آبادیوں کو لوٹ لیا۔ پرانے قلعہ[5] پر قبضہ کرلیا۔ 12 اگست کو کوٹلہ فیروز شاہ کی توپوں پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح مراٹھوں نے ان دنوں حفاظتی قلعوں کو تسخیر کرلیا جو دلّی کی مدافعت کے لیے بڑے ضروری تھے۔ [6]

نجیب الدولہ کو احساس ہوگیا کہ وہ دلّی کی حفاظت بزورِ شمشیر نہیں کرسکتا۔ اس نے اپنے وکیل میگھ راج کو پٹ پڑ گنج کیمپ میں رگھوناتھ سے بات کرنے بھیجا (14 اگست) اور معاہدہ کرنے کا اظہار کیا۔ عماد الملک نے مخالفت کی۔ رگھوناتھ نے شاہ کو پیغام دیا کہ ہمارا جھگڑا شاہ سے نہیں ہے۔ مراٹھوں نے دلّی کا محاصرہ کر رکھا تھا اور نجیب الدولہ کے بہت سے فوجی بد دل ہوگئے تھے۔ ایک دن مراٹھوں کے ایک دستے نے جنوب مشرق سے شہر پر حملہ کیا۔ قطب شاہ نے مراٹھوں کا مقابلہ کیا۔ نجیب الدولہ خود بھی دلّی گیٹ سے جنگ کا معائنہ کرتا رہا۔ آتشی سامان ختم ہونے پر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مجبوراً قطب شاہ کو گولہ باری بند کرنی پڑی۔ نجیب الدولہ نے اسے جگہ چھوڑنے کا حکم دیا۔ قطب شاہ نے غصہ میں عماد الملک کی حویلی پر حملہ کر کے اس کے پہریداروں کو مار ڈالا۔ مراٹھوں نے جمنا کی طرف سے قلعہ پر حملہ کیا لیکن روہیلوں نے انھیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس واقعہ کے کئی دن بعد تک کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ 11 اگست کے چوطرفہ حملے کی ناکامی کے بعد عماد الملک نے نئی فوج بھرتی کرنا شروع کی جبکہ اس کی فوج میں بہادر خاں بلوچ اور جمیل الدین خاں کے دستے موجود تھے۔ رگھوناتھ نے بھی بیروزگار صندق برگیڈ کے چار ہزار فوجی بھرتی کر لیے۔

اب مراٹھوں نے جنگ کا نیا نقشہ بنایا۔ ملہار، وٹھل سچدیو، بہادر خاں بلوچ اور جمیل الدین خاں کے دستوں نے دلّی شہر کو نیم دائرے کی شکل میں گھیر لیا اور مغربی سمت سے کشمیری گیٹ سے شاہجہاں آباد کی طرف بڑھنے کی کوشش کی۔ سبزی منڈی، حوض خاص، گھوڑا بازار اور وزیر آباد تک قبضہ کر لیا۔ کچھ دن خاموشی کے بعد 25 اگست کو جنگ پھر شروع ہوگئی۔ قدسیہ باغ اور بیگم باغ پر مراٹھوں نے قبضہ کر لیا۔ ملہار کا دستہ کشمیری دروازے تک پہنچ گیا۔ جب نجیب الدولہ نے اندازہ لگالیا کہ مراٹھوں کی فوج توپوں کی زد میں آچکی ہے اس نے گولہ باری شروع کر دی۔ بہادر خاں بلوچ کے سات سو فوجی مارے گئے۔ لیکن نجیب الدولہ یہ جنگ زیادہ دنوں جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس نے میگھ راج کو ملہار ہول کر کے پاس بھیج کر صلح کی بات شروع کی۔ مراٹھوں نے عہدہ بخشی چھوڑ کر جاگیر پر واپس جانے اور ساٹھ لاکھ روپیہ تاوانِ جنگ ادا کرنے کو کہا۔ نجیب الدولہ نے جواب دیا کہ وہ عہدۂ بخشی چھوڑ کر اپنی جاگیر پر واپس جانے اور پانچ لاکھ روپیہ دینے کو تیار ہے لیکن شرط یہ ہے کہ عماد الملک کو بھی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عہدۂ وزارت سے ہٹایا جائے۔ لیکن رگھوناتھ نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ رگھوناتھ نے ملہاراور نجیب الدولہ کے مابین خط کتابت کے سلسلہ کو بھی ناپسند کیا۔

نجیب الدولہ نے پانچ سو روہیلوں کو ملا مان خاں اور قطب شاہ کی قیادت میں لال قلعہ کی حفاظت کے لیے چھوڑا اور قلعہ کی فصیل کے نیچے کلانی باغ کی طرف توپخانہ نصب کرادیا تاکہ کھلے علاقے سے حملہ کو روکا جاسکے۔ 30 اگست کو لڑائی پھر شروع ہوگئی۔ رگھوناتھ نے دلّی دروازے سے اور عمادالملک نے لاہوری گیٹ سے گولہ باری شروع کی۔ گولے قلعہ میں گر کر محلات کو نقصان پہنچانے لگے۔ احمد خاں بنگش عیدگاہ کی طرف سے رگھوناتھ اور عمادالملک کے ساتھ فوج لے کر آگے بڑھا لیکن نجیب الدولہ نے پیش قدمی روک دی۔ یکم ستمبر اور 2 ستمبر کو دونوں جانب سے خاموشی رہی۔

مجبور ہو کر نجیب الدولہ نے قطب شاہ کو ملہار کے پاس بذریعہ کشتی بھیج کر تمام شرائطوں کو قبول کر کے صلح پر[7] رضامندی کا اظہار کردیا۔ 6 ستمبر کو صلح پر دستخط ہوئے۔ نجیب الدولہ قلعہ چھوڑ کر خضرآباد کے خیمہ میں چلا آیا۔ تمام روہیلوں نے اپنا ساز و سامان لیا اور قلعہ خالی کردیا۔ دارا شکوہ کی حویلی میں رکھا ہوا سامانِ جنگ بھی نجیب الدولہ کو لے جانے کی اجازت مل گئی۔ 13 ستمبر 1757 کو وہ اپنی جاگیر پر چلا گیا۔ احمد خاں بنگش کو عہدۂ بخشی دیدیا گیا۔ بظاہر دلّی ایک بار پھر عمادالملک کے قبضے میں آگئی لیکن اقتدار مراٹھوں کا رہا۔ [8]

نجیب الدولہ پانچ مہینے تک دلّی کا نگراں رہا اور ان پانچ مہینوں میں اس نے اپنے حسن انتظام سے یہ ثابت کردیا کہ وہ لایق قائد بہترین جرنیل اور بہادر سپاہی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہے۔ان پانچ مہینوں میں ہندواور مسلمان متحد رہے لیکن کٹھیر کے روہیلہ (پار روہیلہ بقول نورالدین) اور شجاع الدولہ اس کی مدد کو نہیں آئے۔فاقہ کشی کی حالت میں بھی نجیب الدولہ کی فوج نے اس کا ساتھ دیا۔اس نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ شمالی ہندوستان کی باا ثر شخصیت ہے۔نجیب الدولہ نے اپنی جاگیر پر پہنچنے کے بعد ابدالی سے خط کتابت کے ذریعہ رابطہ بنائے رکھا اور یہاں کے حالات کی آ گاہی دیتا رہا۔اس نے ابدالی کو ہندوستان آنے اور مراٹھوں کو شمالی ہندوستان سے نکالنے کی درخواست کی۔ 9

مراٹھا نجیب الدولہ اور ابدالی کے خلاف:- نجیب الدولہ کے دلّی سے جانے کے بعد رگھوناتھ راؤ کو ہمیشہ ابدالی کے حملہ کا ڈر رہا۔ وہ بار بار پیشوا سے درخواست کرتا رہا کہ دتا سندھیا کو مزید فوج کے ساتھ بھیج دیا جائے۔اس نے ماناجی پاؤگدے (Manaji Paygude) کو نگرانی پر مقرر کر دیا تھا کہ کہیں ابدالی فوج لیکر نہ آ جائے۔اس وقت پنجاب ابدالی کے مقرر کردہ گورنر عبدالصمد خاں کے زیر اقتدار تھا اور ضابطہ خاں (پسر نجیب الدولہ) بھی اس کے ساتھ تھا جسے مراٹھوں نے دوآب کے بالائی علاقوں سے بیدخل کر دیا تھا۔ظاہر ہے کہ یہ تمام خبریں ابدالی تک پہنچ گئی تھیں۔ رگھوناتھ نے فی الحال پنجاب پر قبضہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور دشہرہ منانے کی تقریبات میں مصروف ہو گیا۔

مراٹھا یکم جنوری 1758 کو گڈھ مکتیشر اشنان کے لیے پہنچے۔اس مقدس فریضہ کی ادائیگی میں بھی وہ لوٹ مار اور قتل وغارت گری سے باز نہیں آئے۔''وہ تمام راستے لوٹ مار کرتے رہے جیسا کہ انھوں نے جنوری 1755 میں کیا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نجیب الدولہ کے کسی علاقائی آفیسر نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ سہارن پور کے تمام اضلاع جو نجیب الدولہ کی ملکیت میں تھے لوٹ لیے گئے۔'' [10]

ملہار لونی کے راستے سے باغپت پہنچا۔ بیس ہزار روپیہ باغپت سے اور سترہ ہزار روپیہ باروت سے لگان وصول کیا۔ ملہار اور رگھوناتھ نے نجیب الدولہ کے علاقوں میں لوٹ مار شروع کر دی۔ نجیب الدولہ نے اپنے خاندان کو کسی محفوظ جگہ پہنچا دیا۔

''حقیقت میں مراٹھوں کی نظر میں نجیب الدولہ ایک ایسی طاقت تھا جو شمالی ہندوستان کی فتحیابی میں ایک مضبوط دیوار بنا ہوا تھا۔ ملہار اور رگھوناتھ لوٹ مار کرتے ہوئے سہارن پور آ گئے۔ نجیب الدولہ نے گنگا کے دو آبی علاقہ (کٹھیر) کے روہیلوں کو وارننگ دی۔ اگر مراٹھوں نے مجھے دو آب کے علاقہ سے باہر کر دیا تو تمہاری بربادی بھی یقینی ہے اور اس کے بعد شجاع الدولہ کی۔ حافظ رحمت خاں نے سردارانِ روہیلہ سے مشورہ کیا اور معاملہ کو لیت و لعل (Procrastinate) میں ڈال دیا۔'' ابدالی اپنے خانگی معاملات میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے آنے کا وعدہ تو کیا لیکن وقت پر آ نہیں سکا۔ [11]

''روہیلوں کے دو گروپ سعد اللہ خاں اور حافظ رحمت خاں متحد نہ ہونے کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکے۔ ان کے زیر بحث یہ بات آئی کہ مراٹھوں کے پاس عظیم فوج ہے۔ انھوں نے ہندوستان کو زیر اثر کر لیا ہے جو ہزاروں سال سے حکمرانی کر رہے تھے انھوں نے بھی مراٹھوں کو خراج دینا منظور کر لیا ہے۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔''

اگر کوئی بات قابل توجہ تھی تو صرف اتنی کہ اگر شاہ ابدالی مراٹھوں کے خلاف کوئی مدد کرنے کا وعدہ کرے تو وہ بھی نجیب الدولہ کی مدد کرنے پر راضی ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ ولایتی فوج (ابدالی کی فوج) کی مالی مدد بھی کریں گے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حافظ رحمت خاں اور ان کے ساتھیوں نے تحریری بیان لکھ دیے کہ اگر شاہ ابدالی نجیب الدولہ کی مدد کے لیے آیا تو وہ اس کا ساتھ دیں گے۔ نجیب الدولہ نے روہیلہ سرداروں کی تحریریں ابدالی کے پاس روانہ کردیں اور جلد آنے کی درخواست کی۔" 12

مراٹھا نجیب الدولہ کے علاقوں کی لوٹ مار میں لگ گئے۔ انھوں نے جھنجانا، کرنال، تلواری، اعظم آباد، گڈھ مکٹیشر، دیو بند اور چھر تادل وغیرہ کو لوٹا۔ ملہار ہولکر کے ساتھ نواب احمد خاں بنگش اور راجا دلیل سنگھ کے فوجی بھی لوٹ رہے تھے۔ نجابت خاں روہیلہ زمیندار کنجپورہ کو پانچ لاکھ روپیہ دیکر جان چھڑانا پڑی۔ قطب شاہ روہیلہ مئی 1757 میں پہلے ہی شکست کھا کر اور گھائل ہو کر سہارن پور سے چلا گیا تھا۔

اس وقت نجیب الدولہ نے ڈپلومیسی سے کام لیتی ہوئے ملہار ہول کر کی مدد حاصل کر لی اور مراٹھا سہارن پور چھوڑ کر پنجاب کی طرف چلے گئے۔ وہ لوٹ مار کرتے ہوئے تھانیسر اور سرہند پہنچے (21 مارچ 1758)۔ دونوں شہروں کو لوٹا اور لاہور پہنچ گئے (20 اپریل 1758)۔ مراٹھوں کے جانے کے بعد نجیب الدولہ نے باروت، سہارن پور اور دوسرے علاقوں سے عماد الملک اور مراٹھوں کے ایجنٹ کو بھگا کر قبضہ کر لیا۔ عماد الملک نے انتقامی کارروائی کے طور پر نجیب الدولہ کے سفیر میگھ راج کو گرفتار کر لیا جو اپنے وفد کے ساتھ گیا ہوا تھا (8 مئی 1758) اور اسی دن ڈھل سچد یو کو سہارن پور کی صوبیداری کی سند بھی دیدی۔ 13

نجیب الدولہ جانتا تھا کہ پنجاب کی مہم سے فارغ ہو کر مراٹھے پھر لوٹیں گے اور وہ تنہا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کٹھیر کے روہیلوں اور شجاع الدولہ سے مدد کی کوئی امید نہیں تھی۔ ابدالی کب آئے گا اس بات کا بھی پتہ نہیں تھا۔ اس نے ایک بار پھر سیاسی سمجھوتہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے لیے مراٹھوں سے دوستی کرنے کی کوشش کی۔" اس نے تیس لاکھ روپیہ مراٹھوں کو دینے اور عہدہ بخشی دوبارہ حاصل کرنیکی پیشکش کی مگر ناکام رہا کیونکہ عماد الملک اور رگھوناتھ نے سمجھوتہ کرر کھا تھا۔ یہ معاملہ جب ملہار کے ذریعہ پیشوا کے دربار میں پہنچا تو پیشوا نے مراٹھا سرداروں سے رائے طلب کی پیشوا کو جواب ملا" نجیب الدولہ کا دلّی آنا ابدالی کا آنا ہے۔ اس کے ساتھ رعایت کرنا کالے ناگ کو دودھ پلانا ہے۔ اس کالے ناگ کا سر کچل دینا ہی بہتر ہے۔[14]" مراٹھوں نے نجیب الدولہ کی درخواست کو مسترد کردیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1- Rasheed S.A.: LXV, quoted Nooruddin

2- Sarkar : vol. ii, 102-103

3- Rasheed S.A.: Lxv

4- " "

5- سکھا رام باپو (دیوان رگھوناتھ) جو دوآب کے علاقہ میں تھا اسے رگھوناتھ نے واپس بلالیا اور 11 اگست کو جنگ بھڑک اُٹھی۔ مراٹھوں کا ایک ڈویژن پرانے قلعہ میں داخل ہوا۔ اس وقت بختاور خاں قلعہ کی حفاظت پر تعینات تھا۔ اس نے تھوڑے سے فوجیوں کے ساتھ مراٹھوں کو روکنے کی کوشش کی لیکن مراٹھوں کی بھاری تعداد کو روکنے میں ناکام رہا اور جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔ پرانے قلعہ پر مراٹھوں کا قبضہ ہو گیا۔ (Sarkar : vol. ii, 103)

6- Rasheed S.A.: Lxv - Lxviii

7- ملہار ہولکر نے نجیب الدولہ سے رشوت لیکر صلح کی تھی۔ (سیر المتاخرین جلد سوم 58

8- Rasheed.S.A.: Lxv-Lxviii, Sarkar : vol. ii, 102-109

9- Sarkar : vol. ii, 109, quoted Nuruddin

10- Sarkar : vol. ii, iii

11- Rasheed S.A.: Lxviii

12- Iqbal : 94, quoted T.Najeeb uddaula, 21 ab

13- Sarkar : vol. ii, 110-112, Rasheed S.A. : Lxix-Lxx

14- Rasheed S.A. : Lxxx

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مراٹھا کی دوسری مہم نجیب الدولہ کے خلاف

مراٹھوں کے دوبارہ آنے کا مقصد صرف نجیب الدولہ کے خلاف کارروائی کرنا ہی نہیں تھا بلکہ وہ پنجاب سے بنگال تک ہندو بادشاہی قایم کرنا چاہتے تھے۔ پنجاب سے ابدالی کا قبضہ ختم کرنے کے بعد ان کے حوصلے اور زیادہ بلند ہو گئے تھے۔ اس بار پیشوا نے دتا سندھیا اور نوجوان جھنکو[1] جی کو طاقت ور فوج کے ساتھ شمالی ہندوستان کی مہم پر بھیجا تھا۔ مراٹھا فوج 26 دسمبر 1758 کو دلی کے شمال مغرب میں آ گئی۔ اب مراٹھوں کی پالیسی یکسر بدل گئی تھی۔ شائستہ نرم مزاج اور عملی سیاست داں ملہار ہولکر، جو مشرقی ہندوستان کی سیاست کا تجربہ کار مراٹھا سردار تھا اسے تبدیل کر کے دتا سندھیا جیسے ناتجربہ کار، غیر سیاسی، تندخو اور سخت مزاج کے ہاتھوں میں مراٹھا قیادت سونپ دی گئی تھی[2]۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ ملہار ہولکر نجیب الدلہ کو اعلانیہ اپنا گود لیا بیٹا کہتا تھا اور یہ بات رگھوناتھ کو پسند نہیں تھی۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رگھوناتھ کی قیادت میں سابقہ مہم 1757-1758 ناکام ہو گئی تھی۔ پیشوا کو مالی طور پر کافی نقصان ہوا تھا۔ دتا سندھیا کی قیادت کے ذریعہ پیشوا سابقہ خسارے کو بھی پورا کرنا چاہتا تھا اور دولت و حکومت بھی حاصل کرنا اس کا مقصد تھا۔

دلی کے قریب آ کر اس نے عماد الملک کو لکھا کہ پیشکش حاضر کرو ورنہ برباد کر دیے جاؤ گے۔ عماد الملک نے شہر کی حفاظت کے انتظامات اور مضبوط کر دیے اور یہ تجویز بھی پیش کی کہ اگر دتا دلی چھوڑ کر پنجاب چلا جائے تو وہ سات آٹھ لاکھ روپے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دے سکتا ہے۔ دتا نے اس کی تجویز کو رد کر دیا۔ دتا سمجھ گیا کہ عماد الملک مکاری سے کام لے رہا ہے۔ اس نے کئی بار فوجی دباؤ ڈالنے کی کوشش کی لیکن عماد الملک نے قبضہ نہیں دیا۔ دتا نے دلّی کے معاملہ میں مزید وقت برباد کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اصل مقصد کی تکمیل کی طرف راغب ہو گیا جس کے لیے یہ ضروری تھا کہ نجیب الدولہ کو درمیان سے ہٹایا جائے۔

دتاّ شاملی (سرکار کے مطابق باغپت میں مئی کے آخری ہفتہ میں آیا تھا) اس نے نجیب الدولہ کو طلب کیا (مئی 1759) اور اُسے بہار اور بنگال پر قبضہ کرنے کی مہم میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ نجیب الدولہ نے اس کے سامنے کئی شرطیں رکھیں۔ اوّل یہ کہ دتاّ اس کے مقبوضات پر اس کی حکمرانی تسلیم کرے۔ دوسری یہ کہ وہ خود جاگیرات چھوڑ کر نہیں جائے گا بلکہ اپنی فوج دتا کے ساتھ کر دے گا۔ نجیب الدولہ کو مراٹھوں پر اعتبار نہیں تھا کیونکہ گووند بلال نے معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے سکندرہ پر قبضہ کر لیا تھا اور اسی طرح اسکی غیر موجودگی میں اس کی جاگیرات پر قبضہ کر لیتے۔ دتاّ نے اس سے ہندوؤں کے دو مقدّس مقام ہری دوار اور جوالا پور طلب کیے لیکن نجیب الدولہ نے انہیں دینے سے انکار کر دیا۔ تب دتاّ نے اس سے کافی رقم طلب کی۔ نجیب الدولہ دتا کی مکاری کو سمجھ گیا۔ اس نے بڑی دلیری سے کہا کہ تم کیسے سپاہی ہو جو سونا طلب کرتے ہو۔ تم سے مقابلہ کے لیے ہمارے پاس ڈھالیں اور تلواریں موجود ہیں۔ نجیب الدولہ نے دتاّ اور اس کے محافظوں کی نظروں میں چھپی ہوئی مکاری کو دیکھ لیا اور یہ اندازہ لگا لیا کہ دتاّ گفتگو کے بہانے اُسے دھوکے سے گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ اسی درمیان میں احمد خاں آفریدی (زمیندارِ لاہور) اپنے ایک ہزار سواروں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے ساتھ آیا۔ تیزی سے خیمہ میں گھسا اور مراٹھوں کی موجودگی میں پہریداروں کو چیرتا ہوا نجیب الدولہ کو لیکر خیمہ سے باہر آ گیا۔ خیمہ سے باہر آ کر نجیب الدولہ نے احمد خاں سے کہا کہ مجھے اس شخص (دتا) کی آنکھوں میں مکاری جھلک رہی ہے۔ گفتگو اور سازش ناکام ہوگئی اور نجیب الدولہ چلا گیا۔3

یکم جون 1759 کو دتا نے عبدالاحد خاں اور انتاجی کے ذریعہ عمادالملک کو وارننگ دی تھی کہ اگر وہ زرِ پیشکش حاضر نہیں کرتا ہے یا عہدۂ وزارت نہیں چھوڑتا ہے تو اس پر حملہ کر دیا جائے گا۔ اس کے جواب میں عمادالملک خود باغپت آ گیا اور بانڈ پر دستخط کر کے حملہ سے بچ گیا۔

دتا سے گفتگو کے بعد نجیب الدولہ سہارن پور آ گیا۔ مراٹھوں نے میرٹھ پر حملہ کر دیا۔ سادات بارہہ روہیلوں کے بدترین دشمن تھے۔ مراٹھوں نے ان ہی کے علاقہ میں کیمپ قایم کیا۔ نجیب الدولہ کے فوجداروں نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ دشمنوں پر حملہ کر کے شکست دینا اور دشمنوں کی کثیر تعداد سے ملک کا دفاع کرنے میں وہ ماہر تھا اور بے ضرورت طاقت استعمال کرنے کے بُرے نتائج سے واقف تھا۔ ایک پیدائشی جرنل کی طرح اس نے خود کو سکرتال میں محفوظ کر کے اپنی تمام فوج کو حفاظتی چوکیوں پر تعینات کر دیا۔

سکرتال اس کا قدرتی دفاعی قلعہ تھا۔ ''اس کے مغربی سمت میں دور تک ناہموار اونچی ہوتی ہوئی زمین تھی جو جنوب سے شمال تک ندی کی سطح کے متوازی پٹی کی شکل میں چلی گئی تھی اس کے جنوب، مشرق اور شمال میں پیچ دار غار اور نالے تھے جو ڈھلان کی شکل میں ندی سے جا ملتے تھے۔ ریتیلی زمین توپ کے گولوں کو ناکارہ بنانے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے لئے کافی تھی۔ یہ بندوق برداروں کے لیے نہایت موزوں جگہ تھی جہاں آسانی سے خندق کھودی جاسکتی تھی جسے بندوق بردار خود تیار کر لیتے تھے جو اُن کے لیے مکمل پناہ گاہ (Ambushes) کا کام کرتی تھی۔ اس جگہ کے شمال میں سیلانی زمین تھی۔ یہ بھی قدرتی پناہ گاہ تھی۔ گنگا کے مشرقی کنارے نے دور تک آبی نہروں کا جال بچھا دیا تھا۔ کہیں کہیں پر ریت کے جزیرے بھی تھے۔ نجیب الدولہ نے بڑی ہوشیاری سے خندقیں تیار کرا کے سکرتال کو قدرتی قلعہ بنالیا تھا جہاں اس نے ماہر نشانہ باز بندوق برداروں کو تعینات کر کے توپیں نصب کر دی تھیں جن کا رُخ جنوب مغرب کی سمت تھا۔ یہی وہ سمت تھی جہاں سے دشمن داخل ہوسکتا تھا۔ اس طرح نجیب الدولہ نے مٹی سے قلعہ تعمیر کرلیا۔ قحط سے بچنے کے لیے نجیب الدولہ نے جنوب مشرق کی طرف گنگا پر کشتیوں کا پل بنالیا جس سے خورد ونوش کا سامان لایا جاسکے۔[4] نجیب الدولہ نے اپنے خزانہ اور خاندان کو نجیب آباد بھیج دیا اور ضابطہ خاں کو حفاظت پر تعینات کر دیا۔ دتا سکرتال سے مغرب کی طرف دو میل فاصلہ پر خیمہ زن ہوگیا۔ ایک میل تک مورچہ بندی کرلی اور دونوں طرف سے بے مقصد فائرنگ ہوتی رہی۔[5]

جب مراٹھوں نے سکرتال کا محاصرہ کرلیا تو نجیب الدولہ نے نہایت استقلال، صبر و تحمل اور بہادری کا ثبوت دیتے ہوئے سکرتال کی حفاظت شروع کردی۔ یہ وقت اس کے لیے بڑا صبر آزما تھا۔ اس کے قریبی رشتہ دار اور ہم قوم روہیلہ اُسے مراٹھوں سے جنگ کرنے کے لیے تنہا چھوڑ چکے تھے بلکہ جب سردارانِ روہیلہ (کٹھیر) سے اس نے مدد کی درخواست کی تھی تو حافظ رحمت خاں نے اس کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ 'ایک پاگل ہے، جس نے خود کو آگ میں جھونک دیا ہے'

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(سید نورالدین LXXI)۔ شجاع الدولہ سے مدد کی امید تھی لیکن اس کی آمد میں تاخیر نجیب الدولہ کے لیے پریشان کن بنی ہوئی تھی۔ ابدالی کی آمد کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔ فی الحال تو اسے تنہا ہی حالات کا مقابلہ کرنا تھا۔

ایک ماہر جنگ ہونے کے ناطے وہ تمام جنگی ترکیبوں کو استعمال کرنے لگا۔ سکرتال مٹی کی قدرتی پناہ گاہ ضرور تھی لیکن مراٹھوں کی اور اس کے ہندوستانی اتحادیوں کی بڑی فوج سے تحفظ کرنا نجیب الدولہ جیسے ہی ماہر جنگ کا کام تھا۔ اس کی عقابی نظریں حالات اور نتائج کا جائزہ لیتی رہیں اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ بے مقصد فائرنگ اور خاموش بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس نے اپنے بندوق بردار دستے کو مراٹھوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس کی برق رفتار فوج مارتی کاٹتی مراٹھوں کے لشکر میں گھستی چلی گئی۔ اس اچانک حملے سے مراٹھا فوج خوف زدہ بھی ہوئی اور اُسے کافی جانی نقصان بھی اُٹھانا پڑا۔

دتّا نے سات ہزار آزمودہ دستہ کو گولہ باری کا حکم دیا۔ نجیب الدولہ کی عقابی نظریں اُڑتی ہوئی دھول میں بھی مراٹھوں کی فوجی طاقت کا جائزہ لیتی رہیں۔ اس نے دس ہزار روہیلہ بندوق برداروں کو بندوقیں بھرے ہوئے نشیبی نالوں میں بٹھا دیا تھا۔ مراٹھوں نے روہیلوں کو آگے بڑھنے سے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ روہیلہ مارتے کاٹتے اپنی کمیں گاہ کی طرف لوٹنے لگے۔

دتّا کی کمانڈ میں فوجی دستہ ان کے تعاقب میں تیزی سے دوڑا اور جیسے ہی ان نالوں کے قریب آیا تو روہیلہ بندوق برداروں نے ایک ساتھ باڑھ ماری اور توپ کے گولوں نے دھول کا طوفان اُٹھا دیا۔ مراٹھے اتنے تنگ راستے سے گزر رہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھے کہ ایک روہیلہ نے جھنکو کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور دوسرے ہاتھ سے اسکے گھوڑے کو روک لیا۔ اچانک مراٹھے نے اس روہیلہ کو قتل کر دیا تب جھنکو کی جان بچی۔ اس دستہ میں مراٹھوں کے ساتھ سادات بارہہ کے سید بھی تھے جو زیادہ تر قتل ہو گئے۔ پانچ سو مراٹھا سوار مارے گئے اور سیکڑوں زخمی ہو گئے۔ اس دن سے مراٹھوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ جنگ سے گریز کرنے لگے۔

اس واقعہ نے یہ ثابت کر دیا کہ نجیب الدولہ جیسے ماہر جنگ (War tactician) سے بازی لیجانا بہت مشکل ہے اور نجیب الدولہ بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ مراٹھوں کو یقین دلا دے کہ اس میں مدافعانہ صلاحیت کے ساتھ حملہ کرنے کی قوت بھی موجود ہے۔

اس واقعہ کے بعد برسات شروع ہو گئی۔ گنگا ناقابلِ عبور ہو گئی۔ جولائی اگست اور ستمبر میں بارش نے جنگ روک دی تھی۔ جب بارش کا زور کم ہوا تو دتا نے گووند بلال کی کمانڈ میں نجیب آباد پر حملہ کرنے کا فوج کو حکم دیا۔ اس دستہ نے ہری دوار سے کچھ نیچے ایک طویل راستہ طے کر کے نجیب آباد پر حملہ کر دیا جسکی حفاظت پر ضابطہ خاں تھوڑی سی فوج کے ساتھ تعینات تھا۔ پہلے مراٹھوں نے سیل گڑھ پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ بخشی سردار خاں جو روہیلوں (حافظ رحمت خاں وغیرہ سردارانِ روہیلہ) سے پہلے روانہ ہو کر نجیب الدولہ کی کمک کے لیے سیل گڑھ پہنچ چکا تھا گرفتار ہو گیا۔[6] سیل گڑھ کے بعد مراٹھا نجیب آباد میں گھس کر لوٹ مار کرنے لگے۔ انہیں کوئی میدانی فوج نہیں ملی جو ان کی راہ روکتی۔ لیکن جب کٹھیر سے روہیلہ نواب سعد اللہ خاں، حافظ رحمت خاں، دوندے خاں وغیرہ آ گئے تو مراٹھوں کی لوٹ مار کرنے والی ٹکڑیاں واپس آ گئیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کٹھیر کے روہیلوں کے فوجی دستے دو گروپوں میں روانہ ہوئے تھے۔ پہلے حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں نے ایک فوجی دستہ ہراول کے طور پر بخشی سردار خاں کی قیادت میں بھیجا تھا اور بعد میں خود روانہ ہوا تھا۔ جب کہ مراٹھا ان کے علاقوں میں لوٹ مار کرنے گھس آئے تھے اور دوسرا گروپ نواب سعد اللہ خاں کا روانہ ہوا تھا جو شجاع الدولہ کے ساتھ مل گیا تھا۔

''دتّا نے گووند پنڈت (گووند بلال سرکار کے مطابق) کو بیس ہزار سوار و پیادوں کے ساتھ حکم دیا کہ ملک روہیلہ میں غارت گری کرے۔ اس نے ٹھاکر دوارہ (تحصیل مراد آباد) سے گنگا عبور کی اور چاند پور نگینہ، امروہہ، وغیرہ کو لوٹا اور تیرہ چودھا گاؤں کو آگ لگا دی۔ سعد اللہ خاں، حافظ رحمت خاں (فیض اللہ خاں بھی) دوندے خاں جو نجیب الدولہ کی مدد کا ارادہ رکھتے تھے، ان کے علاقوں پر چڑھائی کا عزم کیا لیکن تابِ رزم نہ پا کر روہیلوں کو دامن کوہ کماؤں میں پناہ لینا پڑی البتہ ان کی آمد کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ سکرتال کے محاصرہ کا زور کم ہوگیا اور مراٹھوں کی توجہ کٹھیر کے روہیلوں کی طرف مرکوز ہوگئی جو کسی بھی مناسب وقت پر مراٹھوں پر حملہ کر کے انہیں نقصان پہنچا سکتے تھے۔[7]

دتّا نے روہیلوں کو کٹھیر سے باہر دیکھ کر ایک اور چال چلی۔ اُس نے ایک خط عبد اللہ خاں (پسر نواب علی محمد خاں جو حافظ رحمت خاں اور اپنے بھائی، فیض اللہ خاں وغیرہ سے سخت ناراض تھا) کے نام روہیلوں کے روحانی پیشوا شاہ حمزہ کی معرفت بھیجا جس میں عبد اللہ خاں کو کٹھیر پر قبضہ کرنیکی ترغیب دی تھی تا کہ روہیلوں کی توجہ نجیب الدولہ کی مدد کرنے سے ہٹ جائے۔ اس کا ذکر شاہ حمزہ نے کیا ہے:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

''عبداللہ خاں آپ سے عقیدت رکھتا ہے۔ وہ نجیب الدولہ کی مدد کو نہیں گیا ہے کیونکہ اسے اپنے باپ کے ملک کا دعویٰ ہے۔ ہم اس کو دو لاکھ روپے دیتے ہیں........ عبداللہ خاں گوونڈ کی فوج اپنے ہمراہ لے کر روہیلوں کے مقامات کو برباد کرے۔ ادھر ہم گھیر کر روہیلوں کو تہ تیغ کر دیں گے۔ پھر آدھا ملک ہمارا ہے اور آدھا ملک عبداللہ خاں کا....... عبداللہ خاں اس مشورے سے رضامند تھے لیکن اس فقیر نے ان کو سمجھا دیا۔ اسی طرح فقیر کی معرفت احمد خاں بنگش (جو ان دنوں عماد الملک کے ساتھ دلّی میں تھا) کو بھی اسی مضمون کا پیغام بھیجا تھا۔'' [8]

شجاع الدولہ برسات کے موسم میں بڑی تیزی سے چلا تھا لیکن دریاؤں کی طغیانی کے باعث اُسے جگہ جگہ رکنا پڑا تھا۔ روہیلہ اس سے پہلے ہی روانہ ہو چکے لیکن مراٹھوں سے کئی جگہ مقابلہ میں ناکام ہو کر انہیں پہاڑ میں پناہ لینا پڑی تھی۔ اس درمیان میں حافظ رحمت خاں نے نجیب الدولہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ مراٹھوں سے صلح کر لے۔'' (سرکار: ص 149) لیکن نجیب الدولہ نے صلح کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ سیل گڑھ، نجیب آباد، چاند پور، نگینہ، امروہہ وغیرہ کے محالات کی لوٹ مار اور آگ زنی کے باعث سکرتال میں غذا کی بے حد کمی ہو گئی تھی۔ سپلائی کے تمام راستے بند تھے'' گیہوں چار روپیہ سیر بک رہا تھا۔ نجیب الدولہ کی فوج کو جنگلی پھلیوں کے بیج گنگھینوں (Peas boiled whole) پر گزر کرنا پڑ رہی تھی۔ اس کے فوجیوں کو اپنے بیوی بچوں اور خاندان کی فکر ہو رہی تھی کیونکہ مراٹھا چاروں طرف لوٹ مار کرتے پھر رہے تھے۔ فوج دل شکستہ تھی اور نجیب الدولہ استقلال اور جرأت کے ساتھ کہہ رہا تھا...... ''اللہ کو یاد کرو! احمد شاہ (ابدالی) مدد کو آ رہا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ موت ایک

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دن ضرور آئیگی۔ ہونا وہی ہے جو قسمت میں لکھا ہے۔ جنگ کے مقصد کو پیش نظر رکھو اور باقی معاملات اللہ پر چھوڑ دو۔" نجیب الدولہ کے علاوہ راجا وجے سنگھ آف مارواڑ اور مادھو سنگھ راجا جے پور نے بھی مراٹھوں سے نجات پانے کے لیے ابدالی کو خطوط لکھے تھے جس کا ثبوت نجیب الدولہ کا مکتوب (دس دسمبر 1759) ہے جس میں اس نے وجے سنگھ اور مادھو سنگھ کو دلاسا دیا تھا کہ ابدالی مع خاندان کے آ گیا ہے۔

(Ganda Singh: 229, quoted Ahwale Najeebuddaula 19b, Rajwade: vol i 138, Husain Shahi 38, Khazana Amra 101, T Muzaffari 589, SPD ii 84, Mursilat.e.A. Shah Durrani 19)

نجیب الدولہ نے بڑے صبر و استقلال کے ساتھ سخت وقت گزار دیا۔

3 نومبر 1759 کی صبح کو جبکہ مراٹھا فوج ادھر ادھر بیٹھی وقت گزاری کر رہی تھی کہ اچانک شجاع الدولہ کے بھیجے ہوئے امراؤ گیر گسائیں اور انوپ گیر گسائیں کے زیرِ قیادت دس ہزار فوج کے ہراول دستہ نے اس مراٹھا دستہ پر حملہ کر دیا جو چاند پور، نگینہ وغیرہ میں لوٹ مار کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ مراٹھا بڑی تعداد میں قتل ہوئے اور جدھر منہ اُٹھا بھاگ پڑے۔ جان بچانے کے لیے مراٹھا ندی میں کود پڑے اور بہت بڑی تعداد میں ڈوب کر مر گئے۔ جو بچ گئے تھے انہوں نے دتا کے کیمپ میں آ کر اس واقعہ کی خبر دی۔

کماؤں کے پہاڑوں میں خیمہ زن روہیلوں نے جب شجاع الدولہ کی فوج کو دیکھا تو وہ بھی پناہ گاہ سے نکل کر اودھ کی فوج سے آ کر مل گئے۔ امراؤ گیر گسائیں اور انوپ گیر گسائیں نے ندی پر کشتیوں کا پل باندھ کر ندی پار کی اور سکر تال کے شمال میں خیمہ زن ہو گئے۔ کچھ دن بعد جب شجاع الدولہ فوج کے ساتھ آ گیا تو روہیلہ اس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے ندی عبور کر کے کیمپ لگا دیے۔ روہیلہ اور خاص طور سے شجاع الدولہ کی آمد سے مراٹھا فوج میں دہشت اور نا اُمیدی پیدا ہو گئی اور جب یہ اطلاع گشت کرنے لگی کہ نجیب الدولہ مشرق کی طرف سے مراٹھوں پر حملہ کرنے والا ہے تب مراٹھوں کے سردار، باہمی صلاح و مشورہ کے بعد اپنے کیمپ سے آٹھ میل دور چلے گئے۔ دتا کو معلوم ہوا تو وہ ان کے پاس آیا اور نجیب الدولہ کے متوقع حملہ کے خوف کو دور کیا۔[15]

ابدالی کے لاہور میں داخل ہونے کی اطلاع سے مراٹھا کیمپ میں دہشت پھیل گئی۔ دتا کو یہ بھی معلوم ہوا کہ لاہور کا مراٹھا گورنر سبّاجی سندھیا لاہور سے فرار ہو کر اس کے پاس آرہا ہے۔ 8 نومبر 1759 کو سبّاجی دتا کے کیمپ میں آیا اور لاہور میں ابدالی کی آمد اور اپنی بے بسی کے بارے بتایا۔ تب دتا کو اپنی ناکامی اور ناتجربہ کاری پر بہت افسوس ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ نجیب الدولہ کی مخالفت میں سکرتال کے محاصرہ میں بری طرح پھنس گیا ہے۔ پنجاب کی مہم بھی ناکام ہو گئی تھی اور سکرتال کے محاصرہ میں پانچ مہینے گزر گئے اور فوج کے خرچہ کا نقصان بھی ہوا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ چند دن بعد ابدالی آجائے گا اور سامنے نجیب الدولہ ہے۔ دونوں کے بیچ میں اس کی فوج برباد ہو جائے گی (Sarkar : vol. i 151)۔

دتا اس وقت بہت پریشان تھا۔ اگر محاصرہ ختم کرتا ہے تو ناگور میں جے آپا سندھیا کے سامنے منھ دکھانے لائق نہیں رہے گا۔ 9 نومبر کو اس نے سرداروں سے مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ تمام ضروری سامانِ جنگ توپیں وغیرہ 16 میل دور محفوظ مقام پر بھیج دی جائیں صرف ہلکے پھلکے ہتھیاروں سے حملہ کیا جائے۔ دتا کی استدعا پر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سورج مل جاٹ کا پانچ ہزار فوجیوں کا دستہ روپا رام کوٹھاری کی زیر قیادت 8 نومبر کو روانہ ہو چکا تھا اور احمد خاں بنگش اپنی فوج کے ساتھ دتا کے کیمپ میں آ گیا تھا اور ملہار ہولکر کو بلانے کے لیے تیز رفتار قاصد راجپوتانہ روانہ ہو گئے تھے پھر بھی دتا نے یہ اندازہ لگا لیا کہ تمام اتحادیوں کی مدد کے باوجود نجیب الدولہ کو شکست نہیں دے سکتا۔ اس نے اپنی متوقع شکست اور عزّت بچانے کے لیے نجیب الدولہ کے سامنے صلح کی یہ شرط رکھی کہ اگر وہ 25 لاکھ روپیہ تاوانِ جنگ ادا کرنے پر رضا مند ہو تو صلح ہو سکتی ہے لیکن نجیب الدولہ نے صلح سے صاف انکار کر دیا۔

سکرؔ تال کے معاملہ پر ادھر صلح کی بات چل رہی کہ اسی درمیان میں عماد الملک نے 16 نومبر کو بادشاہ سے دتا کے پاس جانیکی اجازت لی اور مراد نگر آ گیا[11]۔ اُسے اطلاع ملی کہ ابدالی نے پنجاب پر حملہ کر کے سرہند تک فتح کر لیا ہے اور مراٹھا بغیر کسی مزاحمت کے فرار ہو گئے ہیں۔ وہ عالمگیر ثانی کو تنہا دلّی میں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اُسے ابدالی نے تخت نشین کیا تھا اور ابدالی کے آنے کے بعد اس کا انجام بُرا ہوتا۔ وہ دلّی لوٹ گیا اور اس نے بادشاہ کو قتل کر دیا (29 نومبر 1759) اور اس کے ایک دن بعد انتظام الدولہ کا بھی قتل کر دیا اور دتا اسکی آمد کا خواب ہی دیکھتا رہ گیا۔ لیکن جیسے ہی اسے بادشاہ کے قتل کی خبر ملی تو اُس نے اندازہ لگا لیا کہ اب ابدالی تیزی سے آئے گا اور قاتلوں کو سخت سزا دے گا۔ وہ ابدالی کی آمد سے پریشان تھا کہ اچانک ملتان میں تعینات چھ ہزار مراٹھا فوجی، کپڑوں کو کمر پر باندھے اور سامان کاندھوں پر رکھے مراٹھا کیمپ میں آئے جنہیں دیکھ کر دتا نے اندازہ لگا لیا کہ پنجاب میں سخت بربادی ہوئی ہے[12] (23 نومبر 1759)۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دتا نے جب یہ دیکھا کہ نجیب الدولہ کے فوجی کمین گاہوں سے نکل کر میدان میں جمع ہو رہے ہیں تو وہ سمجھ گیا کہ کوئی خطرے کی بات ہے۔ مجبور ہو کر اس نے 8 دسمبر 1759 کو محاصرہ ختم کر دیا اور مظفر نگر کے راستے سے پانی پت کے لیے روانہ ہو گیا۔ جب وہ پانی پت کے نزدیک آیا (20 دسمبر) تب اُسے معلوم ہوا کہ ابدالی کے ہراول دستے جہان خاں، شاہ پسند خاں، اور عبد الصمد خاں کی قیادت میں آگے بڑھ رہے ہیں اور انہوں نے انبالہ پر قبضہ کر لیا ہے جہاں سے مراٹھوں کا کیمپ کنج پورہ صرف 48 میل دوری پر تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1۔ جھنکو جی جے آپا کا قانونی جانشین تھا۔ سرکاری کاغذات، خط کتابت اور حکم ناموں پر اس کے دستخط اور مہر ہوتی تھی (Sarkar : vol. ii, P142)

2۔ Sarkar : vol. ii, 142

3۔ Iqbal: 95 quoted T. Najeeb 22 ab, Daur Nama 32, T. Alamgir ii 365

4۔ Sarkar: vol. ii 148

5۔ Rasheed S.A.: Lxx' Iqbal: 97 quoted T. Najeeb 25b, Sarkar ii 148'

سیر المتاخرین جلد سوم 61

6۔ بخشی سردار خاں کو گووند رائے (گووند بلال) کی فوج کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ بخشی سردار خاں چار ہزار فوجی ہراول دستہ کے ساتھ آیا تھا اور اُسے سیل گڑھ میں محصور ہونا پڑا تھا۔ (اخبار الصنادید جلد اوّل 311) اقبال حسین کا بیان (ص 97) کہ بخشی سردار خاں مارا گیا غلط ہے کیونکہ بخشی سردار خاں کا انتقال 24 ربیع الاوّل 1187ھ (15 جون 1773ء) میں ہوا تھا۔

7۔ Rasheed S.A.: Lxxi, quoted Nuruddin، سیر المتاخرین جلد سوم 60

8۔ اخبار الصنادید جلد اوّل 309 بحوالہ فصل الکلام مولف شاہ حمزہ

9۔ Sarkar : vol. ii 149

10۔ سیر المتاخرین جلد سوم 62، سرکار 150-151، اقبال حسین 97-98، بحوالہ بہاری لال 5، تاریخ نجیب الدولہ 26 b، شو پرشاد 49 b، تاریخ مظفری جلد دوم 75 b، ولی اللہ 90، خزانۂ عامرہ 85 ab، شاہ عالم 97

''تاریخ نجیب الدولہ 27a میں لکھا ہے کہ ابدالی نے خط کے ذریعہ حافظ رحمت خاں کو مجبور کیا تھا کہ وہ نجیب الدولہ کی مدد کرے۔ شاہ عالم نامہ 97-98 میں لکھا ہے کہ شجاع الدولہ نے فرمان (غالباً ابدالی کا فرمان) کے تحت نجیب الدولہ کی مدد کی تھی'' (Iqbal Husain 98)

11۔ دتا نے ایک وفد عماد الملک کے پاس فوجی امداد کے ساتھ سکرتال آنے کے لیے بھیجا تھا اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زادِراہ کے خرچ اور فوجی انتظام کرنے کے لیے دولاکھ روپیہ خرچ کرنے کا اختیار بھی دیا تھا اور اس سے پہلے یہ بھی لکھا تھا کہ تم کس غفلت کی نیند میں سوئے ہوئے ہو۔ میں تمہاری استدعا پر یہاں جنگ میں مصروف ہوں اور تم جان بچا کر بھرت پور بھاگنے کی فکر میں ہو"۔

(Sarkar : vol. ii, 151-152)

12- Sarkar : vol. ii 154, quoted letter of Govind Ballal 24 Nov.

Ganda Singh ص،228، بحوالہ تاریخ عالمگیر ثانی214ab، مرسلات احمد شاہ درّانی مکتوب نمبر 1، مسٹر سنگھ یہ بھی لکھتا ہے کہ نجیب الدولہ نے اسلام کے نام پر ابدالی کو بلایا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پانی پت کی تیسری جنگ

(14 جنوری 1761)

دتا سکرتال کا محاصرہ ترک کر کے 20 دسمبر 1759 کو پانی پت کے قریب رام گھاٹ پر آ گیا جبکہ ابدالی اندس (Indus) کو 3 ربیع الاوّل 1173ھ (25 اکتوبر 1759) کو پہنچا اور پنجاب میں داخل ہو کر اس نے شاہ پسند خاں اور عبد الصمد خاں کی قیادت میں ہراول دستہ (Vanguard) کو روانہ کر دیا تھا۔ دتا نے انبالہ کے قیام کے دوران فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ اس نے اپنی کمانڈ میں ہلکے ہتھیاروں سے لیس پچیس ہزار فوج رکھی اور دوسری فوج جھنکو جی کی قیادت میں دی جس کے ساتھ عماد الملک بھی تھا۔ دتا ابدالی کے ہراول دستہ کا مقابلہ کرنے کے لیے کنج پورہ سے آگے بڑھا اور جھنکو جی کرنال کے لیے روانہ ہو گیا۔

ابدالی کا بیس ہزار فوج کا ہراول دستہ نیم دائرہ کی شکل میں اس طرح آگے بڑھ رہا تھا کہ اسکی تعداد کا صحیح اندازہ لگانا مشکل تھا۔ چھوٹی موٹی جھڑپوں کے بعد 24 دسمبر 1759 کو تاراری (Tarari) میں پہلی جنگ ہوئی۔ مراٹھوں کے دستہ میں پانچ ہزار آزمودہ تجربہ کار سوار بھوئتے (Bhoite) کی قیادت میں اور محمد صید خاں قبچاق کے زیر کمان ترکی توپخانہ تھا۔ مراٹھوں کو شکست ہوئی اور ان کے سر ابدالی کے حضور نذرانے کے طور پر پیش کیے گئے (Ganda Singh 229)۔

25 دسمبر کی صبح کو ابدالی سہارن پور کے قریب آ چکا تھا۔ نجیب الدولہ اس کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خدمت میں حاضر ہوا۔ جب ابدالی لونی (دلّی سے 6 میل دور) میں خیمہ زن ہو گیا تو سرداران کٹھیر حافظ رحمت خاں، دوندے خاں، فیض اللہ خاں، سعد اللہ خاں، ملا سردار خاں اور فتح خاں خانساماں وغیرہ اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

(G.Singh 230, quoted .P.D. xxviii 247, Ahwal-e- Najeebuddaula 29a, T. Muz. 590 Imadussadat 75, Bihari Lal 8)

4 جنوری 1760 کو دتّا براری (دلّی کے جنوب میں دس میل دوری پر) آ گیا۔ 6 جنوری کو دہلی میں کیمپ لگایا۔ ہلکے ہتھیاروں سے لیس دستہ اپنی کمانڈ میں رکھا اور فوج کے آگے رہا اور بھاری توپخانہ جھنکو جی کی قیادت میں دیدیا۔ چھوٹے چھوٹے دستوں کو جمنا کے گھاٹوں کی نگرانی پر تعینات کیا اور سات سو سواروں کا دستہ سبا جی کی قیادت میں براری گھاٹ کی نگرانی پر تعینات کیا۔ جمنا کے دوسرے کنارے پر ابدالی کی فوج تھی جس کی صحیح تعداد کا علم دتّا کو نہیں تھا۔ اس کا کوئی ہمدرد بھی نہیں تھا جو ابدالی اور اسکے اتحادیوں کی فوجی تعداد کے بارے میں اطلاع دیتا۔ جاڑے کا موسم تھا اور جمنا ہر جگہ سے پایاب تھی۔ براری گھاٹ کے مقابل سمت پر جمنا دو حصوں میں تقسیم ہو کر اس طرح بہہ رہی تھی کہ دونوں راستوں کے درمیان میں خودرو جھاڑیوں کا ایک جزیرہ بن گیا تھا۔ جھاڑ کی جھاڑیاں سروں سے اونچی ہو گئی تھیں۔

9 جنوری کی صبح کو سبّا نے دیکھا کہ نجیب الدولہ کی قیادت میں روہیلہ فوج مغربی کنارے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ نجیب الدولہ ہاتھی پر سوار ہے اور اس کا ہلکا توپخانہ (Wivel Guns) ہاتھیوں پر ہے۔ جھاؤ کا جزیرہ مراٹھوں کے توپخانہ کی زد سے دور تھا۔ اچانک جھاؤ کی جھاڑیوں میں حرکت ہوئی اور بندوقوں کی باڑھ سبا جی کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فوج پر پڑی۔ اس اچانک حملہ کو وہ روک نہیں سکا۔ کافی جانی نقصان اُٹھا کر سبّاجی فرار ہو گیا۔

اس وقت دتّا تین میل کے فاصلے پر تھا۔ اطلاع ملتے ہی وہ فوج کے ساتھ آگے آیا۔ اس وقت بھی نجیب الدولہ جھاڑ کے جزیرے میں تھا۔ جمنا کے مغربی اور مشرقی کناروں کے درمیان جھاؤ کے جزیرے کے بیچ آدمی کے قد کے برابر گہرا نالہ تھا۔ دتّا جیسے ہی آگے بڑھا روہیلوں نے بندوقوں کی باڑھ ماری۔ دتّا کی آنکھ میں گولی لگی اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ سبّاجی کے تمام فوجی مارے گئے اور دتّا کی زیرِ قیادت فوج بھی کافی ماری گئی۔ ''مراٹھا اپنے سردار دتّا کی لاش کو کوؤں اور گیدڑوں کے کھانے کے لیے چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ میاں قطب شاہ نے دتّا کا سر کاٹ کر ابدالی کو تحفہ میں پیش کیا۔''[1]

جھنکو بیس ہزار فوج کے ساتھ پیچھے کھڑا جنگ کا تماشا دیکھ رہا تھا کیونکہ دتّا کے قتل اور مراٹھوں کی ہلاکت سے اس کی فوج دل شکستہ ہو گئی تھی۔ وہ خود آگے بڑھا۔ اسکے بازو میں گولی لگی اور فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ نجیب الدولہ کی فوج نے دور تک تعاقب کر کے مراٹھوں کا قتل کیا۔ یہ نجیب الدولہ کے جنگی کارناموں کی بے مثال فتح تھی۔

عماد الملک دلّی سے خوفزدہ ہو کر برہان پور بھاگ گیا اور جھنکو راجپوتانے کی طرف چلا گیا۔ راستے میں کوٹ پتلی پر اس کی ملاقات ملہار سے ہوئی جو دتّا کی مدد کے لیے تین جنوری کو دلّی کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ دونوں مراٹھا سرداروں نے یہ منصوبہ بنایا کہ بھاری توپخانہ دکن بھیج دیا جائے اور ملہار گوریلا جنگ کے ذریعہ دوآب کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

علاقے میں لوٹ مار کر کے ابدالی اور اس کے اتحادیوں کو الجھائے رکھے اور یہ گوریلا جنگ اس وقت تک جاری رہے جب تک دکن سے دوسری فوج نہ آجائے۔ ملہار نے دوآب کے علاقہ میں چھاپے مارنا شروع کر دیے۔ مراٹھوں کا خیال تھا کہ ابدالی 1757 کی طرح گرمی سے پریشان ہو کر واپس چلا جائے گا۔ دکن سے دوسری فوج آجائے گی۔ اس کے بعد ابدالی کے اتحادیوں سے آسانی سے بدلہ لیا جا سکتا ہے۔

ابدالی نے دلّی میں ٹھہر کر بادشاہ شاہ جہاں ثانی (محی الملّت، جسے عمادالملک نے 30 نومبر کو بادشاہ بنا دیا تھا) کو تخت سے نہیں اُتارا اور یعقوب علی خاں (ابدالی کے وزیر شاہ ولی خاں کا رشتہ دار تھا) کو دلّی کا گورنر بنا دیا لیکن بعد میں نجیب الدولہ کی ایما پر بادشاہ کو تخت سے اتار دیا گیا۔ روہیلہ اور ولایتی افغانوں نے تین دن تک دلّی کو جی بھر کر لوٹا۔ ابدالی نے دلّی کا انتظام یعقوب علی خاں کے سپرد کیا اور خود سورج مل کی سرکوبی کے لیے آگرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے حافظ رحمت خاں کی قیادت میں ایک وفد بھرت پور بھیجا جہاں حافظ رحمت خاں کو مراٹھا اور سورج مل سے صلح کی بات کرنا تھی۔ پرشوتم ہنگانے 13 مارچ 1760 کو خط میں سداشو باہو کو لکھتا ہے کہ حافظ رحمت خاں اور گنگادھر تاتیا کے درمیان گفتگو ہوئی۔ تاتیا نے کہا کہ حافظ رحمت خاں کو نجیب الدولہ کے خلاف مراٹھوں کی مدد کرنی چاہیے تاکہ نجیب الدولہ کو بیدخل کیا جا سکے۔ لیکن اس شرط پر حافظ رحمت خاں نے صلح کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ اپنے ہم قبیلہ روہیلہ کے خلاف مراٹھوں کی مدد کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس طرح حافظ رحمت خاں کا سفارتی وفد ناکام لوٹ آیا۔ خضر آباد کے قیام کے دوران ہی ابدالی نے سورج مل اور راجپوتانے کے راجاؤں کو زرِ پیشکش لیکر حاضر ہونے کا حکم دیا تھا اور تعمیل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حکم کی صورت میں مہربانی کرنے کا یقین دلایا۔[2]

راجپوتانے کے راجاؤں سے معاملات طے کرنے کے لیے نجیب الدولہ کو مقرر کیا گیا۔ راجپوتانے کے راجاؤں نے روپیہ حاضر کرنے میں دیر لگائی۔ دیر لگانے کے پس پردہ یہ بات تھی کہ وہ اس وقت کا انتظار کر رہے تھے جب مراٹھوں کی نئی فوج ابدالی سے مقابلہ کرے گی اس وقت یہ طے ہو جائے گا کہ دونوں میں کون زیادہ طاقتور ہے۔

27 جنوری کو ابدالی شیر گڈھ (متھرا سے بیس میل کے فاصلہ پر) کے راستے سے روانہ ہوا۔ 11 فروری کو ملہار نے اس کے لشکر پر شبخون مارا لیکن ناکام ہوا۔ 18 فروری کو ریواری پہنچ گیا۔ ملہار برابر ابدالی کا پیچھا کر کے اسے پریشان کرتا رہا۔ 27 فروری کو ابدالی خضر آباد آیا اور جہان خاں کو ملہار کے خلاف تادیبی کارروائی کا حکم دیا۔[3]

28 فروری کو ملہار سکندرہ آباد میں لوٹ مار کرنے لگا۔ اسے اطلاع ملی کہ نجیب آباد سے دس لاکھ روپیہ فوجی اخراجات کی ضرورت کے لیے ابدالی کے کیمپ بھیجا جا رہا ہے۔ ملہار انوپ شہر میں آ گیا اور خزانے کے انتظار میں چار دن ٹھہرا رہا۔ جہان خاں نے 4 مارچ کو اس پر حملہ کر دیا۔ تھوڑی دیر مقابلہ کر کے مراٹھے ننگے گھوڑوں پر بیٹھ کر فرار ہو گئے اور تمام مال و اسباب لٹنے کے لیے چھوڑ گئے۔ اسکے تین اعلیٰ آفیسر انند رام جودو، شیھیا جی کھرادے اور اس کا لڑکا (فارسی مخطوطہ کے مطابق اس کا نام فقیر جی تھا) اور دوسرے عام فوجی مارے گئے۔ ملہار کی گردن میں زخم آیا وہ بھاگ کر آگرہ آ گیا۔[4]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

''ابدالی نے دھیرے دھیرے آگرہ کے اطراف کے جاٹوں کے مضبوط ٹھکانوں پر قبضہ کر کے اپنی چوکیاں بٹھا دیں۔ بالائی دوآب کے علاقوں پر قبضہ کر کے وہ کوئل (علی گڑھ) آ گیا (4 مارچ 1760)۔ اس وقت قلعہ رام گڑھ (یا قلعہ ثابت گڑھ) سورج مل جاٹ کی حکمرانی میں تھا اور درجن سال قلعہ دار تھا۔ یہ قلعہ کمبھیر (Kumbher) کے قلعہ کی طرف مضبوط اور ناقابل تسخیر مانا جاتا تھا۔ قلعہ میں بڑی تعداد میں سامان جنگ موجود تھا۔ 26 مارچ کو نجیب الدولہ اور ابدالی نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور ابدالی نے ایک فوجی دستہ جمنا کے مشرقی سمت کے محالات کی تسخیر کے لیے بھیجا تاکہ بلند شہر اور اس کے مضافات کی مراٹھا چوکیوں پر قبضہ کر کے قلعہ رام گڑھ[5] کے محاصرین کو فوجی کمک سے محروم کیا جا سکے۔ اس ترکیب نے سورج مل کے حوصلے پست کر دیے اور وہ معاہدہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ 16 دن کی جدو جہد کے بعد قلعہ فتح ہو گیا۔ سورج مل نے اپنا نمائندہ ابدالی کے پاس بھیجا۔ ابدالی نے 45 لاکھ روپے زرِ پیشکش طلب کیے (26 اپریل) اسی درمیان میں شاہ ولی خاں کے طلب کرنے پر احمد خاں بنگش 31 مارچ کو ابدالی کے حضور حاضر ہو گیا[6]۔ علی گڑھ کیمپ سے ہی حافظ رحمت خاں کو متھرا بھیجا گیا (16 مئی) تاکہ سورج مل سے معاہدہ کی شرائط طے کی جا سکیں اور اگر ممکن ہو تو مراٹھوں کے ساتھ بھی شرائط طے ہو جائیں لیکن حافظ رحمت خاں سفارتی وفد کے ساتھ ناکام لوٹ آیا (20 مئی)[7]۔

گرمی کا موسم شروع ہونے سے پہلے ابدالی افغانستان لوٹنا چاہتا تھا کیونکہ اس کے آنے کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ دتّا مارا گیا تھا اور ہولکر شکست کھا کر بھاگ گیا تھا دوآب کے بالائی علاقوں پر نجیب الدولہ کا قبضہ ہو گیا۔ سورج مل جاٹ نے زرِ پیشکش

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دینے کا وعدہ کرلیا لیکن نجیب الدولہ کے بار بار اصرار پر اس نے مراٹھوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کا فیصلہ کرلیا لیکن اس جنگ کے لیے شجاع الدولہ کو ابدالی کا ساتھ دینے کے لیے رضا مند کرنا بہت ضروری تھا کیونکہ اس کے پاس مشرقی ہندوستان کا سب سے بہترین توپخانہ تھا۔ اس کی فوج میں بہترین لڑاکو گسائیں دستہ اور تجربہ کار آفیسر شامل تھے۔ ابدالی اور مراٹھوں کی جانب سے اُسے عہدۂ وزارت کی پیشکش کی جارہی تھی۔ ملکہ زمانی (بیوہ محمد شاہ بادشاہ) ابدالی کے حق میں مدد پانے کے لیے اس کے پاس آئی تھی۔ اس کے بعد جہان خاں (کمانڈر انچیف ابدالی) بھی اس کی مدد حاصل کرنے آیا تھا۔ دوسری طرف باہو (پیشوا کا چچا زاد بھائی) نے اپنے انتہائی معتمد آفیسر شیام جی رگھوناتھ کو سفارت پر اس کے پاس بھیجا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ شجاع الدولہ کی مدد سے ابدالی کو شکست دے کر تیموری خاندان کی عزّت کو بچایا جاسکتا ہے۔

جب نجیب الدولہ شجاع الدولہ سے مدد طلب کرنے گیا تو شجاع الدولہ نے اسے باہو کا خط دکھایا جس میں باہو نے شجاع الدولہ کو یاد دلایا تھا کہ مراٹھوں میں اور شجاع الدولہ کے والد صفدر جنگ میں اتحاد تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ ہندوستان سے غیر ملکی حملہ آور کو باہر نکالنے میں شجاع الدولہ کو مراٹھوں کا ساتھ دینا چاہیے اور شجاع الدولہ کو وزارت بھی سونپی گئی تھی۔ نجیب الدولہ نے محسوس کیا کہ شجاع الدولہ کی والدہ اور اس کے قدیم رفقاء صفدر جنگ اور بادشاہ احمد شاہ کے درمیان ہوئے تنازعہ کو بھولے نہیں ہیں جس میں عماد الملک کی ایماء پر مذہبی نفرت پھیلائی گئی تھی اور اس وقت نجیب الدولہ بادشاہ کا حامی اور صفدر جنگ کا مخالف تھا۔ شجاع الدولہ کو یہ بھی خوف تھا کہ ابدالی غیر ہندوستانی ہے، واپس چلا جائے گا اور آئندہ مراٹھوں سے ہی واسطہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پڑے گا لیکن وہ مراٹھوں کی ذہنیت سے واقف تھا۔ اس کی نظر میں ابدالی اور مراٹھا دونوں ڈاکو تھے بس فرق اتنا تھا کہ ایک غیر ملکی تھا اور دوسرا ہندوستانی جس کے خلاف اس نے سکرتال کے محاصرے کے وقت نجیب الدولہ کا ساتھ دیا تھا۔

نجیب الدولہ نے اپنا خنجر نکال کر شجاع الدولہ کے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ اگر ابدالی نے تمہاری طرف غلط نظر سے دیکھا تو میں اسکی آنکھیں نکال لوں گا اور اگر آپ ابدالی کی مدد کرنے کا وعدہ نہیں کرتے تو اس خنجر سے میری گردن کاٹ دیجئے۔ ان دو باتوں میں سے ایک بات کا اقرار کیجئے۔ نجیب الدولہ کی باتوں پر شجاع الدولہ کو اتنا اعتبار تو آ گیا کہ اس نے ابدالی کی حمایت پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔ نجیب الدولہ نے شجاع الدولہ کی خواہش پر یہ تحریر بھی لکھ دی کہ وزارت شجاع الدولہ کو دیجائے گی۔ شجاع الدولہ اپنی فوج کے ساتھ جولائی کی ابتداء میں انوپ شہر پہنچا۔ شاہ ولی خاں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ ابدالی کے پاس حاضر ہوا۔ ابدالی نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے 'فرزندِ خان' کا خطاب دیا (18 جولائی 1760)۔

کیچڑ اور پانی کی وجہ سے جب آمد و رفت بند ہوگئی تب نجیب الدولہ نے علیگڑھ چھوڑنے اور انوپ شہر میں کیمپ قایم کرنے کی تجویز پیش کی۔ کٹھیر کے روہیلوں نے ابدالی سے دو مہینے کی عارضی رخصت کی اجازت مانگی تا کہ وہ اپنے ملک کا انتظام اور زرِ محصولات وصول کر سکیں۔ ابدالی نے انہیں دو مہینے کی اجازت دیدی اور روہیلہ کٹھیر چلے آئے۔

پیشوا بالا جی باجی راؤ کو اپنی عظیم فوج اور لامحدود وسائل پر بھروسہ تھا۔ اس نے سدا شو باہو کی کمانڈ میں ایک عظیم فوج جس میں ابراہیم گاردی کی قیادت میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہترین توپ خانہ بھی شامل تھا، پونہ سے 15 مارچ کو روانہ کی تھی اور باہو کو اپنی جیت کا پورا بھروسہ تھا۔ وہ کسی بھی شرط پر صلح کے لیے آمادہ نہیں تھا۔[5]

برسات کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ کوئی ندی پایاب نہیں تھی۔ ابدالی کے ہندوستانی ساتھی بددل ہو رہے تھے۔ صرف نجیب الدولہ ہی پرجوش اور باہمت دکھائی دیتا تھا۔ ابدالی جانتا تھا کہ یہ بڑی صبر آزما اور فیصلہ کن جنگ ہے جس کا تجربہ سوائے نجیب الدولہ کے اور کسی ہندوستانی اتحادی کو نہیں ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسکے کچھ ہندوستانی اتحادی خفیہ طور پر باہو سے صلح کی بات کر رہے ہیں۔ لیکن ایک باعزم اور دلیر جرنل کی طرح ابدالی سب کچھ برداشت کرتا رہا اور کسی نہ کسی طرح فوج کی شیرازہ بندی کو قایم رکھا۔

جون کے اختتام پر باہو نے ابدالی کے ہندوستانی اتحادیوں کو پریشان کرنے کے لیے جمنا عبور کر کے بنگش اور اودھ کے علاقوں کو پامال کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن بارش وقت سے پہلے ہی شروع ہو گئی تھی اس لیے اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ اب باہو نے دلّی پر قبضہ کرنے کے لیے ملہار راؤ ہولکر جھنکو جی، بلونت راؤ، عمادالملک اور سورج مل کو ہراول دستہ کے طور پر بھیجا اور ان کی مدد کے لیے بعد میں خود روانہ ہوا۔ یکم اگست کو مراٹھوں نے دلّی پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد یہ فوج سرہند کی طرف روانہ ہو گئی تا کہ ابدالی کی سپلائی اور فوجی کمک کو روکا جا سکے۔ مراٹھوں نے دھوکہ دے کر سکھوں اور جاٹوں کی مدد سے نجابت خاں روہیلہ زمیندار کنج پورہ اور صمد خاں قلعدار سرہند (Castellan) کو کنج پورہ کی جنگ میں برباد کر دیا۔ شہر اور مضافات کو روند ڈالا۔[6]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دلّی پر مراٹھوں کا قبضہ اور کنج پورہ میں فوجیوں کے جانی نقصان نے ابدالی کو مضطرب کر دیا۔ موسم خراب ہونے کے باوجود اس نے انوپ شہر سے کوچ کیا اور باغپت آ گیا (20 اکتوبر 1760)۔ اب وہ جلد سے جلد مراٹھوں سے جنگ کرنا چاہتا تھا۔ وہ چار دن تک متواتر جمنا کے کنارے گھومتا رہا تاکہ دریا پار کرنے کی راہ تلاش کر سکے۔ چند افغانوں نے دریا میں گھوڑے ڈال دیے اور اس کوشش میں ڈوب بھی گئے لیکن پایابی کا مقام نہیں ملا۔ ابدالی دو دن تک تنہائی میں بیٹھ کر اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگتا رہا۔ اس کی دعا قبول ہوئی اور تیسرے دن اس نے ایسا گھاٹ تلاش کر لیا جہاں سے دریا عبور کیا جا سکتا تھا۔ اس نے گھوڑا جمنا ندی میں ڈال دیا۔ اس واقعہ نے دل شکستہ فوج کے حوصلے بلند کر دیے اور ان میں نیا جوش پیدا ہو گیا۔[10] اس دلیرانہ اقدام کا مراٹھوں پر اتنا اثر پڑا کہ وہ دلّی سے توپخانہ اٹھا کر پانی پت چلے گئے۔

جنگ پانی پت سے پہلے کئی قابل ذکر جھڑپیں ہوئیں۔ ایک واقعہ تو اس وقت پیش آیا جب ابدالی کا وزیر جہان خاں چند ہزار فوج کے ساتھ معمول کے مطابق گشت کر رہا تھا اُسے ایک باؤلی دکھائی دی (جنوب مغرب پانی پت) جو مراٹھا لشکر کے دائیں بازو کی طرف تھی۔ اس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ کسی امکانی جنگ کا خطرہ بھی نہیں تھا اسی لیے وہ نہایت اطمینان سے باؤلی کا معائنہ کرتا رہا۔ اس وقت اس کے مقابل خندقوں میں مراٹھا فوج اُسے دیکھ رہی تھی۔ مراٹھوں نے اُسے غافل پا کر حملہ کر دیا۔'' اس حملہ میں تقریباً چھ سو افغانی مارے گئے اور اس کے نصف مراٹھا بھی قتل ہوئے لیکن افغان تاریخ نویسوں کے بیان کے مطابق دو تین ہزار مراٹھا مارے گئے اور چند ابدالی بھی قتل ہوئے۔ دوسرا واقعہ 7 دسمبر 1760 کو اس وقت پیش آیا جب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مراٹھا اپنی خندقوں سے باہر آئے۔ پوزیشن سنبھالی۔ رہکلے نصب کیے اور ابدالی کی فوج پر فائرنگ شروع کر دی۔ افغانوں نے جوابی فائرنگ کی۔ اس بے مقصد فائرنگ سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ غروبِ آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے فائرنگ رک گئی اور مراٹھا خندقوں میں واپس چلے گئے۔

نجیب الدولہ فائرنگ کو دیکھتا رہا۔ جب مراٹھے بے فکر ہو کر خندقوں میں بیٹھے ہوئے تھے ابدالی کی اجازت کے بغیر نجیب الدولہ نے اپنے بھائی سلطان خاں کے دس ہزار دستہ کے ساتھ مراٹھوں پر حملہ کر دیا۔ روہیلوں کی متواتر فائرنگ سے توپخانہ کا محافظ دستہ مارا گیا۔ جو باقی بچے تھے وہ بھاگ گئے۔ روہیلوں نے توپخانہ پر قبضہ کر لیا اور توپوں پر چڑھکر خوشی سے ناچنے لگے۔ جب اس واقعہ کی اطلاع مراٹھوں کو ہوئی تو ہلکے ہتھیاروں سے لیس سواروں کا دستہ روہیلوں پر جھپٹا لیکن نجیب الدولہ کی بندوقوں کی مار سے وہ آگے نہیں بڑھ سکا۔ کافی مراٹھے مارے گئے۔ توپوں پر چڑھے دیوانہ وار ناچتے ہوئے روہیلوں پر ابراہیم خاں گاردی اور بلونت راؤ مہین ویلے کے دستہ نے بندوقوں سے حملہ کر دیا جو حفاظتی دستے کے قتل کی خبر سن کر آ گیا تھا۔ ہزاروں روہیلہ بندوقوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بھی ناچتے رہے اور قتل ہوتے رہے۔ بعد میں یہ فوجی جھڑپ جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔ نجیب الدولہ نے روہیلوں کو ہوشیار کیا اور جم کر لڑائی ہونے لگی۔ روہیلوں کے معمولی فوجی دستہ نے مراٹھوں کی طاقت کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ ہزاروں مراٹھوں کے علاوہ با ہوکا نہایت معتمد تجر کار سردار بلونت راؤ مہین مارا گیا۔ ایک گھنٹہ سے زیادہ جنگ ہوتی رہی اور اندھیرا ہونے کی وجہ سے جنگ ختم ہو گئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نانافڑنس (Nana Padnis) نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں اس جنگ کا تذکرہ کیا ہے کہ یہ حملہ نجیب الدولہ کے دستہ نے کیا تھا۔ اگر ابدالی بھی اس جنگ میں شریک ہو جاتا تو خندقیں برباد ہو جاتیں کیونکہ ان کی مدد کے لیے دور فاصلہ پر موجود مراٹھا فوج کا آنا ناممکن تھا لیکن رات ہونے کی وجہ سے جنگ جاری نہیں رہی۔ نجیب الدولہ کے فوجی دستہ کو صرف اس لیے ناکام ہونا پڑا کیوں کہ ان میں فوجی قواعد اور نظم کی کمی تھی۔ پھر بھی 7 دسمبر 1760 کی اس جنگ نے مراٹھوں میں دہشت پیدا کر دی اور باہو کو بھی احساس ہو گیا کہ کھلے میدان میں ابدالی کو شکست دینا اتنا آسان نہیں ہے جتنا آسان وہ سمجھتا تھا[11]۔ اس نے کسی حد تک ابدالی کی برتری کو قبول کر لیا تھا۔

باہو نے چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں کو ابدالی کی سپلائی کو روکنے کے لیے اطراف میں روانہ کیا۔ ابدالی نے بھی اپنے دستوں کو مراٹھوں کی سپلائی بند کرنے کے لیے بھیج دیا۔ ابدالی نے پانچ ہزار ولایتی افغانوں کا دستہ مراٹھوں کے کیمپ پر نظر رکھنے کے لیے بھیجا جو ساری رات گشت کرتا تھا اور ممکن حد تک مراٹھوں کے کیمپ کے قریب تک جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ابدالی کے دو دستے نیم دائرہ کی شکل میں دائیں اور بائیں سمت سے مراٹھوں کے کیمپ کی طرف گشت کرتے رہتے تھے۔

ابدالی نے شاہ پسند خاں اور جہان خاں کی قیادت میں سپلائی روکنے کے لیے جو دستے روانہ کیے تھے انھوں نے دلّی کے شمال کی طرف سے مراٹھوں کی سپلائی کو مکمل طور پر روک دیا۔ کنج پورہ میں دلیر خاں (نجابت خاں روہیلہ کا لڑکا) نے مراٹھا توپخانے اور غلہ کے ذخیروں پر قبضہ کر لیا۔ یہ غلہ مراٹھا کیمپ میں سپلائی ہونے والا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مراٹھا کیمپ کو ہر طرف سے سپلائی بند ہو چکی تھی صرف جنوب مغرب کے راستے سے سپلائی مل سکتی تھی جہاں پٹیالہ کا آلا سنگھ جاٹ مراٹھوں کی مدد کے لیے موجود تھا لیکن اس علاقہ میں مراٹھوں کا لگان وصول کرنے والا عملہ نہیں تھا جو سپلائی کا انتظام کرتا۔ آمدو رفت کے وسائل بھی کم ہو گئے تھے۔ رسد کی کمی کے باعث مراٹھا کیمپ میں قحط پڑ گیا۔ آدمی اور گھوڑے بھوک سے مرنے لگے۔ 15 نومبر کو باہو کو چار سو من بارود کی سخت ضرورت پیش آئی لیکن ابدالی کے گشتی دستوں نے اس کے کیمپ کے راستے بند کر دیے تھے۔[12]

ابدالی کے ذریعہ رسد کی ناکہ بندی، خزانوں کا روکا جانا اور سپلائی کے چھینے جانے سے باہو پریشان ہو گیا۔ غلہ اور گھاس دس گنی قیمت پر بکنے لگا۔ اس نے کئی بار کاشی راؤ (وکیل شجاؤالدولہ) کے ذریعہ شجاع الدولہ سے چاہا کہ وہ ابدالی سے صلح کرادے لیکن ابدالی نے جواب دیا کہ رائے دینا میرا کام نہیں۔ میں صرف جنگ کرنا جانتا ہوں البتہ ہندوستانی سرداروں کو اختیار ہے کہ وہ مراٹھوں سے خط کتابت کریں۔ لیکن نجیب الدولہ مراٹھوں سے صلح کرنے پر راضی نہیں تھا۔ اس نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ بیشتر سردار صلح کی تجویز پر راضی ہیں لیکن میری دانست میں صلح کرنا عقل مندی کی بات نہیں۔ اس نے ابدالی سے صلح کے سلسلہ میں کہا کہ مراٹھا ہندوستان پر فتح پانے کے لیے سب سے بڑا کانٹا ہیں اگر اس کانٹے کو نکال دیا گیا تو سارا ہندوستان حضور (ابدالی) کے قدموں میں جھک جائے گا۔ آپ جیسا مناسب سمجھتے ہیں ویسا ہی کیجیے۔ میں تو صرف فوجی ہوں اور آئندہ بھی فوجی رہوں گا۔ جو کوئی فاتح ہو گا میں اُس سے صلح کر کے اپنی جان بچا سکتا ہوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جب ابدالی نے کہا کہ شجاع الدولہ بھی صلح کا خواہشمند ہے تو نجیب الدولہ نے جواب دیا کہ وہ صفدر جنگ کی اولاد ہے جس کی میں آج بھی عزت کرتا ہوں اور خود سے بڑا آدمی مانتا ہوں۔ اسی وجہ سے میں شجاع الدولہ کی بھی عزت کرتا ہوں۔ وہ جوان اور ناتجربہ کار ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ مراٹھوں کی صلح کی خواہش کے پس پردہ کیا ہے۔ مراٹھا دغابازی سے کام لے رہے ہیں۔ اس وقت وہ عاجزی سے پیش آرہے ہیں کیونکہ انھیں اپنی کمزوری کا احساس ہے۔ ان کی قسموں اور وعدوں پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ کیا حضور اس حقیقت سے واقف نہیں کہ اگر مراٹھوں سے صلح کر کے انھیں کوئی رعایت دی گئی تو صلح کے بعد وہ اپنی کھوئی ہوئی طاقت اور عزّت کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے؟ اس وقت سارا دکن آپ کے رحم و کرم پر ہے۔ شاید یہ سنہرا موقع ہمیں پھر نہ نصیب ہو۔ حضور نواب شجاع الدولہ سے فرمادیں کہ وہ تھوڑا صبر اور کرے۔ میں خود بھی اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔[13]

گندگی کی وجہ سے مراٹھا لشکر میں تعفن (Bad Smell) پھیل گیا۔ محصورین نے باہم لڑنے مرنے کا اقرار کیا۔ باہو نے بھی سمجھ لیا کہ اب جنگ کو ٹالا نہیں جاسکتا۔ پھر بھی اس نے جنگ ٹالنے کی آخری کوشش کی۔ اس نے بالک رام کو کاشی راؤ (ملازم شجاع الدولہ) کے پاس اس مختصر تحریر کے ساتھ بھیجا ''اگر صلح کی صورت ہو تو نکالو۔ پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے اگر ابھی نہیں تو کبھی نہیں۔ اس کے بعد کتابت (صلح کی درخواست) کا سلسلہ بند۔'' شجاع الدولہ نے ابدالی کے خیمہ پر جاکر اُسے جگایا اور متوقع حملہ کی اطلاع دی۔

یہ خبر سن کر ابدالی خیمہ سے باہر آیا۔ گھوڑے پر بیٹھا۔ پالا پڑ رہا تھا۔ خادم نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ابدالی کو حقہ پیش کیا۔اس نے کئی میل تک لشکر اور حالات کا معائنہ کیا۔اس روز رات کی گشت پر شاہ پسند خاں تعینات تھا۔اس کے دستہ کے فوجیوں نے اطلاع دی کہ مراٹھا توپ کے پہیوں کو زنجیروں (Chains) سے کھول رہے ہیں۔ پھر اطلاع ملی کہ مراٹھا توپوں کو مقررہ پوزیشن پر پہنچا رہے ہیں۔ مراٹھوں نے سلامی توپ داغی جس نے شجاع الدولہ کی خبر کی تصدیق کردی کہ حملہ ہونے والا ہے۔

ابدالی نے سر پر ٹوپی تبدیل کی۔اپنے وزیر (جہان خاں) اور شاہ پسند خاں کو فوج کی صف آرائی کا حکم دیا۔ایک پیدائشی جنرل ہونے کے ناطے اس نے اپنی نصف فوج (18 ہزار) وزیر کی کمانڈ میں وسط (Centre) میں تعینات کی اور پانچ پانچ ہزار کے دو فوجی دستے جن میں توپیں بھی تھیں جو طاقت ور گھوڑوں پر رکھی ہوئی تھیں انتہائی دائیں اور بائیں تعینات کیں۔ ہندوستانی مسلمان اتحادیوں کی فوج کو دونوں بازوؤں پر رکھا اور ان کی نگرانی پر اپنے فوجیوں کو تعینات کیا کہ اگر دغا کریں یا بھاگیں تو فوراً قتل کردیا جائے۔ پانچ پانچ ہزار کا دستہ انتہائی دائیں اور بائیں تعینات کیا گیا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرف سے مراٹھوں کے داخل ہونے کے راستہ کو بند کیا جاسکے اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ دائیں اور بائیں بازو پر تعینات (روہیلہ اور شجاع الدولہ کی فوج) کی ہمت افزائی بھی کرتے رہیں۔ ابدالی نے محسوس کرلیا تھا کہ ہندوستانی اتحادی ناقابلِ اعتبار ہیں اس لیے اُس نے افغانستان سے مزید کمک منگائی تھی اور یہ بھی اتفاق تھا کہ یہ کمک عین لڑائی کے وقت آئی تھی۔ یہ تازہ دم اور ہندوستانی آب وہوا سے غیر متاثر فوج تھی۔

ابدالی کے پاس کل 60 ہزار فوج تھی جس میں 30 ہزار فوج اس کی تھی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(23 ہزار سوار اور 7 ہزار پیدل)۔اس کی فوج تربیت یافتہ، منظم اور اپنے کمانڈروں کے حکم کی تابع تھی۔ اُن کا نظم اتنا مضبوط تھا کہ ایک دل لگتی تھی۔ ان کے گھوڑے صحت مند اور آزمودۂ جنگ تھے۔ان تمام خصوصیت کی وجہ سے یہ تیس ہزار کی فوج دوگنی طاقت کی حامل تھی۔

مراٹھوں کے پاس آتشی ہتھیار زیادہ تھے لیکن ابدالی کے بہترین توپخانہ کی بدولت ہتھیاروں کا اثر برابر ہو گیا تھا۔ابدالی کا توپخانہ بڑی آسانی سے حرکت کرسکتا جبکہ مراٹھوں کی بھاری توپیں جن کی نالیں بہت لمبی تھیں آسانی سے حرکت نہیں کرسکتی تھیں اس لئے اگر دشمن کی فوج ان کی زد (Range) سے آگے آجاتی تھی تو توپیں بے کار ہو جاتی تھیں۔ابدالی کی توپیں ایسی تھیں جن کے آسانی سے 40 ٹکڑے کیے جاسکتے تھے۔ دو ہزار اونٹوں پر رکھی ہوئی تھیں اور ہر اونٹ پر دو فوجی زنبورک (Swivel - Guns) لیے بیٹھے تھے جو افغانوں کا پسندیدہ اور آزمودہ ہتھیار تھا۔ اس زمانے میں زنبورک ایشیا کا سب سے عمدہ ہتھیار تھا۔

باہو کی فوج میں (الف) بڑی بڑی توپیں تھیں جو جنگ شروع ہونے کے بعد کھڑی رہیں اور خاموش ہو گئیں۔(ب) راکٹ متواتر چلتے رہے لیکن اس بھیڑ میں نہ گھوڑوں کو خوف زدہ کیا اور نہ زیادہ نقصان پہنچایا (ج) ابراہیم خاں گاروی کے ماتحتی میں آٹھ ہزار بندوق بردار پیدل تھے جن کے پاس ابتدائی 18 ویں صدی کی فرانسیسی بندوقیں تھیں جن کی نالیاں اتنی چھوٹی تھیں کہ زیادہ دور تک مار نہیں سکتی تھیں۔لیکن افغانوں کے پاس جیزائل (Flint Locks) تھے جن میں بڑی گولیاں (Bullets) استعمال ہوتی تھیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سردیوں کا موسم ابدالی کی فوج کے مزاج کے مطابق تھا لیکن مراٹھا فوج کے لیے نا مناسب تھا۔ اس وقت ابدالی کے پاس ایشیا کی سب سے بہترین فوج تھی۔ مراٹھا ذرائع سے ایسا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا جس سے مراٹھوں کے نقشۂ جنگ کی تفصیل مل سکے البتہ جو مصدقہ شواہد سامنے آتے ہیں ان سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ باہو زندگی یا موت کی لڑائی لڑنا چاہتا تھا۔

میدان جنگ کے پیچھے باہو اور اس کے آفیسران کی عورتوں کے خیمے بہت دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ جنگ میں اس کی فوج کی پسپائی یا شکست کے بعد بھاگنے کی گنجائش ان خیموں نے ختم کردی تھی۔ دلّی اور بھرت پور میں اس کے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں تھی۔ تمام مراٹھا سردار جنگ کے دوران خودمختار تھے۔ وہ کسی کمانڈر انچیف کے زیر کمان نہیں تھے جو جنگ میں پسپائی کے دوران کسی رزرو فوج کو مدد کے لیے بھیجتا۔

باہو کو سب سے زیادہ بھروسہ ابراہیم خاں گاردی کے دستہ پر تھا جس میں اتنی صلاحیت تھی کہ ابدالی کی فوج کے اندر گھس سکے۔ اسی لیے باہو خود لشکر کے درمیان میں رہا اور ابراہیم خاں گاروی کو بائیں طرف رکھا۔ مراٹھوں کے دائیں بازو میں ملہار ہولکر اور جھنکو جی سندھیا کی قیادت میں دس ہزار فوج تھی۔ یہ فوج ہر حملہ میں ابدالی کی فوج سے پسپا ہو کر پیچھے ہٹتی رہی اور کسی بھی موقع پر مقابلہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ فوج کی کمزور قیادت تھی۔ جھنکو جی جس کا ابھی آغازِ شباب تھا نہایت نا تجربہ کار آفیسر تھا۔

ملہار ہولکر اتنا بوڑھا ہو چکا تھا کہ وہ بغیر مدد کے گھوڑے پر سوار بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس بازو کی پسپائی کے وقت انتاجی مانا کیشور نے مدد کرنا بھی چاہی لیکن مدد کرنے والوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ اس بازو کی پسپائی کو روکا نہیں جا سکا۔ ہولکر کو گوریلا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جنگ میں مہارت ضرور تھی لیکن میدانی لڑائی کا اسے کوئی تجربہ نہیں تھا۔

نجیب الدولہ اور شاہ پسند خاں نے کسی بھی حملہ میں حصہ نہیں لیا۔ وہ دونوں اس وقت کا انتظار کرتے رہے کہ کب جنگ فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو اور جب جنگ فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہوگئی تو دونوں سرداروں نے نہایت طاقت سے حملہ کر دیا۔ جو طاقت انھوں نے بچا کر رکھی تھی اس کا بھرپور اور مناسب وقت پر استعمال کر کے جنگ کا فیصلہ کر دیا۔

احمد شاہ ابدالی فوج کے وسط میں موجود تھا۔ اس نے خود اپنی فوج کو جنگ کے لیے ترتیب دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ معمولی جنگ نہیں ہے۔ مراٹھے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ اپنی فوجوں کو قاعدہ سے ترتیب دیکر وہ اپنی پوزیشن پر فوج کے پیچھے لال ڈیرے میں چلا گیا جہاں سے وہ پورے میدانِ جنگ پر نظر رکھ سکتا تھا اور جہاں کہیں کمک کی ضرورت ہوتی وہاں امداد بھیج سکتا۔

جنگ کی شروعات:۔ مراٹھوں کے توپخانے نے جنگ کی ابتدا کی۔ ابدالی نے دیکھا کہ مراٹھوں کی توپیں بڑی ہیں اس لیے اس نے اپنی فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ توپ کے گولے ابدالی کی فوجوں کے پیچھے گر کر ضائع ہونے لگے۔ اس نے اپنے توپخانے کو بے ضرورت استعمال نہیں کیا۔ اس کے پاس بڑی توپیں نہیں تھیں صرف چھوٹی توپیں تھیں جو اونٹوں پر نصب تھیں۔

جنگ کی ابتداء ابراہیم خاں گاردی نے کی۔ وہ باہو کے پاس گیا اور بولا ”آپ ہمیشہ اس بات پر مجھ سے ناراض رہتے تھے کہ میں ہر مہینے اپنی فوج کی تنخواہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

طلب کرتا ہوں اور بار بار اصرار کرتا ہوں کہ انھیں نقد تنخواہ ادا کی جائے۔ اس مہینے آپ کا خزانہ لٹ گیا۔ کوئی بات نہیں کہ میرے فوجیوں کو تنخواہ کا حکم نہیں ہوا۔ اب آپ میری اور میری فوج کی خدمات ملاحظہ کریں۔[14]''

گاردی نے اپنے بائیں ہاتھ کی دو ڈویژن کو ابدالی کے اُس دستے پر حملہ کرنے کا حکم دیا جو برخوردار خاں کے زیر کمان تھا۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ برخوردار خاں کے دستے کی صفیں ٹوٹ گئیں۔ گاردی نے اپنی سات بٹالین (6300 فوجی) کو اپنے مقابل حافظ رحمت خاں دوندے خاں اور احمد خاں بنگش (تقریباً 15000 فوج) کی فوج پر حملہ کا حکم دیا۔ یہ حملہ اس شدت سے کیا گیا کہ دونوں فوجیں آپس میں بھڑ گئیں چونکہ گاردی کا دستہ قواعد داں تھا، باوجود روہیلوں کی شجاعت اور دلیری کے، وہ ان پر حاوی ہو گیا۔ آٹھ نو ہزار روہیلہ یا تو زخمی ہوئے یا قتل ہو گئے اور وہ پسپا ہو کر پیچھے ہٹنے لگے۔ صرف تین سرداروں (حافظ رحمت خاں، دوندے خاں اور احمد خاں بنگش) کے ساتھ چند سو فوجی نہایت ثابت قدمی سے میدانِ جنگ میں جمے رہے۔ جنگ اتنی گھمسان ہو رہی تھی کوئی سردار (روہیلہ) ایک دوسرے سے بات بھی نہیں کر سکا۔ حافظ رحمت خاں چونکہ بیمار تھا اس لیے اُسے پالکی میں بٹھا کر میدان جنگ سے ہٹا لیا گیا۔ دوندے خاں گھوڑے سے گر پڑا اور پریشانی میں چلاّیا ''بھائیو! ہماری عزت و آبرو برباد ہو رہی ہے۔ حافظ رحمت خاں کا کیا حال ہے۔[15]'' گاردی اور روہیلوں کے درمیان تین گھنٹے تک گھمسان جنگ ہوتی رہی۔ یہ روہیلوں کی پہلی جنگ تھی جس میں ان کے مقابل ہندوستان کا سب سے زیادہ تجربہ کار اور بہادر ابراہیم خاں گاردی کا دستہ تھا۔ باوجود اس کے کہ زیادہ تر روہیلہ مارے گئے، جو باقی بچے تھے انھوں نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اپنے سرداروں کے ساتھ جنگ سے منہ نہیں موڑا۔

روہیلوں کی نازک حالت دیکھ کر ابدالی نے تین ہزار فوج ان کی مدد کے لیے بھیج دی جنھوں نے روہیلوں کو مزید نقصان اُٹھانے سے بچالیا[16]۔ ابراہیم گاردی کی سات بٹالین میں سے صرف ڈیڑھ بٹالین زندہ رہی۔ باقی سب قتل ہوگئی۔ گاردی بُری طرح زخمی ہوگیا تھا۔ یہ بڑا سنہری موقعہ تھا کہ جب گاردی روہیلوں کو برباد کر کے اندر گھس چکا تھا تو مراٹھا فوج اس کی مدد کو آجاتی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

اسی درمیان چاروں طرف لڑائی شروع ہوگئی۔ ابراہیم گاردی داہنے بازو پر حملہ آور تھا کہ باہو نے اپنی فوج سے ابدالی کے وسط میں شدید حملہ کر دیا۔ باہو توپخانہ کو اپنی فوج کے درمیان میں لے آیا تھا۔ جس حصہ پر باہو نے حملہ تھا اُسے ابدالی کا وزیر شاہ ولی خاں کمانڈ کر رہا تھا۔ باہو نے توپخانہ کا استعمال کیا تو جوابی کارروائی میں شاہ ولی خاں نے بھی اونٹوں پر نصب چھوٹی توپوں سے جواب دیا۔ یہ اونٹ ایک قطار میں تھے اور ان کے پاؤں زنجیروں سے باندھ دیئے گئے۔ اچانک مراٹھوں نے فائرنگ بند کر دی۔ جھنڈے لہراتے اور ہر ہر مہادیو کے نعرے بلند کرتے ہوئے ایک طوفان کی صورت میں مراٹھا فوج آگے بڑھی اور ابدالی کے وسط میں حملہ آور ہوگئی۔ اس ٹڈی دل لشکر پر ابدالی کی فوج نے بندوقوں اور زنبوروں سے حملہ کر دیا۔ افغانوں اور مراٹھوں کے گھوڑے آپس میں بھڑ گئے اور دست بدست خوفناک لڑائی شروع ہوگئی۔

یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ حاجی عطائی جس نے گووند بلال کا قتل کیا تھا اپنے تین ہزار ساتھیوں کے ساتھ مارا گیا اور جو باقی بچے تھے وہ بھاگ گئے۔ ابدالی کے وزیر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شاہ ولی خاں کے دستہ کا بھی بہت نقصان ہوا۔ وہ صرف دو ڈھائی سو ساتھیوں اور پچاس زنبورک برداراونٹوں کے ساتھ رہ گیا۔ وہ گھوڑے سے نیچے اترا۔ زمین پر بیٹھ کر ماتھے کو پیٹا اور دھول منھ میں ڈال کر بھاگنے والوں سے کہنے لگا۔ ''برادران! ہمارا ملک بہت دور ہے۔ تم کہاں بھاگ رہے ہو؟'' اس نے اپنی بائیں جانب شجاع الدولہ کے پاس مدد کا پیغام بھیجا لیکن شجاع الدولہ اس کی مدد کو اس لیے نہیں پہنچ سکا کیونکہ اس کے سامنے مراٹھوں کا غول آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے اپنی پوزیشن کو کمزور کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن اب بھی ابدالی کی فوج کا وسطی حصہ صف بندی کی حالت میں تھا۔ ابدالی نے وزیر کی مدد کے لیے تازہ دم فوج بھیج دی تو اس کی پوزیشن مضبوط ہوگئی۔

بے مثال جرنل ہونے کے ناطے ابدالی جنگ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ جس جگہ مراٹھوں کا غلبہ دیکھتا اسی طرف رزروفوج بھیج دیتا۔ اس وقت اس کا صبر وتحمل لایق ستائش تھا۔ اس کے کمانڈر اور فوج تعمیل حکم کے لیے تیار تھی۔ وہ بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے رزروفوج بھیج رہا تھا۔ وہ باہو کی طرح ساری فوج کو جنگ میں جھونکنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جنگ کا فیصلہ آخری لمحوں میں ہوگا۔ وہ مراٹھوں کی ذہنی کشمکش اور اس عادت سے بھی واقف تھا کہ چند گھنٹے بعد ان کے اعضاء ڈھیلے پڑنے لگیں گے کیونکہ گوریلا جنگ کرنے والے مسلسل جنگ نہیں کر سکتے۔ اس نے اپنے باڈی گارڈ دستہ کو ہزار ہزار کے چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کر کے اپنی فوج میں شامل کر لیا۔ اس کے پاس تیرہ ہزار فوج باقی رہ گئی جس میں سے اس نے تین ہزار فوج روہیلوں کی مدد کے لیے بھیج دی اور دس ہزار فوج شاہ ولی خاں کی مدد کے لیے بھیج دی۔

ابدالی نے اپنی وسطی فوج کو مراٹھوں کے دائیں اور بائیں بازوؤں پر حملہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرنے کا حکم دیا تا کہ شاہ ولی خاں کو مراٹھوں کے قلب (Centre) پر حملہ کرنے کا موقع مل سکے۔ اس وقت ڈیڑھ بج رہا تھا جب ابدالی نے حملہ کی نئی صف آرائی (Strategy) کی۔ اس وقت تک جنگ کو چار گھنٹے گزر چکے تھے۔ مراٹھا فوج مسلسل جنگ سے تھک چکی تھی۔ شاہ ولی خاں کے پاس دس ہزار نئی فوج آ چکی تھی۔ اس تازہ دم فوج نے اتنا سخت حملہ کیا کہ مراٹھا فوج کے منھ پھر گئے۔ باہو شکست قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس حالت میں جبکہ اس کے نام ور سردار میدان سے پیچھے ہٹ چکے تھے وہ مزید ایک گھنٹے تک جنگ کرتا رہا۔ اس کی کوئی مدد کرنے والا نہیں تھا۔ وہ صرف اپنے وفادار ساتھیوں کے ساتھ میدان میں جمارہا۔ اس کی فوج دھیرے دھیرے کم ہوتی رہی۔

ابدالی نے ایک ہی نظر میں سمجھ لیا کہ اب فیصلہ کن جنگ کا وقت آ گیا ہے۔ اس نے اپنی تازہ دم ریزرو فوج کو حکم دیا۔ یہ تازہ دم فوج ابدالی کے غلاموں پر مشتمل تھی جن پر ابدالی کو اعتماد تھا۔ اس نے تین فوجی دستوں (Squadron) کو حکم دیا کہ وہ تینوں طرف سے حملہ کریں۔ پہلے ایک دستہ نے داہنی جانب سے فائرنگ کی۔ دوسرے نے بائیں جانب آ کر فائرنگ کی اور تیسرے دستے نے قلب (Centre) سے فائرنگ شروع کردی۔ پھر داہنی طرف کا دستہ گھوم کر بائیں جانب اور بائیں جانب کا داہنی جانب آ کر فائرنگ کرنے لگا۔ اس طرح یہ بندوق بردار دستے نیم دائرہ کی شکل میں گھوم کر فائرنگ کرتے رہے۔ دائیں بائیں کی فائرنگ سے بچنے کے لیے باہو کی فوج وسط (Centre) میں جمع ہونے لگی۔

اس کے باوجود باہو کی فوج دہاڑتی ہوئی لہروں کی طرح وزیر (شاہ ولی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاں) پر حملہ آور ہوتی رہی جو پہاڑ کی طرح ثابت قدمی سے قلب میں جما ہوا تھا۔ اونٹوں پر سوار چھوٹی توپوں نے مراٹھوں کو کافی نقصان پہنچایا اور بندوق برداروں کی لگاتار فائرنگ مراٹھوں کو نقصان پہنچاتی رہی۔

جب باہو[17] کا سترہ سالہ بھتیجا وشواس[18] راؤ مارا گیا تو وہ جذباتی ہو گیا۔ اس کی لاش کو باہو نے اپنے ہاتھی پر لٹایا۔ اب اس کے لیے زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ کس منہ سے پونہ جائے گا۔ اس نے اپنے محافظ دستہ اور باقی فوج کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا۔ لیکن اس وقت ابدالی کا غلام دستہ اُسے نیم دائرہ کی شکل میں اپنے نرغہ میں لے چکا تھا اور وہ اتنے قریب آ چکے تھے کہ باہوان کی بندوق کی رینج میں تھا۔ پھر بھی وہ دلیری کے ساتھ آدھا گھنٹہ تک جنگ کرتا رہا اور مارا گیا۔

دائیں بازو کی جنگ:- قلب (Centre) کی لڑائی مراٹھے ہار چکے تھے۔ انکا جنرل باہو مارا گیا تھا اور ایک طرح سے فوج کی ساری طاقت برباد ہو گئی تھی۔ یہ مقابلہ باہو اور وزیر شاہ ولی خاں کے درمیان تھا جس میں ابدالی کی حکمت اور جنگی تدابیر نے قلب کی جنگ میں فتح یابی حاصل کی تھی۔ دائیں بازو پر مراٹھوں کی طرف سے ملہار ہولکر تھا اور اس کے مقابل شاہ پسند خاں تھا۔ ان دونوں کی فوجیں انتہائی داہنی جانب مقابل تھیں لیکن قلب میں خونریز جنگ کے باوجود دونوں فوجیں ایک دوسرے پر حملہ آور نہیں ہوئیں اور نہ ہی دونوں جانب سے کوئی فائرنگ ہوئی۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ ملہار ہولکر کے پاس صرف تین ہزار فوج تھی جبکہ شاہ پسند خاں کی کمانڈ میں پانچ ہزار فوج تھی۔ نجیب الدولہ شاہ پسند خا کے داہنی جانب تھا۔ اور اس کے مقابلہ پر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جھنکو جی تھا۔

نجیب الدولہ کے زیر کمان چھ ہزار بندوق بردار سوار اور نو ہزار پیدل تھے۔ پانچ گھنٹہ کی جنگ میں وہ متواتر لڑتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور ڈیڑھ کوس تک آگے بڑھ گیا۔ جب وہ جھنکو جی سندھیا کے اتنا قریب آ گیا کہ اس کی فوج کی فائرنگ رینج میں سندھیا کی فوج آ گئی تب نجیب الدولہ نے فائرنگ شروع کر دی۔ اس نے ایک دم دو ہزار راکٹ داغے۔ حالاں کہ اس وقت جھنکو جی حملہ ہی کرنے والا تھا کہ راکٹ کے حملہ نے اُسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

نجیب الدولہ کے داہنی جانب شاہ پسند خاں تھا اور بائیں جانب دو ہزار سوار اور ایک ہزار پیدل کے ساتھ شجاع الدولہ موجود تھا۔ شجاع الدولہ کے مقابل شمشیر بہادر اور جسونت راؤ پوار تھے۔ لیکن جنگ کی ابتدا کرنے کی کسی کی بھی ہمت نہیں ہوئی۔ پانچ گھنٹے کی جنگ میں ہولکر اور شمشیر بہادر اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔ حالانکہ تین بار ان دونوں نے تلواریں اور بھالے بلند کر کے حملہ کرنیکی کوششیں کیں لیکن حملہ کرنیکی ہمت نہیں ہوئی۔

قلب میں شدید جنگ کو دیکھ کر کئی بار مراٹھا فوجیوں نے حملہ کرنے کی کوشش ضرور کی لیکن ان کے کمانڈروں نے انھیں روک دیا۔ آخری لمحوں میں جبکہ قلب (Centre) اور بائیں جانب سے ابدالی کی فوجیں آگے بڑھنے لگیں تب نجیب الدولہ اور شاہ پسند خاں نے ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ ملہار جھنکو جی کو غیر تحفظی (Un Covered) حالت میں چھوڑ کر پہلے فرار ہوا۔ شاہ پسند خاں نے پلٹ کر جھنکو جی کو گھیر لیا۔ نجیب الدولہ بھی جھنکو پر ٹوٹ پڑا۔ جھنکو کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی صرف جھنکو اور اس کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

محافظ دستہ چند وفاداروں کے ساتھ باقی رہ گیا۔ جھنکو زخمی ہو کر باہو کی طرف بھاگا۔ جسونت پوار اور پیلا جی جادو (Pilaji Jadav) مارا گیا۔ شمشیر بہادر زخموں کی تاب نہ لا کر مر گیا اور مراٹھا فوج کا داہنا بازو بالکل برباد ہو گیا۔

جنگ کا خاتمہ اور مراٹھوں کا تعاقب:- بالآخر مراٹھوں نے مزاحمت ترک کر کے بھاگنے کی تیاری شروع کر دی۔ مراٹھوں کے زیادہ تر سردار مارے گئے تھے۔ ہر جگہ لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ ہر مراٹھا کا جدھر منہ تھا ادھر ہی بھاگ رہا تھا۔ حالاں کہ اگر وہ متحد ہو کر بھاگتے تو جان بچانے سے محفوظ بھی رہ سکتے تھے۔ اس وقت ابدالی کی ساری فوج متحد ہو کر آگے بڑھنے لگی۔ مراٹھا کیمپ میں کافی مال تھا۔ یہ کیمپ دو میل کے فاصلہ پر تھے۔ لاتعداد گاڑیاں مال واسباب سے لدی ہوئی جانے کے لیے روانہ ہو گئی تھیں۔

ابدالی نے فوج کو حکم دیا تھا کہ وہ مراٹھوں کی خندقوں سے دور رہیں ممکن ہے مراٹھا خندقوں میں موجود ہوں۔ مراٹھوں کے قتل کے بارے میں سرکار لکھتا ہے کہ ''دوسری صبح کے سورج نے آنکھوں کو ایک انتہائی لرزہ خیز اور خوفناک منظر دکھایا۔ پانی پت کے شمالی میدان میں 32 جگہ لاشوں کا انبار لگا ہوا تھا اور ہر انبار میں پانچ سو سے ایک ہزار تک لاشیں تھیں۔ اور چار انبار میں 1500 لاشیں تھیں۔ ایک اندازے کے مطابق 28 ہزار مراٹھا قتل ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ مراٹھوں کے کیمپ کے آس پاس بے شمار مراٹھوں کی لاشیں تھیں جو یا تو زخمی ہو کر میدان جنگ سے رینگتے ہوئے یہاں تک آ کر مر گئے تھے یا پھر قحط یا بیماری کی حالت میں ان کی موت ہو گئی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ان میں ایک اندازے کے مطابق تین چوتھائی وہ مراٹھے تھے جنہوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا اور ایک چوتھائی زخمی فوجی تھے جو زخموں کی تاب نہ لاکر مر گئے تھے۔ سینکڑوں ایسے تھے جو برفیلی رات میں ٹھٹھر کر مر گئے تھے۔

جنگ کے بعد بڑی بے رحمی سے مراٹھوں کا قتل کیا گیا۔ سیکڑوں مراٹھے پانی پت میں چھپے ہوئے تھے جنہیں دوسرے دن پکڑ کر قتل کیا گیا۔ ایک تذکرے میں لکھا ہے کہ عبدالصمد اور میاں قطب نے اپنے باپ کی موت کا بدلہ لینے کی ابدالی سے اجازت مانگی۔ اس انتقامی کارروائی میں نو ہزار مراٹھوں کا قتل ہوا تھا۔ کاشی راو پنڈت (چشم دید گواہ) کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مراٹھوں کا بہیمانہ قتل افغانیوں کے ہاتھوں زیادہ ہوا تھا۔ مہاد جی سندھیا بغیر زخم کھائے جنگ سے فرار ہوا تھا لیکن تعاقب کرنے والے نے اُسے ایسا زخمی کیا کہ وہ عمر بھر کے لیے لنگڑا ہو گیا۔ وہ مارا بھی جاتا مگر ایک مسلمان بہشتی نے اسے پناہ دیکر اس کی جان بچالی تھی۔ حقیقت میں مہاراشٹر میں کوئی گھر ایسا نہیں تھا جو اپنے خاندان کے کسی فرد کی موت کا ماتم نہیں کر رہا تھا اور وہی لوگ زیادہ مارے گئے تھے جو خاندان کے سرپرست تھے۔"

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نجیب الدولہ اور ملہار ہولکر کے تعلقات

اس بات پر تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ دتّا اور ہولکر کے تعلقات کشیدہ تھے۔ ہولکر نجیب الدولہ کے ساتھ نرم روّیہ رکھتا تھا۔ دتّا نے ملہار ہولکر کے تجربہ کو نظر انداز کر کے اس کی بزرگی اور تجربہ کو للکارا تھا۔ اس کی رائے تھی کہ شمالی ہندوستان میں صرف نجیب الدولہ ہی ایک ایسی طاقت ہے جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ اور عماد الملک کمزور، دیوالیہ اور ناقابلِ اعتبار امیر ہے۔ اس لیے دتّا کو عماد الملک کو نظر انداز کر کے نجیب الدولہ سے باعزّت صلح کر لینی چاہیے۔ لیکن دتّا جو طبیعتاً مغرور اور غیر سیاسی سردار تھا اس نے ہولکر کی نصیحت کو نہیں مانا اور بعد میں نجیب الدولہ کے ہاتھوں مارا گیا۔

جنگ پانی پت سے مع اپنے 1500 فوجیوں کے ساتھ جب ملہار ہولکر پیشوا کے حضور حاضر ہوا تو ہر نظر نے اس سے سوال کیا کہ وہ بغیر کوئی زخم کھائے زندہ کیسے آ گیا۔ ملہار نے کہا کہ اُسے باہو نے حکم دیا تھا کہ وہ عورتوں کی جان بچائے۔ اس لیے وہ پسپائی کے وقت عورتوں کے تحفظ کے لیے میدان جنگ چھوڑ کر چلا گیا تھا اور عورتوں کی جان بچائی تھی جن میں باہو کی بیوی بھی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ باہو کی بیوی پاروتی بائی اسے راستے میں ملی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پسپائی کی خبر پہلے ہی مراٹھوں کے خیموں تک پہنچ گئی ہو کیوں کہ بہت سے زخمی مراٹھے میدانِ جنگ چھوڑ کر ہولکر سے پہلے ہی خیموں میں پہنچ چکے تھے اور جب ہولکر کو حکم ملا تو پاروتی بائی دیگر مراٹھا سرداروں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی بیویوں کے ساتھ پہلے ہی روانہ ہو چکی ہو۔ اس کے علاوہ ہولکر کے زیر کمان صرف تین ہزار فوج مراٹھوں کی پسپائی کو روک نہیں سکتی تھی اور اس کے مقابل نجیب الدولہ کا پندرہ ہزار فوجیوں کا طاقت ور دستہ تھا جو کسی وقت بھی ہولکر کو شکست دینے کے لیے کافی تھا۔

یہ صحیح ہے کہ نجیب الدولہ اور ہولکر نے تین گھنٹہ کی جنگ میں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر ان دونوں کے درمیان کوئی خفیہ معاہدہ تھا تو نجیب الدولہ کے بالکل برابر شاہ پسند خاں کا مضبوط فوجی دستہ موجود تھا جو ہولکر کے برابر جنکو جی کے مقابل ہی تھا۔ جنکو جی نے بھی کوئی حملہ کرنے کی جرأت نہیں کی۔ یہ دونوں دستے دائیں بازو پر تعینات تھے۔ جب جنکو جی نے مراٹھوں کے قلب میں باہو کی پسپائی کو دیکھا تو وہ اپنا دستہ قلب میں لے گیا اور نجیب الدولہ دائیں بازو سے اندر گھس گیا تھا۔ لیکن سید نورالدین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم تعلقات کی بنا پر نجیب الدولہ تھے ہولکر سے کوئی تعرض نہیں کیا اور نہ ہی اس کا تعاقب کیا گیا۔

یہ واقعہ نجیب الدولہ اور ملہار ہولکر کے دوستانہ تعلقات کے بارے میں بھرپور روشنی ڈالتا ہے۔ ان واقعات سے نجیب الدولہ کی سیاسی بصیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ باوجود مراٹھوں سے شدید مخالفت کے وہ مراٹھا کیمپ میں اپنا ہمدرد ضرور رکھتا تھا۔ ان کے خوشگوار مراسم نجیب الدولہ اور ملہار کے لیے برے وقت میں ہمیشہ کام آئے۔

پانی پت کی جنگ کے نتائج:۔ اس جنگ کا اگر ہندوستان کے سیاسی پس منظر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کے اثرات کا اس دور کی سیاست اور مستقبل کی سیاست پر گہرا اثر پڑا اور یہ کہنا بیجا نہیں ہوگا کہ مراٹھوں کی شکست نے ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا نقشہ ہی بدل دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس عبرت ناک شکست کا ذمہ دار صرف رگھوناتھ راؤ کی شمالی ہندوستان پر حملہ سے متعلق غلط پالیسی تھی تو بیجا نہیں ہوگا کیوں کہ اس مغرور شخص نے شمالی ہندوستان کو فتح کرنے کی اپنی دو سالہ پالیسی کے باعث نہ صرف بالا جی راؤ (پیشوا) کے خزانے کو خالی کر دیا بلکہ مراٹھوں کی عظیم قوت کو فنا بھی کرا دیا۔

رگھوناتھ راؤ ہندوستان میں ہندو پادشاہی قایم کرنا چاہتا تھا بقول جادوناتھ سرکا ''رگھوناتھ راؤ جو دو سال سے شمالی ہندوستان کی سیاست میں اہم رول ادا کرتا رہا اس نے کامیابی سے زیادہ ناکامی کا منھ دیکھا اور اٹک تک ہند پادشاہی قایم کرنے کے نام پر مراٹھا طاقت کو مسلسل کمزور بناتا رہا۔ وہ پونہ سے یہ وعدہ کر کے چلا تھا کہ سندھیا خاندان کو مالا مال کر دے گا لیکن ان پورے دو سالوں میں ایک پائی بھی پونہ خزانہ میں جمع نہ کر سکا بلکہ اس نے پونہ دربار کو اسی لاکھ روپیہ کا قرض دار بنا دیا۔'' اس تباہ کن شکست کا سب سے برا اثر یہ ہوا کہ وہ تمام ہندوستانی طاقتیں جو مراٹھا طاقت سے اتحاد کی خواہش مند نظر آتی تھیں وہ مراٹھوں کو ایسا ڈوبتا ہوا جہاز سمجھنے لگیں جو کسی بھی آنے والے خطرے کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔[19]

شکست کے بعد کوئی ہندوستانی طاقت مراٹھوں سے اتحاد کرنے یا ان کا ساتھ دینے پر راضی نہیں تھی۔ اگر وہ جنگ جیت جاتے تو یقینی طور پر یہ طاقتیں مراٹھوں کی مدد کر کے مستقبل کی کمپنی سرکار کو دریا میں ڈبو دیتیں۔ شاید باہو کی ناتجربہ کاری اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مغرور طبیعت سے اس کی شکست کا اندازہ سورج مل جاٹ نے پہلے ہی لگا لیا تھا۔ اس لیے وہ جنگ میں مراٹھوں کا اتحادی بننے سے دور رہا اور مراٹھوں کا بدترین دشمن نجیب الدولہ دس سال تک دلّی حکومت کا ڈکٹیٹر بنا رہا۔ اس نے اپنی شجاعت، مردانگی اور مستقل مزاجی سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ شمالی ہندوستان کی سب سے بڑی طاقت اور روہیلوں کا سب سے بڑا اسردار ہے۔

ابدالی کی روانگی:۔ فتح یابی کے بعد ابدالی نے لباس تبدیل کیا اور بوعلی شاہ قلندر کے مزار پر حاضری دی اور 29 جنوری 1761 کو دلّی آ گیا[20]۔ دلّی میں مقیم مراٹھا گورنر نارو شنکر ملکہ زینت محل کی مہربانی سے جان بچا کر دکن جانے میں کامیاب ہو گیا لیکن اُسے قلعہ دار حبش خاں کی تنخواہ ساڑھے تین لاکھ نقد اور قیمتی سامان ملکہ کو دینا پڑا۔ ابدالی اور اس کے فوجیوں نے مارچ کے وسط تک آرام کیا۔ ملکہ نے ابدالی کو ایک لاکھ روپیہ اور اس کے وزیر کو پچاس ہزار روپیہ نذر کیا۔ ابدالی کی فوج کی دو سال کی تنخواہ ادا کرنے کی ذمہ داری نجیب الدولہ کو سونپی گئی جس نے اپنے کاندھے کا بوجھ اتارنے کے لیے ناگر مل (سورج مل جاٹ کا سفیر) کے وفد کو ابدالی کے حضور میں پیش کر دیا (21 فروری 1761) لیکن ملکہ زینت محل نے اپنے شوہر کے قتل میں ملوث سورج مل جاٹ سے صلح کی بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو ناگر مل کا وفد ناکام چلا گیا۔ جب 8 مارچ کو شاہ ولی خاں، شاہزادہ جواں بخت اور ملکہ زینت محل نے آگرہ پہنچ کر سورج مل جاٹ کو دھمکا کر روپیہ حاصل کرنے کی نیت سے آگرہ جانا چاہا تو ابدالی کی فوج نے متھرا میں ہوئے اندوہناک واقعات کو یاد کر کے سورج مل کے علاقے میں جانے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے انکار کر دیا۔ فوج کے غیر مطمئن رویہ کو دیکھ کر ابدالی افغانستان کے لیے روانہ ہو گیا[21] (20مارچ 1761)۔

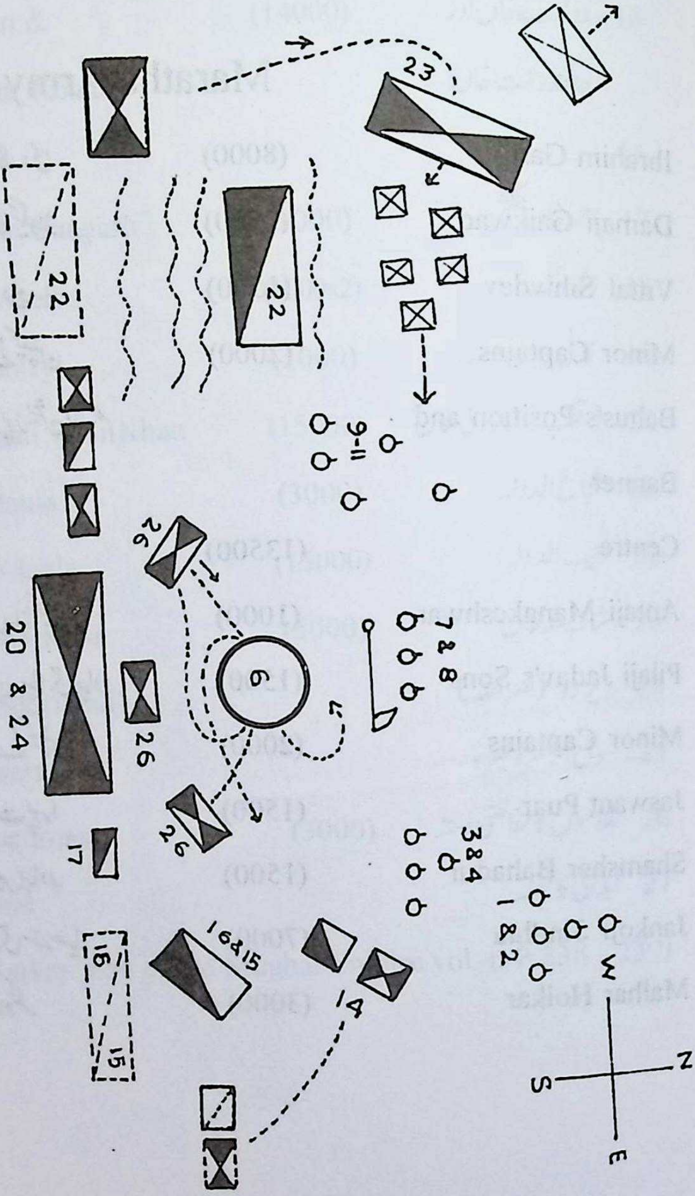

Battle of Panipat 2:30 P.M.

پانی پت کی جنگ 2:30 دوپہر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میدان جنگ کی صف آرائی

Plans of Battle

Maratha Army مراٹھا فوج

Ibrahim Gardi	(8000)	ابراہیم گاردی	1
Damaji Gaikwad	(2500)	داماجی گائیکواڑ	2
Vittal Sihivdev	(1500)	وِٹّل شِودیو	3
Minor Captains	(2000)	چھوٹے کیپٹن	4
Bahus's Position and Banner		باہو کی پوزیشن اور علم	5
Centre	(13500)	قلب	6
Antaji Manakeshwar	(1000)	انتاجی مانا کیشور	7
Pilaji Jadav's Sons	(1500)	پسران پیلاجی جادو	8
Minor Captains	(2000)	چھوٹے کیپٹن	9
Jaswant Puar	(1500)	جسونت پورا	10
Shamsher Bahadur	(1500)	شمشیر بہادر	11
Jankoji Sindhia	(7000)	جنکوجی سندھیا	12
Malhar Holkar	(3000)	ملہا ہولکر	13

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

درّانی فوج Durrani Army

14	برخوردار خاں اور امیر بیگ	(3000)	Barkhurdar Khan & Amir Beg
15	دوندے خاں اور حافظ رحمت خاں	(14000)	Dunday Khan & Hafiz Rehmat Khan
16	"		"
17	احمد خاں بنگش	(1000)	Ahmad Khan Bangash
18	زنبورک	(1000x2)	Camel - Swivels
19	کابلی پیدل دستہ	(1000)	Kabuli Infantry
20	(قلب) شاہ ولی خاں	(15000)	(Centre) Shah Wali Khan
21	شجاع الدولہ	(3000)	Shuja-ud-daula
22	نجیب الدولہ	(15000)	Najeeb-ud-daula
23	شاہ پسند خاں	(5000)	Shah Pasand Khan
24	ریزرو (نصراللہ)		Reserve (Nasrullah)
25	سول آفیسر وغیرہ		Civil Offisers etc.
26	غلاموں کا حفاظتی دستہ	(3000)	Slave Squadrons
27	ابدالی کا خیمہ		Abdali Tent

(From Sarkar: Fall of the Mughal Empire vol. ii P 238 - 239)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

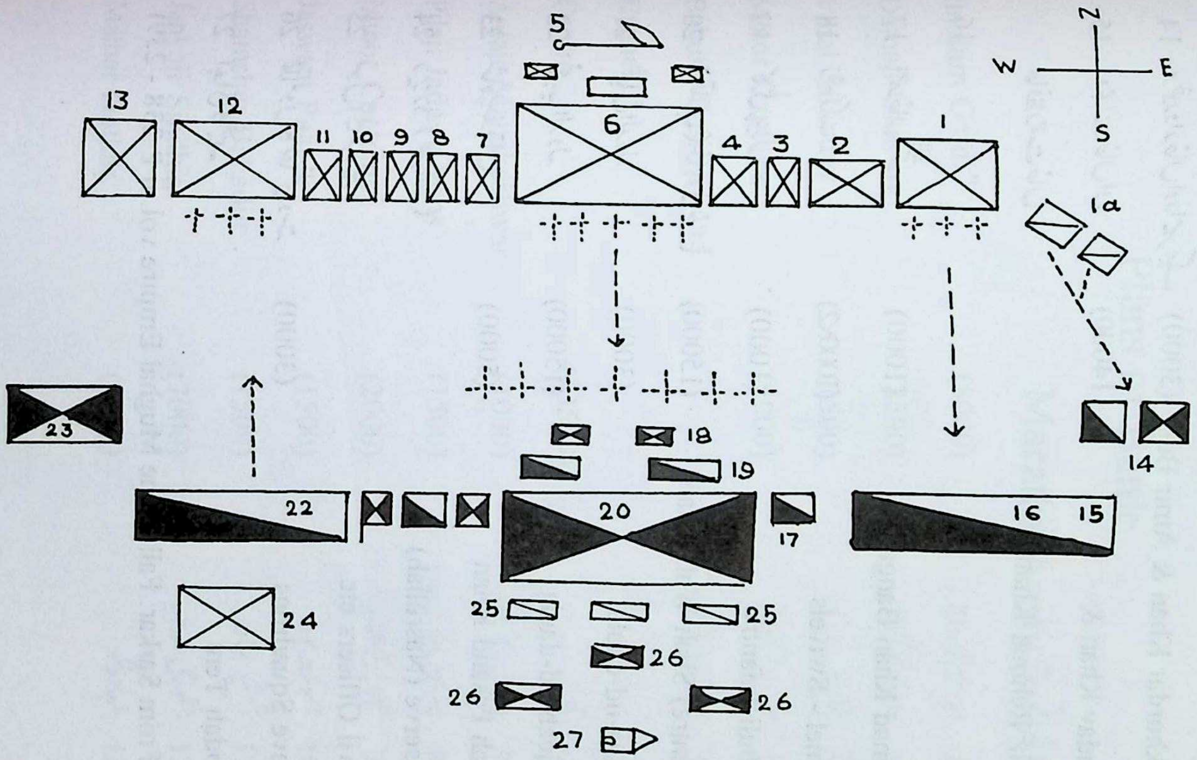

Battle of Panipat 10 A.M. پانی پت کی جنگ 10 بجے صبح

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

Explantion of the Plans of Battle

تشریح نقشہ جنگ

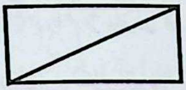
مراٹھا پیدل Maratha Infantry (لیکن نمبر 25 کا تعلق ابدالی کے پیدل دستے سے ہے۔)

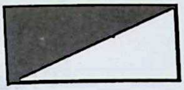
ابدالی پیدل Abdali ,,

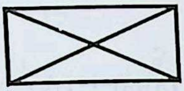
مراٹھا سوار Maratha Cavalry

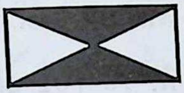
ابدالی سوار Abdali Cavalry

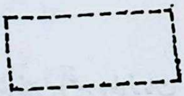
صف بندی کے وقت کی حالت Former Position

ہراول دستہ کا بڑھنا اور پیچھے ہٹنا Line of advance or retreat

نجیب الدولہ کی خندقیں Najeeb's Field or Trenches

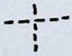
توپ خانہ Artillery

صف توڑ کر بھاگنے والے Broken Fugitive

حواشی

1- Sarkar : vol. ii, 159

2۔اقبال حسین 99 بحوالہ مرات احمدی 84 عبد الکریم 11 ذکر میر 82، مرات آفتاب نما 277b گل رحمت 88b

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

Ganda Singh:218 quated S.P.D ii 121, Rajwade ii 509

Sarkar : vol. ii, 195

Sarkar; vol.ii. 161,quoted Badrinath S/o Keshav Rao -3

Sarkar: vol. ii, 162, quated SPD. -4

5- ''یہ مقام پہلے ثابت گڑھ کہلاتا تھا۔ سورج مل نے اس کا نام رام گڑھ رکھا تھا جیسا کہ حسین شاہی سے ثابت ہے۔ فرح بخش کا مولف (شو پرشاد) سعد اللہ خاں کے ساتھ اس قلعہ میں گیا تھا۔'' (اخبار الصنادید جلد اول 316)

6- اقبال حسین 10 بحوالہ مراسلات احمد شاہ درّانی 22، گل رحمت 91a

Sarkar : vol. ii 162 -7

Iqbal : 102, quoted Ahwale Jung i, History of -8 Maratha vol. ii, 439 T.Najeebuddaula, Shakir Khani, Sarkar : ii, 98-102 quoted. S.P.D., D.C, Rasheed Lxxviii quated Nuruddin سیر المتاخرین جلد سوم 66

9- عبدالصمد خاں ملازم درّانی (ابدالی) اور قطب شاہ اور مومن خاں وغیرہ ملازمان نواب سعد اللہ خاں کو نجیب الدولہ نے چکلہ سرہند کے انتظام کے لیے مقرر کیا تھا تاکہ رسد ابدالی کے لشکر میں پہنچاتے رہیں۔ یہ مراٹھوں سے شکست کھا کر کنج پورہ میں جو دلّی شمال و مغرب کی جانب 53 کوس پر ہے۔ (اخبار الصنادید 321 بحوالہ مساکن فلکی)

Sarkar : vol. ii, 201 -10

Sarkar : vol. ii, 223-224, quoted Autobiogrophy -11 of Nana Padnavis Rasheed: Lxxx. quoted Nuruddin

Sarkar; vol.ii 226, quoted Govind Ballal -12

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گووند بلال کی فوج کو کریم خاں، میر عطائی اور عنایت خاں (پسر حافظ رحمت خاں) کی قیادت والے دستہ نے 15 دسمبر 1760 کو راستہ میں روک کر قتل کر دیا تھا۔ (اقبال حسین 105 بحوالہ گلِ رحمت 94a، اخبارِ محبت 640، تاریخ نجیب الدولہ 49a عبدالکریم 14)

ابدالی نے عطائی خاں دڑانی اور عبدالصمد خاں کے فرزند (دلیر خاں) کو جو کنج پورہ میں مارا گیا تھا، مع پانچ ہزار سوار کے پنڈت مذکور کی تنبیہ پر مقرر کیا۔ پنڈت مذکور (گووند بلال) جلال آباد میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کا قتل کر کے مال و متاع چھین لیا۔ (سیر المتاخرین جلد سوم 69)

13- Rasheed S.A.: Lxxx

14- سیر المتاخرین جلد سوم 69

15- اس جنگ میں حافظ رحمت خاں کے بیٹے عنایت خاں نے دلیری سے جنگ کی تھی اور وہ بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ (Rasheed S.A.: Lxxix) بدری دت پانڈے مصنف کماؤں کا اتہاس (ہندی) کے بیان سے بھی ثابت ہے کہ کماؤنی فوج روہیلوں کی فوج کے دوش بدوش لڑ رہی تھی اور دونوں کی فوجوں میں برادرانہ تعلقات تھے۔

16- ضمیمہ 1

17- ضمیمہ 2

18- ضمیمہ 3

19- Sarkar: vol. ii, 262, quoted Kashi Raj 27, Nuruddin 50b, Husain Shahi 73, Manzil 84, S.P.D., D.C. Rajwade

20- Sarkar ii 276, quoted Kashi Raj, S.P.D ii 142, Ghulam Ali ii 186 - 188

21- Sarkar : vol. ii 276 - 277

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب: پندرہ

فصل: اٹھارہ

نجیب الدولہ اور سورج مل کے درمیان جنگ

جنگ پانی پت کے بعد ابدالی نے نجیب الدولہ کی مرضی اور شجاع الدولہ سے کیے گئے وعدے کے خلاف عماد الملک کو وزیر بنا دیا تھا جو سورج مل جاٹ اور احمد خاں بنگش کا دوست بنا ہوا تھا۔ اس واقعہ سے شجاع الدولہ دل برداشتہ ہو گیا تھا کیونکہ اس نے سکّر تال کے محاصرہ کے دوران نجیب الدولہ کو مراٹھوں سے نجات دلائی تھی اور یہ نجیب الدولہ کی ذات تھی جس نے اسے ابدالی کا اتحادی بنا دیا تھا۔ اس واقعہ نے اگر ایک طرف نجیب الدولہ کو تنہا کر دیا تو دوسری طرف سورج مل کو اپنی طاقت بڑھانے کا موقع بھی فراہم کر دیا۔

ابدالی کے ہندوستان سے جاتے ہی سورج مل نے اپنے کھوئے ہوئے مقبوضات پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اس نے بلند شہر کے دوآبی علاقوں اور علی گڑھ (کول) کے قلعہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ ضلع آگرہ کے بھدوریا راجپوتوں کی جاگیروں (مینڈ و پورچ Porach راجپور، (ضلع علی گڑھ) پر بھی قبضہ کر لیا۔ جمنا کے کنارے سے چمبل تک اس کی طاقت کو چیلنج کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ آگرہ کے قلعہ پر قبضہ کے بعد آس پاس کے علاقوں پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا کیونکہ آگرہ کے شمالی حصوں پر دلّی سلطنت کی فوجیں اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی تھیں۔[1]

نجیب الدولہ جنگ پانی پت میں اپنی ساری دولت خرچ کر چکا تھا۔ اس کی کافی فوج بھی ماری گئی تھی اور جو باقی بچی تھی وہ مسلسل جنگ کے ماحول میں رہنے اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جنگ کرنے کے باعث تھکی ہوئی تھی۔ اس کی طاقت سورج مل کی طاقت کے مقابلہ میں کم تھی اسی لیے وہ سورج مل سے صلح کا خواہشمند تھا لیکن سورج مل اس سے صلح کر کے ملک گیری کی خواہش ترک کرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ آگرہ کے بعد دلّی پر بھی قبضہ کرنے کا آرزومند تھا۔ لیکن جب سورج مل نے دسمبر 1763 میں موسی خاں کے علاقہ فرخ نگر پر حملہ کر کے موسی خاں بلوچ اور اس کے خاندان کو گرفتار کر لیا تو مجبوراً نجیب الدولہ کو اپنے دوست موسی خاں کی حمایت میں سورج مل سے جنگ کرنی پڑی۔

14 دسمبر کو نجیب الدولہ دلّی آیا۔ اس نے سورج مل کو لکھا کہ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ تم نے فرخ نگر پر قبضہ کر لیا (12 دسمبر 1763) لیکن یہ بات مناسب نہیں کہ تم نے موسی خاں اور اس کے خاندان کو قیدی بنا لیا ہے۔ وہ میرا دوست ہے۔ تم کو چاہیے کہ اُسے رہا کر دو۔

سورج مل نے جواب میں لکھا کہ ہماری درمیان دوستی آج بھی قایم ہے اور دوستی کا تقاضا تھا کہ آپ نجیب آباد میں ہی رہتے۔ آپ نے بیکار ہی دلّی آنے کی زحمت گوارا کی۔ آپ کی آمد سے عام شہرت ہو گئی ہے کہ آپ مجھ پر لشکر کشی کرنا چاہتے ہیں۔ بلوچ میرے دشمن ہیں۔ اگر میں فرخ نگر پر قبضہ نہیں کرتا تو پھر آپ موسی خاں کے طرفدار بنکر مجھ سے آمادہ جنگ ہو جاتے۔ اس لیے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ آپ پہلے ہی معاہدۂ دوستی توڑ چکے ہیں۔ اس جواب کے بعد سورج مل نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ فرخ نگر میں توپ خانہ قایم کیا۔ اس کا بیٹا جواہر سنگھ فرخ نگر کے اطراف میں لوٹ مار کرنے لگا اور دوآب تک بڑھ کر دلّی حکومت کو چیلنج کر دیا۔ اس نے بنڈن ندی پر کیمپ لگایا۔ غازی آباد کے علاقہ کو لوٹا اور مشرقی دلّی کے علاقوں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں لوٹ مار کرنے لگا۔ یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ کٹھیر کے روہیلوں سے مدد کی درخواست کی تھی یا نہیں البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت جواہر سنگھ کے دستے مشرقی دلّی کی لوٹ مار میں مصروف تھے اس وقت دوندے خاں (سسر نجیب الدولہ) گنگا کے کنارے خیمہ زن تھا۔[2]

نجیب الدولہ دلّی سے خضر آباد آ گیا لیکن چند دن بعد اُسے پھر دلّی واپس آنا پڑا۔ اس کے جاتے ہی جواہر سنگھ نے خضر آباد کے علاقوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ یہ نجیب الدولہ کے لیے جنگ کا کھلا چیلنج تھا۔ اس نے اس چیلنج کو قبول کیا اور دس ہزار فوج کے ساتھ جمنا پار کر کے، سورج نکلنے سے دو گھنٹہ پہلے ہنڈن ندی کے مغربی کنارے پر آ گیا[3] (25 دسمبر 1763)۔ سورج مل اپنی فوج کی تعداد اور سامانِ جنگ کی بدولت پرامید تھا کہ جیت اسی کی ہوگی، اس لیے اس نے حملہ کرنے میں جلدی کی۔ دونوں طرف سے کئی گھنٹہ تک گولہ باری ہوتی رہی۔ دونوں ندی کے مشرقی اور مغربی کنارے پر تھے۔ سورج مل سورج غروب ہونے سے پہلے ہی جنگ کا فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے پانچ ہزار آزمودہ فوجی دستہ کے ساتھ ندی عبور کی اور نجیب الدولہ پر حملہ کر دیا اور خونریز جنگ شروع ہو گئی۔

نجیب الدولہ نے جھاؤ کی جھاڑیوں میں بندوق برداروں کو چھپا کر بٹھا دیا تھا تاکہ وقت ضرورت ان سے کام لیا جاسکے۔ جب کئی گھنٹہ کی جنگ کے بعد سورج مل واپس لوٹنے لگا تو جھاؤ کی جھاڑیوں میں چھپے ہوئے اور نشیبی نالوں میں بیٹھے ہوئے بندوق برداروں نے اس پر حملہ کر دیا۔ سورج مل مارا گیا اور اس کی فوج بھاگ گئی۔ ساگر مل کھتری اور شیخ کرامت اللہ نے، جو ایک دن پہلے مصالحتی وفد کے ساتھ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قلعہ نجیب آباد کا مغربی دروازہ

قلعہ کا اندرونی منظر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سورج مل کے پاس گئے تھے، لاش کو پہچان لیا تھا۔

اس کا جانشین جواہر سنگھ بھاگ کر ڈگ چلا گیا (27-28دسمبر 1761) نجیب الدولہ نے ڈنکور گھاٹ (جمنا کا بایاں کنارا) پر قبضہ کرلیا اور جنوری 1764 کی شروعات تک جاٹوں کے علاقے بلبھ گڑھ، جلیسر، ٹپر، خورجہ، پہاسو اور دبئی پر قبضہ کرلیا۔ محبّ اللہ خاں (پسر دوندے خاں) بھی اس وقت نجیب الدولہ کے ساتھ تھا جب وہ ان علاقوں پر قبضہ کر رہا تھا۔ نجیب الدولہ کو جنگ میں مصروف دیکھ کر اور سہارن پور میں دفاعی فوج کی کمی کے بارے میں جان کر سکھوں نے سہارن پور پر حملہ کردیا۔ لیکن نجیب الدولہ گڑگاؤں (ہریانہ) کے مقام نوح میں ٹھہرا رہا تا کہ جواہر سنگھ کی جوابی کارروائی کا جواب دے سکے۔[45]

جواہر سنگھ ملہار ہولکر اور سکھ۔ نجیب الدولہ کے خلاف:۔ جواہر سنگھ نے اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیے جنگی تیاریاں زوروں پر شروع کردیں۔ سورج مل کی بیوہ نے بھی انتقام لینے کے لیے خزانے کا منھ کھول دیا۔ فوج کی دو سال کی باقی تنخواہ ادا کردی گئی۔ اس نے روپارام کوٹھاری کو مراٹھا فوج کی مدد حاصل کرنے کے لیے ملہار ہولکر کے پاس بھیجا جو شمالی ہندوستان کے سیاسی معاملات کا سب سے تجربہ کار سردار تھا۔ بائیس لاکھ روپیہ سالانہ پر بیس ہزار مراٹھا فوج مہیا کرنے پر معاملہ طے ہوگیا۔ اس کے بعد جواہر سنگھ نے پندرہ ہزار سکھ فوج بھی کرائے پر حاصل کرلی۔

اس جنگی تیاری اور معاملات طے کرنے میں دو مہینے لگ گئے۔ نجیب الدولہ سے کوئی بات پوشیدہ نہ تھی۔ اس نے جواہر سنگھ کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی اور اُسے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لکھا کہ جو کچھ تمہارے باپ کی قسمت میں لکھا تھا وہ پورا ہوا۔ اگر تم مجھ سے جنگ کر کے اپنے باپ کو زندہ کر سکتے ہو تو ضرور جنگ کرو۔ میں نے تمہارے باپ کی جاگیر میں سے کچھ نہیں چھینا ہے۔ پھر تم کس لیے مجھ سے ناراض ہو۔ میرا عقیدہ ہے کہ فتح اور شکست اللہ کے اختیار میں ہے۔ یہ انسان کے بس کی بات نہیں۔ لیکن جواہر سنگھ آمادۂ جنگ ہی رہا کیونکہ اس کی نظر میں سورج مل کے قاتل سے بدلہ لینا جاٹ قوم کی عزّت کا سوال بن گیا تھا اور اسی جذبے کو اس کی ماں نے بھی زندہ کیے رکھا۔ اس سلسلہ میں نجیب الدولہ نے ملہار ہولکر کو اس کی پانی پت کی جنگ میں جاں بخشی اور دیرینہ تعلقات کا واسطہ دے کر جواہر سنگھ کی مدد نہ کرنے کے بارے میں لکھا لیکن پیشوا کا حکم تھا کہ ملہار جاٹوں کا ساتھ دیکر پانی پت کی جنگ میں مراٹھوں کے سرکردہ سرداروں کے قتل اور ذلّت آمیز شکست کا بدلہ نجیب الدولہ سے لے۔ جاٹ اور مراٹھا دونوں مل کر نجیب الدولہ سے انتقام لینا چاہتے تھے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وعدہ فراموش لالچی مراٹھا سردار کو صرف بائیس لاکھ روپیہ سے دلچسپی تھی۔ دوستی اور جاں بخشی کا معاملہ محض ضمنی بات تھی۔

اس وقت نجیب الدولہ کے پاس فوج اور روپیہ کی کمی تھی۔ کٹھیر کے روہیلہ سرداروں سے مدد کی کوئی اُمید نہیں تھی۔ شجاع الدولہ کو مدد کے لیے بلا نہیں سکتا تھا کیونکہ عہدۂ وزارت نہ ملنے کے باعث وہ شجاع الدولہ سے شرمندہ تھا۔ جن مقبوضات پر اس نے سورج مل کو شکست دے کر قبضہ کر لیا تھا ان پر دوبارہ جواہر سنگھ نے قبضہ کر لیا (اپریل 1764) اور بلبھ گڑھ کو فوجی مرکز بنا کر توپ خانے کو اور زیادہ مضبوط کر لیا۔ اس نے بسوا سکھ کو توپخانے کا انچارج مقرر کیا جو جاٹوں کا سب سے تجربہ کار میر آتش

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(Chief of the Artillery) تھا۔

جواہر سنگھ کے پاس تیس پینتیس ہزار جاٹوں کی فوج تھی اور نجیب الدولہ کے پاس بھی تیس پینتیس ہزار فوج تھی۔ ابھی سکھوں کی فوج کرائے پر نہیں لی گئی تھی۔ نومبر 1764 میں جواہر سنگھ نے جنگ کی تیاری شروع کردی۔ اس نے فرید آباد کو اپنی داہنی طرف چھوڑ اور جمنا کے دائیں طرف، دلّی سے چودھا میل دور مشرق کی جانب بڑھ آیا۔ یہیں پر خیمہ زن ہو کر خندقیں کھودی گئیں اور حفاظتی انتظامات مکمل کر لیے گئے۔[5]

نجیب الدولہ نے اپنے سفیر میگھ راج کو جموں کے راستے سے ابدالی کے پاس مدد حاصل کرنے کے لیے قندھار بھیج دیا۔ میگھ راج جموں کے راستے سے اس لیے گیا تھا کیونکہ لاہور پر سکھوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے کٹھیر کے روہیلوں سے بھی مدد کی درخواست کی۔

جواہر سنگھ نے پرانے قلعہ کے پاس جمنا کے مشرقی کنارے پر فوجی کیمپ قایم کیا تھا اور نجیب الدولہ نے قلعہ کے نیچے بلند باغ میں کیمپ لگایا تھا۔ وہ خود قمر الدین خاں (وزیر محمد شاہ) کی حویلی میں ٹھہرا۔ اس نے جمنا پر کشتیوں کا پل تعمیر کرایا تا کہ دوآب کے روہیلوں سے رابطہ قایم رہے۔

15 نومبر 1764 کو جنگ کا آغاز ہوا۔ جواہر سنگھ نے فیروز شاہ کوٹلہ سے نجیب الدولہ پر حملہ شروع کر دیا۔ وہ خود آگے رہا اور ملہار کو اپنی پشت پر رکھا۔ لیکن ملہار نے اپنی فوج کو جواہر سنگھ کی فوج سے کافی فاصلہ پر شیر شاہ کے قلعہ کے پاس رکھا۔ گھمسان جنگ شروع ہوگئی۔ جواہر سنگھ نے بار بار مراٹھوں کو مدد کے لیے پکارا۔ اُسے لگا جیسے ملہار بہرہ ہو گیا ہو۔ وہ چاہتا تھا کہ اسی وقت فیصلہ کن جنگ شروع ہو جائے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لیکن ایسا نہیں ہوسکا۔

جواہر سنگھ کو مراٹھوں پر شک ہوا۔ اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ روہیلوں کی خندقوں کو پار کر کے مشرق کی طرف سے دلّی میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اس نے جنگ کا پلان بدل دیا۔ اس نے 16 نومبر کی صبح کو بالا رام اور رام کرشن (گرو جواہر سنگھ) سوائے رام (جودھپور کا برہمن جس کی زیر قیادت آٹھ ہزار جاٹ سوار تھے) آملی گھاٹ کی طرف روانہ کیا تا کہ اُن روہیلہ گشتی سواروں پر حملہ کریں جو جمنا پر بنے کشتیوں کے پُل کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ان کو قتل کر کے یا انہیں بھگا کر پل پر قبضہ کرلیں اور پُل سے گزر کر روہیلوں کی خندقوں پر حملہ کر دیں۔ جیسے ہی وہ پل سے گزر کر حملہ آور ہونگے وہ خود سامنے سے روہیلوں پر حملہ کر دے گا۔

یہ پلان کامیاب بھی ہوسکتا تھا اگر جاٹ فوج راستہ میں پٹ پڑ گنج کے بازاروں کو لوٹنے میں مصروف نہیں ہوتی۔ سواروں کے گھوڑوں کی وجہ سے اُٹھنے والی دھول کے بادل آسمان پر چھانے لگے تو نجیب الدولہ کا پانچ سو سواروں کا حفاظتی دستہ ہوشیار ہوگیا۔ فوراً ہی ناصر خاں درّانی چھ سو توپخانے کے فوجیوں کو لے کر وقت پر آ گیا۔ اس معمولی فوج نے جاٹوں کی فوج کو روک کر ان پر حملہ کر دیا۔ نجیب الدولہ ایک اونچے چبوترے پر دوربین لگائے حالات دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک ہزار روہیلہ دستہ کو کشتیوں کے پل سے جمنا کے مشرقی کنارے پر اتار دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاٹ فوج پل کے ذریعہ جمنا پار نہیں کرسکی۔

روہیلوں کے اس امدادی دستہ نے جاٹوں پر بندوقوں کی زبردست باڑھ ماری۔ فوج کے ساتھ کئی آفیسر بھی مارے گئے۔ جنگ دست بدست ہونے لگی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سوائے رام اور اس کے راٹھور دستہ کا صفایا ہو گیا۔ باقی فوج بھاگ پڑی۔ روہیلوں نے تعاقب کر کے ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جواہر سنگھ نے جب یہ حال دیکھا تو اس نے امراؤ گری گسائیں کو ناگا دستہ کے ساتھ مدد کے لیے بھیجا جسکی وجہ سے بہت سے جاٹوں کی جان بچ گئی لیکن کافی ناگے بھی مارے گئے۔

جب دلّی میں گھسنے کی ترکیب ناکام ہو گئی تو جواہر سنگھ نے شہر پر گولے برسا کر دہشت پھیلانے کا حکم دیا۔ روہیلہ فوج نے خندقوں سے نکل کر شہر کے مکانوں میں پناہ لے لی۔ اس گولہ باری سے روہیلہ فوج کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ صرف شام تک گولہ باری کر کے جاٹ فوج عوام میں خوف و ہراس پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

جواہر سنگھ کی مدد کے لیے سکھوں کی فوج آئی تو وہ نجیب الدولہ کے علاقوں میں لوٹ مار میں مصروف ہو گئی۔ سکھوں کے ساتھ خونخوار زانگھرس اور گوجر بھی تھے لیکن نجیب الدولہ نے ان کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کے لیے کسی فوجی دستہ کو نہیں بھیجا بلکہ اپنی پوزیشن پر برقرار رہا۔

25 جنوری کو سکھ اور جاٹ فوج سے نخاس اور سبزی منڈی کے علاقوں میں روہیلوں کی گھمسان جنگ ہوئی۔ دونوں طرف سے کافی لوگ مارے گئے لیکن اس حملہ کو کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ فروری 1765 کے پہلے ہفتہ میں تقریباً روز ہی اس طرح کی خونریز جھڑپیں ہوتی رہیں۔ جاٹوں نے سپلائی بند کر دی تھی اس وجہ سے دلّی میں قحط کی حالت پیدا ہونے لگی۔ اشیائے خوردنی کی کمی کے باعث روہیلہ فوج بھی فیصلہ کن جنگ کے لیے نجیب الدولہ پر زور دینے لگی۔ ملہار اور نجیب الدولہ کے درمیان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خط کتابت جاری تھی۔ ملہار اپنے گود لیے بیٹے (نجیب الدولہ) کو کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ جواہر سنگھ کے کیمپ میں بیٹھا عماد الملک بھی نجیب الدولہ سے خط کتابت کر رہا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا دلّی پر جاٹوں کا قبضہ ہو جائے۔

جواہر سنگھ بھی ان بے نتیجہ جھڑپوں سے تنگ آ گیا تھا جس میں جانی اور مالی نقصان کے علاوہ کوئی کامیابی نہیں مل رہی تھی۔ اس نے روپ رام سے کہا کہ وہ نجیب الدولہ سے صلح کی بات کرے۔ عماد الملک نے سب کے سامنے نجیب الدولہ سے بات کرنے کے لیے سید نور الدین فاروقی الفاخری (مصنف تاریخ نجیب الدولہ) کو بھیجا۔ اُس نے نجیب الدولہ سے قرآن پر قسم لی اور یہ اقرار کرالیا کہ آئندہ نجیب الدولہ عماد الملک کا دوست رہے گا۔ 9 فروری 1765 کو جواہر سنگھ اور نجیب الدولہ میں صلح ہو گئی۔

24 فروری 1765 کو عماد الملک اور ملہار نے نجیب الدولہ سے ملاقات کی۔ لوگوں نے دیکھا کہ عماد الملک، ملہار اور نجیب الدولہ ایک ہی ہاتھی پر بیٹھے دلّی میں داخل ہو رہے ہیں۔ نجیب الدولہ اور عماد الملک جمعہ کی نماز ادا کرنے ساتھ ساتھ جامع مسجد میں گئے لیکن اس دن عماد الملک کی ایماء پر بادشاہ شاہ عالم کے نام کا خطبہ نہیں پڑھا گیا جس کا مطلب تھا کہ عماد الملک شاہ عالم کو بادشاہ تسلیم نہیں کرتا ہے۔

چشم دید گواہ نور الدین لکھتا ہے کہ رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہونے والا تھا (22 فروری 1765) عماد الملک نے نجیب الدولہ سے دلّی میں رمضان گزارنے کی درخواست کی۔ چھ سال بعد عماد الملک اسی شہر میں داخل ہوا تھا جہاں کبھی اس نے بے تاج بادشاہ کی طرح حکمرانی کی تھی[6]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نجیب الدولہ اور سکھ:- جواہر سنگھ نے جن سکھوں کو نجیب الدولہ کے خلاف لڑنے کے لیے کرائے پر حاصل کیا تھا انھیں جنگ سے زیادہ لوٹ مار کرنے میں دلچسپی تھی۔ نجیب الدولہ دلّی کے معاملات میں الجھا ہوا تھا اور مراٹھا اس کے علاقے سہارن پور میں لوٹ مار کر رہے تھے لیکن جواہر سنگھ اور نجیب الدولہ میں صلح کے بعد انھیں سہارن پور سے بھاگنا پڑا تھا۔ اس کے بعد لاہور پر ابدالی نے حملہ کیا (جنوری 1764) تو سکھ دوآب کے علاقہ پر حملہ آور ہو گئے۔

شمالی ہندوستان میں ہونے والے واقعات سے ابدالی باخبر تھا۔ نجیب الدولہ اس کا ایجنٹ تھا اور اسے دشمنوں سے رہائی دلانا اپنی اخلاقی ذمہ داری سمجھتا تھا۔ قاضی نور محمد کے بیان کے مطابق ابدالی 20 نومبر 1764 کو لاہور آیا۔ سکھوں سے خونریز جنگ کر کے ان پر قابو پایا۔ اس نے لاہور میں جنگی کونسل طلب کی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ نجیب الدولہ کو سکھوں جاٹوں اور مراٹھوں کی مشترکہ فوج سے رہائی دلائی جائے۔ ابدالی نے ناصر خاں حاکم قلات کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے پنجاب کے سیدھے راستہ کو چھوڑ کر پہاڑوں کے دامن میں پھیلے میدانی علاقوں سے گزرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ فروری 1765 کو کنج پورہ آ گیا۔ اس وقت نجیب الدولہ دلّی کے معاملات اور سکھوں کی یورش کی وجہ سے اتنا مصروف تھا کہ وہ ابدالی کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکا۔ لیکن ابدالی کو اس بات پر بہت افسوس تھا کہ کوئی بھی ہندوستانی سردار، کٹھیر کے روہیلہ جنھیں اس نے اٹاوہ وغیرہ کے علاقے دیے تھے، اس کے حضور نہیں آئے تھے۔ اس نے آلہ سنگھ سے زرِ پیشکش وصول کیا اور 28 فروری 1765 کو بہت جلد ہی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قندھار کے لیے روانہ ہو گیا۔[7]

نومبر 1765 میں سکھوں نے نجیب الدولہ کی جاگیر پر حملہ کر دیا۔ نجیب الدولہ چھ مہینے لگاتار صحت کی خرابی کے باوجود سکھوں کا پیچھا کرتا رہا۔ اس نے اپنے تحفظی اقدامات اور سکھوں کی نگرانی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اس سے پہلے بھی اکتوبر 1765 کے اختتام پر سکھوں کا ایک دستہ سہارن پور میں گھس آیا تھا اور دوسری بڑی فوج جسّا سنگھ، تارا سنگھ، شام سنگھ، اور دیگر سرداران سکھ کی معیت میں جنوبی دلّی میں گھس آئی تھی اور لوٹ مار کر رہی تھی تب نجیب الدولہ کے فوجیوں نے بہادری سے مقابلہ کیا تھا۔ پھر بھی سکھوں نے ریواری (ناگرمل کی جاگیر) میں داخل ہو کر اُسے لوٹ لیا تھا اور آگ لگا دی تھی۔ ناگرمل کی حویلی کو بھی لوٹ کر آگ لگا دی تھی۔ افضل خاں نے ہندوؤں سے اپیل کی تھی کہ وہ کالکا دیوی کے درشن کو نہ جائیں (کیونکہ سکھوں سے جان و مال کا خطرہ تھا۔) 17 اپریل 1766 کو سکھوں نے اوکھلا گھاٹ کو عبور کر کے پٹ پڑ گنج کو لوٹ لیا اور مسوری (دلّی کے قریب) میں کیمپ لگا دیا لیکن انھیں مار کر بھگا دیا گیا۔ سکھ جمنا کے مشرقی کنار کے طرف نکل گئے اور کتانا، جھنجھانا اور بدھانا کے علاقوں میں لوٹ مار میں مصروف ہو گئے۔ نجیب الدولہ نے سکھوں کو گھیر کر ہزاروں کو قتل کر دیا اور بہت سے سکھ لوٹ مار کا مال لے کر فرار ہو گئے[8] (20 اپریل 1766)۔

سید نورالدین نے سکھوں کے حملہ کا سلسلہ وار تذکرہ کیا ہے اور نجیب الدولہ کے طریقۂ جنگ پر روشنی ڈالی ہے۔ ہر روز سکھوں اور روہیلوں کی جھڑپیں ہوتیں۔ سکھ سوار لوٹ مار کرتے، آگ لگاتے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے۔ زیادہ تر تباہی گاؤں کی ہوتی۔ جمنا ندی کے کنارے کنارے بڑھتے ہوئے سکھ شاملی میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آ گئے۔ نجیب الدولہ نے انھیں گھیر لیا تو وہ گنّے کے کھیت میں گھس کر فائرنگ کرنے لگے۔اور پھر بھاگ ئے۔

سکھوں کی ایسی فوج جو مختلف دستوں میں تقسیم ہو کر چاروں طرف لوٹ مار کر رہی ہو، کہیں ٹھہر کر جنگ نہ کر رہی ہو، اس کے خلاف کونسی جنگی تدبیر (War Tactive) اختیار کی جائے، اس کا تذکرہ نور الدین کے بیان سے ملتا ہے۔وہ لکھتا ہے کہ نجیب الدولہ نے ان کی کمین گاہ کو گھیرنے کا پلان بنایا۔اس نے فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ دائیں اور بائیں بازو اور لشکر کے قلب (Centre) پر خود نگرانی کرے اور ایک دستہ افضل خاں کی کمانڈ میں رکھا جو وقت ضرورت مدد کر سکے۔اس نے سخت تاکید کی کہ کسی بھی حالت میں اس تنظیم کو نہ توڑا جائے تاکہ ساری فوج نجیب الدولہ کی کمانڈ میں رہے۔اچانک سکھوں کی فوج نے نمودار ہو کر ہر اول دستہ سے جنگ شروع کر دی۔پھر سکھوں نے بائیں بازو پر حملہ کر دیا جس کی کمانڈ ضابطہ خاں کر رہا تھا لیکن ضابطہ خاں نے اس حملہ کو پسپا کر دیا۔نجیب الدولہ کی صف بستہ فوج (Un Broken Colums) آگے بڑھتی رہی۔لیکن اندھیرا ہو گیا تو سکھ جمنا عبور کر گئے۔نجیب الدولہ نے حکم دیا تھا کہ اس کا کوئی دستہ بھگوڑوں کا تعاقب نہ کرے بلکہ انھیں چاروں طرف سے گھیر کر ان کی کمین گاہ کی طرف، گھیر لانے پر مجبور کر دیا جائے لیکن سعادت خاں آفریدی کا بھائی صف بندی توڑ کر سکھوں پر حملہ آور ہو گیا اور سکھ بھاگ پڑے۔ نجیب الدولہ کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔[9]

ابدالی کی پنجاب میں آمد (ابتدا 1767) سے پہلے سکھوں اور نجیب الدولہ کے درمیان واقعات کا تذکرہ مختلف حوالوں سے سرکار کرتا ہے کہ اپریل 1766 میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سکھ دوآب سے پٹیالہ آ گئے۔ ابدالی نے اپنی اعلیٰ ڈپلومیسی کا ثبوت دیتے ہوئے آلا سنگھ (پٹیالہ خاندان کا بانی) کو نہ صرف اپنا ہمنوا بنالیا بلکہ اسے اپنی طرف سے سرہند کا صوبیدار بنا کر زرِ پیشکش ادا کرنے پر بھی راضی کرلیا۔ اس نے پھلکیان سکھوں کو مانجا سکھوں (ستلج اور دوآب کے ساکن) کا مخالف بنا دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آلا سنگھ (پٹیالہ کا راجا) نجیب الدولہ کے ساتھ ملکر مانجھا سکھوں کے خلاف فوجی اتحاد کر کے کارروائی کرنے پر بھی رضامند ہو گیا۔ اس اتحاد کے تحت اس نے اپنے لڑکے کو اکتوبر 1765 میں نجیب الدولہ کے پاس روہتک کیمپ میں بھی بھیجا تھا اور اس خواہش کا اظہار کیا تھا لگان کی وصولیابی کے لیے بلیک میل کرنے والے سکھوں کے خلاف مہم چلائی جائے۔ مئی 1766 میں جب آلا سنگھ کے جانشین امر سنگھ کی راجدھانی پر سکھوں نے قبضہ کرنا چاہا تب نجیب الدولہ امر سنگھ کی مدد کے لیے پٹیالہ کی طرف چل دیا اور مصطفیٰ آباد تک آ گیا۔ لیکن اس درمیان میں امر سنگھ نے جسا سنگھ آہووالیا کو درمیان میں ڈال کر صلح کرلی اور برسات شروع ہونے کے بعد یہ کارروائی آنے والے اکتوبر تک کے لیے ملتوی کردی گئی۔[15]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب: پندرہ/فصل: انیس

ابدالی کی آمد

1767 کی ابتدا میں ہندوستان کی آخری مہم پر ابدالی پنجاب میں آیا اور بیاس ندی پر خیمہ زن ہوگیا۔ امر سنگھ اس کی خدمت میں آیا اور زرِ پیش کش حاضر کیا۔ چڑت سنگھ خوف زدہ ہوکر پہاڑوں میں چھپ گیا اور جسّا سنگھ کلال جنگ میں زخمی ہوکر جان بچا کر فرا ہونے میں کامیاب ہوگیا (20 جنوری 1767)۔ ابدالی نے نجیب الدولہ کو طلب کیا جس پر سات سال کا روپیہ (دو کروڑ اسی لاکھ) واجب الادا تھا۔ روپیہ کا انتظام کرنے کے لیے نجیب الدولہ نے فوج کے ہراول دستہ کو جمنا کے پار بھیجا جو رام راگھاٹ (کرنال کے قریب) پہنچ گیا۔ اس نے ابدالی کو پیشگی اطلاع کر دی کہ وہ حاضر خدمت ہو رہا ہے۔

جب ابدالی اسمٰعیل آباد (انبالہ سے شمال کی جانب بیس میل پر) آیا تو نجیب الدولہ اس کے استقبال کے لیے موجود تھا (9 مارچ 1767)۔ جواہر سنگھ (سورج مل کا بیٹا) کا وفد، کٹھیر کے روہیلوں کا وفد بھی استقبال کے لیے موجود تھا۔ لیکن احمد خاں بنگش نے کوئی وفد نہیں بھیجا تھا۔ ابدالی اس بات سے رنجیدہ ہوا کہ سردارانِ روہیلہ بذاتِ خود حاضر نہیں ہوئے تھے۔ نجیب الدولہ کی آمد سے پہلے بھی ابدالی اس کی خیریت دریافت کرتا رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ سخت بیماری کے باوجود دشمنوں سے مصروفِ جنگ ہے۔ نجیب الدولہ کو دیکھتے ہی اس نے پوچھا ''کیسے ہو نجیب؟'' نجیب الدولہ نے ادب سے کہا ''حضور کی نگاہِ کرم نے میری بیماری کو دور کر دیا۔'' ابدالی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نے جواہر سنگھ کے ساتھ جنگ کے بارے میں پوچھا تو نجیب الدولہ نے جواب دیا۔
''حضور کی عنایت سے کامیاب ہوا۔''[11]

17 مارچ (1767) کو ابدالی اسمٰعیل آباد کے کیمپ سے روانہ ہوا۔ سرہند 'مچھی وارا' جالندھر کے جنوبی پہاڑوں کے میدان سے گزرتے وقت ابدالی کی فوج کے حفاظتی دستہ کو دیکھتے ہی سکھ کوؤں کی طرح اُڑ جاتے لیکن ان سکھوں نے نجیب الدولہ کی جاگیرات میں پہنچ کر لوٹ مار شروع کردی کیونکہ نجیب الدولہ، ضابطہ خاں اور افضل خاں کی غیر موجودگی میں یہ علاقے غیر محفوظ ہو گئے تھے۔

نجیب الدولہ نے ابدالی سے کہا حضرت ولایت سے تشریف لائے اور خادم بھائیوں اور بیٹوں کے ہمراہ قدم بوسی کو حاضر ہوا۔ میرے ملک (دلّی اور سہارنپور وغیرہ کی جاگیرات) کا کوئی انتظام نہیں رہا۔ ابدالی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی بعد کہا افغانانِ ہندوستان سخت بے شرم ہیں۔ میں نے ان کے ملک (کٹھیر اور فرخ آباد) کو مراٹھوں کی دست اندازی سے بچایا۔ انھیں وسیع ملک (اٹاوہ وغیرہ کی جاگیر) بخشا لیکن وہ میرے خیر مقدم کو بھی نہیں آئے۔ اور احمد خاں (بنگش) نے تو اپنا وفد بھی نہیں بھیجا۔ نجیب الدولہ نے کہا کہ اس میں خادم کا کوئی قصور نہیں۔ اگر حضور خاکسار کو حکم دیں تو میں قندھار پہنچ کر حضور کی ملازمت میں حاضر ہو سکتا ہوں۔

جب رات کے تین پہر گزر گئے تو جہان خاں نے نجیب الدولہ کے خیمہ پر آ کر اُسے بیدار کیا اور کہا کہ شاہ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے بیٹوں یا بھائیوں کو لیکر تمہاری جاگیرات پر پہنچ کر سکھوں کی سرکوبی کروں۔ نجیب الدولہ نے ضابطہ خاں کو اس کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ جہان خاں نے ضابطہ خاں کو دیکھ کر کہا کہ تو تو نرم و نازک

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دکھائی دیتا ہے (سرِینِ تو بسیار نرم معلوم می شوند۔) شاید تو مسند نشین اور پالکی سوار رہا ہے۔

جہان خاں اپنے دستہ (8 ہزار) اور ضابطہ خاں اپنے دستہ (5 ہزار) کے ساتھ میرٹھ کے لیے روانہ ہو گئے۔ تین دن بعد میرٹھ پہنچ گئے۔ سکھ خیمے اکھاڑ کر بھاگنے لگے اور بہت سے قتل ہو گئے۔ اس معرکہ میں طہماسپ خاں مسکینؔ بھی موجود تھا۔ وہ لکھتا ہے۔ نو ہزار سکھوں کو قتل کیا گیا۔ مال و اسباب لوٹا گیا۔ بگھیل سنگھ زخمی ہو گیا اور سات دن بعد جہان خاں ابدالی کے کیمپ میں لوٹ آیا۔[12]

شیخ عبد الرشید وضاحتی نوٹس میں لکھتا ہے ''نجیب الدولہ نے ابدالی کے ساتھ بہتر تعلقات رکھے۔ جب ابدالی نے فوجی کونسل (اسمٰعیل آباد) میں سکھوں کے خلاف جنگ کا ارادہ کیا اور دلّی کی طرف یلغار کرنے کا اعلان کر دیا جہاں سکھوں نے لوٹ مار کر رکھی تھی تب نجیب الدولہ نے راؤ میگھ راج اور یعقوب علی خاں سے مشورہ کیا اور ابدالی سے گزارش کی کہ اگر حضور نے دلّی جانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو حضور کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن حضور بغیر کسی شک و شبہ کے یہ یقین کر لیں کہ اس جنگ میں ہندوستان کا عام شہری بھی ہلاکت سے بچ نہیں پائے گا۔ جہاں جہاں سے حضور گزریں گے آبادیاں ویرانوں میں بدل جائیں گی اور سارا ہندوستان ریگستان بن جائے گا جیسا کہ عہد گزشتہ میں ہو چکا ہے۔ اگر حضور اب بھی اپنے ارادے پر قایم ہیں تو سب سے پہلے مجھے قربان کر دیجئے اس کے بعد اپنے ارادے کی تکمیل کیجئے۔ یہ سن کر احمد شاہ ابدالی نے افغانستان لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے اسمٰعیل آباد سے کوچ کیا (17 مارچ 1767)۔ 18 مارچ کو انبالہ آیا اور سرہند کی طرف چل دیا۔[13]''

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ابدالی کے فیصلہ کی تائید میں یہ واقعہ دوہرانا بھی درست ہوگا کہ اُس نے پانی پت کی جنگ میں فتح یابی کے بعد نجیب الدولہ کو دلّی حکومت کا مدارالمہام بنا کر شجاع الدولہ اور گنگا کے دوآبہ کے روہیلہ سرداروں اور احمد خاں بنگش سے کہا تھا کہ وہ مراٹھوں اور جاٹوں کے خلاف مشترکہ فوجی محاذ بنائیں اور شاہ عالم کو بادشاہ بنا کر اپنی اپنی جاگیرات اور دلّی حکومت کی حفاظت کریں لیکن یہ اتحاد نہیں ہوسکا۔

ابدالی نجیب الدولہ کی مجبوری بھی جانتا تھا جو تنہا ہندوستان کی تین بڑی طاقتوں مراٹھا، سکھ اور جاٹوں سے اُلجھا ہوا تھا۔ اپنی جاگیرات چھوڑ کر شاہ عالم ثانی کے تاج و تخت کی حفاظت کر رہا تھا اور بزدل لالچی بادشاہ الہ آباد کے قلعہ میں انگریزوں کا پنشن یافتہ حکمراں بن کر ذلّت کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس کے بعد وہ شجاع الدولہ کا دست نگر بن گیا تھا۔

نجیب الدولہ دلّی میں:- ''ابدالی کو افغانستان واپس لوٹنے کا مشورہ دے کر نجیب الدولہ نے 30 جولائی 1767 کو ابدالی کا کیمپ چھوڑ دیا۔'' (سرکار: ص 296) وہ دلّی آیا۔ اب اس کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ 1763 سے وہ مسلسل بخار میں مبتلا تھا اور اس کی وجہ اس کی دائمی بیماری چودھے پتّے (Inflamed Ulcer) تھی جس کا وہ جوانی میں شکار ہوگیا تھا۔ لیکن مسلسل جنگوں اور انتظامی امور میں مشغولیت کے باعث نہ تو علاج ہی کرا سکا اور نہ وقت نے اُسے آرام ہی لینے دیا۔ 1767 میں وہ بہت زیادہ بیمار رہا اور اسی بیماری میں سکھوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ یہ مقابلہ بھی ان سکھ دستوں سے تھا جو لوٹ مار کی غرض سے دوآب، دلّی، ہریانہ کے علاقوں میں گھس آئے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھے اور ان کی سرکوبی کے لیے نجیب الدولہ کو بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑ بھاگ کرنی پڑتی تھی۔

نجیب الدولہ نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ اب سکھوں کی اُبھرتی ہوئی طاقت کو چیلنج کرنا یا شکست دینا اس کے قبضے کی بات نہیں۔ افغان قوم کے نام پر گنگا کے دوآبے کے روہیلوں (حافظ رحمت خاں، دوندے خاں) وغیرہ سے اتحاد ممکن نہیں تھا۔ احمد خاں بنگش اس کی نظر میں ''اسپ معذور'' ہو گیا تھا۔ اُسے خود سخت آرام کی ضرورت تھی۔ شجاع الدولہ بھی بادشاہ اور انگریزوں کے معاملات میں الجھا ہوا تھا۔

اسی سال اُس نے جاڑوں میں اپنے لڑکے کلّو خاں (عجیب الدولہ) کی شادی آنولہ جا کر نواب سعد اللہ خاں مرحوم کی لڑکی سے بڑی شان و شوکت سے کردی۔[14] نجیب الدولہ کی صحت لگاتار گر رہی تھی اور سکھوں کی طاقت مسلسل بڑھ رہی تھی۔ دسمبر 1767 میں سکھ دوآب میں نانوتہ تک آ گئے۔ نجیب الدولہ کندھالا سے فوج لے کر چلا اور مظفر نگر تک آ گیا۔ اس نے سکھوں کو مار بھگایا۔ وہ نانوتہ سے جنوب کی طرف اسلام نگر چلے گئے اور بار بار شکست کھا کر راج گھاٹ کے راستہ سے فرار ہو گئے۔[15]

یہ اس کی آخری جنگ تھی۔ ضعیفی کی عمر میں بھی خوش قسمتی نے اس کا ساتھ دیا۔ لیکن اس فتح کے بعد بھی نجیب الدولہ نے یہ یقین کرلیا تھا کہ پنجاب کی طرف سے بار بار حملوں کو وہ روکا نہیں جا سکتا۔[16] یہ بھی حقیقت تھی کہ اگر اس کی صحت جواب نہیں دیتی تو وہ سکھوں پر قابو پا لیتا لیکن اس بیماری میں بھی اس کی طاقت کو چیلنج کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ حالات اور بیماری نے اسے کمزور کر دیا تھا لیکن ابھی شیر کی گھن گرج

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باقی تھی۔

نجیب الدولہ کے شکستہ اور مایوس دل کا اظہار ان دو خطوں سے ہوتا ہے جو اس نے زینت محل کو لکھے تھے جس میں اس نے اظہار کیا تھا کہ اس نے میدانی معرکوں میں فتح پالی ہے لیکن اب اس میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ دلّی حکومت اور خاندانِ تیموریہ کا تحفظ کر سکے۔ وہ آج بھی خاندان تیمور کا محافظ اور وفادار ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس کی زندگی میں شاہ عالم دلّی کے تخت پر بیٹھیں۔ وہ ان کی حفاظت کا ضامن و معاون ہے۔

سرکار ان خطوط کے مطالعہ کے بعد تاریخی حوالوں سے لکھتا ہے کہ قریب المرگ نجیب الدولہ نے مان لیا تھا کہ وہ حالات سے شکست کھا چکا ہے۔ سکھوں کی نئی ابھرتی ہوئی قوم، ہتھیاروں سے مسلح، ہندوستان جیتنے کے لیے بے چین نظر آرہی تھی۔ ابتدائی دور میں قایم ہوا مسلمان سرداروں کا اتحاد ختم ہو چکا تھا۔ یہ متحد قوم ٹکڑوں میں بٹ کر چیونٹیوں اور کیڑے مکوڑوں کی طرح رینگ رہی تھی۔ نجیب الدولہ نے اپنی وفاداری اور طاقت سے شاہی خاندان کو دشمنوں سے محفوظ رکھا لیکن اب سلطنت کا بوجھ اس کے کمزور کاندھے اٹھا نہیں سکتے تھے۔ وہ جسمانی طور پر بہت کمزور ہو گیا تھا۔ اس نے شاہ عالم کو لکھا:

''اس وقت تک میں نے نہایت استقلال اور ہمت سے وفاداری اور ایمانداری کے ساتھ جوان شہزادہ اور سابق ملکہ (زینت محل) کا تحفظ کیا ہے لیکن اب مجھ میں مزید تحفظ کرنے کی ہمت نہیں اور میری نظر میں خاندانِ مغلیہ تحفظ نہایت ضروری ہے۔ اب عالیجاہ دلّی تشریف لائیں اور اپنی عزت و ناموس کا تحفظ کریں۔''

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اُس نے ملکہ زینت محل کو لکھا: ''اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کو بحفاظت الہ آباد کے قلعہ میں بادشاہ شاہ عالم کے پاس پہنچا دیا جائے تو خادم یہ خدمت انجام دے سکتا ہے۔ اس وقت میں سکھوں کی ابھرتی ہوئی طاقت سے اپنا بھی تحفظ نہیں کرسکتا (26 مارچ 1768)۔ اُس نے سیاسی زندگی سے دست بردار ہو کر مکّہ جانے اور نجات پانے کی خواہش کا بھی اظہار کیا۔ (یہ مکتوب 26 مارچ 1768 کو تحریر کیا گیا) اُس نے اپنے نائب سلطان خاں، فوج اور اپنی املاک کو بھی دلّی سے ہٹا لیا۔''[17]

ضابطہ خاں کو جانشین بنانا:- اپنی زندگی سے مایوس ہو کر نجیب الدولہ نے پلان بنایا۔ سخت سردی کے موسم میں وہ دلّی سے حصار آیا۔ تمام سرداروں کو جمع کر کے اس نے ضابطہ خاں کی جانشینی کا اعلان کیا اور اپنے ہاتھ سے ضابطہ خاں کے سر پر جانشینی کا صافہ (Turban) باندھا اور تمام فوج کی سرداری اور املاک ضابطہ خاں کے سپرد کر دیں۔ ''اس نے اپنے جانشین کو نصیحت کی کہ فوج کے اُن تمام سرداروں کو سزا دے جو اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی موت کے بعد ان بغاوتوں کا سلسلہ پھر شروع ہو۔ اس انتظام کے بعد نجیب الدولہ عام زندگی گزارنے کے لیے نجیب آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ ضابطہ خاں جسے سیاسی معاملات میں کوئی تجربہ نہیں تھا اُس نے سکھوں کو رقم دے کر جلال آباد نہادی (جنوبی دلّی کے قریب) میں معاملہ کر لیا۔ نجیب الدولہ کے دو اعلیٰ سردار علی محمد کرد اور سید میاں اسرار الدّین (عرف لمبی میاں) نے ضابطہ خاں کی حکم عدولی کی جنھیں طاقت کے ذریعہ کچل دیا گیا۔ اس طرح ضابطہ خاں نے نجیب الدولہ کے جانشین کی حیثیت سے اپنی پوزیشن کو مستحکم کر لیا۔[18]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

15 اکتوبر 1769 کو نجیب الدولہ دلّی کی طرف آیا۔ بادشاہ کے جانشین مرزا جواں بخت سے ملاقات کی جس نے نہایت احترام سے اس کا خیر مقدم کیا۔ تین دن بعد ضابطہ خاں کو شہزادہ اور ملکہ کی خدمت میں پیش کیا۔ ان کی آمد پر قلعہ میں شاندار ضیافت اور محفل موسیقی کا اہتمام کیا گیا۔[19]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب پندرہ/فصل بیس

نجیب الدولہ اور مراٹھے

جس پرسکون زندگی جینے کی نجیب الدولہ نے آرزو کی تھی وہ اس کے نصیب میں نہیں تھی۔ وہ دلی حکومت کا منصب اعلی چھوڑ کر ابھی چین کی سانس لے بھی نہیں پایا تھا کہ اچانک 1770 کی ابتدا میں ستر ہزار فوج کے ساتھ رام چندر گنیش (نائب پیشوا) کی قیادت میں مراٹھوں کی تازہ دم فوج شمالی ہندوستان میں داخل ہوگئی۔ اس فوج میں رام چندر گنیش، ویسا جی کرشنا بنی والا (Visaji Krishna Biniwala) تکو جی ہولکر (Takoji Holkar) اور مہاد جی سندھیا جیسے لایق سردار تھے۔ ان سرداروں میں مہاد جی سندھیا نجیب الدولہ کے خون کا پیاسا تھا کیونکہ جنگ پانی پت میں اس کے خاندان کے تین لوگ (دتا جی، سایا جی، جنکو جی) قتل ہو چکے تھے اور مہاد جی زخمی ہو کر بچ گیا تھا لیکن زندگی بھر کے لیے لنگڑا ہو گیا تھا۔ مراٹھوں نے شمالی ہندوستان کے سرداروں کو خطوط لکھے کہ ان کی جاگیروں کو انھیں واپس کر دیا جائے یا پھر زرِ محصولات ادا کیا جائے۔

تکو جی ہولکر (جانشین ملہار ہولکر جو نجیب الدولہ کا سرپرست رہا تھا) نے ذاتی طور پر نجیب الدولہ کو خط لکھا کہ اب مراٹھا اور نجیب الدولہ کے درمیان صلح ہونا چاہیے اور جس دوستی کا سلسلہ پانی پت کی جنگ کے دوران ٹوٹ گیا تھا وہ دوستی پھر زندہ ہونا چاہیے۔

''نجیب الدولہ نے تکو جی ہولکر کو لکھا کہ بیماری کے باعث کمزور ہونے کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بعد اُس نے سارا انتظام اپنے بیٹے اور جانشین ضابطہ خاں کے سپرد کر دیا ہے اور وہ سیاسی زندگی سے دست بردار ہو چکا ہے پھر بھی اس کا جانشین اس تجویز کا خیر مقدم کرے گا۔ نجیب الدولہ جانتا تھا کہ اب حالات بدل چکے ہیں۔ اس کا سر پرست ابدالی افغانستان میں ملک کے اندرونی مسائل میں الجھ گیا ہے۔ نجیب الدولہ نے ضابطہ خاں کو لکھا کہ سخت مشکل در پیش ہے۔ اب ہندوستان میں کوئی طاقت ایسی نہیں جو مراٹھوں کا مقابلہ کر سکے۔ وہ بغیر ابدالی کی مدد کے ان سے مقابلہ نہیں کر سکتا اور ابدالی کی مدد کے بغیر وہ مراٹھوں سے بھی جنگ نہیں کر سکتا۔ اب ابدالی ہماری مدد کے لیے ہندوستان آنے کا ارادہ نہیں کر سکتا۔ ہماری قدیم فوج باقی نہیں رہی اور تمام سردار بچوں کی طرح آپس میں ایک دوسرے سے نفاق رکھتے ہیں۔ پہلے دکن کی خانہ جنگی کے باعث راجا مادھو سنگھ (پیشوا) اس طرف توجہ نہیں کر سکا لیکن دوسری مرتبہ رگھوناتھ راؤ نے اس طرف توجہ کی ہے۔ مراٹھوں کی خانہ جنگی اور آپسی نفاق ختم ہو گیا ہے۔ رگھوناتھ راؤ نے نظام الدولہ (حاکم حیدر آباد) سے صلح کر کے کرناٹک کا انتظام درست کر لیا ہے اور اس کی فوج اس طرف متوجہ ہوئی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میں مراٹھوں کی بربادی کا باعث ہوں۔ وہ یقینی طور پر میرے خلاف انتقامی کارروائی کرے گا۔ رؤسائے ہندوستان میں کسی کی جرأت نہیں جو ان سے مقابلہ کر سکے۔ اور میں بغیر ولایتی فوج (ابدالی) کے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر میں تندرست ہوتا اور گھوڑے پر سواری کرنے کے لائق ہوتا تو ایک بار پھر ان سے مقابلہ کرتا اور ہندوستان کے لوگوں کو بہت زمانے تک اس عذاب سے نجات دلا سکتا۔ ان حالات میں مناسب یہی ہے کہ میں ان سے صلح کی بات کروں۔"[19]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نجیب الدولہ کو معلوم تھا کہ ضابطہ خاں میں سیاسی تدبّر کی کمی ہے۔ اگر اس نے جوشِ جوانی میں ایک غلط قدم اٹھالیا تو ساری مملکت برباد ہو جائے گی۔ اس نے مراٹھوں سے روبرو بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔[20] اپنی ذہنی حالت کا اظہار نجیب الدولہ نے ایک خط میں شاہ عالم ثانی سے کیا ہے۔ ''میں نے وقت کو دھکّا دینے کے لیے اس قوم سے جنکی تعداد چونٹیوں اور ٹڈیوں سے بھی زیادہ ہے صلح کی بات کی ہے۔ میری دوستی اور وفاداری حضور کے ساتھ ہے۔ اسی لیے میں ابھی تک دلّی سلطنت کو باقی اور منظم رکھے ہوا ہوں۔''[21]

نجیب الدولہ کے لیے یہ سخت آزمائش کی گھڑی تھی۔ ایک طرف دلّی سلطنت کو باقی رکھنا تھا جس کا وارث شاہ عالم آرام سے انگریزوں کی پناہ میں قلعہ الہ آباد میں رہ رہا تھا اور دوسری طرف اسے اپنی جاگیرات کا انتظام کرنا تھا اور تیسرے اس کی طبیعت انتہائی ناساز تھی۔ اس حالت میں بھی وہ ''نجیب آباد سے کوچ کر کے دوآب میں ڈنکور آیا۔ خیمہ زن ہوا اور تکوجی ہولکر کے خط کے جواب میں لکھا کہ میرے اور ملہار ہولکر کے درمیان جو دوستی اور عہد و پیمان تھے وہ آج بھی تازہ ہیں بلکہ میں اس سے بھی زیادہ دوستی کا خواہش مند ہوں۔''[22]

نجیب الدولہ سے دوستی کی جائے یا جنگ؟ اس بارے میں مراٹھا سرداروں میں کافی اختلاف تھا۔ تکوجی نے رام چند گنیش سے بات کی تو اس نے نجیب الدولہ کے ساتھ دوستی کرنے کی تجویز پر خوشی کا اظہار کیا۔ اُسے تکوجی ہولکر کی یہ رائے پسند تھی کہ پہلے ہمیں نجیب الدولہ سے دوستی کرنی چاہیے کیوں کہ اگر ایسا نہیں کیا تو پار روہیلہ (حافظ رحمت خاں وغیرہ) اور شجاع الدولہ نجیب الدولہ سے اتحاد کرلیں گے اور اس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صورت میں ہمیں پھر مشترکہ اتحادی فوج سے زبردست جنگ لڑنی پڑے گی جس کا نتیجہ کچھ بھی برآمد ہوسکتا ہے۔ ہم دس سال بعد اس علاقے میں داخل ہوئے ہیں۔ اس درمیان میں حالات بالکل بدل چکے ہیں۔ اس لیے ہمیں بھی ہمارے اور نجیب الدولہ کے درمیان (1759-1761) جو کچھ ہوا اُسے بھول جانا چاہیے۔ یہ بات پرانی ہوچکی، نجیب الدولہ کی تجویز درست ہے کہ پہلے ہمیں جاٹ راجا جواہر سنگھ پر حملہ کرنا چاہیے۔ اس وقت وہ شمالی ہندوستان کا سب سے طاقت ور اور مال دار راجا ہے اور بعد میں احمد خاں بنگش اور کٹھیر کے روہیلوں اور شجاع الدولہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

رام چندر گنیش کو یہ بھی امید تھی کہ وہ نجیب الدولہ سے اتحاد کر کے ایک زبردست قوت بن جائیں گے اسی طرح وہ زرِمحصولات کی ادائیگی اور اپنے علاقوں پر قبضہ بحال کرنے کے لیے پار روہیلہ (حافظ رحمت خاں وغیرہ جنھیں ابدالی نے مراٹھوں کا علاقہ اٹاوہ وغیرہ دے دیا تھا) کو بھی مجبور کرسکیں گے۔ اس طرح بغیر طاقت کا استعمال کیے انھیں زرِمحصولات اور کھوئے ہوئے علاقے مل سکتے ہیں۔

اس تجویز کی سب سے زیادہ مخالفت مہادجی سندھیا نے کی۔ اس نے کہا:

''ایک عرصہ کے بعد ہم اس علاقے میں اس لیے آئے ہیں کہ ہم نجیب الدولہ سے اپنی بے عزتی کا انتقام لیں۔ اگر تم لوگ اس کے ساتھ عہد و پیمان باندھنے کے لیے راضی ہوتو یہ کام (انتقام) کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ پیشوا سے متعلق تمام مراٹھوں کی وہ تمام جاگیرات جن پر پانی پت کی شکست کے بعد قبضہ کرلیا گیا تھا ان پر روہیلوں کا قبضہ ہے اور وہ عرصہ دراز سے زرِمحصولات وصول کررہے ہیں۔ روہیلہ قوم نے ہماری عزت کو خاک میں ملا دیا ہے۔ خاص طور سے ہمارا سب سے بڑا دشمن نجیب الدولہ ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میرے خاندان کے تین آدمیوں کے قتل کا ذمہ دار یہی شخص ہے۔(دتا جی سندھیا، جنکو جی، سایا جی اور مہاد جی سندھیا جو جنگ پانی پت میں زخمی ہو کر ہمیشہ کے لیے لنگڑا ہو گیا تھا) اور تکو جی ہولکر نجیب الدولہ کو گلے لگانا چاہتا ہے۔کوئی بات نہیں۔ میں اس سلسلہ میں پیشوا سے ہدایات طلب کروں گا۔ پیشوا نے انتقامی کارروائی ترک کر کے صلح پر زور دیا۔ تکو جی ہولکر کے ذریعہ مراٹھا اور نجیب الدولہ کے درمیان صلح نامہ لکھا گیا اور حلف نامے کی رو سے نجیب الدولہ کی املاک سے تعرض نہ کرنے اور جاٹ راجا کے علاقوں کو فتح کرنے کے لیے نجیب الدولہ کی طرف سے مراٹھوں کو فوجی امداد دینے کے وعدے کیے گئے۔[23]

مراٹھوں نے نجیب الدولہ کے مشورے پر جنگ کا پلان بنایا۔ نجیب الدولہ نے وسط دوآب کے جاٹ علاقوں پر حملہ کیا اور اسی وقت مراٹھوں نے جمنا ندی کے مغربی کنارے کے جاٹ علاقے پر حملہ کیا۔ جاٹ راجا نے ڈگ پر رام چندر گنیش کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا لیکن خونریز جنگ کے بعد شکست کھائی (6 اپریل 1770)۔

نجیب الدولہ چندوس (چندوس چندوسی سے مختلف جگہ ہے جو علی گڑھ سے شمال مغرب میں بیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے) میں خیمہ زن ہوا (5 اپریل 1770) اور دو دن کے اندر روہیلوں نے نوح جھیل کے قلعہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور ندی عبور کر کے ان کی توپوں کو بھی قبضہ میں لے لیا۔ نجیب الدولہ نے بہت جلد ہی جیوار ڈنکور، ٹپل، داباہی وغیرہ کے جاٹ پرگنوں کے سرداروں کو مطیع بنا کر اپنے تھانے قایم کر دیے اور متھرا کے مقابل جمنا کے مشرقی کنارے پر خیمہ زن ہو گیا۔

لیکن اچانک مراٹھا سرداروں نے اپنی جاٹ پالیسی کو بدل دیا۔ مزید

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

علاقے جیتنے کے بجائے انھوں نے نجیب الدولہ سے کہا کہ جن جاٹ علاقوں پر اُسنے قبضہ کیا ہے اس کو جاٹ اور روہیلوں کے درمیان تقسیم کیا جائے۔ اس وقت مراٹھوں کی ستر ہزار فوج متھرا میں خیمہ زن تھی اور نجیب الدولہ کی مدد سے وہ جاٹ راجا نول سنگھ کو شکست دے سکتے تھے لیکن کچھ تو مہاد جی سندھیا کی مخالفت اور کچھ فوجی اخراجات کی فوری ضرورت نے مراٹھوں کو یہ سوچنے پر آمادہ کیا کہ کٹھیر کے روہیلہ سرداروں سے زرِ محصولات وصول کرے اور اپنے پرگنوں پر قبضہ حاصل کیا جائے۔

''تکوجی ہولکر پہلا مراٹھا تھا جس نے دریائے جمنا کو عبور کیا۔ نجیب الدولہ نے مجد الدولہ عبدالاحد خاں کو اس کے استقبال کے لیے بھیجا اور خود بھی لشکر سے نکل کر توپ خانہ سے باہر آیا اور ہولکر سے ملاقات کر کے اُسے اپنے خیمہ میں لے گیا۔ نجیب الدولہ نے ہولکر اور اس کے ساتھیوں کو خلعت دے کر عزت افزائی کی۔[24] (13 اپریل 1770)۔

ہولکر نے مراٹھا سرداروں کے فیصلہ کے بارے میں نجیب الدولہ کو آگاہ کیا اور اس سلسلہ میں مزید مشورہ کرنے اور فیصلہ کرنے کے لیے نجیب الدولہ کو آمادہ کرلیا اور اپنے مراٹھا کیمپ میں واپس چلا گیا۔ وعدے کے مطابق نجیب الدولہ اپنے کیمپ سے نکل کر (17 اپریل) مراٹھوں کے کیمپ کی طرف گیا جہاں ہولکر نے اس کا خیر مقدم کیا اور نجیب الدولہ کو اپنے خیمہ میں لے گیا۔ مزید گفتگو کے لیے 19 اپریل کا دن مقرر ہوا۔ نجیب الدولہ اپنے کیمپ میں واپس چلا گیا۔

نجیب الدولہ 19 اپریل کو تکوجی ہولکر کے خیمہ میں گیا اور یہیں پر رام چندر گنیش اور مہاد جی سندھیا سے نجیب الدولہ کا تعارف کرایا گیا۔ نجیب الدولہ نے سندھیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''جو کچھ خدا کی مرضی تھی وہی ہوا۔ میرے دل میں دتّا پٹیل کی طرف سے کوئی خلش نہیں تھی بلکہ میں اس سے خلوص سے پیش آتا تھا۔ اب جو کچھ تقدیر میں لکھا تھا وہ ہوکر رہا۔ اب بہتر یہی ہے کہ آپ اپنے دل سے میرے خلاف انتقامی کارروائی کو نکال دیں۔ مہاد جی سندھیا خاموش بیٹھا رہا اور صرف اتنا کہا کہ جو کچھ اللہ کی مرضی تھی وہ ہوگیا اب آئندہ کیا ہوگا یہ بھی اللہ جانتا ہے۔ دونوں نے رسمی طور پر ضیافت، پوشاک، جواہر اور ہاتھی وغیرہ ایک دوسرے کو پیش کیے۔ یہ ملاقات ختم ہوگئی لیکن طرفین کے دلوں میں کدورت باقی رہی۔[25]

''کچھ دن بعد نجیب الدولہ اور مراٹھوں کے درمیان فوجی کارروائی کا پلان ترتیب دیا گیا۔ 25 اپریل 1770 کو مراٹھا فوج نے جمنا کا مشرقی کنارا عبور کیا اور نجیب الدولہ کے کیمپ کے قریب خیمہ زن ہوگئی۔ نجیب الدولہ کے فوجیوں نے شکوہ آباد، سعد آباد اور نول سنگھ کے دوسرے پرگنوں پر قبضہ کرلیا (3 مئی 1770)۔ 10 مئی کو تکو جی ہولکر نے نجیب الدولہ کو خبر بھیجی کہ مراٹھا سردار نجیب الدولہ کے کیمپ پر حملہ کرکے قتل و غارت گری کرنا چاہتے ہیں۔ نجیب الدولہ نے اپنا خیمہ اکھاڑا اور علیگڑھ (کول) کی طرف چل دیا۔ بارش کی وجہ سے فوجی کارروائی منسوخ کرنا پڑی۔ مراٹھا بھی علی گڑھ میں آگئے۔[26] برسات کا موسم شروع ہونے والا تھا۔ لیکن جاٹوں سے صلح ہوگئی اور ساٹھ لاکھ روپیہ نقد لے کر ان کا ملک (مقبوضہ پرگنے) انھیں واپس کردیا۔[27]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب پندرہ/فصل اکیس

نجیب الدولہ، پار روہیلہ اور مراٹھا

چونکہ مراٹھوں کو فوری طور پر روپیوں کی ضرورت تھی اور یہ ضرورت جاٹوں کے علاوہ پار روہیلہ بھی پوری کر سکتے تھے لیکن نجیب الدولہ نہیں چاہتا تھا کہ مراٹھا کٹھیر میں لشکر کشی کر کے روہیلوں سے روپیہ وصول کریں۔ اول تو یہ روہیلہ اس کے ہم قبیلہ اور رشتہ دار تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ مراٹھوں کا اقتدار ناپسند کرتا تھا۔ وہ مجبوری اور زمانہ سازی کی وجہ سے مراٹھوں کے ساتھ تھا کیونکہ اُسے اپنے علاقے اور اپنے بیٹے ضابطہ خاں کا تحفظ کرنا تھا۔ نجیب الدولہ کے لیے یہ بڑی آسان بات تھی کہ وہ مراٹھوں کا اتحادی بنکر پار روہیلہ اور احمد خاں بنگش کی املاک پر قبضہ کر کے ان کا اعتماد حاصل کر لیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس کی صدق دلی کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ اس نے بادشاہ شاہ عالم کو بڑے جذباتی انداز میں لکھا تھا کہ "مرنے سے پہلے میں صرف ایک بار آپ کو تخت شاہی پر جلوہ افروز دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں ایک بار پھر خاندانِ تیمور کے وارث کو تخت نشین دیکھ کر اس کے جاہ وجلال کو ان ڈوبتی آنکھوں سے دیکھنے کا آرزومند ہوں۔"[28]

رشید مزید تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ نجیب الدولہ کے ہم قوم (کٹھیر کے روہیلہ ماخذوں کے بیانات) اس کی ڈپلومیسی (Diplomacy) کا غلط مطلب نکالتے ہیں کہ اس نے اپنے ہم قبیلہ روہیلوں کے خلاف مراٹھوں کا ساتھ دیا تھا۔ وہ دھوکہ باز (Traitor) نہیں تھا بلکہ حقیقت پسند تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مراٹھوں کے ساتھ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جنگ کے نتائج خطرناک ہوں گے (خاص طور سے اس حالت میں جبکہ مہاد جی سندھیا اس کے خون کا پیاسا تھا۔) اور اگر مراٹھوں نے پار روہیلہ سرداروں کے مقبوضات پر قبضہ کرلیا تو کتنے تباہ کن نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ اگر اس کی صحت جواب نہیں دیتی تو شاید وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتا تھا۔[29]

نورالدین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سردارانِ روہیلہ نواب احمد خاں بنگش کے پاس فرخ آباد آ گئے تھے اور یہ طے پایا تھا کہ اگر حالات سازگار ہوئے تو جنگ کریں گے ورنہ پہلے کی طرف دامنِ کوہ کی قدرتی پناہ گاہ (چلکیا، لال ڈانگ، نانک متہ) میں چلے جائیں گے۔ حافظ رحمت خاں نے ایک خط نجیب الدولہ کو لکھا کہ وہ اس بُرے وقت میں ان کی مدد کرے جس کا جواب نجیب الدولہ نے دیا کہ مراٹھا دو ایک دن میں تم تک پہنچنے والے ہیں۔ تمہارے پاس ساٹھ ہزار فوج ہے اس کے بعد بھی تم بات چیت کے ذریعہ حل تلاش کررہے ہو اور وہ بھی ان حالات میں جبکہ نواب بنگش نے مراٹھوں سے معاہدہ کرلیا ہے اور تکوجی ہولکر نے کاس گنج تک اس کے مقبوضات پر قبضہ کرلیا ہے۔[30]

مراٹھوں کی اس مہم کی ناکامی پر تبصرہ کرتے ہوئے سرکار لکھتا ہے کہ اس مہم کے اختتام پر نجیب الدولہ نے یہ ثابت کردیا کہ وہ ڈپلومیسی میں تنگ نظر اور تنگ ذہن مراٹھوں سے بہت بالاتر ہے۔ مراٹھوں کا یہ پلان کہ وہ نجیب الدولہ کے ذریعہ بنگش اور پار روہیلوں سے روپیہ وصول کرلیں گے ان کی خام خیالی ثابت ہوا۔

ان روہیلہ سرداروں نے مراٹھا وفد کو دوٹوک جواب دے دیا کہ پہلے نجیب الدولہ سے روپیہ طلب کرو پھر ہم سے طلب کرنا۔ جب تک تم نجیب الدولہ سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وصول نہیں کرو گے اس وقت تک ہم نہ چوتھ دیں گے اور نہ ایک انچ زمین (اگست 1770)۔ اس جواب کے پس پردہ نجیب الدولہ کا دوہرا کردار (Double dealing) تھا جسے وہ سارے موسم برسات میں پار روہیلہ اور جاٹ راجا کے ساتھ خط کتابت کے ذریعہ مراٹھوں کے خلاف متحد کرنے کی کوشش میں انجام دیتا رہا تھا۔ جب اس کا ایک خط پکڑا گیا تب اس کی دھوکہ بازی کا پتہ چلا۔ مراٹھا اس بات سے بہت ناراض تھے کہ نجیب الدولہ اپنے ہم قبیلہ روہیلوں کو بچانے کے لیے مراٹھوں کو دھوکہ دیتا رہا اور اسی سازش کے ذریعہ مراٹھا چھ مہینے تک جھک مارتے رہے لیکن انھیں پار روہیلوں اور نواب بنگش سے ایک پائی بھی نہیں ملی۔ مراٹھوں نے کونسل میں نجیب الدولہ پر الزام لگایا کہ اس نے اپنے افغان بھائیوں کی خاطر مراٹھوں سے دغابازی کی ہے۔ نجیب الدولہ نے سخت لہجہ میں مراٹھا سرداروں سے کہا کہ موقع پرست مراٹھو! یاد رکھو کہ شیر ابھی زندہ ہے۔ اگر تم جنگ کرنا چاہتے ہو تو میں تم سے جنگ کے لیے تیار ہوں۔ میں بے عزّتی کے ساتھ تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ کیا تمہیں اس بات پر گھمنڈ ہے کہ میرے مقابلہ میں تمہارے پاس عظیم فوج ہے اور تم مجھے جنگ میں شکست دیدو گے۔ یاد رکھو! اگر میں مر کر زمین میں دفن بھی ہو گیا تو میری دس ہزار فوج تمہیں موت کے منہ میں ڈھکیلنے کے لیے کافی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مہادجی سندھیا میری جانب سے دل میں کینہ و بغض رکھتا ہے۔ اگر یہ مرد ہے تو میدان جنگ میں مقابلہ پر کیوں نہیں آیا۔ کیا ہر وقت یہی رٹ لگائے رہتا ہے کہ میں اس کے خاندان کے تین آدمیوں کا قاتل ہوں۔ یا تو یہ جنگ میں بدلہ لے لے یا پھر چوتھا مقتول بننے کے لیے تیار ہو جائے۔ ایک بہادر انسان کے ساتھ یہ سلوک مناسب نہیں۔ تم دیکھ چکے ہو کہ میں کیا کر سکتا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوں۔ اور میں تمہیں بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں ابھی یہاں سے روانہ ہو جاتا ہوں۔ بڑی منّت کے بعد آنند راؤ نرسی نے نجیب الدولہ کے غصہ کو ٹھنڈا کیا۔[31]

رات گزر گئی تو تکوجی ہولکر نجیب الدولہ کے خیمہ میں آیا اور رات کی سخت کلامی پر نجیب الدولہ سے معافی مانگی۔ اس سخت کلامی کے بعد بھی مراٹھا نجیب الدولہ سے تعلقات ختم کرنا نہیں چاہتے تھے کیوں کہ اس کی مدد کے بغیر یہ مہم بھی باہو کی مہم کی طرح ناکام ہو جاتی اور پونہ دربار میں انھیں شرمندگی کے ساتھ خالی ہاتھ لوٹنا پڑتا۔

27 ستمبر 1770 کو نجیب الدولہ اور جاٹ وفد کے ساتھ کافی بحث و مباحثہ کے بعد مراٹھوں اور جاٹوں میں سمجھوتہ عمل میں آیا اور جاٹ راجا نول سنگھ 65 لاکھ روپیہ تین سال کی مدت میں دینے پر راضی ہو گیا اور چوتھے سال سے اُسے گیارہ لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرنے تھے۔ نجیب الدولہ نے ضابطہ خاں کا ہاتھ تکو ہولکر کے ہاتھ میں دیا اور آبدیدہ ہو کر اس سے کہا: ''مجھے یقین ہے کہ تم ضابطہ خاں کے ساتھ اسی طرح پیش آؤ گے جس طرح تمہارا باپ (ملہار راؤ ہولکر) میرے ساتھ پیش آیا تھا۔ تم اس کے ساتھ شفقت اور دوستی کا برتاؤ کرو گے۔'' اس کے بعد نجیب الدولہ نے سرداران روہیلہ سے رُخصت لی اور نجیب آباد کی طرف پلنگ پر لیٹ کر روانہ ہو گیا۔ وہ چندوس کے راستہ سے سکندرہ آباد آ گیا (6 اکتوبر 1770)۔ نجیب آباد سے تھوڑی دور ہاپڑ میں تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا (31 اکتوبر 1770)۔ اس کا آخری فرمان تھا ''گڈھ مکتیشر پر اشنان کرنے والے عقیدت مند ہندوؤں کا مال و اسباب نہ لوٹا جائے۔''[32]

شمالی ہندوستان کا شیر مر چکا تھا۔ مسلسل دس سال تک بے تاج بادشاہ کی دلّی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حکومت وفادار نگہبان سے محروم ہوگئی۔ پانی پت کی تیسری لڑائی (1761) کے شکست خوردہ مراٹھوں کو من مانی کرنے کا پورا موقع مل گیا۔ نجیب الدولہ کی طرف سے شک وشبہ میں مبتلا رہنے والے ہم قبیلہ روہیلوں اور بنگش پٹھانوں کو اس کی موت کے بعد احساس ہوا کہ جنگل میں شیر کی زندگی کی اہمیت کیا ہوتی ہے۔[33]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نواب نجیب الدّولہ ـــــ مصوّر حسن علی خراسانی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نجیب الدولہ-تاریخ ساز شخصیت

دلّی جانے سے پہلے (جون 1753) وہ پار روہیلہ فوج میں جماعدار تھا۔ تلوار چلانا، بندوق کا نشانہ لگانا اور جنگ کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ ملکی معاملات، انتظامی امور اور معاملاتِ بندوبست میں تجربہ کار تھا۔ دلّی پہنچ کر اس کی فطرت میں چھپی ہوئی تمام خوبیاں اجاگر ہوگئیں۔ اس نے اپنی جاگیر کا انتظام اور تحفظ بڑی خوبی سے کیا اور دھیرے دھیرے دلّی کی سیاست، امراء کے مزاج اور ملک گیر سیاست سے بھی آشنا ہوگیا۔ اس نے اپنے ہم قبیلہ روہیلوں سے بھی اتحاد کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا لیکن اس نے بیرونی طاقت ابدالی اور مراٹھا سردار ملہار راؤ ہولکر اور شجاع الدولہ سے دوستی کر کے یہ ثابت کردیا کہ وہ روہیلہ سردار ہی نہیں بلکہ وسیع النظر مدبر اور سیاسی ذہن کا مالک ہے۔ نواب شجاع الدولہ صوبیدار اودھ جو ہمیشہ کٹھیر کے روہیلوں کی دغابازی اور عہد شکنی سے نالاں رہا، صرف نجیب الدولہ کو ہی قابل اعتبار سمجھتا تھا اور اس تعلق کو مرتے دم تک دونوں نے بخوبی نبھایا بھی۔ اس نے دلّی حکومت کا ریجنٹ بنکر دس سال تک بادشاہ سے وفاداری اور انتظام مملکت میں مہارت کا ثبوت دے کر یہ ثابت کردیا کہ وہ محض طاقت کا بھوکا اور اقتدار و ہوس کا حریص نہیں بلکہ اس کا مقصد سلطنتِ مغلیہ کی بقا اس کی حفاظت، بادشاہ کی اطاعت و فرماں برداری ہے۔ یہی وہ جذبۂ صادق تھا جس کی خاطر وہ زندگی بھر تپتا رہا۔ جاٹوں، مراٹھوں اور سکھوں سے لڑتا رہا اور سلطنت مغلیہ کی لرزہ براندام دیواروں کو استحکام عطا کر کے محرومیوں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے اندھیروں میں امید کی شمع روشن کیے رہا کہ شاید ظلِ الٰہی تخت نشین ہو کر بادشاہ کے فرائض انجام دیں اور وہ سیاست سے دست بردار ہو کر رفریضۂ حج ادا کرنے چلا جائے۔

نجیب الدولہ کے کردار کو سرکار نے بیان کیا ہے ''وہ اعلیٰ درجہ کا فوجی، بلند پایہ منتظم، مدبرانہ صلاحیتوں کا مالک، معاملہ فہم، غرضکہ تمام اعلیٰ صفات اس کی ذات میں یکجا ہو گئی تھیں۔ اس دور میں سوائے ابدالی کے کوئی شخصیت ایسی نہیں تھی جو نجیب الدولہ کا مقابلہ کر سکتی۔ جاٹوں اور مراٹھوں سے دلّی حکومت کا دفاع کرنا، سکھوں کے بھاگتے ہوئے فوجی دستوں کا پیچھا کرنا، ان کے لوٹ مار کرنے والے دستوں کا تعاقب کرنا، بُوانہ کا مٹی کا قلعہ بنا کر مدافعانہ جنگ کی نئی ترکیب ایجاد کرنا اور ہندوستان کو یہ سکھانا کہ بغیر توپوں اور بندوقوں کے تحفظ کس طرح کیا جاتا ہے۔ اُسے جنگ کے تینوں طریقوں (مدافعت، حملہ، تعاقب) میں مہارت حاصل تھی۔ نجیب الدولہ کی تاریخ پڑھکر تاریخ نویس یہ طے نہیں کر پاتے کہ اس کی کس حیثیت سے زیادہ تعریف کی جائے۔ اس کی فوجی قیادت، مشکل ترین حالات میں صحیح نتیجہ اخذ کرنا یا اس کی پیدائشی خوش قسمتی جو تذبذب اور اندھیرے میں بھی روشنی دیکھ لیتی تھی۔ اس کے حقیقت پسندانہ مزاج نے اُسے سب سے زیادہ فائیدہ پہنچایا۔''

(Sarkar : vol. iii, 305)

''وہ جنگ کو مسئلہ کا حل نہیں سمجھتا تھا۔ وہ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ ملکی معاملات اور انتظامی مسائل آپسی بات چیت اور باہمی رضامندی سے طے ہو جائیں۔ معاملہ فہمی، حقیقت پسندی، نکتہ دانی، اور مردم شناسی اس کے کردار کی نمایاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خصوصیات تھیں۔اس نے کبھی بھی جذباتی ہوکر اپنے جذبات کے زیر اثر فیصلہ نہیں کیا اور نہ کسی معاملہ میں حد سے تجاوز کیا۔ ہمیشہ میانہ روی اور اعتدال کے راستہ کو اپنایا۔ وہ اپنے عہد کا نیک، نرم دل، مستقل مزاج اور مقبول عام انسان تھا۔"

(Rasheed S.A.)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب پندرہ/فصل تیئس

نجیب الدولہ کی سیاسی پالیسی

نجیب الدولہ نے اپنی سیاسی پالیسی کی بنیاد اس خیال پر رکھی کہ ہندوستان میں دوبارہ افغان حکومت کا قیام ناممکن ہے البتہ بادشاہِ ہندوستان کو روہیلہ طاقت کے زیرِ اثر لاکر ہی روہیلہ اپنی جاگیرات پر قابض رہ سکتے ہیں۔ اسی لیے اس نے ابدالی کو مستقل طور پر مددگار بنالیا۔ وہ مراٹھوں کی ابھرتی ہوئی طاقت سے بھی واقف تھا۔ وہ مراٹھوں کے لیے تاحیات چیلنج اور ناقابلِ شکست طاقت بنا رہا اور مراٹھا اس کے لیے ابدی چیلنج بنے رہے۔ اس نے شمالی ہندوستان کی سب سے بڑی طاقت سورج مل کو شکست دے کر اپنی طاقت کا لوہا منوالیا اور اس کے بیٹے جواہر سنگھ سے صلح کر کے سیاسی تدبر کا ثبوت دیا۔ وہ جانتا تھا کہ مستقبل میں مراٹھے اس سے انتقام ضرور لیں گے اس لیے اس نے مراٹھا کیمپ میں ملہار راؤ ہولکر کی شکل میں اپنا ہمدرد پیدا کرلیا تاکہ مراٹھوں کی خبریں ملتی رہیں اور مرنے سے پہلے اس نے ملہار ہولکر کے بیٹے تکوجی ہولکر کے ہاتھ میں اپنے بیٹے ضابطہ خاں کا ہاتھ دیکر ایک مراٹھا دوست پیدا کرلیا۔ لیکن اس کے جانشین ضابطہ خاں میں سیاسی شعور کی کمی تھی اس لیے وہ تکوجی ہولکر کی پشت پناہی کے بعد بھی مراٹھوں سے ٹکرا گیا۔

اپنے ہم قبیلہ پار روہیلوں کے لیے اس کے دل میں ہمدردی تھی۔ اس نے دلّی کی سیاست میں قدم رکھنے کے بعد سعد اللہ خاں کو دلّی بلانا چاہا تھا لیکن حافظ رحمت خاں کے پٹھان کے فطری حاسدانہ رویّہ نے پار روہیلوں کو نجیب الدولہ سے اتحاد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرنے سے دور رکھا حالانکہ بعد میں حافظ رحمت خاں اور نجیب الدولہ کے درمیان کئی موقعوں پر خوشگوار تعلقات کے واقعات بھی دکھائی دیتے ہیں لیکن یہ خوشگواری یا تو رسمی تھی یا پھر سیاسی ضرورت۔

عمر کے آخری حصّے میں اس نے مجبوراً مراٹھوں کا ساتھ دیا تھا لیکن اس نے پار روہیلہ سرداروں کو یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ راجا نول سنگھ (جاٹ راجا) کے خلاف تادیبی کارروائی میں مراٹھوں کی مدد کریں اور تکوجی ہولکر اور رام چندر گنیش سے دوستی کرلیں۔ نجیب الدولہ نے خاص طور سے اپنے سُسر دوندے خاں کو لکھا تھا کہ مراٹھوں کو زرِ پیشکش ادا کرنے کے بعد ہی مراٹھوں کی دست برد سے بچا جا سکتا ہے۔ لیکن دوندے خاں اور حافظ رحمت خاں مراٹھوں کی طاقت کا غلط اندازہ لگا کر آمادۂ جنگ ہو گئے اور نجیب الدولہ کی موت کے بعد انھیں مراٹھوں سے صلح کرنی پڑی اور زرِ پیشکش بھی ادا کرنا پڑا اور مستقبل میں مراٹھوں کو نظر انداز کر کے وہ اپنے بدترین دشمن شجاع الدولہ اور وارِن ہیسٹنگز کے خوبصورت جال میں پھنس کر جان، مال اور ملک گنوا بیٹھے (1774ء)۔

اگر نجیب الدولہ کی پالیسی کے اثرات کو گہرائی سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس کی حیات میں مراٹھوں کو من مانی کرنے کا موقع نہیں ملا۔ حالانکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا رویہ روہیلوں کے سلسلہ میں برادرانہ تھا لیکن شجاع الدولہ بھی پار روہیلوں کے خلاف، مخالفت کے باوجود کوئی تادیبی کارروائی کرنے کی جرأت نہیں کرسکا کیونکہ نجیب الدولہ سے دوستی کے باوجود وہ یہ جانتا تھا کہ روہیلوں کے ملک کٹھیر پر قبضہ کرنا نجیب الدولہ برداشت نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ ایسٹ انڈیا کمپنی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شجاع الدولہ، مراٹھے، جاٹ اور سکھ تمام طاقتیں یہ سمجھتی تھیں کہ نجیب الدولہ کی مدد کے لیے کسی وقت بھی ابدالی ہندوستان آ سکتا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی بھی یہی پالیسی رہی کہ شجاع الدولہ کو ہندوستانی طاقتوں سے اتحاد کرنے سے دور رکھا جائے اور شجاع الدولہ کی خواہش کے باوجود روہیلوں کو اتنا تنگ نہ کیا جائے کہ وہ دوسری طاقتوں سے اتحاد کی ضرورت محسوس کریں۔ اس لیے چھپرہ اجلاس (جولائی 1766) کے بعد شجاع الدولہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ کٹھیر کے روہیلوں سے بہتر تعلقات رکھے حالانکہ اس کی حریصانہ نظریں کٹھیر کے زرخیز علاقہ پر لگی ہوئی تھیں۔

وہ زندگی بھر مراٹھوں سے ٹکراتا رہا اور مراٹھا اس کی طاقت کا اعتراف کرتے رہے۔ عمر کے آخری دنوں میں بھی مراٹھوں نے جاٹ راجا نول سنگھ سے زرِ پیشکش حاصل کرنے کے لیے نجیب الدولہ کی مدد حاصل کی اور پار روہیلوں کے علاقے پر قبضہ نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ نجیب الدولہ کا رعب، دبدبہ، سیاسی تدبر اور طاقت مراٹھوں کے اعصاب پر حاوی تھی۔ وہ مراٹھوں کے کیمپ میں بیٹھ کر بھی مراٹھوں کے کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کی کوشش کرتا رہا اور اسی کیمپ میں موجود اس کا بدترین دشمن اور خون کا پیاسا مراٹھا سردار مہاد جی سندھیا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا جو بار بار مراٹھا سرداروں سے کہتا تھا کہ یہی وہ شخص ہے جس نے میرے خاندان کے تین سرداروں کا قتل کیا ہے۔ لیکن جیسے ہی مراٹھوں کو اس کی موت کے بعد انتقامی کارروائی کا موقع ملا مہاد جی سندھیا نے مردہ شیر کی مونچھیں اُکھیڑنے کے لیے اُس کی قبر کو کھود ڈالا اور اس کی لاش کی بے حرمتی کر کے اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

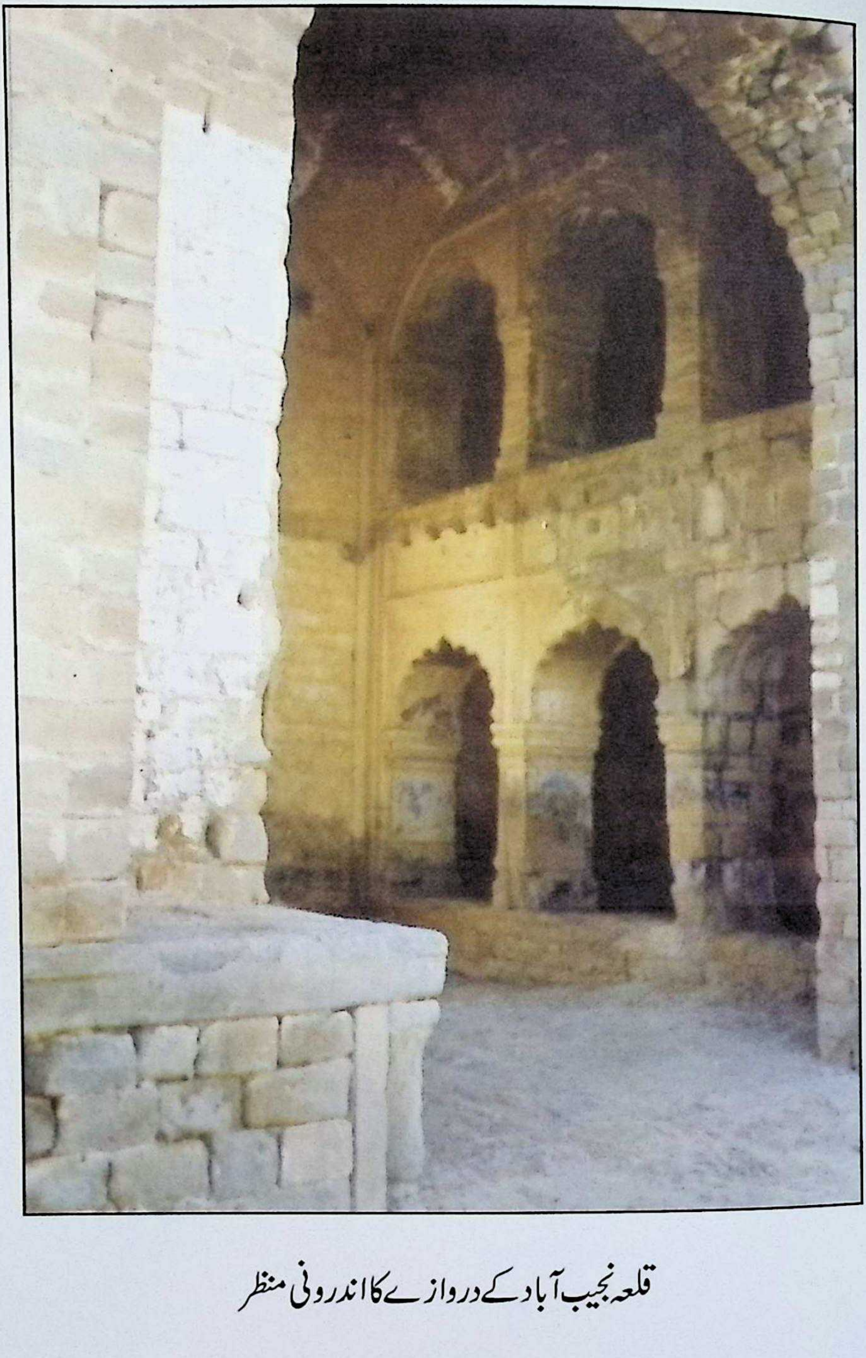

قلعہ نجیب آباد کے دروازے کا اندرونی منظر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نجیب الدولہ نے ملکی انتظام کی طرف خاص توجہ کی۔ اس نے جگہ جگہ روہیلوں کی بستیاں قایم کیں جن کا مقصد ملک کی اندرونی بغاوتوں پر کنٹرول کرنا اور بیرونی حملہ آوروں کو روکنا تھا۔ نجیب آباد سے نومیل کے فاصلہ پر بسی کوٹلہ اس کی مثال ہے جہاں اس کا بھائی باز خاں رہا کرتا تھا۔ اسی طرح اُس نے تحفظی نقطہ نظر سے افضل گڑھ تعمیر کرایا جو اس کے بھائی افضل خاں کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے جاگیر کے وسیع رقبہ کو ضلعوں میں تقسیم کر دیا جس سے اس کو دو مقصد حاصل ہو گئے۔ ایک طرف انتظامی معاملات میں سہولت اور معاشی ترقی ہوئی دوسری طرف اس کے سرداروں کو ضلع کا منتظم ہونے کے ناطے ملٹری جنرل اور آفیسران کے عہدوں میں یکسانیت ہو گئی اور یہ احساسِ کمتری کا شبہ بھی دور ہو گیا کہ وہ کسی بڑے منصب دار کے ماتحت ہیں۔ یہ کام روہیلوں کی فطری انا کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا گیا تھا کیوں کہ پٹھان کسی کا محکوم ہونا پسند نہیں کرتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

Sarkar : vol. ii 330 -1

Rasheed : Lxxx, quoted Nuruddin -2

" " " -3

Iqbal: 112,113, quoted Bihari Lal 8, Persian Sources -4 vol. 101

Rasheed : Lxxxvi, Sarkar : vol. ii 336-337 -5

Sarkar: vol.ii 338-342, quoted Nuruddin (Eye- -6 witness) 74b-92b, D.C. (Fordates) Wendel 97-98, Ghulam Ali ii 220-231. Munna Lal, 93-98, S.P.D xxix 72,73,193. C.P.C. i 2457 and 59, 2533A.

Sarkar : vol. ii 290, quoted Nuruddin 72 -7

Sarkar : vol.ii 291, quoted Nuruddin 100b 109b, -8 D.C., S.P.D xxxix, 99,102,128,133, Miskin (Eye-witness)

Sarkar : vol. ii, 294 quoted Nuruddin 100b, 106a, -9 نورالدین(فارسی) 70

Sarkar : vol. ii 295, quoted S.P.D. xxix 99, xxvii -10 133, Patiala Records.

11-نورالدین(فارسی) 60

Sarkar : vol. ii, 366-367 quoted Miskin 268 -12 نورالدین(فارسی) 64

Sarkar : vol. ii 303 -13

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

14۔ ضمیمہ نمبر 4 دیکھئے۔

Sarkar : vol. ii 303 -15

Rasheed : Lxxxviii. -16

Sarkar : vol. 297, quoted C.P.C. 1101,847, S.P.D -17
xxix 143

Sarkar : vol. ii, 298, quoted Nuruddin 114a, 115a, -18
Miskin 270

Sarkar : vol. ii, 298 quoted Delhi chroricle -19

20۔نورالدین (فارسی) 68

Sarkar : vol. ii 299, quoted Munna Lal 107 -21

22۔نورالدین (فارسی) 68

Sarkar : vol. ii 300 -23

24۔نورالدین (فارسی) 70

25۔ نورالدین (فارسی) 70

Sarkar : vol. ii 301, quoted S.P.D. 214, D.C. -26

27۔نورالدین (فارسی) 70

Rasheed : Lxxxx -28

" " -29

30۔ نورالدین (فارسی) 71

Sarkar : vol. ii 304. quoted Nuruddin 122b. Munna -31
Lal 108

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں بیمار ہوں اور تم میرے محالات پر قبضہ کرلو گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ جب تک جسم میں ایک سانس بھی باقی ہے تم ہرگز میری جاگیر پر قبضہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ یاد رکھو! اگر تم نے ایسی حماقت کی تو تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔ اگر تم ابھی جنگ کرنا چاہتے تو بسم اللہ! یہ کہہ کر وہ پلنگ سے اٹھ بیٹھا جس پر بیماری کی حالت میں لیٹ کر آیا تھا۔ اس کے غصہ کو دیکھ کر سرداران مرہٹا ٹھنڈے پڑ گئے اور نرم لہجے میں گفتگو کرنے لگے۔"

(Foot note Sarkar: vol.ii 304 quoted Munna Lal and Nuruddin)

32- Sarkar : vol. ii 304-305, quoted Delhi Chronicle, Miskin 272, Nuruddin 123a, and Sarkar vol. iii 16-17

33- ضمیمہ 5

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب: سولہ　　　　　　　　　　فصل: چوبیس

پانی پت کی تیسری لڑائی کے بعد

کٹھیر اور فرخ آباد کے حالات

پانی پت کی تیسری لڑائی کے بعد ابدالی نے سردارانِ روہیلہ کو اٹاوہ وغیرہ کے علاقے ان کی خدمات کے صلہ میں انعام میں دیئے تھے لیکن یہ علاقے مراٹھوں کے قبضہ میں تھے جہاں پر مراٹھوں کے حاکم کرشنا اور بالا پنڈت تعینات تھے۔ ان علاقوں کو بزورِ شمشیر حاصل کرنے کے لیے حافظ رحمت خاں نے ملّا محسن خاں اور شیخ کبیر کو دس ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا جنھوں نے اٹاوہ، شکوہ آباد، امرکوٹ وغیرہ کے علاقوں پر قبضہ کر کے چوکیاں قایم کر دیں[1] (1175ھ - 1761ء)۔ اسی سال راجپوتانے میں زبردست قحط کی وجہ سے بہت سے مارواڑی اور میواتی کٹھیر میں آ گئے۔ حافظ رحمت خاں نے اُن پر ترس کھا کر پیلی بھیت میں شہر پناہ بنانے پر رکھ لیا۔ یہ لوگ دو برس تک مٹی کی دیوار بنانے کا کام کرتے رہے[2]

فرخ آباد پر شجاع الدولہ کی لشکر کشی:- یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب بادشاہ شاہ عالم بہار پر تین ناکام حملوں میں شکست خوردہ ہو کر بہار سے دلّی کی طرف لوٹ رہا تھا اور اس نے شجاع الدولہ کو اپنا وزیر بنا لیا تھا (15 فروری 1762)۔ جب بادشاہ اور شجاع الدولہ سکندرہ آباد آ گئے تو بادشاہ نے سرداران روہیلہ اور احمد خاں بنگش کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ اس وقت بادشاہ کو روپیہ کی سخت ضرورت تھی۔ اُس نے بندیل کھنڈ پر لشکر کشی کر کے روپیہ حاصل کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تھی۔ احمد خاں بنگش اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شجاع الدولہ کے تعلقات کشیدہ ہونے کے باعث احمد خاں بنگش نے بادشاہ کے حضور جانا مناسب نہیں سمجھا۔ اس پر شجاع الدولہ ناراض ہوگیا۔ اس نے احمد خاں بنگش کی بہت سی چوکیوں کو برباد کردیا۔ احمد خاں بنگش نے سردارانِ روہیلہ سے مدد طلب کی اور حافظ رحمت خاں اس کی مدد کے لیے فوج لے کر قادر گنج آ گیا۔

شجاع الدولہ نے بھی سعد اللہ خاں کی مدد حاصل کرنے کے لیے سالار جنگ کو بھیجا لیکن ان دنوں سعد اللہ خاں بہت بیمار تھا۔ لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ جنگ ہو۔ سالار جنگ جب لوٹ کر جا رہا تھا تو اسے دوندے خاں نے حراست میں لے لیا۔ اس بات کی اطلاع نجیب الدولہ کو ہوئی جو شجاع الدولہ کی درخواست پر دلّی سے چل دیا تھا۔ اس نے اپنے سُسر دوندے خاں سے سخت کلامی کی اور اُسے یاد دلایا کہ شجاع الدولہ وہی شخص ہے جس نے سکرتال کے محاصرے میں اس کی مدد کی تھی اور سالار جنگ کو ساتھ لے کر شجاع الدولہ کے پاس روانہ ہوگیا جو اس وقت قنوج میں تھا۔ احمد خاں بنگش نے دوسو پچاس کھانے کے خوان نجیب الدولہ کو بھیجے تو اس نے کھانا قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا "تم سے میرا قبائلی یا برادرانہ رشتہ باقی نہیں رہا۔ جو کوئی شجاع الدولہ کی راہ میں آئے گا میں اس کا سر کاٹ دوں گا۔" 3

احمد خاں بنگش اور حافظ رحمت خاں باہمی مشورے کے بعد سردارانِ روہیلہ نے (جن میں دوندے خاں شامل تھا) بادشاہ کے حضور حاضر ہو کر اس کی اطاعت کا اظہار کر کے معافی کے طلبگار ہوئے اور بادشاہ پر واضح کردیا کہ ہمارے اور شجاع الدولہ کے درمیان اختلاف صفدر جنگ کے زمانے سے ہیں بس اسی وجہ سے ہم لوگ حاضر نہیں ہوئے تھے۔ 4

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نجیب الدولہ نے شجاع الدولہ کو سمجھایا کہ انسان کو دو صورتوں میں طاقت ملتی ہے۔ یا تو اس کے ساتھ ہم قوم لوگوں کی تعداد زیادہ ہو یا پھر وہ خود طاقتور ہو۔ احمد خاں بنگش کے پاس ان دونوں میں سے کوئی خوبی نہیں۔ وہ اسپ معذور (احمد خاں لنگڑا تھا)۔ معزور گھوڑے (انسان) کے ساتھ جنگ کرنا مناسب نہیں۔ بہتر ہے کہ صلح پر رضامند ہو جائیے۔[5]

صلح کے بعد بادشاہ نے سردارانِ روہیلہ کو حسب حیثیت خطاب اور خلعت عطا کیے۔ حافظ رحمت خاں اٹاوہ کے سرکش زمینداروں کی شورش ختم کرنے کے لیے اٹاوہ چلا گیا اور عنایت خاں (پسر حافظ رحمت خاں) شجاع الدولہ کے ساتھ اودھ چلا گیا۔ وہ تمام چوکیاں جو احمد خاں بنگش کے علاقے کی ہٹادی گئی تھیں وہ دوبارہ بٹھادی گئیں۔ کچھ دنوں بعد کامیت کے زمینداروں نے سرکشی کی۔ حافظ رحمت خاں نے اودھ سے عنایت خاں کو طلب کیا۔ عنایت خاں پیلی بھیت آیا اور حافظ رحمت خاں کے حکم پر کامیت چلا گیا اور سرکش زمینداروں کی شورش کو ختم کیا۔[6] اس کے بعد عنایت خاں حافظ رحمت خاں کے پاس اٹاوہ چلا گیا۔

جنگ پٹنہ (13 مئی 1764):- بہار کی مہم میں تین بار ناکام ہونے کے بعد بادشاہ دلّی کے لیے روانہ ہوا تھا۔ نجیب الدولہ بھی اُسے بار بار دلّی بلا رہا تھا اور وہ خود بھی قرض دار ہو چکا تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ کمپنی سرکار سے صلح نہیں کرے گا۔ لیکن احمد خاں بنگش اور روہیلوں سے صلح کے بعد اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور اس نے بہار اور بنگال پر کمپنی سرکار کی حکمرانی کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ شجاع الدولہ نے تین لاکھ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روپیہ ماہانہ پر اپنی فوجی خدمات کی شرط پر بادشاہ کی مدد کرنے پر رضا مندی کا اظہار کیا۔

شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خاں سے مدد طلب کی۔ حافظ رحمت خاں نے پانچ ہزار سواروں کا دستہ عنایت خاں کے سپرد کر کے اُسے شجاع الدولہ کی مدد کے لیے روانہ کر دیا۔[7] جنگ پٹنہ کی بابت سرکار لکھتا ہے کہ دسمبر 1763 میں نواب قاسم علی خاں معزول ہوا اور انگریزوں نے اسے صوبہ بنگال سے نکال دیا۔ وہ بادشاہ شاہ عالم کے پاس فروری 1764 میں پہنچا۔ اس نے بادشاہ اور شجاع الدولہ کی فوجی خدمات کو خرید لیا۔ اس سودے بازی میں یہ طے پایا تھا کہ میر قاسم بادشاہ کو دس لاکھ اور شجاع الدولہ کو سترہ لاکھ روپیہ دے گا۔ بادشاہ کی سچی عذر خواہی[8] اور شجاع الدولہ کی لالچی طبیعت کا خاتمہ اس وقت ہوا جب جنگ بکسر (23 اکتوبر 1764) اور جنگ کوڑا (3 مئی 1765) میں شجاع الدولہ نے شکست کھائی۔ اس شکست کے ساتھ ہی شاہ عالم کی اس ذلت کا خاتمہ بھی ہو گیا جو وہ شجاع الدولہ کے ہاتھوں برداشت کرتا رہا تھا۔

جنگ پٹنہ میں غلام حسین مصنف سیر المتاخرین اور اس کا باپ ہدایت علی خاں موجود تھا۔ اس جنگ کے بیان کا اختصار اس طرح ہے۔ جنگ پٹنہ بغیر کسی فیصلہ کن جنگ کے ختم ہوئی۔ تقریباً ہر روز دونوں جانب سے جنگ ہوتی اور فوجیں واپس ہو جاتیں۔ شجاع الدولہ اور شاہ عالم پٹنہ کا محاصرہ ترک کر کے بکسر چلے گئے (ص 451)۔ موسیل جینٹل فرانس (جو پہلے بادشاہ کا ملازم تھا بعد میں وزیر کا ملازم ہو گیا تھا۔) نے بادشاہ کو اپنے خیمے میں محصور کر لیا (ص 447)۔ ایک دن عنایت خاں پسر حافظ رحمت خاں نے زبردست حملہ کیا (ص 441)۔ شجاع الدولہ کے پاس اس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قدر فوج تھی کہ جہاں تک نظر جاتی تھی فوج ہی فوج دکھائی دیتی تھی لیکن بدنظمی کا یہ حال تھا کہ جو کوئی فوج سے تھوڑا سا بھی دور ہو جاتا تھا اس کے لشکر کے فوجی اس کا سامان لوٹ لیا کرتے تھے۔ جس راہ سے گزرتے مخلوق خدا کو لوٹ کر بددعائیں پاتے۔ لشکر کیا تھا بس ایک شہر تھا جو ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کر رہا تھا۔ شجاع الدولہ کے کچھ قریبی خیر خواہوں نے اُسے مشورہ دیا کہ انگریزوں کی قواعد داں اور نظم وضبط کی پابند فوج سے مقابلہ کرنا فضول ہے۔ اُسے یہ بھی مشورہ دیا کہ انگریزوں کی جو فوج بکسر جارہی ہے اُسے راستہ میں روک کر حملہ کر دینا چاہیے۔ لیکن شجاع الدولہ نے کسی مشورہ کو قبول نہیں کیا (سیر المتاخرین 437-438)۔

کچھ دن بعد شجاع الدولہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور وہ پٹنہ سے محاصرہ اٹھا کر بکسر کی طرف روانہ ہو گیا اور عنایت خاں رخصت ہو کر کٹھیر آ گیا۔ اس کے ساتھیوں میں میر محمد خاں بابر گولی سے مارا گیا تھا اور مستقیم خاں زخمی ہو گیا تھا۔

شاہ عالم اور شجاع الدولہ کے حالات:- بکسر کی جنگ (23 اکتوبر 1764) اور کوڑا کی جنگ (3 مئی 1765) میں لگاتار شکست کے بعد شاہ عالم دل برداشتہ ہو کر انگریزوں کی پناہ میں چلا گیا۔ 16 اگست 1765 کو بادشاہ، شجاع الدولہ اور کمپنی سرکار کے مابین الہ آباد معاہدہ ہوا جس کی رو سے کوڑا اور الہ آباد کی آمدنی بادشاہ شاہ عالم کو دی گئی۔ چنار پر انگریزوں کا قبضہ بحال رہا۔ بنارس کا راجا بلونت سنگھ جو شجاع الدولہ کا زمیندار تھا اُسے بنارس مع غازی پور کے دے دیا گیا اور کمپنی سرکار نے اس کی نگرانی کی ذمہ داری لے لی۔ شجاع الدولہ پچاس لاکھ روپیہ تاوانِ جنگ دینے پر راضی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہو گیا۔ کمپنی سرکار اور شجاع الدولہ کے درمیان جنگی سمجھوتہ (Mutual Army Support) بھی ہو گیا۔ شاہ عالم کو صوبۂ اودھ کا حکمراں تسلیم کرلیا گیا۔ اس معاہدہ کی رو سے بادشاہ کو الہ آباد اور کوڑا کی آمدنی (اندازاً 28 لاکھ روپیہ سالانہ) اور صوبۂ بنگال کی آمدنی سے 26 لاکھ روپیہ سالانہ ملنا طے پایا لیکن بنگال کی آمدنی میں سے بادشاہ کو دو لاکھ روپیہ سالانہ مرزا نجف خاں کو دینا تھے جس کی ادائیگی کی ضمانت کمپنی سرکار نے لی تھی۔ بادشاہ کے تحفظ کے لیے الہ آباد میں کمپنی سرکار کا دستہ تعینات کر دیا۔

9 اگست کو کمپنی سرکار نے بادشاہ سے ایک اور معاہدہ بھی کیا جس کی رو سے تمام کمپنی کے زیر اقتدار علاقے کمپنی کے پاس رہیں گے۔ بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی بھی کمپنی سرکار کو مل گئی۔ ان دونوں معاہدوں سے بادشاہ کمپنی سرکار کا وظیفہ خوار بن کر رہ گیا۔[9]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1۔ شو پرشاد 62 الف ب، گل رحمت 63 ب

2۔ گل رحمت 64 الف ب- Sarkar : vol. ii 399

3۔ Rasheed S.A. LXXXIV

4۔ گل رحمت 67 الف ب۔

5۔ نورالدین (فارسی) 13

6۔ گل رحمت ورق 64 ب 66 الف

7۔ راجابلبند (بلور سنگھ) زمیندار بنارس جو انتہائی مغرور تھا عنایت خاں کے وسیلہ سے شجاع الدولہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ (سیر المتاخرین جلد دوم 336 کے مطابق عنایت خاں صرف ضامن تھا۔ وہ راجا بینی بہادر اور سید نورالحسن بلگرامی کے وسیلہ سے حاضر ہوا تھا)۔ پٹنہ میں شجاع الدولہ کے ناگا فوجیوں اور روہیلوں میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے عنایت خاں کو شجاع الدولہ نے واپس بھیج دیا تھا (گل رحمت 67 ب 69 الف)۔

8۔ شجاع الدولہ جنگ کو طول دے رہا تھا اور بادشاہ جنگ کا فیصلہ جلد کرنا چاہتا تھا کیونکہ غیر ضروری تاخیر کرنے سے وہ شجاع الدولہ کا قرضدار ہوتا جا رہا تھا۔ بادشاہ شجاع الدولہ سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا لیکن اسے رہائی کی جگہ شجاع الدولہ کے ہاتھوں ذلت اٹھانا پڑ رہی تھی۔ (سیر المتاخرین جلد دوم 444) Sarkar : vol. ii 399

9- Sarkar : vol. ii 401, quoted C.P.C, S.P.D.

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جنگ پانی پت 1761 کے بعد

کٹھیر میں روہیلہ مقبوضات

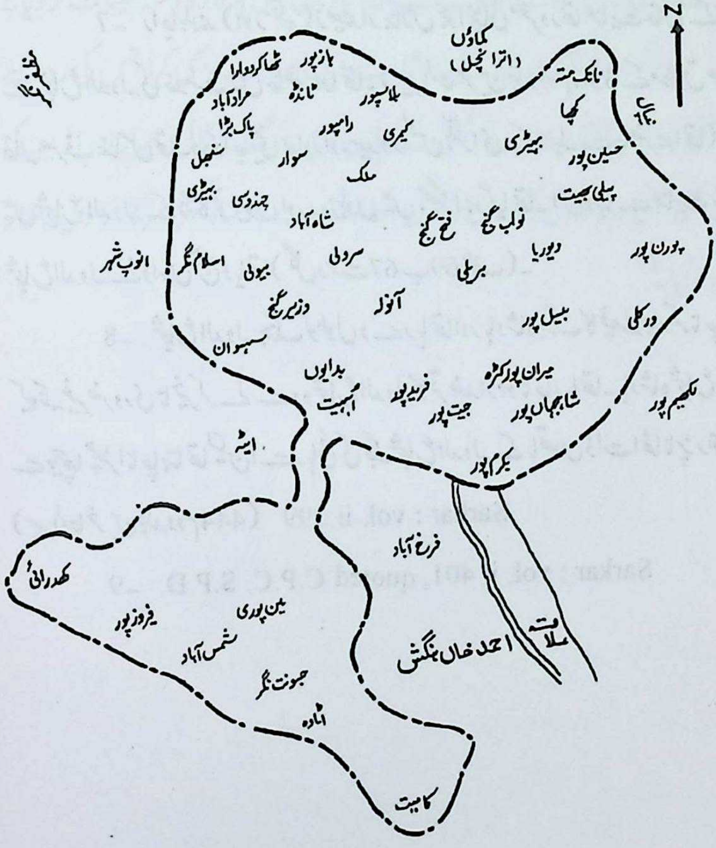

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب: سترہ　　　　فصل: پچیس

نجیب الدولہ کی وفات کے بعد

پار روہیلہ، احمد خاں بنگش اور ضابطہ خاں کے حالات

29 اگست 1770 کو مراٹھوں کا پانچ ہزار سواروں کا دستہ احمد خاں بنگش اور اٹاوہ وغیرہ کے علاقوں میں داخل ہونے کے لیے روانہ ہو چکا تھا لیکن وہ بارش کی وجہ سے گنگا کو عبور نہیں کر پائے تھے۔ 28 ستمبر کو نجیب الدولہ نے مراٹھا وفد سے گفتگو کر کے ان کی اور مراٹھوں کی صلح کرادی تھی (8 اکتوبر 1770) اور وہ اپنے جانشین ضابطہ خاں کو مراٹھا کیمپ میں چھوڑ کر نجیب آباد کی طرف روانہ ہو گیا تھا اور ہاپڑ میں 31 اکتوبر 1770 کو اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کی موت کے بعد مراٹھوں نے اپنی پالیسی کو بالکل بدل دیا۔ اب وہ نڈر ہو کر طاقت کے بل بوتے پر اٹاوہ وغیرہ کے محالات پر دوبارہ قبضہ کرنا، روہیلوں اور احمد خاں بنگش سے زرِ پیشکش وصول کرنا چاہتے تھے کیونکہ ان کی راہ کا کانٹا نجیب الدولہ ان کے راستہ سے ہٹ گیا تھا۔ ان علاقوں کی تسخیر کے لیے مراٹھوں کا پانچ ہزار فوجی دستہ 29 اگست 1770 کو روانہ ہو چکا تھا لیکن یہ دستہ کچھ تو موسم کی خرابی اور کچھ نجیب الدولہ کی مداخلت کے باعث دریائے گنگا عبور نہیں کر پایا تھا۔

نومبر کے وسط میں مراٹھا قنوج، اٹاوہ، شکوہ آباد کے علاقوں میں داخل ہو چکے تھے۔ احمد خاں بنگش مراٹھوں سے جنگ کرنے سے بچنے کے لیے انھیں خریدنا چاہتا تھا لیکن حافظ رحمت خاں نے اسے مراٹھوں سے جنگ کرنے کا مشورہ دیا[1]۔ اٹاوہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پر قبضہ کے سلسلہ میں سرکار کے بیان کا اختصار اس طرح ہے کہ مراٹھے روہیلہ سرداروں کو زرِ محصولات کی ادائیگی اور چوکیاں ہٹانے کے لیے پہلے ہی لکھ چکے تھے۔ (اُن علاقوں کی بابت جن پر جنگ پانی پت کے بعد روہیلوں نے قبضہ کرلیا تھا یعنی اٹاوہ، شکوہ آباد، پھپھوند وغیر کے علاقے) لیکن نجیب الدولہ نے مراٹھوں کی توجہ روہیلوں کی طرف سے ہٹا کر جاٹوں کی طرف موڑ کر ڈپلومیسی کا ثبوت دیا تھا۔ اگر پار روہیلہ اور احمد خاں بنگش نجیب الدولہ کے مشورہ کے مطابق مراٹھوں سے صلح پر آمادہ ہو جاتے تو حالات بہتر ہو سکتے تھے یا پھر وہ نجیب الدولہ کے مشورہ کے مطابق جاٹ، پار روہیلہ، احمد خاں بنگش اور نجیب الدولہ کی متحد طاقت بن کر مراٹھوں سے جنگ کرتے تو مراٹھا دکن کی طرف لوٹ جاتے۔ مراٹھوں نے دوآب کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ اٹاوہ کا محاصرہ کر کے رام چندر گنیش نے شیخ کبیر کو صلح کرنے پر مجبور کردیا۔ قلعہ میں موجود جنس، مال اور شیخ کبیر کی سہ بندی فوج کی تنخواہ کے طور پر اُسے پچاس ہزار روپیہ ادا کر دیا۔ فصیل پر توپیں چڑھوا دیں اور مراٹھا پرچم لہرا دیا۔[2]

اٹاوہ پر مراٹھوں کے قبضہ نے شمالی ہندوستان کی سیاست میں ہلچل پیدا کردی کیونکہ اٹاوہ پر مراٹھوں کی فوجوں کی موجودگی کوڑا کے لیے خطرہ کی گھنٹی تھی۔ شجاع الدولہ ہوشیار ہوگیا۔ اسے شک ہوا کہ کہیں مراٹھا صوبۂ اودھ پر قبضہ نہ کرلیں اس نے اپنے لڑکے کی نگرانی میں امراؤ گیر گسائیں کے طاقت ور دستہ کو کانپور کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے روانہ کیا۔ اس نے جنوری 1771 کی ابتدا میں کمپنی سرکار کے گورنر کو فوجی امداد کے لیے خط لکھا اور خود بھی کانپور آ گیا۔ پٹنہ میں موجود انگریزوں کو بھی مراٹھوں کی آمد سے خطرے کا احساس ہوا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لیکن اچانک مراٹھوں کی توجہ شمال میں احمد خاں بنگش کے علاقوں اور دلّی کی طرف مڑ گئی۔ اس وقت عماد الملک (سابق وزیر دلّی حکومت) فرخ آباد میں موجود تھا۔ اس نے روہیلوں اور احمد خاں بنگش کو مراٹھوں سے صلح کرنے پر راضی کرلیا۔ احمد خاں بنگش، حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں، مراٹھوں کے علاقوں پر دس سال تک قبضہ کر کے لگان وصول کرتے رہے تھے اس لیے وہ بائیس لاکھ روپیہ تین قسطوں میں دینے پر راضی ہوگئے۔ یہ معاہدہ تکوجی ہولکر کی غیر موجودگی میں ہوا تھا۔ جب اسے اطلاع ملی تو اس نے اس معاہدہ کو رد کردیا اور عماد الملک کو بنگش علاقہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور حکم عدولی کی صورت میں بنگش اور روہیلوں سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ عماد الملک ذلت آمیز طریقے پر اجمیر چلا گیا۔

ایک واقعہ 12 ستمبر 1770 کو اس وقت ہوا جبکہ لوٹ مار کرتے ہوئے مراٹھوں کو فرخ آباد کے نواح میں روہیلوں نے قتل کردیا اور حافظ رحمت خاں نے فرخ آباد کی حفاظت کے انتظامات اور زیادہ مضبوط کردیے۔ ہوسکتا تھا کہ اس واقعہ پر جنگ ہو جاتی لیکن مراٹھا سرداروں کے آپسی اختلافات نے جنگ کے خطرے کو ٹال دیا[3]۔ مراٹھا سرداروں میں اس بات پر اختلاف تھا کہ ضابطہ خاں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے جو اس وقت بھی ان کے ساتھ مراٹھا کیمپ میں موجود تھا۔ ویساجی کرشنا اور مہاد جی سندھیا کی رائے تھی کہ ضابطہ خاں سے 25 لاکھ روپیہ لے کر اسے عہدۂ بخشی پر قایم رہنے دیا جائے لیکن تکوجی ہولکر کی رائے تھی کہ اُس سے ایک پائی بھی نہ لیجائے اور اسے عہدۂ بخشی پر بحال رکھا جائے۔ ہولکر نے یہ تجویز بھی رکھی کہ اس کے عہدۂ بخشی کی تصدیق شاہ عالم بادشاہ سے کرادی جائے۔ ویساجی نے ہولکر سے کہا کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وہ ضابطہ خاں کو اپنے کیمپ سے رخصت کردے۔[4]

مراٹھا سرداروں میں اختلاف اس وجہ سے بھی اور بڑھ گیا تھا کہ عمادالملک نے مہادجی سندھیا کو اس بات پر راضی کرلیا تھا کہ احمد خاں بخشی سے کافی رقم لے کر اسے عہدۂ بخشی دے دیا جائے اور مہادجی کو بھی اس وقت روپیہ کی سخت ضرورت تھی۔ یہ بات ہولکر کے علم میں آ گئی ہوگی اس لیے اس نے عمادالملک کو احمد خاں بنگش کے علاقے سے نکل جانے کا حکم دیا تھا اور جنوری 1771 کے معاہدہ کو رد کردیا تھا۔ لیکن 26 جنوری 1771 کو پھر گفتگو شروع ہوگئی اور یہ طے پایا کہ احمد خاں بنگش دس لاکھ روپیہ اور حافظ رحمت خاں 22 لاکھ روپیہ ادا کرے گا[5] (S.P.D. xxix 313)۔

حالانکہ اس وقت رام چندر گنیش فوج کا سربراہ تھا لیکن ویساجی اور مہادجی کی سانٹھ گانٹھ نے انھیں طاقت ور بنادیا تھا اور رام چندر گنیش اور تکوجی ہولکر کو بے وقوف سمجھا جانے لگا تھا۔ اب مہادجی اور ویساجی کو طے کرنا تھا کہ میر بخشی کا عہدہ احمد خاں بنگش کو دیا جائے یا عمادالملک کو لیکن درپردہ یہ طے ہوگیا تھا کہ جو کوئی بھی زیادہ رقم دے گا میر بخشی کا عہدہ اسی کو دیا جائے گا۔ اوّل تو رام چندر گنیش اور تکو ہولکر اس فیصلہ سے ناراض رہے لیکن 26 جنوری 1771 کی میٹنگ کے بعد ایک دل ہو کر ضابطہ خاں کو میر بخشی کے عہدے سے ہٹانے کے لیے راضی ہوگئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

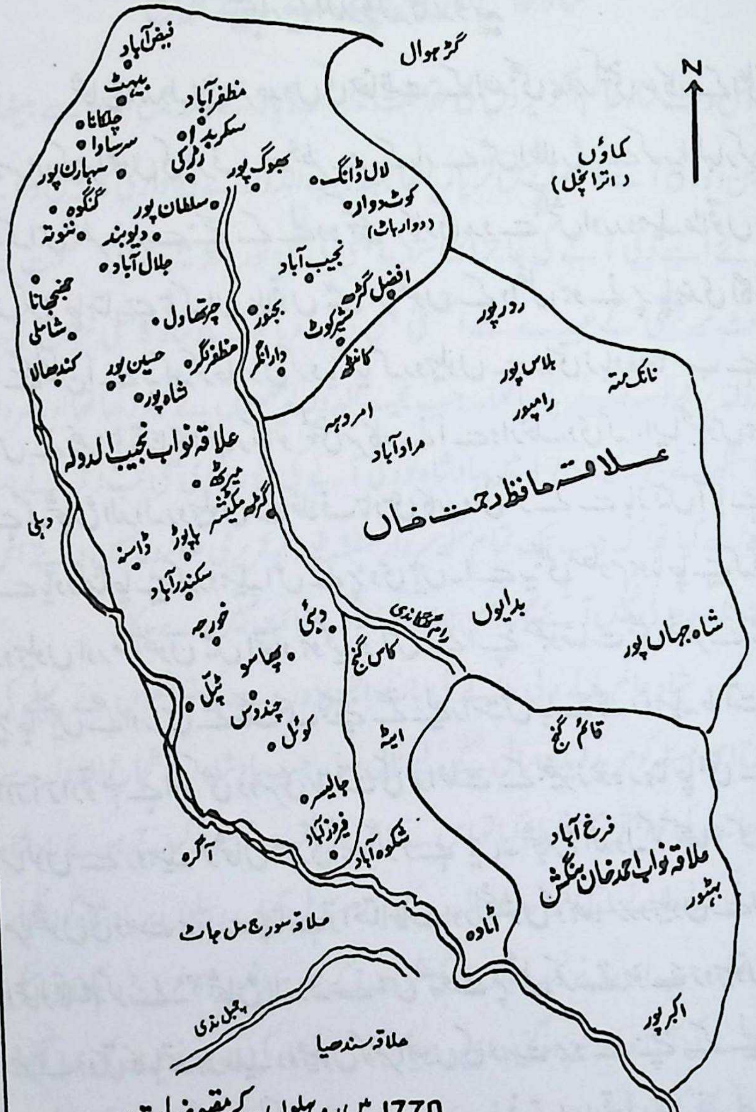

1770 میں روہیلوں کے مقبوضات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب سترہ/فصل چھبیس

شجاع الدولہ کا رویہ

شجاع الدولہ اپنی سرحدوں کی حفاظت کے بعد بھی برابر کمپنی سرکار کے اعلیٰ آفیسران کو مراٹھوں کی طرف سے خطرے کے بارے میں اطلاع دے کر یہ اظہار کرتا رہا کہ اس خطرے سے بچنے کے لیے وہ کمپنی سرکار کی مدد سے بنگش اور روہیلہ علاقوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تا کہ ان علاقوں میں مراٹھوں کے داخل ہونے پر پابندی لگائی جا سکے لیکن اُسے یہ کہہ کر خاموش کر دیا گیا کہ روہیلوں سے دوستی زیادہ مناسب ہے۔ اُس نے پھر اپنی تمنّا کا اظہار کیا تو کمپنی سرکار نے اُسے وارننگ دی کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شجاع الدولہ روہیلوں کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے سے باز نہیں آیا ہے۔ اسے یاد رکھنا چاہیے کہ روہیلہ اس کے پڑوسی ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اگر روہیلوں اور مراٹھوں میں اتحاد ہو گیا تو اس کے اپنے مقبوضات بھی خطرے میں پڑ جائیں گے اور اس کے ملک تک پہنچنے کے لیے راستہ مل جائے گا۔ روہیلہ طاقت ور اور آزاد قوم ہے اور کسی دوسری طاقت کی مداخلت کے بغیر زندہ رہنا چاہتی ہے۔ سالوں سے روہیلہ خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں۔ شجاع الدولہ کو سمجھاؤ کہ اگر مراٹھوں کی دست برد سے بچنا ہے تو اختلافات اور رنجشوں کو بھلا کر روہیلوں سے دائمی اتحاد قایم کر لے۔'' شجاع الدولہ نے اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے روہیلوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ روہیلوں کو مراٹھوں کی دست برد سے بچنے کے لیے دس ہزار فوجی امداد کی پیشکش کی لیکن حافظ رحمت خاں نے فوجی امداد قبول کرنے سے انکار کر دیا اور شجاع الدولہ سے اتحاد کرنے میں کسی دل چسپی کا اظہار نہیں کیا۔''[6]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شاہ عالم دلّی پہنچنے کے لیے بیچین

اس وقت شاہ عالم انگریزوں کی حفاظت میں الہ آباد کے قلعہ میں چین سے بیٹھا تھا لیکن وہ دلی آنے کا فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا جبکہ نجیب الدولہ نے وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے اسے دلّی آنے کی عاجزانہ استدعا بھی کی تھی اور بعد میں خرابیٔ صحت کے باعث میر بخشی کے عہدے سے استعفیٰ بھی دے دیا تھا۔ بادشاہ کا شکی مزاج نجیب الدولہ پر بھروسہ نہیں کر پا رہا تھا۔ جب نجیب الدولہ کو سکھوں نے گھیر رکھا تھا اور سردار جسا سنگھ نے جنوری 1768 میں بادشاہ کو دلّی آنے کی دعوت دی تھی تب اُس نے جسا سنگھ سے کہا تھا کہ جب تک تمام سکھ سردار متفقہ طور پر تحریری ضمانت نہیں دیتے اس وقت تک وہ دلّی نہیں آئے گا۔[7] لیکن جسا سنگھ مطلوبہ ضمانت نہیں دے سکا۔

شاہ عالم نے دلّی جانے کی بات انگریزوں سے کی تو انھوں نے پہلے کی طرح اس مسئلہ کو مزید ایک سال کے لیے ٹال دیا۔ جب بادشاہ نے شجاع الدولہ سے دلّی جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے اپنی دلی نفرت ظاہر نہ کرتے ہوئے بادشاہ سے دلّی لے جانے کے اخراجات طلب کیے اور مسئلہ ٹل گیا۔ روہیلوں پر بادشاہ کو اعتبار نہیں تھا۔ جب اس نے نجیب الدولہ کی موت کے بعد مراٹھوں کا عروج دیکھا تو اسکی دلّی جانے کی آرزو پھر تیز ہوگئی۔ اسی درمیان میں بادشاہ کی ماں نے اسے کئی خط لکھے اور زبانی بھی کہلوایا تب اس نے 20 دسمبر 1770 کو سیف الدین محمد خاں کی قیادت میں ایک وفد مراٹھا سرداروں کے پاس دلّی بھیجا۔ اس وقت دلّی شہر کے چاروں طرف

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تکو جی ہولکر نے قبضہ کر رکھا تھا۔قلعہ میں زینت محل اور شہزادہ فیروز بخت پر ضابطہ خاں کے تین ہزار فوجیوں کا پہرہ تھا۔ احمد خاں بنگش موت کے دن گن رہا تھا اور روہیلہ سردار دوندے خاں سخت بیمار تھا۔

مہادجی سندھیا نے اپنی طرف سے ایک خفیہ خط بادشاہ کو لکھا جس میں اُسے تخت نشین کرانے کا یقین دلایا گیا تھا اور الہ آباد سے دلّی لانے کے اخراجات ادا کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ دوسری جانب مہادجی نے ناقابلِ معافی عماد الملک کو دلّی بلانے کا انتظام کیا جو اجمیر میں رہ رہا تھا۔

شاہ عالم نے مراٹھوں پر یقین کر کے، مراٹھا فوج کی نگہداری میں دلّی کی طرف کوچ کرنے پر رضامندی کا اظہار کر دیا لیکن الہ آباد سے روانہ نہیں ہوا تھا کیونکہ قلعہ پر ضابطہ خاں کا قبضہ تھا۔ اس نے مراٹھا وفد کے ساتھ سیف الدین محمد خاں کو دلّی بھیج دیا۔ بادشاہ کا وفد 7 فروری 1771 کو دلّی میں داخل ہوا۔ دلّی گیٹ جو مراٹھوں اور گوجروں کے خوف سے بند کر دیا گیا تھا، ساکنانِ دلّی کو امن و امان بحال رکھنے کا یقین دلا کر کھول دیا گیا اور جامع مسجد کے منبر سے اعلان کیا گیا کہ اب بادشاہ شاہ عالم کی حکومت قایم ہوگئی۔ لیکن ضابطہ خاں کی طرف سے تعینات قلعہ دار شیخ قاسم علی خاں نے قلعہ کا دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔

مراٹھا فوج نے قلعہ پر گولے برسانا شروع کر دیے (9 فروری 1771) لیکن رات تک قلعہ دار دروازہ کھولنے پر رضامند ہو گیا اور دوسرے دن صبح کو بالا رائے نے شیخ قاسم علی کو گیارہ ہزار روپیہ اسکی سہ بندی فوج کی رقم دے کر قلعہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ ضابطہ خاں کے فوجی قلعہ خالی کر کے چلے گئے اور پانچ ہزار مراٹھوں کو قلعہ میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تعینات کر دیا گیا۔ اب سیف الدین محمد خاں نے مراٹھوں سے قلعہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کی بات کی۔ 15 فروری 1771 کو یعقوب علی اور رام چندر گنیش کے درمیان طویل گفتگو کے بعد مندرجہ ذیل شرائط کو تسلیم کر لیا گیا (12 مارچ 1771)۔

1۔ مراٹھوں کو چالیس لاکھ روپیہ، میرٹھ کے علاقہ کے علاوہ سات محال (پرگنے) دیے جائیں گے۔

2۔ بادشاہ پرگنہ کرا (جہاں آباد) اور پرگنہ کڑا (مانک پور) مراٹھوں کے سپرد کر دے گا اور اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہیں ہوا تو اس کے بدلے میں دلی کے آس پاس کے علاقے دیئے جائیں گے۔

3۔ مراٹھا دو مہینے کی مدت میں بادشاہ کو دلی لا کر تخت نشین کرا دیں گے۔

4۔ بادشاہ دس لاکھ روپیہ بیس دن کی مدت میں مراٹھوں کو ادا کرے گا تو قلعہ اس کے ایجنٹ کے حوالے کر دیا جائے گا۔

5۔ دلی آنے کے بعد پندرہ لاکھ روپیہ نقد یا پندرہ لاکھ آمدنی کا علاقہ مراٹھوں کو دے گا۔

بادشاہ کے جانشین (مرزا جواں بخت) نے بادشاہ کی طرف سے دستخط کیے اور شاہی مہر لگا دی۔ بعد میں ان شرائط کی تصدیق الہ آباد میں شاہ عالم نے بھی کر دی۔ 22 مارچ 1771 کو مراٹھا سردار مرزا جواں بخت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھیں خلعت اور کچھ روپیہ دیا گیا اور پہلی قسط کی ادائیگی کے بعد 2 اگست کو قلعہ کا چارج بادشاہ کے ایجنٹ کے حوالے کر دیا گیا۔

شاہ عالم الہ آباد سے 13 اپریل کو روانہ ہو کر سرائے عالم چند میں 19 دن

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تک شجاع الدولہ کا انتظار کرتا رہا۔ شجاع الدولہ آیا تو منیر الدولہ نے اس سے کہا کہ بادشاہ کو مراٹھوں کے چنگل میں پھنسنے سے روکا جائے لیکن شجاع الدولہ اس کی بچکانہ حرکتوں سے تنگ آ گیا تھا۔ اس نے 12 لاکھ روپیہ نقد اور زادِ سفر ہمراہ کر کے بادشاہ سے پیچھا چھڑا لیا۔ بادشاہ 2 مئی کو سرائے عالم چند سے روانہ ہوا تو منیر الدولہ نے بادشاہ کا ساتھ چھوڑ دیا (28 جون 1771)۔ جب وہ قنوج آیا تو اسے معلوم ہوا کہ احمد خاں بنگش کی موت ہو چکی ہے (17 اکتوبر 1771)۔ اس نے اس کے چیف منسٹر فخر الدولہ سے رقم طلب کی۔ اس نے انکار کر دیا اور ہزاروں روہیلہ فرخ آباد کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ بادشاہ نے مہاد جی سندھیا سے مدد طلب کی اور وہ فوج لیکر چل دیا۔ فخر الدولہ نے جنگ سے بچنے کے لیے چھ لاکھ روپیہ ادا کرنے کا اس شرط پر وعدہ کیا کہ اُسے بادشاہ کی طرف سے نوابی کا خطاب اور خلعت دیا جائے۔ بادشاہ نے شرط منظور کر لی اور 6 جنوری 1772 کو وہ دلّی کے قلعہ میں داخل ہو گیا۔[5]

شاہ عالم کی بے بسی:- شاہانِ مغلیہ کا پُر وقار تختِ شاہی، جس پر جلوہ افروز ہونے کی مدتوں سے تمنّا تھی، شاہ عالم کے لیے کانٹوں کی سیج ثابت ہوا۔ خزانہ خالی تھا۔ خالصہ زمینوں کی آمدنی جس کا چوتھائی حصہ نجیب الدولہ ادا کیا کرتا تھا، اس کی موت کے بعد وہ بھی بند ہو گئی تھی۔ دلّی حکومت کا سند یافتہ وزیر شجاع الدولہ بادشاہ کی تلون مزاجی اور بچکانہ حرکتوں سے ناراض ہو کر اپنی جاگیر پر بیٹھا ہوا تھا۔ میر بخشی اور امیر الامراء ضابطہ خاں بھی بادشاہ کے مراٹھوں کے چنگل میں پھنس جانے سے ناراض تھا۔ اس کی صحبت میں سیف الدین محمد خاں، حسام الدولہ، عبد الاحد خاں اور مرزا نجف

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاں جیسے ناتجربہ کار امیر موجود تھے اور اسے خود بھی حکمراں کے فرائض اور حکمرانی کا طریقہ معلوم نہیں تھا کیونکہ وہ شہزادے کی حیثیت سے دلّی چھوڑنے پر مجبوری میں نکلا تھا اور بارہ سال تک جلاوطنی کے دن گزار کر لوٹا تھا۔ دلّی آ کر اُسے احساس ہوا کہ اُس نے مراٹھوں سے دوستی کر کے بھول کی۔ اس برے وقت میں اُسے نجیب الدولہ کی یاد آئی جو لگ بھگ گیارہ سال تک اس کی مملکت اور اس کے خاندان کی پرورش اور نگہداری کرتا رہا اور اپنے ہم قوم روہیلوں کا خون ایک نادان حکمراں کی نگہداری میں بہا کر افغانوں کے کردار پر لگائے گئے اس الزام کو دھوتا رہا کہ افغان موقع پرست اور بے وفا ہوتا ہے۔ بادشاہ کو صلاح کار اور منتظم کی ضرورت تھی۔ اس کی نظر میں مرزا نجف خاں اور عبدالاحد خاں ہی اس قابل تھے جو کاروبارِ سلطنت میں اس کا ساتھ دے سکتے تھے اور خاص طور سے 45 سالہ مرزا نجف خاں جو ایران کے حکمراں طبقہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن وہ انگریزوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے بادشاہ کے کیمپ میں شامل ہوا تھا اس لیے قدرتی طور پر وہ مراٹھوں کے خلاف تھا۔

اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو شاہ عالم اور نجیب الدولہ کے تعلقات نہ دشمنی کے تھے اور نہ دوستی کے۔ اس لیے اس کی موت پر بادشاہ نے الہ آباد میں تعزیتی میٹنگ بھی کی تھی (دسمبر 1770)۔ ضابطہ خاں کو تعزیتی خط بھی لکھا تھا اور عہدۂ میر بخشی اور امیر الامراء کے خطابات باعزّت طریقے سے اس کے پاس بھیجے تھے اور اس سے کہا تھا کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ دلّی آئے۔ جس طرح اس کے باپ نے شاہی خدمات انجام دی ہیں اسی طرح وہ بھی انجام دے۔ بادشاہ نے یہ بھی لکھا تھا کہ وہ آدابِ شاہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے حضور اطاعت کا اظہار کرے اور نذر پیش کرے۔ اس نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شاہی جاگیرات کے حساب کو درست رکھنے اور کئی سال کے بقایا زرِ محصولات کی رقم پیش کرنے کی بھی ہدایت کی تھی۔ لیکن ضابطہ خاں نے بادشاہ کا بھیجا ہوا لباسِ فاخرہ تو پہن لیا لیکن بادشاہ کو ناکارہ اور بے اثر سمجھتے ہوئے اس کی ہدایات کو نظر انداز کر دیا۔ (29 دسمبر 1770) اور سند یافتہ میر بخشی اور امیر الامراء بن گیا۔ بادشاہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اُسے ان حالات میں کیا کرنا چاہیے۔ امراء میں اسے کوئی اپنا دوست دکھائی نہیں دیتا تھا البتہ مرزا نجف خاں ایسا شخص ضرور تھا جس پر وہ کسی حد تک اعتبار کر سکتا تھا۔[15]

حواشی 1۔ شو پرشاد (مخطوطہ) ورق 79 الف۔ گل رحمت (مخطوطہ) 78 ب

گل رحمت 79 الف تا 89 الف اور شو پرشاد 78 الف تا 79 الف میں ان واقعات کی تفصیل موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حافظ رحمت خاں نے اٹاوہ کو مراٹھوں کی دست برد سے بچانے کے لیے دوندے خاں سے مشورہ کیا تو اس نے سخت بیماری کے باعث اس مہم میں عدم شرکت کا عذر کیا لیکن عنایت خاں پسر حافظ رحمت خاں نے کہا ''اٹاوہ وغیرہ کی جاگیر مجھ کو دیدی جائے۔ میں تنہا اس کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔'' لیکن حافظ رحمت خاں نے اس مہم میں سردارانِ روہیلہ کی عدم شرکت کے باعث عنایت خاں کی گزارش کو قبول نہیں کیا۔ شیخ کبیر نے قلعہ بند ہو کر 14 دن تک قلعہ کا تحفظ کیا اور حافظ رحمت خاں کے مشورہ پر خورد و نوش کے سامان کا ایک لاکھ روپیہ لے کر صلح کر لی۔ لیکن شو پرشاد روپیہ لینے کا تذکرہ نہیں کرتا۔ شو پرشاد یہ بھی لکھتا ہے کہ اٹاوہ پر مراٹھوں کے قبضہ کے وقت نجیب الدولہ موجود تھا اور اس واقعہ کے بعد ہی وہ نجیب آباد کی طرف روانہ ہوا تھا لیکن مراٹھا ماخذوں سے اس کے بیان کی تردید ہوتی ہے۔

Sarkar: vol. iii 17.18, quoted C.P.C. iii. 305, 517, -2

518- S.P.D. xxix 311-313

Sarkar: vol.iii, 18-19. quoted C.P.C. iii 571, 605, 614 -3

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

Sarkar: vol.iii. 18.19. quated C.P.C. iii 571.605. 614 -4

گل رحمت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نجیب الدولہ کی مراٹھا کیمپ سے روانگی کے بعد ضابطہ خاں نے حافظ رحمت خاں سے گزارش کی تھی کہ وہ مراٹھا کیمپ میں بے دلی سے شریک ہے اور کیمپ چھوڑ کر جانا چاہتا ہے۔ اس نے حافظ رحمت خاں کو یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ اگر اٹاوہ مراٹھوں کے سپرد کر دیا گیا تو مراٹھا اسے جانے دیں گے۔ اس سلسلہ میں حافظ رحمت خاں نے خان محمد خاں کو مراٹھا کیمپ میں بھیج کر ضابطہ خاں کو جانے دینے کے لیے مراٹھا سرداروں کو راضی کرلیا تھا لیکن دوسرے دن ضابطہ خاں مراٹھوں سے رخصت لیے بغیر چلا گیا تھا (گل رحمت (مخطوطہ) 79 الف 89 الف) اور اسی وجہ سے مراٹھوں نے حملہ کیا تھا۔

5۔ دوآب کے نیوز لیٹر نے اطلاع دی کہ ''تمام مراٹھا سردار ویسا جی کے طرفدار ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ رام چندر گنیش بیوقوف ہے اور یہ سب کچھ مہاد جی کی شہ پر ہو رہا ہے۔ ویسا جی اور مہاد جی سندھیا احمد خاں بنگش کو میر بخشی بنانا چاہتے ہیں کیونکہ اس نے ایک بھاری رقم دینے کا وعدہ کیا ہے۔'' (C.P.C. iii 605)

جنوری 1771 کے رد کیے جانے والے معاہدے کی بابت اقبال حسین لکھتا ہے کہ بیس لاکھ روپیہ ادا کرنے کی تقسیم اس طرح تھی کہ احمد خاں بنگش کو 12 لاکھ روپیہ، حافظ رحمت خاں پانچ لاکھ پچاس ہزار روپیہ اور دوندے خاں کو دو لاکھ پچاس ہزار روپیہ ادا کرنے تھے۔ (ص 133)

Iqbal : 126, quoted C.P.C. iii, Letter 263 -6

Sarkar: ii, 402, quoted C.P.C. i, 2735,2735 A,ii 1101 -7

Sarkar : vol. iii 21,26, quoted C.P.C. iii 605, 655, -8
S.P.D. xxix 265, Ibrat. i 200

Sarkar : vol. iii 35, quoted Gauhar Ali ii 266, 283, -9
Munna Lal 1321 - 123 Miskin 272 - 273. DC

10۔ ضمیمہ 9 دیکھیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب: اٹھارہ فصل: اٹھائیس

بادشاہ شاہ عالم اور ضابطہ خاں کے درمیان

کشیدگی اور جنگ

ہندوستانی حکمرانوں کی تاریخ میں حکمراں کی موت کے بعد جانشینوں یا اولادوں میں خانہ جنگی ہونا ایک روایت بن چکی تھی اور زیادہ تر جانشینی بزور شمشیر حاصل کی جاتی تھی۔ یہ روایت پار روہیلہ سرداروں کے واقعات میں بھی دکھائی دیتی ہے۔نواب علی محمد خاں، دوندے خاں، مستقیم خاں اور نجیب الدولہ کی اولادیں تقسیم جائیداد کے لیے آپس میں لڑتی رہیں۔نجیب الدولہ کے بیٹے کلّو خاں نے ضابطہ خاں سے جھگڑا کیا تو اسے ضابطہ خاں کے چچا افضل خاں نے نگینہ سے بیدخل کر کے قید کر دیا اور اس کی بیوی اپنی ماں بیوہ نواب سعد اللہ خاں کے پاس آنولہ آ گئی۔ لیکن حافظ رحمت خاں کے سمجھانے پر کلّو خاں اور ملّو خاں (سوتیلے بھائی ضابطہ خاں) کو گزر اوقات کے لیے کچھ علاقے دے دیے گئے۔اس اندرونی مخالفت کی سزا مستقبل میں ضابطہ خاں اور پار روہیلوں کو دشمنوں کے ہاتھوں شکست کی صورت میں ملی۔

بادشاہ نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ضابطہ خاں نجیب الدولہ کی طرح باادب اور شاہی مملکت اور خاندان کا محافظ نہیں بلکہ وہ مغرور طبیعت اور غاصبانہ ذہن کا مالک ہے۔اسے یہ بھی معلوم تھا کہ مراٹھا کیمپ میں اس کا ہمدرد تکو جی ہولکر موجود ہے۔اس کے دل میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ اگر تکو جی ہولکر اور ضابطہ خاں نے متحد ہو کر طاقت حاصل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرلی تو وہ ضابطہ خاں کے ہاتھوں اور زیادہ مجبور ہو جائے گا۔ ویسے بھی وہ مراٹھوں کے ہاتھوں اتنا بے بس ہو چکا تھا کہ رعایا کی نظروں میں اس کی حیثیت مراٹھوں کے قیدی جیسی تھی۔ اس وقت دربار میں صرف نجف خاں ہی ایک ایسا لایق امیر تھا جس پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا لیکن اس کے خلاف بھی عبدالاحد خاں اور دوسرے امراء بادشاہ کے کان بھرتے رہتے تھے اور نجف خاں کی حالت یہ تھی کہ نہ اس کے پاس دولت تھی، نہ کوئی جاگیر تھی اور نہ اس کے زیر کمان فوج تھی پھر بھی اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ مرعوب ہونے والی شخصیت نہیں ہے۔

سیاسی حالات کے تحت بادشاہ نے ضابطہ خاں کے سلسلہ میں نرم رویّہ اپنا کر اُسے جشن تاج پوشی میں شرکت کا دعوت نامہ دیا کہ وہ دربار میں حاضر ہو کر نذر پیش کر کے اطاعت کا اظہار کرے۔ ضابطہ خاں نے دعوت نامہ ٹھکرا کر بے ادبی اور سرکشی کا ثبوت دیا۔ گوہر علی کے لفظوں میں سرکشی اس لیے تھی کہ اُسے جاگیر اور دولت وراثت میں ملی تھی اور وہ جوانی کے جوش میں سرشار تھا۔ بادشاہ مجبوری میں اس ذلت کو برداشت کر گیا لیکن ضابطہ خاں اور زیادہ مغرور ہو گیا۔ دوسرے جشن سالگرہ پر بھی اُسے شرکت کی دعوت دی گئی لیکن وہ حاضر نہیں ہوا جبکہ دوسرے امراء اور جاگیردار حاضر ہو گئے تھے۔ اب بادشاہ نے یہ طے کر لیا کہ ضابطہ خاں کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے۔ یہ کارروائی اس لیے بھی ضروری تھی کہ فوج کی تنخواہیں ادا کرنے کے لیے روپیہ نہیں تھا اور ضابطہ خاں نے شاہی املاک کی آمدنی کا روپیہ بادشاہ کو نہیں دیا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضابطہ خاں کے خلاف کارروائی:- شاہ عالم نے ضابطہ خاں کے خلاف تادیبی کارروائی جنوری 1773 میں شروع کی کیونکہ تاخیر کرنے کا مطلب تھا کہ دریاؤں کا ناقابل عبور ہو جانا۔ بادشاہ نے شاہی فوج کی کمانڈ مرزا نجف خاں کے سپرد کی اور مہادجی سندھیا تکوہولکر اور ویساجی کرشنا کی فوج کے ساتھ دلی سے روانہ ہو گیا۔ گیارہ دن بعد بادشاہ بھی روانہ ہوا اور وہ ہراول فوج کے پیچھے چلتا ہوا لونی، باغپت ہوتا ہوا چاند پور آ گیا جو رڑکی سے پندرہ میل فاصلہ پر گنگا کے مغربی کنارے پر ہے[1]

یہ خبر پاتے ہی ضابطہ خاں نے حفاظتی انتظامات شروع کر دیے۔ اپنے خاندان اور خزانے کو غوث گڑھ کے قلعہ میں بھیج دیا جہاں توپ خانہ کا انتظام تھا اور خود چار ہزار فوجی دستہ کے ساتھ سکر تال چلا گیا جہاں 1759 میں اس کے باپ نے دتا جی سندھیا کے خلاف جنگ میں پناہ لی تھی۔ اس نے باقی فوج کو قلعہ سے ہری دوار تک گنگا کے مشرقی کنارے کی حفاظت کے لیے 38 میل کی دوری تک پھیلا دیا تاکہ دشمن گنگا عبور نہ کر سکے۔ مراٹھوں کو 1759 کی مہم کی ناکامی کے اسباب کا بخوبی علم تھا اور وہ دوبارہ ناکامی کا سامنا کرنا نہیں چاہتے تھے اس لیے انھوں نے احتیاط سے کام لیا۔ اس کے علاوہ ان کے ساتھ مرزا نجف خاں جیسا لائق فوجی آفیسر بھی تھا جس نے انگریزی فوج میں رہ کر جنگ کا کافی تجربہ حاصل کر لیا تھا۔

مراٹھے سکر تال کے محاصرہ میں وقت برباد کرنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ یہی غلطی دتا نے کی تھی اس لیے وہ گنگا عبور کر کے نجیب آباد کے اندر داخل ہونے کا گھاٹ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تلاش کرنے لگے۔انھیں کئی جگہ گنگا کی پایابی کا پتہ چل گیا لیکن ان سب میں مناسب چاندی گھاٹ تھا اور گھاٹ کے دوسرے کناروں پر روہیلہ فوجیں تعینات تھیں جہاں انہوں نے خندقیں کھود کر خود کو محفوظ کرلیا تھا۔انھوں نے اسی گھاٹ سے گنگا عبور کرنے کا منصوبہ بنالیا۔

ضابطہ خاں نے سرداران پارروہیلہ سے مدد کی درخواست بھی کی تھی اور حافظ رحمت خاں نے مشورہ دیا تھا کہ بادشاہ سے جنگ کرنا مناسب نہیں ہے[2] لیکن وہ جنگ سے باز نہیں آیا تھا۔حافظ رحمت خاں نے اس کے پاس فتح خاں خانساماں کو بھیج دیا جو سکرتال کی حفاظت پر معمور کردیا گیا تھا۔لیکن اس وقت ضابطہ خاں یہ بھول گیا تھا کہ مراٹھوں سے جنگ (پانی پت) کے دوران ابدالی نے ندی کی حفاظت اور دشمنوں کی نگہداری کے لیے ایک فوجی دستہ کو تعینات کیا تھا جو دن رات باری باری گھوڑوں پر مسلسل گشت کیا کرتا تھا جبکہ ابدالی کے کیمپ میں ضابطہ خاں خود بھی موجود تھا۔اس بھولے ہوئے سبق کی سزا اس کو ملنا ہی تھی۔

17 ذی قعد 1185 ہجری (23 فروری 1772) کو آدھی رات کے وقت بادشاہ سے اجازت لے کر کوچ کے نقارے بجوائے گئے اور 24 فروری کو نجف خاں کی فوج گھاٹوں سے اس طرح گزری کہ روہیلوں کو یہ یقین ہوگیا کہ دشمن تنگ آ کر جا رہا ہے۔کچھ روہیلہ ادھر ادھر تعینات فوجیوں سے ملاقات کے لیے نکل گئے اور جو باقی رہ گئے وہ بے فکر ہو کر خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔اچانک اُنیسویں ذی قعد (24 فروری) کی رات مراٹھا فوج چاندی گھاٹ سے (بھینس گھاٹہ) ناہر سنگھ گوجر کی قیادت میں، ندی پار کرنے کے لیے گھس گئی۔شور کی آواز سن کر قریب تعینات کچھ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روہیلہ فوجی اور سردار مدد کو آ گئے۔ روہیلوں نے خندقوں سے بندوقوں اور راکٹوں سے حملہ کیا اور مراٹھا فوج کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا جو ندی کے درمیان میں آ چکی تھی۔ اچانک ادھر نجف خاں کا دستہ آ گیا۔ اس نے اونٹوں پر رکھے ہوئے زنبورک سے بہت ہی قریب سے روہیلوں پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملہ نے جنگ کا فیصلہ ہی کر دیا۔ کرم خاں رزّڑ اور دوسرے چار پانچ سردار جو صف اول میں جنگ کر رہے تھے بندوق کی باڑھ سے مارے گئے اور روہیلہ فوج نے بھاگنا شروع کر دیا۔ صرف سعادت خاں آفریدی چند سو بہادروں کے ساتھ نہایت استقلال اور جرأت کے ساتھ جنگ کرتا رہا۔ اس کا گھوڑا گولی سے مارا گیا۔ اس کی دونوں رانوں میں گولیاں پیوست ہو گئیں لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ دوسرا گھوڑا بدلا اور پھر جنگ کرنے لگا۔ زخم پر زخم کھاتا رہا لیکن منہ نہ موڑا۔ یہاں تک کہ زخموں کی تاب نہ لا کر گھوڑے سے گر پڑا۔

سعادت خاں کا بھائی صادق خاں جس کے جسم سے خون کی پھواریں پھوٹ رہی تھیں، وہ شیر کی طرح دشمنوں کو مارتا کاٹتا، ان ان (an an) کی آواز بلند کرتا نجف خاں کے ہاتھی کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں صرف ایک بھالا تھا۔ اس نے جنگ کے لیے نجف خاں کو للکارا۔ نجف خاں کے ہودے میں بیٹھے ہوئے فوجی نے اس کے گولی ماری تو وہ گر پڑا۔ اس کے گرتے ہی باقی فوج بھاگ پڑی۔[3] ان دونوں بہادر بھائیوں کے سر کاٹ کر نجف خاں نے بادشاہ کی خدمت پیش کیے۔ اس نے اپنی داڑھی پکڑ کر کہا۔ ''تم نے میری عزت بچا لی۔''[4]

سکرتال کے فوجیوں کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ بھاگنے لگے۔ فتح خاں خانساماں کی فوج بھی بھاگنے لگی۔ ضابطہ خاں کو افسوس اس بات پر تھا کہ یہ باقاعدہ جنگ نہیں تھی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صرف اچانک حملہ تھا جس نے اس کی فوج کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر بھی اس نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ نواب فیض اللہ خاں کے پاس آیا جو اس وقت چار ہزار فوجی دستہ کے ساتھ نجیب آباد کے قلعہ کے مقابل موجود تھا لیکن فیض اللہ خاں نے سکرتال جا کر جنگ کرنے سے منع کر دیا اور اسی دن رامپور کی طرف نکل گیا اور ایک رات راستہ میں ٹھہر کر دوسرے دن رامپور پہنچ گیا۔ اپنے خاندان کو ساتھ لیا اور ترائی جنگل میں چلا گیا۔

ضابطہ خاں اپنے قریبی رشتہ داروں کے برتاؤ سے دل برداشتہ ہو گیا جو اس بُرے وقت میں اس کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ادھر ضابطہ خاں کی غیر موجودگی میں سکرتال میں تعینات فوجی پریشان تھے۔ اس کشمکش کی حالت میں وہ فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ اچانک بھگدڑ مچ گئی۔ مراٹھوں کو لوٹ مار کا محبوب مشغلہ ہاتھ آ گیا۔ گھر جلنے لگے۔ فوجی بھاگنے لگے اور مغلیہ فوجیں ان کا تعاقب کر کے انھیں بھگانے لگیں[5]۔ قلعہ کے دستے نے مراٹھوں کا سخت مقابلہ کیا لیکن وہ جانتے تھے کہ قلعہ میں کھانے پینے کا کافی ذخیرہ ہونے کے باوجود مقابلہ کرنے سے کوئی فائیدہ نہیں ہوگا۔ اس لیے سلطان خاں نے قلعہ میں موجود عورتوں کی عزّت و آبرو کی حفاظت کا وعدہ لے کر قلعہ مراٹھوں کے حوالے کر دیا (16 مارچ 1772)۔ مراٹھا قلعہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور قلعہ خالی ہونا شروع ہو گیا۔ قلعہ میں پناہ گزیں متمول لوگوں نے قیمتی چیزیں قلعہ کے باہر گڑھوں میں پھینک دی تھیں۔ مراٹھوں نے غریب لوگوں کے کپڑے اتروا کر بھی تلاشی لی۔ مراٹھوں نے عورتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا لیکن بادشاہ کی فوج نے ان کو بھی لوٹنا شروع کر دیا۔ وہ ہاتھ کے اشارے سے عورتوں کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فوجی کیمپ میں لے گئے۔ چند دن بعد نجف خاں نے فوج کی نگرانی میں انھیں جلال آباد پہنچادیا جو روہیلوں کی آباد بستی تھی۔[6]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مراٹھا اور بادشاہ میں اختلاف

مراٹھا بیس دن تک مٹی میں دبائے گئے دفینوں کو کھود کھود کر نکالتے رہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے قلعہ کی ایک ایک عمارت کو کھود ڈالا۔ ان تمام قیمتی چیزوں پر بھی قبضہ کرلیا جنھیں قلعہ کے ساکنوں نے قلعہ سے باہر گڑھوں میں پھینک دیا تھا۔ جب ضابطہ خاں کٹھیر چلا گیا۔ مراٹھوں اور شاہی فوجوں نے ایک ایک گھر کو لوٹ لیا۔ لوٹ کے مال کی تقسیم پر بادشاہ اور مراٹھوں میں اختلاف شروع ہوگیا۔ مراٹھوں پر عہد شکنی کا الزام لگایا گیا اور یہ بھی الزام لگایا گیا کہ انھوں نے ضابطہ خاں کا توپ خانہ، خزانہ، ہاتھی، گھوڑے اور جملہ ساز وسامان اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔ صرف معمولی حصہ بادشاہ کو دیا ہے۔ بادشاہ نے مراٹھا وفد کو طلب کیا۔ مال کی تقسیم کو لے کر دونوں طرف سے سخت کلامی کے بعد مراٹھا وفد غصہ میں اٹھ کر چلا گیا (3 مئی 1772)۔

4 مئی کو بادشاہ نے راجا رام ناتھ کو مال کی تقسیم کے سلسلے میں مراٹھوں کے پاس بھیجا۔ گفتگو ناکام ہوگئی۔ آخر 11 مئی کو سندھیا کے ذریعہ معاملہ طے ہوگیا۔ پتھر گڈھ قلعہ سے جو مال ہاتھ آیا تھا اس میں سے نصف بادشاہ کو چوتھائی حصہ پیشوا کو اور باقی مراٹھا سرداروں میں تقسیم کردیا گیا۔ لیکن نقدی، ہاتھی، گھوڑا، جواہرات کو تقسیم نہیں کیا گیا۔ اس کے بدلے میں مہاد جی سندھیا نے دولاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا۔ بادشاہ کو اس بات پر افسوس ہوا کہ جتنا مال مراٹھوں نے لوٹا تھا اس میں سے اُسے بہت کم حصہ ملا ہے۔ 9 مارچ کو مراٹھا ایجنٹ نے پیشوا کو لکھا ''بے شمار دولت مراٹھا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سرداروں نے آپس میں تقسیم کرلی ہے۔ اس میں سے نہ کچھ پیشوا کو دیا اور نہ بادشاہ کو دیا۔"[7]

ضابطہ خاں کی جاگیرات کی تقسیم کا معاملہ بھی مراٹھوں اور بادشاہ کے درمیان تنازعہ کا باعث تھا۔ ان میں پانی پت سہارن پور اور میرٹھ وغیرہ کے وہ شاہی علاقے بھی شامل تھے جن کا زرِ محصولات عالمگیر ثانی کے زمانے سے نجیب الدولہ وصول کرتا تھا اور شاہی خاندان اور فوجی انتظام پر خرچ کرتا تھا۔ مراٹھوں کا کہنا تھا کہ ان علاقوں کو پانی پت کی جنگ (1761) سے پہلے عالم گیر ثانی نے مراٹھوں کو دیا تھا لیکن بادشاہ نے مراٹھوں کی بات نہیں مانی اور سہارن پور کا علاقہ فخر الدین خاں (پسر وزیر قمر الدین خاں) کو دے دیا اور کرنال اور انوپ شہر مہاد جی سندھیا کو۔[8]

اس تصفیہ کے بعد مراٹھوں کو ایسے وزیر کی ضرورت تھی جو دلی حکومت میں ان کے مفادات کا تحفظ کرسکے۔ مراٹھوں نے پہلے بھی عماد الملک یا احمد خاں بنگش (جو اب مرچکا تھا) کو وزیر بنانے کی تجویز پیش کی تھی جسے بادشاہ نے ضابطہ خاں کی طاقت دیکھتے ہوئے منع کردیا تھا اور دوسری بات یہ تھی کہ عماد الملک اس کے باپ عالمگیر ثانی کا قاتل اور شاہی خاندان ان کی نظروں میں ناقابلِ معافی شخص تھا۔ مہاد جی سندھیا نے ایک وفد شجاع الدولہ کے پاس بھیجا جو سند یافتہ وزیر تھا۔ بادشاہ سے کشیدگی رکھنے کے باوجود شجاع الدولہ امراؤ گیر گسائیں اور ایلچ خاں کے فوجی دستوں کے ہمراہ دلی کی طرف چل دیا (11 مئی 1772)۔ کچھ دور ہی آیا تھا کہ اُسے ویساجی کرشنا اور مہاد جی سندھیا کے درمیان اختلاف پیدا ہونے کی خبر ملی۔ وہ راستہ سے اودھ کی طرف لوٹ گیا۔ شاہ عالم نے حسام الدین کو وزیر بنادیا جو مرزا نجف خاں کا دشمن تھا۔[9]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کٹھیر کے روہیلوں پر جنگ کے اثرات

روہیلہ سرداروں نے بڑی بیدلی سے صرف رسمی طور پر فتح خاں خانساماں اور فیض اللہ خاں کے پانچ ہزار اور چار ہزار فوجی دستوں کے ساتھ ضابطہ خاں کی مدد کی تھی لیکن مراٹھوں اور شاہی فوج کے ذریعہ ایک مورچہ پر فتح پانے کے بعد یہ سردار، ضابطہ خاں کے منع کرنے کے بعد بھی کٹھیر لوٹ آئے تھے۔ اب روہیلہ سرداروں کے سامنے یہ مسئلہ درپیش تھا کہ اس سلسلہ میں کیا کیا جائے۔ مراٹھا کٹھیر میں ضرور آئیں گے۔ ان سے جنگ کی جائے یا پھر کسی محفوظ مقام میں پناہ لی جائے۔

اس وقت روہیلوں کی ابتدائی نسل جس نے جان کی بازی لگا کر روہیلہ حکومت قایم کی تھی یا تو دنیا سے رخصت ہو چکی تھی یا پھر بوڑھی ہو گئی تھی۔ نواب علی محمد خاں (1748) نواب دوندے خاں (17 اپریل 1771) ملا محسن (1766) نواب سعد اللہ خاں (1761-1762) مر چکے تھے۔ فتح خاں خانساماں (انتقال 1773) بخشی سردار خاں (انتقال 16 جون 1773) شیخ کبیر اور حافظ رحمت خاں بوڑھے ہو گئے تھے۔ بزرگوں کی موت کے بعد وارثین جائیداد کی تقسیم کو مسئلہ بنا کر آپس میں لڑنے لگے تھے۔ پچاس سال سے ہندوستان میں رہتے ہوئے روہیلوں کی نئی نسل آرام طلب ہو گئی تھی۔ ان کے مزاج کی قبائلی جنگجویانہ صلاحیت اور غیر متمدن قوم کی سادگی ختم ہو گئی تھی۔ ان تمام اندرونی کمزوریوں کا حافظ رحمت خاں کو احساس تھا روہیلوں کا اتحاد ختم ہونے کے بعد صرف حافظ رحمت خاں کی شخصیت کی دھمک ہی باقی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رہ گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ روہیلہ مراٹھا اور شاہی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے باہمی مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ دامن کوہ کے جنگل میں جائے پناہ تلاش کی جائے۔ یہ لوگ نانک متہ (ضلع اودھم سنگھ نگر (رودرپور) صوبہ اترانچل) میں چلے گئے۔[۱۵]

شکست کے بعد سب سے پہلے نجیب آباد سے فیض اللہ خاں لوٹ کر آیا تھا۔ اس کے بعد فتح خاں۔ یہ دونوں بھی مال اور اسباب اور خاندان کے ساتھ نانک متہ چلے گئے۔ جب ضابطہ خاں کٹھیر میں آیا تو وہ بھی نانک متہ چلا گیا۔ اس نے روہیلوں سے مدد کی درخواست کی تاکہ دوبارہ فوج مہیا کر کے مراٹھوں اور بادشاہ سے جنگ کر سکے لیکن اس کی اپیل کا روہیلوں کے بہرے کانوں پر کوئی اثر نہیں ہوا کیونکہ وہ سب مراٹھوں سے خوف زدہ تھے جن کی پشت پناہی شاہ عالم کر رہا تھا۔

اگر گزشتہ واقعات کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ روہیلہ سرداروں نے مراٹھوں سے صلح کرنے کی نجیب الدولہ کی تجویز کو رد کر کے بڑی غلطی کی تھی اور اس کی موت (31 اکتوبر 1770) کے فوراً بعد ہی مجبور ہو کر مراٹھوں سے نہ صرف صلح (26 جنوری 1771) کرنی پڑی تھی بلکہ اٹاوہ، شکوہ آباد، پھپھوند وغیرہ کے علاقوں کو مراٹھوں کے حوالے کرنے کے علاوہ احمد خاں بنگش حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں کو 22 لاکھ روپیہ بھی مراٹھوں کو ادا کرنا طے پایا تھا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ضابطہ خاں جنگ نہیں ہارا تھا صرف ایک مورچہ ہارا تھا۔ شکست کی افواہ نے ضابطہ خاں کی فوج میں بھگدڑ مچادی تھی۔ یہ جنگ متحد ہو کر پھر لڑی جا سکتی تھی۔ خاص طور سے ان حالات میں جبکہ شجاع الدولہ نجیب الدولہ سے تعلق کی بنا پر ضابطہ خاں کی مدد کے لیے آمادہ تھا۔ مراٹھوں کے خلاف جنگ کرنا اس کی سیاسی ضرورت بھی تھی کیونکہ صوبہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اودھ کے سرحدی علاقوں پر مراٹھوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ بادشاہ مراٹھوں سے ناراض تھا۔ مراٹھوں کی شکست کے امکانات زیادہ تھے۔ فتح کے بعد ضابطہ خاں میر بخشی اور شجاع الدولہ وزیر بن سکتا تھا۔

پار روہیلہ سرداروں سے ناامید ہوکر ضابطہ خاں شجاع الدولہ سے رجوع ہوا جو مراٹھوں کے پار روہیلہ علاقے (کٹھیر) میں داخل ہونے کی خبر سن کر کیپٹن جبرئیل ہارپر (Gibriel Harper) کے ساتھ شاہ آباد کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ شجاع الدولہ نے نجیب الدولہ سے خوشگوار تعلق کی بنا پر ایک بھائی کی طرح اس کا خیر مقدم کیا[11] (12 مئی 1772)۔

مراٹھا، روہیلہ اور شجاع الدولہ کے درمیان صلح کی گفتگو شروع ہوئی لیکن اس گفتگو میں کسی فریق کو بھی ایک دوسرے پر اعتبار نہیں تھا۔ ضابطہ خاں کو اپنے خاندان کی رہائی کی فکر تھی جو بادشاہ کے کیمپ میں حراست میں تھے۔ روہیلوں کو اپنے علاقوں کی فکر تھی جہاں مراٹھا لوٹ مار کر رہے تھے اور شجاع الدولہ کی نیت صاف نہیں تھی۔ وہ کبھی مراٹھوں سے معاہدہ کر کے روہیلوں کے ملک پر قبضہ کرنے کی بات سوچتا تھا۔ کبھی یہ سوچتا تھا کہ بادشاہ نے معاہدہ کے تحت پرگنہ کرا (جہاں آباد) اور پرگنہ کڑا (مانک پور) کے جو علاقے مراٹھوں کو دے دیے ہیں (12 مارچ 1772) اگر ان پر مراٹھوں نے قبضہ کرلیا تو اس کی سرحدیں غیر محفوظ ہو جائیں گی اس لیے اُسے خود مراٹھوں کے ساتھ معاہدہ کر لینا چاہیے۔ لیکن وہ بھی مراٹھوں پر اعتبار کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔ اور اس گفتگو سے پہلے ہی وہ سر رابرٹ بارکر کو رجوع کر کے یہ اظہار کر چکا تھا کہ کہیں روہیلوں کے ملک پر جو بغیر دفاع کے چھوڑ دیا گیا تھا اور تمام روہیلہ نانک متہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں پناہ گزیں ہو گئے تھے، مراٹھا قبضہ نہ کرلیں۔ بارکر نے ڈائریکٹر اور سلیکٹ کمیٹی سے مشورہ کے بعد کرنل چیمپین کو حکم دیا تھا کہ وہ فوج لے کر اودھ کی طرف روانہ ہو جائے۔ اس موقع پر اسٹریچی لکھتا ہے کہ اگر ایسا نہیں ہوا ہوتا تو ممکن تھا کہ شجاع الدولہ مراٹھوں سے اتحاد کرلیتا۔ اس معاملہ میں بارکر کا مقصد صاف تھا کہ مراٹھوں کو روہیلہ علاقے سے نکال دیا جائے اوران کا قبضہ بحال رکھا جائے۔ اس کی نظر میں روہیلوں کا کمزور ہونا یا ان کی طاقت کا ختم ہو جانا شجاع الدولہ کا طاقت ور ہو جانا تھا۔ مراٹھا اور 'شجاع الدولہ اتحاد' شجاع الدولہ کو اور زیادہ طاقت ور بنا دیتا۔ اس طرح انگریزوں کا اثر اس پر کم ہو جاتا۔ اس لیے مجبور ہو کر شجاع الدولہ نے مراٹھوں اور روہیلوں کا اتحاد کرادیا۔ ویسا جی اس بات پر راضی ہو گیا کہ حافظ رحمت خاں عطیہ جنگ (War Contribution) کے طور پر مراٹھوں کو چالیس لاکھ روپیہ ادا کرے گا۔[12] لیکن روپیہ دیا نہیں گیا بلکہ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس پر ویسا جی اور مہاد جی میں اختلاف ہو گیا۔ مہاد جی کا کہنا تھا کہ اس معاہدہ کی رو سے سوائے رقم کی ادائیگی کے وعدے کے ہمیں کیا ملا۔

اس واقعہ کی رپورٹنگ مراٹھا ایجنٹ (مرادآباد) کرتا ہے کہ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ہمارے سرداروں کے درمیان شک وشبہ باقی رہ گیا ہے۔ ان میں اتفاق رائے نہیں ہے۔ کسی نے بھی ایک پائی ادا نہیں کی ہے۔ پھر دوسری رپورٹنگ میں لکھتا ہے کہ مراٹھا فوج گھروں کو لوٹنے کے لیے بے چین ہے۔[13]

9 اپریل 1772 کو بارکر رپورٹنگ کرتا ہے کہ مراٹھوں کا ایک دوسرا وفد شجاع الدولہ سے ملنے آیا ہے۔ وفد کی رائے ہے کہ روہیلوں کو بیدخل کر دیا جائے لیکن

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شجاع الدولہ نے صلاح دی ہے کہ اگر روہیلہ ایک کروڑ روپیہ ادا کردیں تو وہ بڑی رقم خود لے لے گا اور باقی رقم مراٹھوں کو دیدے گا اور کچھ رقم انگریزوں کو بھی دے گا۔ سُنا ہے کہ روہیلہ ساٹھ ہزار روپیہ دینے پر رضامند ہیں۔ لیکن بارکر نے سختی کے ساتھ بات کر کے شجاع الدولہ سے یہ وعدہ کرالیا کہ وہ آئندہ اس قسم کی بات نہیں کرے گا۔ بلکہ شجاع الدولہ نے کیپٹن ہارپر کو اپنے وفد کے ساتھ حافظ رحمت خاں کے پاس نانک متہ بھیجا تاکہ روہیلوں سے معاملہ طے کرنے کی گفتگو کی جائے۔

گل رحمت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عنایت خاں شاہ آباد (علاقہ اودھ) میں موجود تھا۔ وہ بھی ہارپر کے ساتھ حافظ رحمت خاں کے پاس نانک متہ آیا تھا۔ عنایت خاں کے پاس چالیس لاکھ روپیہ کا تمسک (Deed) بھی موجود تھا۔ اس وقت حافظ رحمت خاں نانک متہ میں تھا اور باقی روہیلہ گنگاپور (نانک متہ کے قریب گاؤں) میں تھے۔ روہیلہ سرداروں نے تحریری طور پر حافظ رحمت خاں سے صلح کرنے پر زور دیا تھا کیونکہ مچھروں اور پانی کی خرابی سے عارضہ اسہال (Diarrhoea) سے سوڈیڑھ سو لوگ روز مر رہے تھے اور کچھ لوگ خوفزدہ ہو کر جان بچا کر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ ان پریشان سرداروں نے روپیہ ادا کرنے کا بھی وعدہ کیا تھا۔ اسی تحریر (Draft) پر حافظ رحمت خاں نے دستخط کر کے اور مہر لگا کر شجاع الدولہ کے وفد کے ہمراہ کردی تھی۔ لیکن اسٹریچی کا بیان ہے کہ کیپٹن ہارپر دوبارہ حافظ رحمت خاں کے پاس بھیجا گیا تھا تاکہ اُسے شاہ آباد کیمپ میں بلایا جائے اور شرائط طے کی جائیں۔[۱۹]

بارکر کے ایک مکتوب مورخہ 15 مئی 1772 سے معلوم ہوتا ہے کہ روہیلوں اور اس کے درمیان خط کتابت کا سلسلہ مدتوں چلتا رہا ہے۔ ''روہیلہ سرداروں خصوصاً

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حافظ رحمت خاں نے بہت سے خطوط میں اس بات کا شکریہ ادا کیا ہے کہ ان کے استیصال کو روکنے کے سلسلہ میں ہماری جانب سے جو کوشش کی گئی ہے وہ اس کے معترف ہیں لیکن وہ لکھتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ فوجیں روانہ ہو کر شاہ آباد تک آ گئی ہیں پھر بھی مراٹھا فوجیں ان کے ملک میں داخل ہو چکی ہیں۔ اللہ ہماری اور تمہاری (انگریزوں) اور شجاع الدولہ کی دوستی کی حفاظت کرے۔''

''حافظ رحمت خاں کو شجاع الدولہ کی نیت پر شک تھا پھر بھی اُس نے کچھ ہچکچاہٹ کے بعد ملاقات کرنے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔ 25 مئی کو وہ شاہ آباد آیا۔ شجاع الدولہ اور سر رابرٹ بارکر نے اس کا استقبال کیا اس کے ساتھ دوسرے سردار بھی آئے تھے۔ 17 جون تک شرائط پر گفتگو چلتی رہی اور اتحاد تحفظ و حملہ کا معاہدہ (Treaty of alliance ofensive and defensive) روہیلہ اور شجاع الدولہ کے مابین ہو گیا۔''[15] اس معاہدہ کی تفصیلات اقبال حسین نے اس طرح بیان کی ہیں:

''شجاع الدولہ نے عجیب ڈپلومیسی سے کام لیا۔ اس نے روہیلوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا لیکن روہیلوں کے علاقے کو برباد کرنے والی مراٹھا فوج کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی جو متواتر لوٹ مار میں مصروف تھے۔ ضابطہ خاں نہایت مایوسی اور بیکسی کے عالم میں 12 مئی 1772 کو آیا۔ اس نے اپنے اور روہیلوں کے گرفتار شدہ خاندان کی رہائی کے لیے شجاع الدولہ سے درخواست کی جو مراٹھوں کی قید میں تھے۔ شجاع الدولہ نے معاہدہ کی شرائط طے کرتے وقت ابتدا ہی سے غرور اور سختی کا رویہ اپنایا اور طے کیا کہ روہیلوں کو ساٹھ لاکھ روپے سالانہ مراٹھوں کو ادا کرنا ہیں۔ اس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نے مسئلہ کا کوئی ایسا حل تلاش نہیں کیا جو حقیقی اور ابدی ہوتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ روہیلوں کو کمزور کر کے ان کے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔"

دوسری طرف وہ مراٹھا جرنل ویساجی اور مہاد جی سندھیا الگ الگ حافظ رحمت خاں اور شجاع الدولہ سے صلح کی بات کر رہے تھے اور کسی بھی نتیجہ پر نہیں پہنچے تھے۔ شجاع الدولہ نے محسوس کیا کہ مراٹھے ضابطہ خاں کو برباد کرنا اور روہیلوں کو بے طاقت کرنا چاہتے ہیں اور روہیلوں کو کمزور کرنے کا مطلب ہوگا اودھ کے دروازے پر دستک دینا۔ اس خیال نے اسے روہیلوں سے اتحاد کرنے پر مجبور کیا۔ اس نے رابرٹ بارکر سے مشورہ کر کے مراٹھوں سے نبٹنے کے لیے ایک پالیسی وضع کی اور 23 دن تک معاہدہ کی شرائط پر غور وخوض اور تبادلہ خیالات کرنے کے بعد 17 جون 1772 کو ایک معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدہ پر گفتگو میں حافظ رحمت خاں کے ساتھ ضابطہ خاں بھی موجود تھا۔

اس معاہدہ کے دو حصّے تھے۔ پہلے حصہ میں روہیلہ اس بات کے پابند تھے کہ وہ شجاع الدولہ کے دوست کو اپنا دوست اور دشمن کو اپنا دشمن مانیں گے اور اودھ کے تحفظ میں فوجی امداد دیں گے اور شجاع الدولہ بھی روہیلوں کے ساتھ ایسا ہی کرے گا۔ روہیلوں نے اس بات کا بھی اقرار کرلیا کہ وہ نواب محمد ضابطہ خاں کی حکومت کے حصول میں جو باتیں بھی طے ہوں گی ان پر عمل کریں گے۔ معاہدہ کے دوسرے حصہ میں شجاع الدولہ اس بات کا پابند تھا کہ وہ روہیلہ علاقوں پر طاقت یا صلح کے ذریعہ روہیلہ سرداروں کا قبضہ بحال کرائے گا۔ اور مراٹھوں کو نکال دے گا۔[16]

اس معاہدہ میں یہ بات بھی طے ہوئی تھی کہ اگر اس وقت مراٹھا بغیر جنگ یا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بغیر صلح کے بارش کے خوف سے کٹھیر سے چلے گئے اور بارش ختم ہونے کے بعد اس علاقہ میں آئے تو ان کو روہیلہ مقبوضات سے نکالنا شجاع الدولہ کی ذمہ داری ہوگی اور اس کے بدلے میں روہیلہ چالیس لاکھ روپیہ اس طرح ادا کریں گے کہ اگر مراٹھا ان کے ملک میں ہیں تو وزیر شاہ آباد سے مع فوج کے روانہ ہوگا اور جتنی بھی دور کی مسافت طے کرنی پڑے وہ جنگل (نانک متہ) سے روہیلوں کے خاندان کو بحفاظت ان کے گھروں میں آباد کرادے گا۔[17]

روہیلوں کی ذہنی پریشانی اور حالات سے بے خبری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس وقت معاہدہ پر گفتگو ہو رہی تھی مراٹھوں نے روہیلوں کے علاقوں سے واپس جانا شروع کر دیا تھا اور معاہدہ پر دستخط (17 جون 1772) سے پہلے ہی مراٹھا روہیلوں کے علاقے سے جا چکے تھے لیکن حافظ رحمت خاں کو یہ بات معلوم ہی نہیں تھی۔ ایسا بھی نہیں لگتا کہ مراٹھا معاہدہ کی رو سے (معاہدہ 20 مئی 1772 مابین روہیلہ و مراٹھا جس پر مراٹھا سرداروں میں اختلاف ہو گیا تھا) نظم و ضبط کی ساتھ واپس گئے ہوں یا شجاع الدولہ کو معاہدہ کی تکمیل کے لیے کوئی زحمت اٹھانی پڑی ہو (اس معاہدہ میں شجاع الدولہ صرف ضامن تھا یا صرف درمیان کا گواہ) کیونکہ شجاع الدولہ کو مراٹھوں کو نکالنے کے لیے شاہ آباد سے ایک انچ بھی آگے بڑھنا نہیں پڑا تھا۔

گل رحمت کے بیان کے مطابق روہیلہ معاہدہ جلد کرنے پر زور دے رہے تھے (گنگا پور میں وبائی موت کی وجہ سے) اور جلد بازی کی وجہ سے حافظ رحمت خاں اتحاد جنگ و مدافعت معاہدہ (Offencive and Defencive Alliance) کو پوری طرح سمجھ ہی نہ سکا۔ لیکن شو پرشاد کا بیان ہے کہ یہ معاہدہ روہیلہ سرداروں کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرضی کے بغیر حافظ رحمت خاں نے کیا تھا۔[18]

مئی 1772 کے اختتام پر مراٹھوں نے روہیلہ علاقہ سے واپسی شروع کردی تھی۔ وہ جن راستوں سے گزرے لوٹ مار کرتے گئے۔ شاہی فوجی دستہ بھی مراٹھوں کے پیچھے چل رہا تھا اور لوٹ مار کرتا ہوا امروہہ تک گھس آیا تھا۔ مراٹھا فوجیں بھی امروہہ میں آ گئی تھیں۔ امروہہ کے سیدوں اور مراٹھوں میں ساٹھ ہزار روپیہ دینے پر تصفیہ ہوا تھا۔ مرزا نجف خاں (شاہی فوج کا کمانڈر) اور نجف قلی خاں (بادشاہ کی فوج کا سردار) کی فوج نے امروہہ میں اتنا ظلم کیا تھا کہ اہلِ امروہہ انھیں ''یزید ثانی'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔[19]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب اٹھارہ/فصل اکتیس

نانک متہ میں روہیلوں کی بری حالت

روہیلوں کو چار مہینے تک نانک متہ اور گنگا پور کی غیر صحت مند آب و ہوا میں رہنا پڑا جس کی وجہ سے بیس ہزار روہیلوں کی موت ہوگئی۔ اس واقعہ کی ''قضائے مردم'' تاریخ ہے۔ عبرتؔ کے بیان کے مطابق وبائی بیماری نے روہیلوں کو بیمار کردیا۔ ایک سو سے ڈیڑھ سو تک لوگ روز مرنے لگے۔

جب روہیلہ اپنے گھروں میں لوٹ آئے تو حافظ رحمت خاں نے اپنے اہلکاروں کو حکم دیا کہ جو لوگ مر گئے ہیں ان کے بیٹوں کو ان کی جگہ نوکر رکھ لیا جائے اور جن کے بیٹے نہ ہوں ان کی بیواؤں سے بارگیر (کفیل جوان کے خاندان کا خرچ اٹھا سکے) طلب کر لیے جائیں اور جو بارگیر دینے میں عذر کریں تو ان کی بیویوں کے نام پر ان کے مرحوم شوہروں کی تنخواہ مصرفِ خیر کے بطور مقرر کردی جائے۔ سوداؔ کے مندرجہ ذیل شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ رحمت خاں کی سرکار میں پیادے کی تنخواہ تین روپیہ اور سوار کی تنخواہ نو روپے تھی۔

حافظ یہ چاہے عہدے سے اس کے برآوں میں
پیادے کو دیکے تین روپے نو روپے سوار

لیکن حافظ رحمت خاں کی اس نیک نیتی نے ان کی فوج کو کمزور کردیا تھا جس کی کمی مستقبل میں میران پور کٹرہ کی جنگ (1774) میں دکھائی دیتی ہے۔[20]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شاہ عالم اور مراٹھوں میں اختلاف

مراٹھا جب کٹھیر سے لوٹ کر نجیب آباد آئے تو انھیں معلوم ہوا کہ بادشاہ دلّی جانا چاہتا ہے۔ دیساجی اور تکوجی ہولکر نے بادشاہ پر زور دیا کہ وہ الہ آباد چلے تا کہ بہار اور بنگال سے سابقہ زرِ محصولات کی وصولیابی کی جا سکے۔ مراٹھا سردار یہ بھی چاہتے تھے کہ شجاع الدولہ سے بھی روپیہ وصول کیا جائے۔ بادشاہ کو مراٹھوں پر اعتبار نہیں تھا۔ مرزا نجف نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ وہ 1763-1765 میں انگریزوں کا ملازم رہ چکا تھا۔ اس نے ان کی ٹرینڈ اور قواعداں فوج کو بڑے قریب سے دیکھا تھا۔ اس کی رائے میں مراٹھا اور شاہی فوج متحد ہو کر بھی انگریزوں کو شکست نہیں دے سکتی تھی مہادجی سندھیا جو ویساجی اور تکوجی کے مقابلہ میں زیادہ حقیقت پسند تھا، اس نے بھی مرزا نجف خاں کی رائے سے اتفاق کیا۔[21]

لیکن ایک دن بیساجی اور تکوجی وزیر حسام الدین کے خیمہ میں گھس آئے اور اُسے زبردستی مشرقی علاقوں کی طرف کوچ کرنے کے لیے فوج کو حکم دینے کا اصرار کیا۔ یہ تکرار اس درجہ بڑھ گئی کہ دونوں طرف کے فوجیوں نے تلواریں کھینچ لیں لیکن بعد میں معاملہ رفع دفع ہو گیا اور مراٹھے اس بات پر راضی ہو گئے کہ بادشاہ کو لے کر دلّی چلا جائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب اٹھارہ/فصل تینتیس

ضابطہ خاں میر بخشی کے عہدہ پر

بادشاہ نے جو شاہی علاقے مراٹھوں کو دیدیے تھے ان سے اتنا بھی زرِ محصولات وصول نہیں ہو رہا تھا جتنا نجیب الدولہ وصول کر کے شاہی خاندان اور فوج پر خرچ کیا کرتا تھا۔ مراٹھوں کی نگہداری میں رہتے ہوئے عوام کی نظروں میں بادشاہ اور حکومت کی عزت کم ہوگئی تھی۔ دوسری جانب مراٹھے جانتے تھے کہ بادشاہ کے پاس مطلوبہ رقم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ یہ رقم بہار، بنگال یا اودھ سے وصول ہو سکتی تھی لیکن بادشاہ نے اس مہم پر جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ویساجی اور تکوجی ہولکر نے مشورہ دیا کہ اگر ہم بادشاہ کو مجبور کریں کہ وہ میر بخشی کا عہدہ ضابطہ خاں کو دیدے تو ضابطہ خاں سے دس لاکھ پچاس ہزار روپیہ مل سکتا ہے جسے دینے کا ضابطہ خاں نے وعدہ کر لیا تھا لیکن مہادجی سندھیا جو نجیب الدولہ کے خاندان کے خون کا پیاسا تھا، اس نے اس تجویز کی مخالفت کی لیکن بادشاہ کا وزیر حسام الدین ضابطہ خاں کو میر بخشی بنانے پر راضی ہو گیا کیونکہ وہ دربار میں مرزا نجف خاں کے بڑھتے ہوئے اثر کو ختم کرنا چاہتا تھا جسے بادشاہ نے مشرقی اور شمالی دلّی کے تمام پرگنے (ہنسی حصار، سہارن پور، جلال آباد، لوہاری، سونی پت، پانی پت وغیرہ) دیدیے تھے اور اس نے تمام جگہوں پر اپنے ناظم مقرر کر دیے تھے۔ نجف خاں نے جوان العمر ہندوستانی، ایرانی اور ترکوں کا مغلیہ دستہ بھی بنا لیا تھا۔ حسام الدین نے بادشاہ سے کہا کہ وہ ضابطہ خاں کو میر بخشی بنا دے لیکن اس نے انکار کر دیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مراٹھے بادشاہ پر اثر ڈالنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔ اتفاق سے یہ موقع انھیں جلد ہی ہاتھ آ گیا۔ 1772 کے اختتام پر شاہی فوج نے جنوبی دلّی کے جاٹوں کے کئی مٹی کے قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ مراٹھوں نے روپیہ کے بدلے میں جاٹوں کی فوجی مدد کی جس نے شاہی فوج کے اس آزمودہ دستہ کو شکست دیدی جسکی قیادت فرانسیسی آفیسر رینے میدک (Rene Madec) کررہا تھا۔

باب اٹھارہ/فصل چونتیس

مراٹھوں کا دلّی پر حملہ

21 نومبر 1772 کو مراٹھا فوج دلّی کی طرف بڑھی اور تقریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر آ گئی۔ بادشاہ نے وزراء کی کونسل بلائی۔ فضل علی خاں جس کے زیر کمان انگریزوں کی دی ہوئی دو بٹالین تھیں شاہدرہ کے قریب آ گیا۔ لیکن مراٹھا جنوب کی طرف سے آگے بڑھنے لگے۔ انھوں نے خضر آباد کی طرف سے جمنا کا مغربی کنارہ عبور کیا۔ نجف خاں نے مراٹھوں کو روکنے کے لیے سختی سے مزاحمت کی۔

شاہ عالم اپنی پیدائشی بزدلی کے باعث کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔ وہ خاص طور سے دو وزیروں کے درمیان پھنس گیا تھا۔ حسام الدین وزیر اور سیف الدین خاں متفقہ طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکے۔ فرانسیسی کیپٹن لکھتا ہے "بادشاہ نے فوج تو جمع کر لی تھی لیکن وہ یہ فیصلہ نہیں کر پایا ہے کہ ایسے موقع پر اُسے کیا کرنا چاہیے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنی شاہی فوج کا سربراہ نہیں ہے۔" (Memoire of Madec)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرزا نجف خاں 7 دسمبر کو بارہ پُلے کی طرف فوج لے گیا تا کہ مراٹھوں سے جنگ کر سکے اور رات تک وہیں ٹھہرا رہا لیکن مراٹھوں نے کوئی مقابلہ نہیں کیا۔ نجف خاں لوٹ آیا۔ شاہی فوج ہر روز پرانے قلعہ تک جاتی۔ صف بندی کی حالت میں کھڑی ہو جاتی۔ کبھی کبھی مراٹھوں سے جھڑپ ہوتی اور پھر لوٹ آتی۔ قلعہ کے مشرق کی طرف جمنا کے کنارے خندقیں کھودی گئی تھیں۔ دس بارہ اور سولہ دسمبر کو جھڑپیں ہوئیں۔

پرانا قلعہ کی جنگ:- 17 دسمبر 1772 کو دلّی کے پرانے قلعہ کی فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ بادشاہی فوج میں رینے میڈک کے زیر کمان انگریزی قواعد داں دو بٹالین جنگ میں شامل تھیں۔ رینے میڈک کے بقول ''تحفظ کے نقطہ نظر سے فوج کی پوزیشن بہتر تھی۔ گیہوں کے اونچے پودے ہمارے لیے قدرتی پناہ گاہ تھے۔ مرزا نجف خاں اپنی فوج کے ساتھ پوزیشن پر تھا۔ گنگا رام اور بھوانی سنگھ انگریزی ٹرینڈ دستوں کو کمانڈ کر رہے تھے۔ مراٹھا، جاٹ اور ضابطہ خاں کی اتحادی فوجوں سے مقابلہ تھا۔ دونوں طرف سے بڑی بے جگری سے جنگ ہوئی۔ حسام الدین فوجی توپ خانہ کو کمانڈ کر رہا تھا۔ وہ دشمنوں سے مل گیا تھا۔ اس نے جنگ میں کوئی مدد نہیں کی بلکہ دھوکہ دینے کے لیے اس کی فوج خالی فائر (Blank Fire) کرتی رہی اور پھر مراٹھوں سے مل گئی اور جنگ ختم ہونے سے پہلے مع فوج کے شہر کی طرف بھاگ گیا۔''

اس جنگ میں دونوں طرف سے تین ہزار فوجی مارے گئے۔ حسام الدین کے خلاف سخت الزامات لگائے گئے لیکن بزدل بادشاہ نے اس کے خلاف کوئی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کارروائی نہیں کی بلکہ مرزا نجف خاں کے ساتھ اسے بھی خلعت سے نوازا۔ اس جنگ کے کئی دن بعد تک شاہی فوجیں خندقوں میں بیٹھی دلّی کی حفاظت کرتی رہیں لیکن پٹ پڑ گنج اور جے سنگھ پورے میں پنڈاریوں نے گھس کر لوٹ مار، آگ زنی کی وارداتیں شروع کردیں۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ نقصان میدک کا ہوا تھا۔ اس کے کافی لوگ مارے گئے تھے۔ اور اس تباہی کا ذمہ دار حسام الدین بادشاہ سے چپکا ہوا بیٹھا تھا۔[22]

19 دسمبر کو حسام الدین ویسا جی اور تکوجی سے صلح کی بات کرنے مراٹھا کیمپ پر گیا اور 20 دسمبر کو دادو ملہار (دیوان ویسا جی) دیگر مراٹھا سرداروں کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوا اور شاہ عالم سے تنہائی میں بات کی اور 26 دسمبر کو ایک ایسا ڈرامہ اسٹیج جسے پڑھ کر بھانڈوں کی یاد آجاتی ہے۔ ڈرامہ اسٹیج سے پہلے مراٹھا سرداروں نے قلعہ کی تلاشی لی اور یہ اطمینان کرلیا کہ ان کی جان محفوظ ہے تب ضابطہ خاں، ویسا جی اور تکوجی کلائیوں پر رومال باندھے بادشاہ کے حضور فریادی بنکر حاضر ہوئے اور بادشاہ نے مسکرا کر انھیں معاف کردیا۔ ضابطہ خاں کو عہدہ میر بخشی عطا کیا گیا۔ اس کے باپ کی جاگیریں، میرٹھ اور سہارن پور بحال کردی گئیں اور مراٹھوں کی خواہش پر شاہ عالم کے وفادار اور بہادر رسینے میڈک کو برخاست کردیا گیا۔[23] نجف خاں کا مغل دستہ توڑ دیا گیا۔ کوڑا اور الہ آباد کی سند مراٹھوں نے اپنے لیے لکھوالی۔ یہ خبر پا کر بیس ٹنگوس نے چھبیس لاکھ روپیہ بادشاہ کو دینا بند کردیے۔

حسام الدین جانتا تھا کہ مراٹھوں کے جانے کے بعد مرزا نجف خاں اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس نے اس خوف کا اظہار مراٹھوں سے کیا۔ لیکن یہ کام انتہائی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مشکل تھا۔ مراٹھوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ 1771 میں کیے گئے وعدے کے مطابق شاہ عالم پر پچیس لاکھ روپیہ باقی ہے وہ مل نہیں سکتا۔ یہ روپیہ حسام الدین سے طلب کیا جاسکتا ہے۔ حسام الدین نے نو لاکھ روپیہ نقد اور جنس کی صورت میں اور اس کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ تکوجی کو دینے کا وعدہ اس شرط پر کیا کہ نجف خاں کو دربار سے نکال دیا جائے اور بادشاہ مراٹھوں کا حکم ماننے پر مجبور ہو گیا۔

نجف خاں کو جب اطلاع ملی تو اس نے خود کو اسمعیل خاں کی حویلی موری گیٹ میں محصور کرلیا۔ اس کے فوجی دستے کے معزول فوجی بھی وہیں آ گئے۔ ''مراٹھوں نے نجف خاں سے بات کی اور یہ طے ہوا کہ وہ اپنے فوجی دستے کے ساتھ مراٹھوں کا نوکر ہوگا اور اُسے تین ہزار روپیہ یومیہ دیا جائے گا۔ یہ خدمت شجاع الدولہ پر آئندہ ہونے والے حملے کو ذہن میں رکھ کر حاصل کی گئی تھی۔'' 24

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1۔ چاند پور ہری دوار ریلوے لائن پر پتھری ریلوے اسٹیشن سے تین میل فاصلہ پر مشرق کی طرف ہے اور گنگا کے مشرق کنارے پر چاند پور کے مقابل چاندی گھاٹ ہے جو چاند پور سے جنوب کی سمت سات میل پر ہے۔ (سرکار 36iii) سرہند سے کٹھیر لوٹتے وقت نواب علی محمد خاں نے چاندی گھاٹ سے گنگا عبور کی تھی۔

2۔ گل رحمت 84 b

3- Sarkar : vol. iii 37

4- Sarkar: vol. iii 37-38, quoted Munna Lal 125-127, Ibrat 203,204, 641 Gauhar Ali 284-296, Miskin 276-277
بھینس کھٹہ شو پرشاد (مخطوطہ 81a)

5- Sarkar: vol. iii 39, quoted Miskin 278-279, Ibrat 207
اس جنگ میں مسکین شاہی فوج میں تھا اور چشم دید گواہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

6- Sarkar : vol. iii 40

7- " 42

8- " 43

9- " "

10- گل رحمت 102 b

11- Sarkar : vol. iii 43

12- " "

13- Sarkar : vol. iii 44. quoted S.P.D.

14- Strachy: 51-53. quoted Letter sir Robert Barker. 9th march 1772

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

15- Strachy 54 شو پرشاد (مخطوطہ) 82b- گل رحمت (مخطوطہ) 88b

16- Iqbal : 146-147

17- Atkinson : vol. ii, 5,6

18- Iqbal : 148, quoted Shiv Prasad 82a, Maswada 254b, Gul-e-Rehmat 163 b, Gulistan-e-Rehmat 127a.

19- Sarkar iii 45

20- اخبار الصنادید جلد اوّل 422

21- Sarkar : vol. iii 27

22- Sarkar: iii 50-53, quoted Munna Lal 135, 138, D.C. Medec's Memoire, Ibrat 214-217, Gauhar Ali iii 4,6, Miskin 283.

23- ضمیمہ 7

24- Sarkar : vol. iii 45

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب: اُنیس فصل: پینتیس

1772 کے بعد مراٹھا، ضابطہ خاں، شاہ عالم، شجاع الدولہ اور روہیلوں کے حالات

عہدۂ میر بخشی اور سہارن پور اور میرٹھ کی سند پا کر ضابطہ خاں اپنے علاقوں کے انتظام کے لیے چلا گیا[1]۔ تکوجی ہولکر کی سفارش سے شاہ عالم نے اُسے عہدہ اور جاگیر ضرور دیدی تھی لیکن اندرونی طور پر وہ ضابطہ خاں سے ناراض تھا۔ وہ مراٹھوں سے بھی ناراض تھا کیوں کہ نجیب آباد کی مہم میں نہ تو ضابطہ خاں پوری طرح برباد ہوا تھا اور نہ ہی لوٹ کے مال میں سے اُسے خاطر خواہ حصہ ملا تھا۔ ضابطہ خاں کی طرف داری کا مقصد صرف اتنا تھا کہ مراٹھا اس کی مدد سے کٹھیر کے روہیلوں اور شجاع الدولہ پر اثر ڈالنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں ضابطہ خاں سے دس لاکھ پچاس ہزار روپیہ بھی مل گیا تھا۔ مراٹھا روپیہ بٹور کر جلد سے جلد دکن جانا چاہتے تھے کیونکہ اس طویل مہم میں ان کے فوجی اکتا گئے تھے۔ لیکن مراٹھا سرداروں میں اتفاقِ رائے نہ ہونے سے وہ کوئی مناسب فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے۔ مہاد جی سندھیا ضابطہ خاں کو میر بخشی بنانے پر ناراض ہو کر چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد مراٹھا فوج کی تعداد صرف تیس ہزار رہ گئی تھی اور وہ بھی ویسا جی اور تکوجی کے زیر کمان تھی۔ مرزا نجف خاں بادشاہ سے ناراض تھا کیوں کہ اس نے حسام الدین کی دغابازی کے جرم میں اُسے کوئی سزا نہیں دی تھی۔ مجبور ہو کر وہ تین ہزار یومیہ پر اپنے مغلیہ دستہ کے ساتھ تکوجی کی نوکری میں آ گیا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مراٹھوں نے شاہ عالم سے گزارش کی کہ وہ شجاع الدولہ کے خلاف مہم میں اُن کے ساتھ چلے لیکن اُس نے جانے سے انکار کر دیا۔ اب مراٹھوں کو روپیہ کٹھیر کے روہیلوں سے ہی مل سکتا تھا جس کے ادا کرنے کا وعدہ انھوں نے جنوری 1771 میں کیا تھا اور شجاع الدولہ سے مل سکتا تھا کیونکہ کوڑا اور الہ آباد کے علاقے مراٹھوں نے بادشاہ سے اپنے لیے تفویض کرا لیے تھے۔ لیکن اس معمولی فوج کے ساتھ وہ اودھ کی طاقتور حکومت پر حملہ نہیں کر سکتے تھے حالانکہ ضابطہ خاں نے ضرورت پڑنے پر مراٹھوں کی مدد کا وعدہ کیا تھا لیکن انھیں یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ مرزا نجف خاں اور ضابطہ خاں نے خفیہ طور پر شجاع الدولہ کو یقین دلایا ہے کہ لڑائی کی صورت میں وہ دونوں مراٹھوں کے خلاف شجاع الدولہ کی مدد کریں گے۔[2]

مراٹھوں نے شجاع الدولہ کے پاس اپنا وفد بھیجا اور شاہی فرمان کی تکمیل کے لیے اس سے وہ علاقے خالی کرنے کو کہا جس پر اس نے 1765 سے قبضہ کر رکھا تھا۔ مراٹھوں نے پار روہیلوں، خصوصاً حافظ رحمت خاں سے روپیہ بھی طلب کیا جس کو ادا کرنے کا وعدہ جنوری 1771 کے اقرار نامے کے تحت اُس نے کیا تھا۔[3]

مراٹھوں نے حافظ رحمت خاں کے پاس اپنا وفد بھیجا اور اس کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اگر اس مہم میں اس نے مراٹھوں کا ساتھ دیا تو وہ شجاع الدولہ کا مفتوحہ (جیتا ہوا) علاقہ کا آدھا علاقہ روہیلوں کو دیدیں گے اور اگر انھوں نے مراٹھوں کو شجاع الدولہ کے خلاف فوجی تعاون نہیں دیا بلکہ ان کو اپنے علاقے سے بغیر کسی مزاحمت کے گزرنے کی اجازت دے دی تو وہ گزشتہ سال کیے گئے معاہدہ (مئی 1772) سے دست بردار ہو جائیں گے اور اگر اس پر بھی روہیلہ مطمئن نہیں ہوں گے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تو پہلے ان کے ملک کو برباد کیا جائے گا اور اس کے بعد اودھ پر حملہ کر دیں گے۔[4]

معاہدہ (13 جون 1772) کے مطابق حافظ رحمت خاں نے معاہدہ کی پابندی کرتے ہوئے مراٹھوں کی تحریر کی اطلاع شجاع الدولہ کو دے کر حالات سے خبردار کر دیا اور خود بھی فوج کو تیار رہنے کا حکم دیا لیکن ساتھ میں یہ شرط بھی رکھی کہ اگر چالیس لاکھ روپیہ کا تمسک واپس کر دیا گیا تو میں مراٹھوں کی مدد نہیں کروں گا۔ شجاع الدولہ نے شاہ مدن کو اپنا وکیل بنا کر حافظ رحمت خاں کے پاس بھیجا اور وعدہ کیا کہ وہ تمسک واپس کر دے گا۔[5] اقبال حسین لکھتا ہے کہ جب شجاع الدولہ مہدی گھاٹ پر خیمہ زن تھا تب اس نے شاہ مدن[6] کو تصفیہ کے جملہ اختیارات دے کر حافظ رحمت خاں کے پاس بھیجا تھا اور یقین دلایا تھا کہ تمسک واپس کر دیا جائے گا اور شجاع الدولہ جلد ہی انگریزوں کے ہمراہ مدد کو آئے گا۔[7]

حافظ رحمت خاں اور شجاع الدولہ کو یقین تھا کہ مراٹھا برسات کے بعد اس علاقہ میں ضرور آئیں گے اور کوڑا و الہ آباد پر قبضہ کریں گے جو شاہ عالم نے ان کو دیدیے تھے اس لیے اس نے پہلے ہی انگریزوں سے بات کر کے ان کی فوجی امداد کا انتظام کر لیا تھا۔ اور ہیس ٹنگوس نے شجاع الدولہ کی مدد کے لیے کرنل چیمپین کو فوج لے کر بھیج دیا تھا۔ شجاع الدولہ خود بھی فیض آباد سے لکھنؤ کے راستہ سے کانپور میں گنگا ندی کے کنارے خیمہ زن ہو گیا تھا[8] (21 جنوری 1773)۔

مراٹھوں نے جھگڑے کی ابتدا اس طرح کی کہ انھوں نے روہیلوں سے روپیہ طلب کیا جسے ادا کرنے کا چالیس لاکھ روپیہ کا تمسک شجاع الدولہ نے لکھوا لیا تھا۔ روہیلوں کی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ حافظ رحمت خاں، محمد یار خاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(پسر نواب علی محمد خاں) فتح خاں خانساماں اور احمد خاں (پسر بخشی سردار خاں) اور محبّ اللہ خاں (پسر دوندے خاں) فوجی سامان درست کر کے بسولی پہنچ گئے۔ احمد خاں کی جاگیرات میں اہرات کا علاقہ تھا اس لیے اُسے آگے بھیج دیا گیا تاکہ گھاٹ کا بندوبست اور کشتیوں کا انتظام رکھے اور مراٹھوں کو گنگا عبور کرنے سے روکے۔ احمد خاں اسد پور میں آ کر کسی محفوظ مقام کی تلاش میں تھا کہ اچانک 27 ذی الحجہ 1186ھ (فروری 1773) کو مراٹھوں کے ایک دستہ نے گنگا عبور کر کے احمد خاں پر حملہ کر دیا۔ احمد خاں نے اسد پور کی عمارتوں کی آڑ میں اور باغات میں چھپ کر ان کا مقابلہ کیا۔ صبح سے سہ پہر تک لڑائی جاری رہی۔ جب احمد خاں کی فوج زخمی ہو گئی اور بہت سے فوجی مارے گئے تو احمد خاں نے تکوجی ہولکر سے صلح کر لی۔ تکوجی نے اس کا توشہ خانہ بتیس ہاتھی اور تین سو گھوڑے ضبط کر لیے۔ اب مراٹھوں کے غول اطمینان سے علاقہ میں گھومنے لگے۔[9]

جس وقت یہ واقعہ ہوا ہے اس وقت حافظ رحمت خاں چار پانچ ہزار سپاہ کے ساتھ اسد پور سے تین کوس کے فاصلہ پر آ گیا تھا اور ایک ٹیلے پر مقیم تھا اور اسی رات محبّ اللہ خاں (پسر دوندے خاں) دو تین ہزار سپاہ کے ساتھ اور مستقیم خاں چار ہزار پیادہ و سوار کے ساتھ آ گیا۔ دوسرے رسالہ دار اور جماعہ دار بھی آ گئے تھے۔ اس وقت حافظ رحمت خاں کے پاس دس بارہ ہزار فوج جمع ہو گئی تھی۔[10]

اس وقت بھی مراٹھا کیمپ میں ناراضگی کے آثار تھے۔ ویساجی کرشنا جو ہندوستانی معاملات میں پیشوا کا چیف ایجنٹ تھا بے اثر ہو کر اپنی فوج کے ساتھ بہلون کے کیمپ کی رکھوالی کر رہا تھا جہاں تین سال کی لوٹ مار کا کافی سامان اور مال جمع تھا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

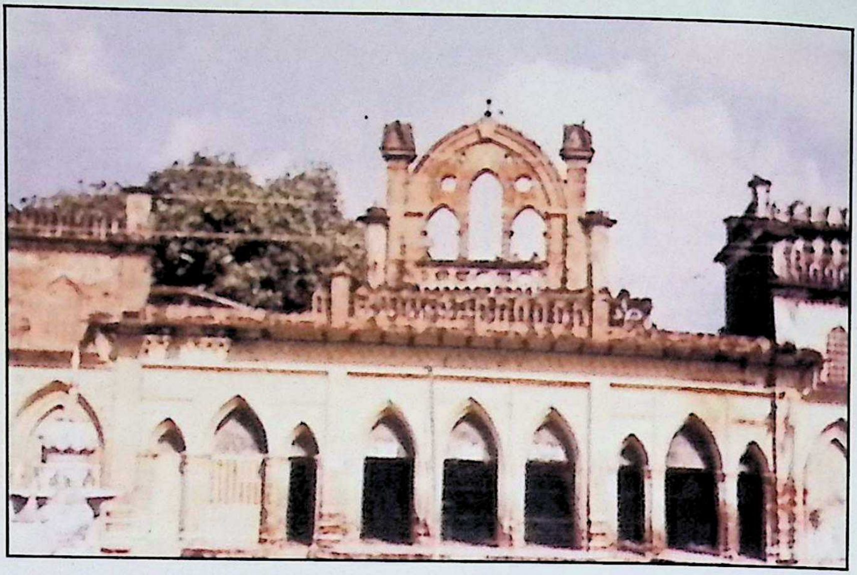

پیلی بھیت کی ایک قدیم حویلی کے آثار

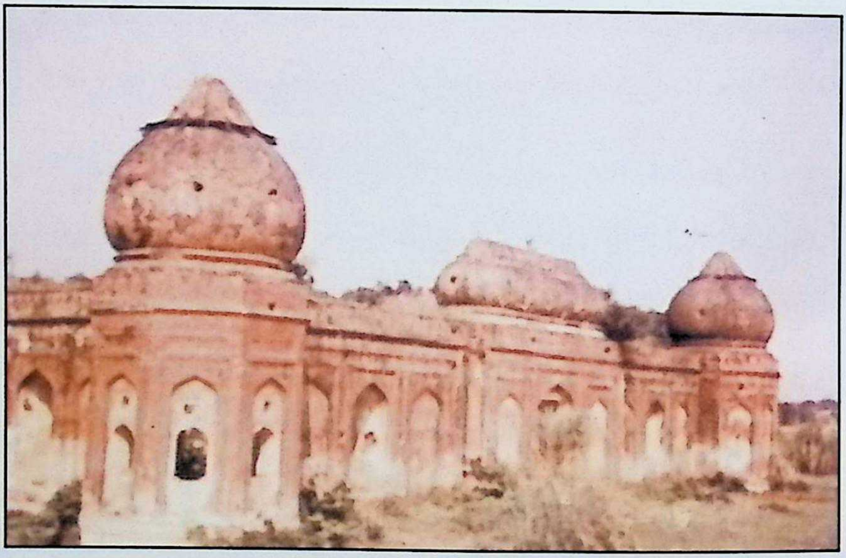

مقبرہ فتح خاں خانساماں، موضع منونہ (آنولہ)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور تکو جی ہولکر مرزا نجف خاں کے ساتھ گنگا عبور کر کے آگے بڑھ گیا تھا۔ تکو جی کی فوج میں شامل پنڈاری لوٹ مار میں مصروف ہو کر لشکر سے دور چلے گئے تھے۔[11]

اس درمیان میں انگریزی فوج سہسوان میں آ گئی اور بہت تیزی سے مارچ کرتی ہوئی 20 مارچ 1773 کو رام گھاٹ پہنچ گئی۔ ان کی آمد سے پہلے ہی تکو جی گنگا کے مشرقی کنارے کو چھوڑ کر بڑی تیزی سے سنبھل اور مراد آباد کی طرف نکل گیا۔ اس کا مقصد لوٹ مار کر کے روپیہ جمع کرنا تھا اور اُس نے ایسا ہی کیا۔ تکو جی کو یقین تھا کہ شجاع الدولہ اور انگریزی فوجیں اس کا تعاقب کریں گی اس لیے اُس نے رات دن لوٹ مار کی اور پتھ (Puth) مقام سے گنگا عبور کر کے علی گڑھ کی طرف نکل گیا لیکن اس کے پیچھے ویسا جی کی فوج باقی رہ گئی۔

مراٹھوں کی نقل و حرکت کی تفصیل سرکار بیان کرتا ہے: ''20 مارچ کی صبح دس بجے مراٹھوں نے گنگا کے مشرقی کنارے سے مغربی کنارے کی طرف گنگا عبور کی۔ گنگا عبور کرتے وقت انھوں نے اپنی طرف آتی ہوئی جنرل بارکر کی فوج پر کوئی فائر نہیں کیا۔ اس کے بعد کوئی تین ہزار بندوق بردار مراٹھے مغربی کنارے پر دکھائی دیے جو انگریزی فوج کا جائزہ لے رہے تھے جب مراٹھوں نے دیکھا کہ جنرل بارکر خیمے نصب کرا رہا ہے ویسا جی نے انگریزی فوج پر تیس راؤنڈ فائر کیے۔ اس کے جواب میں انگریزی فوج نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔ ویسا جی فوج کے ساتھ گنگا کا مشرقی کنارا چھوڑ کر چلا گیا۔[12]

اس واقعہ کے تھوڑی دیر بعد شجاع الدولہ بھی آ گیا۔ بظاہر گنگا کا مغربی کنارا خالی دکھائی دے رہا تھا لیکن کوئی چودھا میل کے فاصلہ پر ویسا جی خیمہ زن تھا اور تکو جی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پہلے ہی لوٹ مار کی غرض سے مراد آباد اور سنبھل کی طرف جا چکا تھا۔ تکوجی کے پاس لوٹ مار کا کافی سامان تھا اس لیے اُس نے بہت جلدی میں خیموں کو اکھاڑا اور گاڑیوں میں لدوا کر روانہ کر دیا۔ یہ کام اس نے اتنی جلدی میں کیا کہ لوٹ مار کرنے والے پنڈاریوں کو، جو ادھر اُدھر ڈاکہ زنی میں مصروف تھے، خبر بھی نہیں ہوئی۔

شجاع الدولہ نے اکیس اور بیس کی درمیانی شب میں پانچ ہزار فوجی دستہ (نجیب دستہ) کی نگرانی میں بیس توپیں گنگا کے مغربی کنارے پر اتار دیں اور جب 22 مارچ کو جنرل بارکر کی فوج مغربی کنارے پر پہنچی تو انھوں نے دیکھا کہ مراٹھوں کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ صرف لوٹ مار کرنے والے پنڈاری ہی دکھائی دے رہے تھے۔

22 مارچ کی صبح کو جنرل بارکر کی فوج گنگا کے مغربی کنارے پر خیمہ زن ہوگئی۔ اُسے مغرب کی طرف آٹھ میل تک کوئی بھی مراٹھا دکھائی نہیں دیا۔ ''حافظ رحمت خاں جو مدتوں سے شجاع الدولہ کے سلسلہ میں دوہرا کردار (Dubious attitude) ادا کر رہا تھا، شجاع الدولہ کے خیمہ میں آیا۔ اس کے علاوہ مرزا نجف خاں کے بہت سے آفیسر بھی آئے (جنھوں نے مراٹھوں کا ساتھ چھوڑ دیا تھا) اور نجف خاں کی باقی فوج بیس تیس کی ٹکڑیوں میں جب بھی فرار ہونے کا موقع ملا فرار ہوگئی تھی۔''[13]

جنرل بارکر پھر مشرقی کنارے پر آیا اور اس گھاٹ پر اُس نے مضبوط فوجی دستے کو تعینات کیا۔ 25 مارچ کو اسے اطلاع ملی کہ مراٹھا مراد آباد میں روہیلوں کو لوٹ رہے ہیں۔ اُس نے بہت تیزی سے مراد آباد کی طرف مارچ کر دیا۔ انگریزی فوج کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آمد کی خبر سن کر مراٹھا بھاگ گئے۔ لیکن بارکر کو اطلاع ملی کہ مراٹھے پھر رام گھاٹ کی طرف پلٹ رہے ہیں تو وہ بھی رام گھاٹ کی طرف لوٹ آیا (26 مارچ 1773)۔

روہیلہ ماخذوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مراد آباد پر مراٹھوں کی یورش کا حال سنا تھا تب حافظ رحمت خاں نے مستقیم خاں اور ملا صید خاں کو ان کا تعاقب کرنے کو کہا تھا اور وہ خود بھی سنبھل کی طرف روانہ ہوا تھا۔ مراٹھوں نے جب روہیلہ فوج کی آمد کی خبر سُنی تو انھوں نے رامپور کو لوٹنے کا ارادہ ترک کر دیا لیکن مراد آباد کو پوری طرح برباد کر کے کان مل (دیوان دوندے خاں) کو گرفتار کر لیا تھا۔ حافظ رحمت خاں نے تعاقب جاری رکھا تو دوسرے دن قصبہ اہار کے گھاٹ سے گنگا اتر گئے۔ حافظ رحمت خاں تکوجی کا پیچھا کرتا ہوا پھپھوند تک چلا گیا اور چند دن بعد شجاع الدولہ کے پاس آ گیا۔ یہاں دونوں میں چالیس لاکھ روپیہ [14] تمسک کی بات کئی دن تک جاری رہی لیکن کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا حالانکہ اس وقت بھی مراٹھا دوآب میں موجود تھے۔

انگریزی فوج 16 دن تک رام گھاٹ پر خیمہ زن رہی اس کے بعد انوپ شہر کے مقابل جنوب کی طرف بڑھنے لگی (30 اپریل) اور ان سے پہلے ہی مراٹھا دوآب کی طرف چلے گئے۔ تکوجی اور ویسا جی میں اس بات پر تکرار ہوتی رہی کہ انھوں نے تین سالہ (فروری 1770 - مئی 1773) مہم میں کیا حاصل کیا۔ وہ اٹاوہ اور خورجہ کے علاقوں میں کئی ہفتہ تک ٹھہر کر دکن جانے کی تیاری کرتے رہے۔

صلح کی آخری کوشش:- 21 اپریل کو مراٹھوں کے دو وکیل شجاع الدولہ اور بارکر سے ملے۔ وکیلوں نے یہ فیصلہ دیا کہ اگر حافظ رحمت خاں 15 لاکھ اور احمد خاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بنگش کا بیٹا (مظفر جنگ) پانچ لاکھ روپیہ تاوانِ جنگ ادا کر دیں تو سابقہ معاہدہ (بابت ادائیگی رقم) ختم ہو جائے گا۔ اس تجویز پر شجاع الدولہ اور جرنل بارکر نے رضا مندی ظاہر کر دی لیکن حافظ رحمت خاں راضی نہیں ہوا۔ اس نے چالیس لاکھ روپیہ دینے کے علاوہ کوئی بھی تاوانِ جنگ یا شجاع الدولہ کو فوجی اخراجات کے طور پر دینے سے انکار کر دیا حالانکہ ایک بُرے کام کا اچھا فیصلہ تھا۔ رُخصت ہوتے وقت تکوجی نے مرزا نجف خاں کی فوجی دستہ کی تنخواہ 26 ہزار روپیہ کے علاوہ علی گڑھ میں اُسے خلعت، جواہرات اور 19 پر گنے انعام میں دیے اور ویساجی نے چار دن بعد ضابطہ خاں کو رخصت کے وقت تحفے دیے۔[15]

تاریخ ہندوستان میں رام گھاٹ کی مہم مراٹھوں کی آخری مہم تھی جس نے مشرقی ہندوستان کی سیاست میں ایک ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ دوست اور دشمن کا فرق مٹ گیا۔ یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ اس مہم میں انگریزوں کا شریک ہونا اور ہندوستانی طاقتوں کے اندرونی معاملات، ان کی کمزوریوں، آپسی رنجشوں سے آگاہ ہونے کا بھرپور تجربہ حاصل ہونا، مستقبل میں ان کی حکومت کے قیام میں بڑا مددگار ثابت ہوا اور دوسری طرف شجاع الدولہ اور حافظ رحمت خاں کے دوہرے کردار (Dubious attitude) اور ہیر پھیر کی باتوں اور عمل (Double Dealing) نے مستقبل میں دونوں کو نقصان پہنچا کر مغلیہ حکومت کے زوال کے عمل کو اور تیز کر دیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روہیلوں اور شجاع الدولہ کے تعلقات

یہ سچ ہے کہ روہیلہ ماخذوں نے شجاع الدولہ پر بیجا الزامات بھی لگائے ہیں لیکن یہ بھی سچ ہے پار روہیلوں نے صوبیدارانِ اودھ سے تعلقات بحال کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش بھی نہیں کی خاص طور سے نجیب الدولہ کو وسیلہ بنا کر شجاع الدولہ سے بہتر تعلقات قایم کیے جا سکتے تھے۔ خراب تعلقات کی سب سے بڑی وجہ دونوں کے علاقوں کی جغرافیائی پوزیشن اور اس وقت کے سیاسی حالات تھے۔ اودھ اور دلّی کے درمیان خاندانِ بنگش اور کٹھیر کے روہیلہ ایک ایسی خلیج تھے جس پر قبضہ کر کے خلیج پُر کرنے کی کوشش صفدر جنگ کے عہد سے جاری تھی۔ اس نے بن گڑھ کی مہم میں بادشاہ محمد شاہ کو ہمنوا بنا کر نواب علی محمد خاں کی طاقت کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن دلّی دربار کی سیاست نے علی محمد خاں کو برباد ہونے نہیں دیا کیونکہ صفدر جنگ کے ایرانی گروپ کا سب سے طاقت ور مخالف تورانی گروپ کا لیڈر روز یر قمر الدین خاں نواب علی محمد خاں کا طرفدار تھا۔ اس کی موت کے بعد صفدر جنگ نے اپنے عہدِ وزارت میں پٹھانوں کے دو طاقتور قبیلوں بنگش اور یوسف زئی کو سازش کر کے حافظ رحمت خاں اور قایم خاں بنگش کو جنگ پر آمادہ کیا اور قایم خاں بنگش کے قتل کے بعد پٹھانوں کے ایک بازو کو توڑ کر عارضی طور پر فرخ آباد کی جنگ میں فتح اور شکست کی بدنامی اٹھانا پڑی لیکن جاٹوں اور مراٹھوں کی کرائے کی فوج نے بنگش اور پار روہیلوں کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا چلکیا معاہدہ کے تحت احمد خاں بنگش اور حافظ رحمت خاں نے چلکیا معاہدہ کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خلاف ورزی کر کے بادشاہ اور عماد الملک کے خلاف صفدر جنگ کا ساتھ نہیں دیا۔

شجاع الدولہ ان تمام حالات سے واقف تھا۔ اس نے بڑی حد تک احمد خاں بنگش پر اپنی طاقت کا اثر ڈال دیا حالانکہ وہ بھی تا حیات اس کا مخالف ہی بنا رہا، لیکن پار روہیلہ اس کے قابو میں پوری طرح نہ آسکے اور تمام سیاسی معاملات میں شجاع الدولہ اور حافظ رحمت خاں ایک دوسرے سے داؤں پیچ کی باتیں کرتے رہے اگر واقعات اور حالالت کا تجزیہ اس نظریہ سے کیا جائے کہ ملک گیری اور اقتدار حاصل کرنا سیاسی ضرورت ہے تو پھر اخلاق، قوم اور عقیدے کو بالائے طاق رکھ کر فیصلہ کرنا پڑے گا اور حافظ رحمت خاں کا دامن بھی الزام سے پاک نظر نہیں آئے گا۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ روہیلوں نے شجاع الدولہ کو کبھی بھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا لیکن صوبیداران اودھ نے ملک گیری کی ہوس میں روہیلوں کو ہمیشہ پریشان کیا اور ایک طاقت ور قوم اور زرخیز مملکت کے حکمران روہیلوں کو اپنی دیرینہ کینہ پروری کے باعث تنگ کرتے رہے بلکہ یہ کینہ پروری اور نفرت اس کے باپ صفدر جنگ سے شروع ہو کر اس کی اولادوں تک قائم رہی۔

''جب اکتوبر 1773 میں شجاع الدولہ نے نواب مظفر جنگ بنگش کی مدد سے اٹاوہ پر قبضہ حاصل کر لیا تھا تب حافظ رحمت خاں نے نواب مظفر جنگ کو خط لکھا تھا کہ تجھے شرم آنی چاہیے کہ تو نے ایک مغل کی اطاعت کر کے اپنے باپ (احمد خاں بنگش) کی روح کو صدمہ پہنچایا اور پٹھان قوم کو بے اعتبار کر دیا۔ مظفر جنگ نے یہ خط شجاع الدولہ کو بھیج دیا جسے پڑھ کر وہ بہت رنجیدہ ہوا۔''[16] عداوت کی دوسری وجہ بیان کرتے وقت نجم الغنی عماد السعادۃ کے حوالہ سے ایک خط کا تذکرہ کرتا ہے جسے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خاں کو اس وقت لکھا تھا جب وہ جنگ پٹنہ (مئی 1764) کی ناکامی کے بعد جنگ بکسر کی تیاری کر رہا تھا۔ یہ خط 1179 ہجری (1765) میں لکھا گیا تھا جو کسی طرح سے منیر الدولہ رضا قلی خاں قلعدار الہ آباد کے ہاتھ آ گیا اور اس نے سن ہجری بدل کر 1186 ہجری (اپریل 1773 فروری 1772) بنا کر گورنر ہیسٹنگز کے پاس اس غرض سے بھیج دیا کہ وہ شجاع الدولہ سے بدظن ہو جائے۔ اس خط میں شجاع الدولہ نے انگریزوں کو قوم نصاریٰ کہا تھا اور انگریزوں کے خلاف مدد کی درخواست کی تھی۔

ہیسٹنگز نے بنارس آ کر اس خط کی تحقیق کی۔ شجاع الدولہ نے بتایا کہ یہ خط اس نے اس وقت لکھا تھا جب اس کے اور انگریزوں کے درمیان جنگ تھی۔ اس میں تاریخ بدل دی گئی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس میں دوندے خاں کا ذکر ہے جو 1186 ہجری (اپریل 1772 - جنوری 1773) میں مر چکا ہے۔ شجاع الدولہ کی دلیل سے ہیسٹنگز مطمئن ہو گیا۔[17]

شجاع الدولہ کو تمام روہیلہ قوم کا دشمن قرار دینا درست نہیں کیونکہ اس نے نواب نجیب الدولہ کو سکرتال کے محاصرہ میں مراٹھوں سے نجات دلا کر روہیلہ قوم کو بدنامی سے بچایا تھا اور نواب نجیب الدولہ سے اس کی دوستی مثالی تھی بلکہ گزشتہ واقعات (پانی پت کی تیسری لڑائی) سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف نجیب الدولہ کی ذات تھی جس کی وجہ سے وہ مراٹھوں کے ساتھ نہ جا کر ابدالی کے کیمپ میں آ گیا تھا البتہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ اُسے حافظ رحمت خاں پر اعتبار نہیں تھا اور کٹھیر پر قبضہ کرنا اس کی ملکی اور سیاسی ضرورت تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شجاع الدولہ کی مفسدانہ ذہنیت کے بارے میں ''گل رحمت'' میں جو کچھ بھی لکھا ہے وہ اس لائق تو نہیں کہ آنکھ بند کر کے اس پر یقین کر لیا جائے لیکن آئندہ پیش آنے والے واقعات اور ہیس ٹنگز کی ڈائری کی تحریر اور سلیکشن کمیٹی (کلکتہ) میں زیر بحث آنے والی پروسیڈنگ کے پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ بات صاف ظاہر ہے کہ شجاع الدولہ پار روہیلوں کے علاقے کو ہڑپ کرنے کے لیے کسی مناسب وقت کی تلاش میں تھا۔ اس کا اظہار اُس نے ہیس ٹنگز کو لکھے گئے ایک خط میں کیا تھا جس کا جواب ہیس ٹنگزس نے 22 اپریل 1773ء کے خط میں دیا تھا:

''عالیجاہ (شجاع الدولہ) کا خط ملا، حضور نے مراٹھوں کو بیدخل کرنے کے بارے میں تحریر کیا ہے۔ حضور نے جنرل (سر رابرٹ بارکر) سے وعدہ کیا ہے کہ جب بھی مراٹھوں کو (پار روہیلہ علاقوں سے) نکال دیا جائے گا اور حافظ رحمت خاں چالیس لاکھ روپیہ ادا کرنے کا وعدہ پورا کر دیں گے، حضور نصف رقم (بیس لاکھ روپے) کمپنی کو ادا کریں گے اور اگر سرداران روہیلہ رقم ادا کرنے میں عذر کریں گے تو ان کو (ان کے علاقوں سے) بیدخل کر دیا جائے گا اور ان علاقوں پر عالیجاہ کا قبضہ کرا دیا جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عالیجاہ اور کمپنی کے درمیان دوستانہ تعلقات رہے ہیں اور عالی جاہ نے بھی بار بار کمپنی پر اعتبار کرنے کا اظہار کیا ہے۔ لیکن جس نکتہ کی طرف (روہیلوں کو بیدخل کرنے) حضور نے اشارہ کیا ہے وہ بڑا نازک اور اہم مسئلہ ہے اس سلسلہ میں رسمی معاہدے کی تکمیل ضروری ہے ورنہ میرے ملازم (خاص طور سے سر رابرٹ بارکر اور کرنل چیمپین) مجھ سے برہم ہو جائیں گے۔

میں بہت دنوں سے پار روہیلہ علاقوں کو حضور کے ملک میں شامل کرنے کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضرورت کے بارے میں سوچ رہا ہوں اور یہ کام اس طرح انجام دیا جاسکتا ہے کہ یا تو ہمارے اور حضور کے درمیان ابدی دوستی (معاہدہ کے ذریعہ) قایم ہو جائے یا پھر روہیلوں کی طاقت کو کم کر کے انھیں تعمیل حکم پر مجبور کر سکیں۔ اس طرح حضور کے ملک کی سرحدوں کا تحفظ بھی ہو جائے گا اور گنگا کے دوآبہ کے تمام علاقوں پر حضور کا قبضہ ہو جائے گا اور مراٹھوں کے (دوبارہ) داخل ہونے کا خطرہ بھی ٹل جائے گا۔

آپ نے بار بار لکھا ہے کہ دشمن کا دروازے تک آنے کا انتظار کیا جائے اور جب دشمن ہماری زد میں آجائے تو انھیں بھگت لیں گے۔ حضور کی بات تو ٹھیک ہے لیکن بار بار (کلکتہ سے) مدد کے لیے (کمپنی کی فوج) آنا راستہ کی دشواریاں وغیرہ وہ نکتے ہیں جن پر غور ہونا چاہیے۔ اس بارے میں کمپنی سرکار اور حضور والا کے درمیان معاہدہ بھی ہونا چاہیے اور یہ سب کچھ محض زبانی بات چیت کے ذریعہ ممکن نہیں ہو سکتا۔[19]

جب عنایت خاں اور اس کے والد حافظ رحمت خاں میں جھگڑا حد سے زیادہ بڑھ گیا تب عنایت خاں شجاع الدولہ کے پاس فیض آباد چلا گیا تھا۔ اُس نے محسوس کیا کہ شجاع الدولہ روہیلوں کے علاقوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس موقع پر عنایت خاں کے حوالے سے گل رحمت کا بیان ہیس ٹنگز اور شجاع الدولہ کے مابین خط کتابت کے پس منظر میں سچ معلوم دیتا ہے۔ ''اب ہمارا شجاع الدولہ کے پاس رہنا مناسب نہیں ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ عنقریب روہیلوں کے علاقوں پر قبضہ کرنے کا ارادہ کرے گا۔ بہتر ہے کہ ایسا ہونے سے پہلے جناب قبلہ و کعبہ (حافظ رحمت خاں) کو اس کے (شجاع الدولہ) ارادے سے مطلع کر دوں۔''[19]

ہیس ٹنگز نے سلیکٹ کمیٹی کے سامنے جو رپورٹ پیش کی تھی اس میں لکھا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہے "ایک طرف مراٹھا صرف لوٹ مار کے لیے ان کے (روہیلوں) علاقوں میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ اتنی دور (پونا میں) رہتے ہیں کہ روہیلہ علاقوں پر قبضہ باقی رکھ ہی نہیں سکتے اور دوسری طرف صوبیدار اودھ (شجاع الدولہ) روہیلوں سے حسد کرتا ہے اور روہیلوں کا دشمن ہے۔" [20] غلام حسین نے بھی کتنے ہی واقعات لکھے ہیں جن سے شجاع الدولہ کی ذہنیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ "شجاع الدولہ نے سعد اللہ خاں ولد نواب علی محمد خاں، عنایت خاں ولد حافظ رحمت خاں سے جو پانچ ہزار دستہ کے ساتھ پٹنہ کے محاصرہ میں شجاع الدولہ کے ساتھ تھا، تعلقات کو فراموش کر کے یہ چاہا کہ قومِ افاغنہ (روہیلوں) کا نام ونشان مٹا دے۔" [21]

گزشتہ واقعات سے یہ ثابت ہے کہ جب قایم خاں بنگش کے قتل کی خبر صفدر جنگ کو دلّی میں ملی تھی وہ بہت خوش ہوا تھا اور اس کی بہادری کا مذاق اڑایا تھا۔ اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ غلام حسین نے بیان کیا ہے "جب حافظ رحمت خاں کا سر اسکے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے کہا، الحمد للہ! آج اس فرقہ سے ان گستاخیوں کا بدلہ لے لیا گیا جو انہوں نے میرے والد (صفدر جنگ) اور مومنین (شیعہ) کی شان میں کی تھیں۔" [22] لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ صفدر جنگ اور بادشاہ احمد شاہ کے مابین 1753 کے تنازعہ میں عماد الملک نے شیعہ اور سنّی کا نعرہ دے کر محمدی جھنڈا بلند کرا کر صفدر جنگ کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ صفدر جنگ کی فوج میں ملازم روہیلہ بھی اس کا ساتھ چھوڑ کر نجیب الدولہ کے ساتھ چلے گئے تھے۔ بعد میں نجیب الدولہ نے شجاع الدولہ سے تعلقات بحال کر لیے لیکن حافظ رحمت خاں تعلقات استوار نہ کر سکا۔

فوجی طاقت کے نقطہ نظر سے اگر شجاع الدولہ اور پاروہیلہ کا موازنہ کیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جائے تو کئی لحاظ سے روہیلوں کی فوجی طاقت شجاع الدولہ سے بہتر تھی البتہ شجاع الدولہ کے پاس شمالی ہندستان میں سب سے اعلیٰ توپ خانہ تھا۔اس کے علاوہ بھی وہ مسلسل جنگوں میں شکست کھا کر انگریزوں کے رحم وکرم پر زندہ تھا جبکہ روہیلہ اتنی طاقت ضرور رکھتے تھے کہ وہ کسی بھی دشمن کے مقابلہ میں چالیس ہزار فوج میدانِ جنگ میں ہر وقت اتار سکتے تھے۔ روہیلوں کی اتنی طاقتور قوم کو نیچے جھکانے کے چکر میں شجاع الدولہ انگریزوں کے قدموں میں جھکتا چلا گیا اور دونوں کے درمیان وقت کے ساتھ ساتھ فاصلے بھی بڑھتے چلے گئے۔ شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خاں کا دل جیتنے کے بجائے مراٹھوں کے رام گھاٹ سے جانے کے بعد ''جوان روہیلہ سرداروں مثل احمد خاں، فتح اللہ خاں، محتشم خان وغیرہ کو اعزاز اور مراعات دینے کے وعدے کر کے خریدنا شروع کر دیا''۔(گل رحمت 103a، 116b) روہیلہ فوج کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ ان کی فوج کسی ایک کمانڈر کے زیرِ کمان نہیں تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب انیس/فصل سینتیس

پار روہیلوں کے حالات 1772 - 1773

روہیلوں کی بہادر اور حوصلہ مند نسل اپنی طبعی عمر کو پہنچ کر ختم ہونے لگی اور ان کی جوان نسل جو قبائلی جنگجویانہ فطرت سے کسی حد تک دور ہوگئی تھی، ہندوستانی مزاج میں رنگنا شروع ہوگئی تھی۔ بخشی سردار خاں ابتدائی دور کے روہیلہ سرداروں میں نہایت معتبر، دلیر، اور اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا مالک سردار تھا۔ گنگا پور (نانک متہ) کی غیر صحت مند آب و ہوا اور گندے پانی کے باعث بیمار ہوکر لوٹا تھا۔ 24 ربیع الاول 1187 ہجری (16 جون 1773) یا 1186 ہجری (1773) میں اُس کا ایک سو سال کی عمر میں آنولہ میں انتقال ہوگیا اور وہیں پر دفن ہوا (گل رحمت 90b-شو پرشاد 83 a)۔ سردار خاں کا تعلق کمال زئی قبیلہ سے تھا۔ نواب علی محمد خاں کے زمانے سے، عہدۂ بخشی، پر فائز تھا۔ متقی، پرہیز گار، عابد، سخی، رحم دل اور پابند نماز تھا۔ تجوید و تدبیر میں بے نظر تھا۔ رعیت سے نذرانہ لینا گناہ سمجھتا تھا۔ روہیلوں میں اعلیٰ کردار اوز پرہیز گاری کی وجہ سے افضل اور معتبر رہا۔ اس کے آٹھ بیٹے تھے۔ محمد خاں، احمد خاں، شہامت خاں، سعادت خاں، حبیب خاں، فقیر محمد خاں وغیرہ۔ اُس کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔ سردار خاں ابن موسم خاں ابن احمد خاں، ابن شریف خاں، ابن محمد خاں (معروف بہ خان)

سردار خاں کی موت کے بعد تقسیم املاک کے سلسلہ میں اسکی اولادوں میں تنازعہ شروع ہوگیا۔ حافظ رحمت خاں نے بہت سمجھایا لیکن وہ لوگ نہیں مانے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہاں تک کہ محمد خاں (پسر سردار خاں) فتح خاں خانساماں، احمد خاں بخشی اور مولوی غلام جیلانی وغیرہ رسالہ داروں سے لڑنے پر آمادہ ہوگیا اور گرفتار کرلیا گیا۔ احمد خاں کو سردار خاں کا قائمقام بنادیا گیا

فتح خاں خانساماں رام گھاٹ کی مہم میں مراٹھوں کے خلاف محاذ پر تھا۔ مراٹھوں کے جانے کے بعد آنولہ لوٹ کر آیا تو فالج کے مرض میں مبتلا ہوگیا اور 1773 میں انتقال ہوا۔ آنولہ میں دفن کیا گیا۔ اس کی موت کے بعد حافظ رحمت خاں نے ساری جائیداد اس کے دو بیٹوں احمد خاں اور اعظم خاں میں تقسیم کرادی۔ احمد خاں نے عمر میں بڑا ہونے کے ناطے اس تقسیم کو اپنی حق تلفی سمجھ کر تلوار اٹھالی۔ حافظ رحمت خاں کی وجہ سے دونوں بھائیوں میں جھگڑا تو نہیں ہوا لیکن احمد خاں حافظ رحمت خاں سے ناراض ہی رہا۔

فتح خاں سردار داؤد خاں کا چیلا تھا۔ کم عمری میں مسلمان ہوا تھا۔ قوم کا برہمن تھا۔ ذہین اور باعلم تھا۔ نواب سعد اللہ خاں، الہ یار خاں، محمد یار خاں، مرتضیٰ خاں (پسر علی محمد خاں) کا اتالیق تھا۔ نیک، صاحب کردار، رحم دل اور خدا ترس انسان تھا۔ اس نے سیکڑوں کنویں، مسجدیں، اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ بیس پل بھی تعمیر کرائے۔ انتقال کے بعد چھ بیٹے چھوڑے۔ احمد خاں، اعظم خاں، معظم خاں، عظیم خاں، دلیر خاں، ذوالفقار خاں اور ارشاد احمد خاں۔

عنایت خاں اور حافظ رحمت خاں میں تنازعہ:- پار روہیلوں کی دوسری نسل میں جن روہیلہ سرداروں کی اولادوں نے نام کمایا ان میں عنایت خاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سرفہرست ہے۔ وہ حافظ رحمت خاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ باا ثر اور معاملہ فہم تھا اور اکثر روہیلوں کے باہمی تنازعات اور معاملات طے کرنے کے سلسلہ میں حافظ رحمت کی طرف سے سفارت پر بھیجا جاتا تھا۔ اس لیے شجاع الدولہ اور دیگر رؤسا سے اچھے تعلقات رکھتا تھا۔ اس پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ شجاع الدولہ عنایت خاں کو بہکا کر حافظ رحمت کے خلاف ورغلاتا رہتا ہے (اخبار الصنادید جلد اول 431.بحوالیہ اخبار حسن)۔

یہ کہنا بیجا نہیں ہوگا کہ اسے جنگ کے معاملات میں حافظ رحمت خاں سے کم تجربہ نہیں تھا۔ پانی پت کی تیسری لڑائی (1761) میں حافظ رحمت خاں بیماری کے باعث جنگ کے میدان سے چلے آئے تھے لیکن عنایت خاں بڑی جواں مردی سے زخمی ہونے کے بعد بھی آخر تک لڑتا رہا۔ اسی طرح جنگ پٹنہ میں (مئی 1764) میں وہ پانچ ہزار دستہ کے ساتھ شریک جنگ رہا اور انگریزوں کے طریقۂ جنگ اور قواعد داں فوج کی اہمیت سے واقف ہوا۔ سفارتی معاملات میں باا ثر اور معاملہ فہم ہونے کے باعث ہی بلونت سنگھ راجا بنارس نے عنایت خاں کو شجاع الدولہ کے حضور باریابی کا ذریعہ بنایا تھا۔ حالانکہ راجا بلونت اتنا مغرور تھا کہ صفدر جنگ کے زمانے سے ہی ناظم بنارس تھا لیکن باقاعدہ زرِ محصولات ادا کرنے کے بعد بھی شجاع الدولہ کی خدمت میں کبھی حاضر نہیں ہوا تھا۔ کتنے ہی باغی اور سرکش زمینداروں کی سرکوبی کے لیے اُسے بھیجا گیا اور وہ کامیاب رہا۔

دراصل حافظ رحمت خاں اور عنایت خاں میں بڑھاپے اور جوانی کے فرق کے علاوہ سیاسی بصیرت اور مزاج میں بھی فرق تھا۔ عنایت خاں نے اپنے عہد کی ضرورتوں اور مزاج کو پہچان لیا تھا۔ اس کی بلند حوصلگی بزورِ شمشیر مقبوضات پر قبضہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مضبوط رکھنے اور اس دور کی طاقتوں سے رابطہ پیدا کرنے پر اُسے اُکسا رہی تھی اس لیے وہ حقیقت پسند اور حاکمانہ ذہنیت کا انسان بن گیا تھا۔ اُسے خاندان کے بزرگ کی طرح، روہیلہ سرداروں کی جائیدادوں کے تنازعہ میں تصفیہ کرانے کی، حافظ رحمت خاں کی عادت پسند نہیں تھی کیونکہ اس سے روہیلوں کی جوان نسل میں ناراضگیاں بڑھ رہی تھیں اور روہیلہ سرداروں کی اولادیں حافظ رحمت خاں کی مخالف بنتی جا رہی تھیں۔

جب اٹاوہ پر قبضہ کرنے مراٹھا آ گئے تھے (ستمبر 1770) اور دوندے خاں نے اٹاوہ، شکوہ آباد اور پھپھوند وغیرہ کے علاقوں پر قبضہ قایم رکھنے میں مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا اور حافظ رحمت خاں مراٹھوں کو یہ علاقے دینے پر راضی ہو گئے تھے، تب عنایت خاں نے کہا تھا کہ یہ علاقے مجھے تفویض کر دیے جائیں لیکن حافظ رحمت خاں نے انکار کر دیا تھا اور عنایت خاں بددل ہو گیا تھا۔

عنایت خاں اور حافظ رحمت خاں کا جھگڑا اس وقت شروع ہوا جب نانک متہ میں ہزاروں فوجی مر گئے اور عنایت خاں نے نئی فوج بھرتی کر لی۔ یہ بات حافظ رحمت خاں کو بری لگی۔ پھر بھی عنایت خاں نے کہا کہ جو فوج بھرتی کر چکا ہوں اُسے معزول نہ کیا جائے بلکہ کچھ اور پرگنے فوجی اخراجات کے لیے اسے دیدیے جائیں۔ لیکن حافظ رحمت خاں کی ضدی طبیعت نے اس کی معقول بات کو نظر انداز کر کے فوج کو معزول کرنے کا حکم دے دیا۔

بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی کہ باپ اور بیٹے کے درمیان باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ روہیلہ ماخذوں کے مطابق سلطان خاں اور افضل خاں (برادر نجیب الدولہ جوان دنوں نجیب آباد سے فرار ہو کر بریلی آ گئے تھے) نے عنایت خاں کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دھوکہ سے بلا کر گرفتار کرا دیا۔ اس طرح ایک لائق اور بہادر جانشین گمنامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گیا اور بہت جلد ہی اکتیس سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ اسے بریلی میں عنایت خاں کے باغ میں دفن کر دیا گیا۔

عبدالستار خاں پسر صدر خاں رسالہ دار جس کی جائیداد پرگنہ فرید پور میں تھی 1187 ہجری (1773-1774) میں مر گیا۔ وہ حافظ رحمت خاں کی فوج میں ایک اچھا رسالہ دار تھا اور قابل بھروسہ نوجوان نسل سے تعلق رکھنے والا فوجی تھا۔

دوندے خاں کی اولادوں میں تنازعہ:- نواب دوندے خاں کا تعلق داؤد خاں کے ابتدائی ساتھیوں سے تھا۔ نہایت باا ثر سردار تھا اور نجیب الدولہ کا سسر بھی تھا۔ اس کے انتقال (17 اگست 1771ء) کے بعد اس کے بیٹوں محبّ اللہ خاں، فتح اللہ خاں، عظیم اللہ خاں میں جائیداد کی تقسیم پر جھگڑا شروع ہو گیا۔ محبّ اللہ خاں نے مرادآباد پر قبضہ کر لیا اور سنبھل وغیرہ پر فتح اللہ خاں نے۔ عظیم اللہ خاں کو کیا ملا؟ اس کا ذکر نہیں ملتا۔

مندرجہ بالا واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو فتوحات ایک دل، ایک جان ہو کر ابتدائی دور کے روہیلہ سرداروں نے حاصل کی تھیں اور ایک متحد افغانی طاقت بن کر اُبھرے تھے جس سے صفدر جنگ صوبیدارِ اودھ کو بھی خطرہ پیدا ہو گیا تھا، وہ طاقت دوسری نسل میں آ کر ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ گویا ایک سردار کی کمانڈ میں جتنی فوج تھی اس کے کئی کمانڈر بن گئے۔ اس دور میں پار روہیلہ سرداروں کی فوج کی بنیادی کمزوری فوجی طاقت کی ٹکڑوں میں تقسیم تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پار روہیلہ قوم اب وہ فوجی قوم (Martial Race) نہیں رہی تھی جو کسی دوسری طاقت کو چیلنج کر سکے بلکہ وہ اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ اُسے اپنے تحفظ کے لیے دوسری طاقتوں، خاص طور سے شجاع الدولہ کی مدد کی ضرورت پڑنے لگی تھی۔ اس قوم کی کمزوری کی پہلی وجہ بزرگ سردارانِ روہیلہ کی موت اور دوسری وجہ حافظ رحمت خاں کی بوڑھی قیادت تھی جسے دوسری نسل کے سردار صرف مروت کی خاطر برداشت کیے ہوئے تھے بلکہ بہت سے سرداروں کی اولادوں کو رام گھاٹ کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد جیسے 'احمد خاں بخشی' محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں، شجاع الدولہ نے انعام اور رعایتیں دیکر اپنا ہمنوا بنالیا تھا (گل رحمت 103b)۔ لیکن کٹرہ میران پور کی جنگ میں ان کی شرکت یہ ثابت کرتی ہے کہ ان میں کسی حد تک افغانی غیرت باقی رہ گئی تھی۔

شاہ عالم اور انگریزوں کے تعلقات:- الہ آباد اور کڑا کے جو علاقے گورنر کلائیو کی مدد سے بادشاہ کو مل گئے تھے (1765) وہ مجبوراً بادشاہ کو مراٹھوں کو دینا پڑے تھے جس کی وجہ سے کمپنی سرکار بادشاہ سے ناراض ہو گئی تھی۔ جب شاہ عالم نے صوبہ بنگال کی خراج کی رقم طلب کی (جو 1770 تک باقاعدہ ادا ہوتی رہی تھی) تو ہیس ٹنگز نے بادشاہ کو لکھ دیا کہ وہ بنگال سے خراج کی توقع نہ رکھے اور 1765 کے معاہدے کی رو سے جو خراج ادا کیا جا رہا تھا وہ 1772 میں بند کر دیا گیا۔ لارڈ کلائیو نے دلّی حکومت سے جو معاہدے کیے تھے (جس میں کڑا اور الہ آباد کی آمدنی دینے کا بھی وعدہ تھا) وہ سب منسوخ کر دیے گئے۔ بورڈ آف ڈائریکٹرس نے ہیس ٹنگز کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس رائے سے اتفاق کرلیا کہ شاہ عالم کو روپیہ دینا یا کوئی رعایت دینا اس کے مربیؔ مراٹھا قوم کو طاقتور بنانا ہے جو کمپنی سرکار کے لیے نیا ابھرتا ہوا خطرہ بن گئے تھے مراٹھوں نے شاہ عالم کی مدد سے بنگال اور بہار فتح کرنے کا پلان بنایا لیکن بادشاہ نے مراٹھوں کی مدد کرنے سے انکار کردیا۔ شجاع الدولہ نے روہیلوں کا علاقہ ہڑپ کرنے کا پلان بنایا۔ اس نے انگریزوں سے معاہدہ کیا اور بادشاہ کی رضامندی بھی حاصل کرلی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1- Polier : 25

2- Sarkar : iii 56. quoted C.P.C. iv 172-183

روہیلہ اور مراٹھوں کے درمیان جنوری 1771 کے کسی معاہدہ کا ذکر سرکار نے نہیں کیا ہے البتہ اس نے ایک ایسے معاہدہ کا ذکر ضرور کیا ہے جس میں مراٹھوں نے احمد خاں بنگش اور روہیلوں سے 22 لاکھ روپے طلب کیے تھے وہ اس لیے کہ انھوں نے دس سال تک دوآب کے ان علاقوں (اٹاوہ، شکوہ آباد، پھپھوند زیر اقتدار روہیلہ اور کچھ علاقے احمد خاں بنگش کے قبضہ میں تھے) کی آمدنی حاصل کی تھی جو پانی پت کی تیسری جنگ کے بعد (1761) ابدالی نے انھیں دیدیے تھے یا پھر بزورِ شمشیر روہیلوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ احمد خاں بنگش حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں نے یہ رقم تین سال میں ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔(Sarkar iii 18)

3- Sarkar : iii 56

4- اخبار الصنادید جلد اول 448. Iqbal : 151

5- گل رحمت 103a

6- ضمیمہ 8

7- گل رحمت 103b - اقبال حسین 152 بحوالہ عماد السعادۃ 116 رقعات لکشمی نرائن 5-6

8- Sarkar : vol. iii 56-57 - گل رحمت 101b

9- گل رحمت 99a، 100b

10- گل رحمت 100b

11- Sarkar: vol. iii 57 quoted Macpherson's "soldiering in India" and C.P.C. iv, D.C. vi, S.P.D. xxix 278, Ibrat i 228, Miskeen 287-288, Gouhar Ali iii 18-19 Munna Lal 144-145, Akhbarat 33

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

12- Sarkar : vol. ii 58

13- " " "

14- گل رحمت 102- Sarkar : vol. iii 60

C.P.C. iv میں صفحہ 475 میں شجاع الدولہ کا طلب زر کا معاملہ اور 481 صفحہ پر حافظ رحمت خاں کے جواب کا ذکر ہے اور بہاری لال نے تذکرہ کیا ہے کہ روہیلہ تمسک کی رقم دینے میں کیوں ناکام ہوئے۔

15- Sarkar : vol. iii 60

16- اخبار الصنادید جلد اول 448-449

17- " 474

18- Strachy : 88-89

19- گل رحمت 105b

20- Strachy : 120, Forrest's Selection i,78

21- سیر المتاخرین جلد سوم 92

22- سیر المتاخرین جلد سوم 94

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب: بیس
فصل: اڑتیس

روہیلوں کے خلاف شجاع الدولہ اور انگریزوں کی سازش

ہیس ٹنگز پہلا گورنر تھا جس نے ہندوستان میں انگریزی حکومت کی بنیاد رکھی۔ اُس نے نہایت دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے 7 دسمبر 1773 کو شجاع الدولہ کے ساتھ معاہدہ بنارس کیا اور شاہِ ہندوستان کے فرمان اور اجازت کو بالائے طاق رکھکر ایک ڈکٹیٹر کی حیثیت سے کلکتہ میں سلیکٹ کمپنی کے سامنے حاضر ہو گیا۔ اب وہ صرف بنگال، بہار، اُڑیسہ کا بورڈ آف ڈائریکٹر کی طرف سے مقرر کیا ہوا گورنر جنرل ہی نہ تھا بلکہ کڑا اور الہ آباد کا حاکم بھی بن گیا تھا جس نے شاہ عالم ثانی کے صوبوں پر قبضہ کر کے خراج دینا بند کر دیا تھا اور انگریزوں کی طرف سے پچاس لاکھ روپیہ سالانہ پر کڑا اور الہ آباد کے علاقوں کو شجاع الدولہ کو دیدیا تھا اور جب سر رابرٹ بار کر نے اعتراض کیا تھا تو اس نے نہایت دلیری کے ساتھ کہا تھا: ''اب کمپنی کی حکومت بادشاہِ ہندوستان کی سند پر قایم نہیں ہے۔ ہم نے تلوار سے بنگال فتح کیا ہے اور اب تلوار ہی اس کی حفاظت کرے گی۔ میں رہوں یا نہ رہوں، ہر آنے والے گورنر جنرل کو تلوار سے حفاظت کرنا ہوگی۔'' گویا ہیس ٹنگز کے عہد سے کمپنی نے ہندوستان میں تجارت کی جگہ حکومت کرنے کی پالیسی کو اپنا لیا تھا۔

لارڈ کلائیو کے عہد تک کمپنی جن علاقوں کو تلوار سے فتح کرتی تھی ان مقبوضات پر قانونی طور پر قبضہ بحال رکھنے کے لیے خراج دے کر بادشاہِ ہندوستان سے سند حاصل کرتی تھی لیکن 3 جولائی 1766 میں چھپرہ کانفرنس (جنوبی بہار) سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قدم ستمبر 1773 میں ہیس ٹنگز نے اٹھایا تھا وہ لارڈ کلائیو کے خواب کی تعبیر تھا۔ اس کان فرنس میں جاٹ راجا جواہر سنگھ، شجاع الدولہ، سردارانِ روہیلہ اور شاہ عالم ثانی (بادشاہ) کے وفد نے شرکت کی تھی۔ کلائیو نے اس بات پر زور دیا تھا کہ مراٹھوں کے خلاف ہم سب کو مشترکہ فوجی محاذ بنانا چاہیے۔ اور اسی کانفرنس میں کلائیو نے بادشاہ پر زور دے کر صوبۂ اودھ کی صوبیداری شجاع الدولہ کو تفویض کرادی تھی جسے بادشاہ نے 1764 میں اپنے بیٹے کے نام کردی تھی۔

کڑا اور الہ آباد پر قبضہ کر کے ہیس ٹنگز نے شجاع الدولہ سے ملنے اور تمام پرانے مسائل، جن میں روہیلوں کا مسئلہ بھی شامل تھا، مجلس عاملہ (Select Committee) سے بات کر کے شجاع الدولہ پر دو لاکھ دس ہزار روپیہ فوجی خرچ کا بوجھ ڈال دیا جسے اس نے بخوشی منظور کر لیا اور کڑا اور الہ آباد کا علاقہ 45 لاکھ روپیہ سالانہ پر شجاع الدولہ کو دیدیا جبکہ ان علاقوں کی آمدنی 35 لاکھ روپیہ سے زیادہ نہ تھی۔[1] معاہدہ کو قانونی شکل دینے سے پہلے یہ طے ہو گیا تھا کہ روہیلوں کے استیصال کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا جائے گا کیونکہ اس سے فوجی اخراجات میں بیجا اضافہ ہوگا۔ شجاع الدولہ اور ہیس ٹنگز کے مابین معاہدۂ بنارس ہو گیا (7 ستمبر 1773)۔ اس معاہدہ کے بعد شجاع الدولہ اور ہیس ٹنگز نے روہیلوں کے استیصال سے متعلق ایک نیا معاہدہ بھی کیا جس میں یہ طے کیا گیا کہ روہیلوں سے چالیس لاکھ روپیہ وصول کرنے کے لیے شجاع الدولہ کو ایک بریگیڈ دی جاسکتی ہے جس کا خرچ دو لاکھ دس ہزار روپیہ شجاع الدولہ کو ادا کرنا ہوگا۔ کمپنی کی فوجیں گنگا کے پار نہیں جائیں گی اور نہ پہاڑوں کے دامن تک کوچ کریں گی۔ وزیر صرف گنگا کے شمال مشرقی علاقوں کو فتح

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرے گا۔ ان مفتوحہ علاقوں سے کمپنی کچھ نہیں لے گی بلکہ پچاس ہزار روپیہ لیکر فاتحانہ حق سے دست بردار ہو جائے گی۔

ہیسٹنگز خوش تھا کہ اس نے کمپنی کے لیے مالی فائیدہ حاصل کر لیا اور شجاع الدولہ اس بات سے خوش تھا کہ اُسے اپنا کھویا ہوا کوڑا اور الہ آباد کا علاقہ مل گیا اور وہ انگریزوں کی مدد سے روہیلوں کا علاقہ بھی اپنی مملکت میں شامل کر لے گا۔ لیکن جب اس نے غور کیا تو یہ سوچ کر پریشان ہو گیا کہ وہ ان تمام مالی ذمہ داریوں کو کس طرح انجام دے پائے گا۔[2] ہیسٹنگز بھی پریشان تھا کیونکہ بورڈ آف ڈائیکٹرس نے اُسے روہیلوں کے ملک پر قبضہ کرنے اور ان کو زبردستی ان کے ملک سے نکالنے کی مکمل آزادی نہیں دی تھی۔ اس خیال کا اظہار اس نے اپنے دوست لارینس سلوان (Lawrence Sulivan) کو لکھے ایک خط (12 اکتوبر 1773) میں کیا ہے کہ روہیلوں کا علاقہ حاصل کرنے کے بعد اودھ کی تحفظی سرحد (Defencive Line of Vazir's Dominion) مکمل ہو جائے گی۔ لیکن ہاؤس آف کامنس میں روہیلوں کا استیصال پسند نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہاں اصولوں پر زیادہ بحث ہوتی ہے لیکن کمپنی کی مالی دشواریوں کے پیش نظر انگریزی فوج کو جب موقع ملتا ہے میں کرائے پر دیدیتا ہوں۔[3]"

سر رابرٹ بارکر روہیلوں کے معاملات کے بارے میں لکھتا ہے کہ حالانکہ روہیلہ بے حد بہادر اور سرکش ہیں لیکن ان سے شجاع الدولہ یا کمپنی سرکار کو کسی قسم کا خطرہ لاحق نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے لیکن اگر مراٹھا (1772 کے بعد) کٹھیر میں داخل ہو کر ایک بار بھی دریا عبور کر گئے تو بنگال تک انھیں کوئی روکنے والا نہیں ہوگا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روہیلوں کی نیت یہ ہے کہ مراٹھا اور شجاع الدولہ دونوں سے ملے رہیں۔ شجاع الدولہ کو اس بات کا افسوس نہیں کہ روہیلوں نے چالیس لاکھ روپیہ دینے سے انکار کر دیا اُسے تو خوشی ہے کہ اس بہانہ سے روہیلہ علاقہ پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔[4]

حقیقت یہ ہے کہ ہیس ٹنگز س کو کمپنی کی مالی حالت سُدھارنے یا اودھ کی جغرافیائی حدود کو مستحکم کرنے کی اتنی فکر نہ تھی جتنی اس رشوت کی ضرورت تھی جو شجاع الدولہ کے ذریعہ ملی تھی ورنہ وہ شجاع الدولہ سے کوئی معاہدہ نہیں کرتا کیونکہ وہ خود ڈائریکٹرس کو لکھ چکا تھا کہ شجاع الدولہ غدار اور ناقابلِ اعتبار عام ہندوستانی شہزادوں جیسا شخص ہے۔ اس کا ثبوت اس کا یہ خط ہے ''میں مانتا ہوں کہ محض اس غرض (جغرافیائی حدود کا استحکام اور کمپنی کی مالی مدد) سے روہیلوں پر حملہ کرنا درست نہیں تھا اور حملہ کے جواز میں کوئی معقول دلیل بھی نہیں ہے لیکن موقع پرست سٹہ باز کی طرح میں نے بھی اس موقع سے فائیدہ اٹھانے کی جرأت کی ہے۔[5]'' اس معاہدہ کے بعد بھی اس نے شجاع الدولہ پر معاہدہ کی پاسداری کے سلسلہ میں اپنے شک کا اظہار ایک نجی خط میں کیا ہے ''شجاع الدولہ طاقتور ضرور ہے لیکن انگریزوں کے خلاف دغابازی کا ثبوت دے چکا ہے اور وہ روہیلوں سے حاسدانہ رویہ رکھتا ہے۔'' [6]

ضابطہ خاں کی شکست کے بعد جب مراٹھا کٹھیر میں داخل ہو گئے تھے اس وقت روہیلہ اور شجاع الدولہ دونوں کشمکش میں مبتلا تھے۔ دونوں کو ایک دوسرے پر اعتبار نہیں تھا۔ دونوں یہ فیصلہ بھی نہیں کر پا رہے تھے کہ مراٹھوں سے معاہدہ کیا جائے یا نہیں۔ بارکر کے ایک مکتوب مورخہ 25 فروری 1772 سے معلوم ہوتا ہے کہ روہیلوں نے مراٹھوں سے معاہدہ کر لیا تھا جسے بارکر کے سمجھانے پر توڑ دیا گیا۔ اس نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روہیلوں کو ہمت دلائی اور سمجھایا کہ جو کچھ تھوڑا بہت نقصان (مراٹھوں کی لوٹ مار کے باعث) ہو گیا ہے اس کی تلافی ہو جائے گی کیونکہ مراٹھا برسات شروع ہونے سے پہلے اس علاقہ سے چلے جائیں گے۔ دوسری طرف شجاع الدولہ بھی مراٹھوں سے سمجھوتہ کرنے پر راضی ہو گیا تھا کیونکہ مراٹھوں نے شجاع الدولہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ چوتھ دینا قبول کرے تو سارا روہیلہ علاقہ یا کٹھیر کا کچھ حصہ اس کو دیا جا سکتا ہے۔ اس بارے میں بارکر نے گورنر کو لکھا ''شجاع الدولہ ایک لمحہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ صرف اپنی طاقت کے بھروسے پر روہیلوں کے ملک پر قبضہ کر لے اور دوسرے لمحہ فیصلہ کرتا ہے کہ مراٹھوں سے دوستی کر کے انھیں روہیلہ علاقوں سے نکال دے۔ ایک دن میں وہ کئی فیصلے کرتا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری رضامندی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ میری رائے میں شجاع الدولہ اور مراٹھا سمجھوتہ روکنا بہتر ہے۔'' اس کے بعد 10 مارچ کو بارکر رپورٹنگ کرتا ہے ''وزیر اب سنجیدگی سے سوچ رہا ہے کہ مراٹھوں سے اتحاد کرنے میں خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے عالیجاہ (شجاع الدولہ) کی بیوقوفی کی حرکتوں پر ہنسی آ رہی ہے۔'' 19 اپریل 1772 کو بارکر اطلاع دیتا ہے ''مراٹھوں کا دوسرا وفد گفتگو کے لیے آیا ہے اور شجاع الدولہ نے بھی اپنا وفد بھیجا ہے۔ شجاع الدولہ کا خیال ہے کہ وہ مراٹھوں کی فوجی امداد سے روہیلوں کا ملک فتح کر لے گا یا روہیلوں سے ایک کروڑ روپیہ حاصل کر لے گا جس میں سے وہ مراٹھوں کو چالیس لاکھ روپیہ دے کر باقی اپنے لیے رکھ لے گا۔ وہ انگریزی فوج کے اخراجات دینے پر بھی رضامند ہے جو شجاع الدولہ کی مدد کے لیے گوپال مئو (یا شاہ آباد) آ گئی ہے۔ روہیلہ سردار بھی مشترکہ طور پر ساٹھ ہزار روپیہ دینے پر رضامند تھے۔''[7]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شجاع الدولہ جو مراٹھوں سے معاہدہ کرنے کے لیے تیار بیٹھا تھا بارکر کے تیور کو دیکھ کر گھبرا گیا اور اس نے معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ بارکر کی نظر میں شجاع الدولہ اور روہیلہ اتحاد ضروری تھا اس لیے اس نے کیپٹن ہارپر کو حافظ رحمت خاں کے پاس نانک متہ بھیجا۔ حافظ رحمت خاں 15 مئی کے خط میں لکھتا ہے ''آپ (بارکر) اور شجاع الدولہ روہیلوں کی ہمدردی میں شاہ آباد تک آ گئے ہیں پھر بھی مراٹھا روہیلہ علاقہ میں گھس آئے ہیں۔ ہم اللہ کے فضل و کرم سے آپ سے اور شجاع الدولہ سے دوستی کے آرزو مند ہیں۔'' 25 مئی 1772 کو کچھ تذبذب کے بعد وہ شاہ آباد آیا۔ کافی دنوں تک بات چیت چلتی رہی۔ آخر کار 17 جون کو ضابطہ خاں اور کچھ دوسرے سرداروں کی موجودگی میں معاہدہ تعاون 'مدافعانہ و جارحانہ (Defencive and offencive ailiance) ہوا۔[8]

باب بیس/فصل انتالیس

دوآب کے علاقہ پر شجاع الدولہ کا قبضہ

گذشتہ واقعات میں یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ دوآب کے جن علاقوں (اٹاوہ، شکوہ آباد اور پھپھوند وغیرہ) کو ابدالی نے پانی پت کی جنگ (1761) کے بعد دوندے خاں اور حافظ رحمت خاں کو فوجی خدمات کے صلہ میں انعام میں دیا تھا ان پر مراٹھوں نے قبضہ کر لیا تھا (1770)۔ مراٹھوں کے جانے کے بعد (مئی 1773) حافظ رحمت خاں نے ان کو دوبارہ حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کی اطلاع شجاع الدولہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

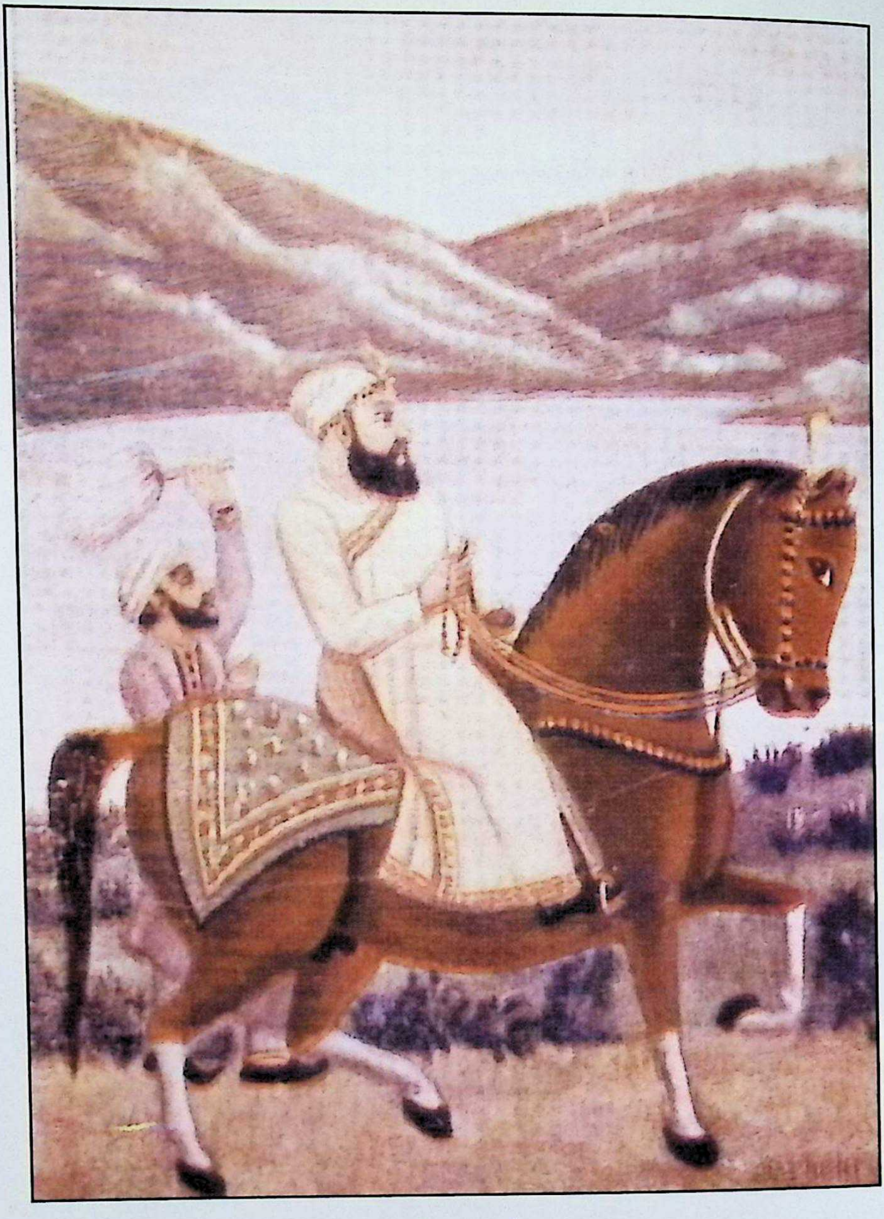

حافظ رحمت خاں

مصوّر کا نام نہیں ہے۔ البتہ یہ پوٹریٹ Sarhielil Photo Studio, Delhi
میں فوٹو کرا کر حیات حافظ رحمت خاں میں شامل کیا گیا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کو ہوگئی۔ اس نے ہیس ٹنگوس کو لکھا کہ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ حافظ رحمت خاں ان علاقوں پر دوبارہ قابض ہوجائے۔ ہیس ٹنگوس ایسے موقع کا منتظر تھا۔ اس نے دیناپور میں تعینات فوج کو شجاع الدولہ کی مدد کرنے کا حکم دیا۔ حافظ رحمت خاں ابھی پہنچ بھی نہیں پایا تھا کہ شجاع الدولہ نے ان علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد شجاع الدولہ انگریزی بریگیڈ کے ساتھ فرخ آباد میں داخل ہوا اور نواب مظفر جنگ کو ساڑھے چار لاکھ روپیہ دینے پر مجبور کیا۔

اب حافظ رحمت خاں کو معاملہ کی نزاکت اور شجاع الدولہ اور انگریزوں کی نیت اور ارادے کا احساس ہوا۔ اُس نے اس پر افسوس کیا کہ رام گھاٹ سے لوٹتے وقت اس نے جنرل بارکر کو آنولہ، بریلی اور شاہجہاں پور سے گزرنے کی اجازت غلط دی تھی۔ انگریزی فوج کا روہیلہ علاقوں سے گزر کر جائزہ لینا مستقبل میں نقصان دہ بھی ثابت ہوسکتا تھا۔ لیکن حالات کے تحت اُسے شجاع الدولہ کی حرکتوں کو برداشت کرنا پڑا۔

باب بیس/فصل چالیس

روہیلوں کے حالات

اس زمانے میں حافظ رحمت خاں بری طرح پریشان تھا۔ روہیلہ سرداروں کی اولادیں ناقابلِ بھروسہ تھیں۔ تین سال تک مسلسل مراٹھوں کی وجہ سے وہ پریشان رہا۔ اس عرصہ میں دوبار مراٹھوں نے اس کے علاقہ کو لوٹا۔ نانک متہ میں ہزاروں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روہیلوں کی موت ہوئی۔ معاشی طور پر بھی اُسے کافی نقصان ہوا۔ دوسرے روہیلہ سرداروں کی آمدنی بھی کم ہوگئی کیوں کہ بدنظمی کی وجہ سے کسانوں سے خاطر خواہ وصولیابی نہیں ہو پائی تھی۔ فصلوں کی تباہی اور پیداوار کی کمی نے روہیلوں کی معاشیات پر بُرا اثر ڈالا تھا۔ لیکن ان سب مصیبتوں سے بڑھکر اس کے جوان بیٹے عنایت خاں کی موت تھی جس نے حافظ رحمت خاں کو اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کے ہم عصر سردار ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے تھے۔ نواب علی محمد خاں اور نواب نجیب الدولہ کے بعد وہ آخری قدآور شخصیت تھی جس نے کسی نہ کسی طرح روہیلوں کی عظمت کو باقی رکھا تھا۔ حافظ رحمت خاں کی عظمت اور صلاحیت کا اعتراف ہیملٹن نے بھی کیا ہے

''اس وقت بھی جبکہ حافظ رحمت خاں بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس میں اتنی صلاحیت اور طاقت تھی کہ وہ شجاع الدولہ اور انگریزوں کی مشترکہ طاقت سے جنگ کرنے کا بوجھ تنہا اپنے کاندھوں پر اٹھا کر ایک کمانڈر کی ذمہ داری بخوبی نباہ سکتا تھا لیکن ایک عرصہ سے خانہ جنگی میں مبتلا روہیلوں نے اس کی شخصیت کو مجروح کر دیا تھا۔ روہیلوں کی حاسدانہ فطرت اور نواب علی محمد خاں کی اولادوں کا اُسے غاصب سمجھنا، ان دونوں باتوں نے اس کی بالادستی اور عظمت کو نقصان پہنچایا تھا۔ وہ روہیلوں کا سرپرست ضرور تھا لیکن روہیلہ سرداروں کی اولادوں کے آپسی نفاق نے اُسے اتنا کمزور اور بے بس انسان بنا دیا تھا کہ جس کا نہ کوئی دوست باقی رہا تھا اور نہ کوئی مددگار۔''

روہیلوں میں اتفاق رائے اور اتحاد ختم ہو چکا تھا۔ وہ متحد ہو کر فیصلہ کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھے تھے۔ ضابطہ خاں اپنے ذاتی فائیدے کے لیے پار روہیلوں سے ناطہ توڑ چکا تھا۔ بنگش نواب مظفر جنگ شجاع الدولہ کا باجگزار بن گیا تھا۔ آپسی نفاق اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خودغرضی نے پہلے ہی نفرت کا بیج بو دیا تھا جو (میران پور کٹرہ کی جنگ سے پہلے) تناور درخت بن چکا تھا اور اس کی جڑیں نئی نسل کے دلوں میں جگہ بنا چکی تھیں۔ان حالات میں کوئی بھی قائد ایسا اُصول نہیں بنا سکتا جو سب کے لیے قابلِ قبول ہو۔نئی نسل میں نہ سیاسی شعور تھا اور نہ قبائلی خصلت۔سب اپنی ذات میں محدود ہو کر متحد افغان قوت کی ضرورت کو بھلا بیٹھے تھے۔اس بُرے وقت میں جبکہ انھیں اتحاد کی ضرورت تھی وہ بے اصول زندگی گزار رہے تھے۔ان کی بے ضابطگیوں سے ماحول میں بے سکونی پیدا ہوگئی تھی۔ان کی کوئی خوبی ایسی نہیں رہی تھی جو سرداروں اور عام رعایا میں جذبۂ ہمدردی اور باہمی تعاون کو فروغ دے سکتی۔بار بار کے تصادم نے ہندو رعیت کو غیر محفوظ بنا دیا تھا۔بار بار کے حملوں اور جنگوں میں رعایا کا تحفظ کرنے والا کوئی نہیں تھا۔افغانوں کی سرکشی، خود پرست اور خود بیں ذہنیت نے کسی بھی تبدیلی اور نرم برتاؤ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔کوئی اخلاقی یا انتظامی اصول باقی نہیں رہا تھا۔زرِ محصولات کی آمدنی ختم ہو چکی تھی اور اس بیماری کا کوئی علاج بھی نہیں تھا۔جنگ میران پور کٹرہ سے پہلے روہیلہ حکومت کی یہ حالت ہوگئی تھی۔[15]

نواب علی محمد خاں، دوندے خاں، بخشی سردار خاں، فتح خاں خانساماں وغیرہ کی اولادیں اپنے باپ کی جاگیروں پر قابض ہو کر خود کو مالک سمجھنے لگی تھیں اور وہ فوجی خدمات جو ان کے سپرد تھیں، اُسے انجام دینے میں کوتاہی برتنے لگی تھیں۔قبائلی طرزِ معاشرت کو بھلا کر مغلیہ تہذیب کی پرستار بن گئی تھیں جو زربفت کے کفن میں لپٹی ہوئی لاش کی طرح اندر ہی اندر سڑ رہی تھی۔پہلی نسل کا کردار، جس کے بارے میں قانون گو نے لکھا ہے کہ اس وقت اگر کوئی قوم ایسی تھی کہ جس نے شراب کو منہ نہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لگایا، عورتوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کی اور جسے ہر لحاظ سے صاحب کردار کہا جا سکتا ہے تو وہ قوم روہیلہ تھی۔ سردار زادوں کے عہد میں یہ کردار ختم ہو چکا تھا۔ اب نہ ہوسِ ملک گیری باقی رہی تھی اور نہ اپنے مفتوحہ علاقوں پر قبضہ قائم رکھنے کی آرزو۔ یہ نسل مغل منصب داروں، جاگیرداروں کا طرز معاشرت اپنا کر طاؤس ورباب سے دل لگا بیٹھی تھی اور پٹھانوں کا، شمشیر وسناں اول کا کردار بڑی حد تک مجروح ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس خود غرض نسل کے بھروسے پر حافظ رحمت خاں کس طرح جنگ کر سکتا تھا سوائے اس کے کہ وہ افغانی غیرت وحمیت زندہ رکھنے کے لیے اپنی جان قربان کر دے۔

باب بیس/فصل اکتالیس

فوج کی حالت

مراٹھوں کی آخری شمالی ہندوستان کی مہم (فروری 1770 - مئی 1773) کے دوران دو بار مراٹھوں نے روہیلہ مقبوضات میں گھس کر لوٹ مار کی۔ مراٹھوں کی دست بُرد سے بچنے کے لیے روہیلوں کو گنگا پور (نانک متہ) میں پناہ لینی پڑی جہاں ہزاروں روہیلہ وبائی بیماری (عارضہ اسہال) سے مر گئے۔ حافظ رحمت خاں کے جذبۂ خدا ترسی نے مرحومین کے بچوں اور بیواؤں کو ان کی جگہ ملازم رکھ لیا تھا۔ نجم الغنی کے بیان کے مطابق مرنے والوں کی تعداد بیس ہزار تھی[11]۔ ظاہر ہے کہ یہ فوج نہیں تھی بلکہ پینشن یافتہ ملازم تھے۔ اس وقت عنایت خاں (پسر حافظ رحمت خاں) نے فوجی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

طاقت کی کمزوری کی طرف اشارہ بھی کیا تھا لیکن حافظ رحمت خاں کو روہیلوں کی موت کا اتنا صدمہ تھا کہ اس نے عنایت خاں کی تجویز کو رد کر دیا[12] اور اسے صرف تین ہزار فوجی بھرتی کرنے کی اجازت دی تھی۔ لیکن جب اس نے ان کی تنخواہ ادا کرنے کے لیے جاگیر مانگی تو عنایت خاں کے دشمنوں کے مشورہ پر اُسے حکم دیا کہ وہ فوراً فوج کی بھرتی موقوف کر دے۔ اسی بات سے عنایت خاں ناراض ہو گیا اور باپ بیٹوں میں تعلقات اس درجہ خراب ہوئے کہ عنایت خاں اپنے گھر میں بیٹھ گیا اور اس صدمہ سے میران پور کٹرہ کی جنگ سے پہلے ہی مر گیا۔

روہیلہ فوج کی سب سے بڑی کمزوری پٹھانوں کا قبائلی نظامِ حکومت (oligarchy ساجھے دارانہ نظام حکومت) تھا جس نے مرکزی قیادت کی طاقت کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ حالانکہ یہی طریقۂ نظام ابتدائی روہیلہ حکومت میں رائج رہا اور اس وقت تک موثر رہا جب تک روہیلوں میں حمیت افغانی کے نام پر متحد ہونے کا جذبہ بیدار رہا۔ ان تین سال کے عرصہ میں روہیلوں کی سامانِ جنگ میں اضافہ کرنے، یا اُسے بہتر بنانے کا موقع نہیں ملا بلکہ دن بہ دن سامانِ جنگ میں کمی ہوتی گئی۔ لیکن اس بدحالی کے بعد بھی روہیلہ فوج شجاع الدولہ اور انگریزوں کی قواعد داں جدید ہتھیاروں سے لیس فوج کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ اس بات کا احساس شجاع الدولہ کو بھی تھا اس لیے اُس نے اٹاوہ پر قبضہ کرنے کے بعد بادشاہ کی خدمت میں دلّی پہنچ کر حاضری دی اور روہیلوں کے خلاف فوجی امداد اور اجازت حاصل کی جس کا وعدہ بادشاہ نے کر لیا تھا اور نجف خاں کی ماتحتی میں فوج روانہ بھی کر دی تھی جو جنگ کے ختم ہونے پر پہنچی تھی۔[13]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حافظ رحمت خاں یا کسی بھی حاکم کے لیے یہ کس قدر مشکل کام ہوگا کہ وہ بیرونی طاقتوں سے دفاع بھی کرے اور سردارزادوں کے نخرے بھی برداشت کرے اور ان کے مرتبے اور سرداری کا بھی خیال رکھے۔ پھر بھی روہیلوں میں مغلوں جیسی بغاوت کی بو نہیں تھی جو بڑوں سے گستاخی اور نافرمانی کی حد تک آجاتی ہے۔ اس دور کے روہیلوں میں بڑوں کے لیے ایک ادب ضرور تھا۔ شاید اسی ادب ولحاظ کی وجہ سے جوان نسل کے روہیلہ سردار حافظ رحمت خاں کی بزرگی کو بے دلی سے برداشت کرلیا کرتے تھے اور دل سے نہ چاہتے ہوئے بھی متحد ہو جاتے تھے۔

نواب حامد علی خاں (1889-1930) کے دربار کا مصنف حکیم نجم الغنی خاں حافظ رحمت خاں کو غاصب اور اقربا پروری کے الزامات سے داغدار کرتا ہے[14] لیکن اس حقیقت سے واقف نہیں کہ روہیلوں کا طرز نظام اور نظام جانشینی ہندوستانی نظامِ شاہی کے اصول جانشینی سے بالکل جدا تھا۔ اس کے علاوہ رستم علی بجنوری نے نواب علی محمد خاں کے زمانے میں تقسیم املاک کے سلسلہ میں جاگیر کی جگہ لفظ جائیداد استعمال کیا ہے[15]۔ اس لیے حافظ رحمت خاں کے غاصب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اپنی جاگیر کے علاوہ اس نے کسی کی جاگیر پر قبضہ نہیں کیا تھا۔

کٹھیر میں رعایا کی حالت:- جب نجیب الدولہ کی موت کے بعد سیاسی حالات تیزی سے بدلنے لگے۔ جاٹوں سکھوں اور مراٹھوں کے بار بار حملوں سے نجیب آباد اور اس سے متعلق علاقوں اور کٹھیر کی رعایا پریشانی میں مبتلا ہوگئی۔ حالانکہ سکھوں اور جاٹوں کے حملے 1765 سے جاری تھے لیکن نجیب الدولہ حملوں کو ناکام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بنا کر رعایا کو بربادی سے بچاتا رہتا تھا۔ اگر حافظ رحمت خاں اور نواب احمد خاں بنگش نجیب الدولہ کے مشورے پر عمل کر کے مراٹھوں سے صلح کر لیتے یا پھر مراٹھوں کے خلاف متحد ہو کر جاٹ، روہیلہ، نجیب الدولہ اور احمد خاں بنگش اتحاد کی کوشش کامیاب ہو جاتی تو کٹھیر اور ضابطہ خاں کا علاقہ مراٹھوں اور شجاع الدولہ کی دست برد سے محفوظ رہتا اور رعایا برباد نہیں ہوتی۔ لیکن نجیب الدولہ کے بیٹے ضابطہ خاں میں اتنی صلاحیت نہیں تھی جو شاہ عالم اور مراٹھوں کی مشترکہ فوجوں سے رعایا کا تحفظ کر پاتا۔ اسی طرح کٹھیر کے حکمراں روہیلہ بھی رعایا کو بے یار و مددگار چھوڑ کر صرف اپنا جان و مال بچانے میں مصروف رہے۔ ضابطہ خاں کے علاقوں کو لوٹ کر مراٹھے 1772 کی ابتدا میں کٹھیر میں لوٹ مار کر کے واپس چلے گئے۔ پھر 1773 میں دوبارہ آئے اور مرادآباد، سنبھل اور آس پاس کے علاقوں کو لوٹ کر چلے گئے۔ ان حالات میں امن و امان اور انصاف کی امید نہیں کی جا سکتی۔ لیکن اس خاص دورِ انتشار کے علاوہ کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس سے یہ ظاہر ہو کہ روہیلوں نے رعیت کے جان و مال کا تحفظ نہیں کیا ہو۔ خاص طور سے لگان کی وصول یابی میں ہندو کاشتکاروں کے ساتھ زیادتی کا کوئی واقعہ نہیں ملتا جبکہ ایک اندازے کے مطابق ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ تیرہ گنا زیادہ تھی۔ اس قسم کے واقعات کی تفصیل اس وقت سامنے آئی جب انگلینڈ کے ہاؤس آف کامنس میں ہیسٹنگز کو طلب کر کے اس پر روہیلوں پر ظلم اور زیادتی کے الزامات لگائے گئے۔ اس مقدمہ کی طویل بحث اور بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ روہیلوں نے زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت کو فروغ دیا تھا۔ زرِ محصولات کی کثیر آمدنی کا بیشتر حصہ رعایا کی بہتری اور کاشتکاروں کی بھلائی اور ترقی کے لیے خرچ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوتا تھا۔ آمد ورفت کے لیے پل اور آبپاشی کے لیے نہروں کی تعمیر اور پینے کے لیے چاہِ آبنوشی کا انتظام کیا جاتا تھا۔ نواب علی محمد خاں کے دورِ حکومت کے 1745 کے عہد میں ''ریاست میں خوش حالی اور فراغ بالی کا دور دورہ تھا۔ زمین سب مزروعہ تھی اور فصلوں کی حالت بہت اچھی تھی۔ کسان خوش حال تھے۔ چوری جبر اور زیادتی اور قزاقی کا نام ونشان نہیں تھا۔''[16] (بیان خوشحال چند)۔ اس کے بعد حافظ رحمت خاں اور سرداران روہیلہ نے رعایا کی بھلائی کے لیے بہت سے کام انجام دیے تھے۔

یہ ہندوستانی تاریخ نویسوں کا طریقہ رہا ہے کہ وہ صرف سیاسی حالات، واقعات اور معاملات کا تذکرہ کرتے تھے۔ تاریخ نویسوں کا یہ طریقہ اسٹریچی کے لیے باعث حیرت ہے ''شاید ہی ہندوستانی تاریخ نویسوں نے سوچا ہوگا کہ اس دور کے سماجی حالات کا تذکرہ کتنا مفید ہوگا وہ صرف سرداروں اور شہزادوں کے واقعات لکھتے رہے۔ اور ان کی آپسی رقابت اور دشمنی کا تذکرہ کرتے رہے۔ اس لیے اس دور کے سب سے زرخیز علاقے روہیل کھنڈ (پار روہیلہ علاقے - کٹھیر) کی حکومت کی ترقی کی بابت معلومات فراہم نہیں ہوتیں۔ لیکن اس بارے میں جو بیانات مسٹر برک نے دیے ہیں ان کی صداقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ ہم جانتے ہیں'' حافظ رحمت خاں اور دیگر معزز روہیلہ سردار (دوندے خاں، شیخ کبیر، بخشی سردار خاں، فیض اللہ خاں وغیرہ) بہت ذہین اور لایق تھے۔ یہ بات قابل یقین ہے کہ ان بااثر سرداروں نے مقامی ہندو کاشتکاروں کے ساتھ مشفقانہ رویہ اپنایا ہوگا جو نجیب الدولہ (روہیلہ) کے پاس پڑوس کے اضلاع میں کہیں بھی نہیں تھا (یعنی صوبۂ اودھ اور دلّی کے قرب و جوار کے علاقوں میں نہیں تھا) اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ شخص اقتدار میں قانون اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

انصاف پر زیادہ نگرانی رکھی جا سکتی ہے۔ الفسٹن نے صحیح لکھا ہے کہ روہیلوں کے ہندوؤں کے ساتھ تعلقات برادرانہ اور مشفقانہ تھے۔ ان کے زرخیز علاقوں کو دیکھ کر بیساختہ ہمارے فوجیوں نے بھی تعریف کی تھی۔[17]"

گلستانِ رحمت کے بیان کے مطابق "حافظ رحمت خاں نے 1769 میں اعلان کر دیا تھا کہ کسی بھی تاجر سے کسی قسم کا ٹیکس نہ لیا جائے۔ جب روہیلہ سرداروں نے کہا کہ اتنی بڑی فوج کے اخراجات کس طرح پورے ہوں گے تو حافظ رحمت خاں نے جواب دیا کہ ہمیں مقامی لوگوں کا پیار زیادہ عزیز ہے۔ درآمد اور برآمد مال پر ٹیکس ختم کر کے لاکھوں روپیہ کی آمدنی رعیت کی خوشحالی کے لیے ختم کر دی۔[18]" فرینکلن (Francklin) نے 1795 میں بریلی کا دورہ کرنے کے بعد لکھا تھا "بریلی تجارت کا مرکز ہے۔" گویا حافظ رحمت خاں کے بعد بھی ان کے عہد کی تجارتی ترقی کے اثرات باقی رہے تھے۔ رعایا کے ساتھ برادرانہ تعلقات کی زندہ مثال یہ ہے کہ کئی بار صفدر جنگ، مراٹھا اور شجاع الدولہ نے حملہ کیا لیکن کٹھیر اور نجیب آباد کی رعایا نے حملہ آوروں کا ساتھ نہیں دیا بلکہ اس کے برعکس روہیلوں کی آمد سے پہلے کٹھیر کے مقامی راجا آپس میں لڑتے رہتے تھے جس کی وجہ سے رعایا پریشان رہتی تھی یا مغل عہدیداران زرِ محصولات کی وصولیابی میں کاشتکاروں پر سختیاں اس درجہ کرتے تھے کہ کسان کھیت چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں بھاگ جاتے تھے لیکن روہیلوں کے قبضہ کے بعد ان کا جان و مال بھی محفوظ رہا اور آبادیاں بھی قایم ہو گئیں۔ میدانی علاقوں کی بنجر زمینیں مزروعہ زمین بن گئیں اور پہاڑ کے دامن میں پھیلا ہوا جنگلات کا سلسلہ (کماؤں سے گڑھوال تک) زرخیز کھیتوں اور آبادیوں میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی مثال

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

افضل گڑھ کی بستی ہے۔

ہیملٹن کے بیان کی مطابق کٹرہ میران پور کی جنگ سے پہلے انتظامی معاملات میں کمی آ گئی تھی اور قنراقی عام ہوگئی تھی سو فیصدی درست نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ سارا علاقہ حافظ رحمت خاں کے زیر انتظام نہیں تھا۔ باقی علاقوں میں دوسرے سرداران روہیلہ بھی قابض تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ بیان شو پرشاد مصنف فرح بخش کے بیان پر مبنی ہے جو نواب فیض اللہ خاں کا نوکر تھا اور حافظ رحمت خاں کی عظمت اور شہرت کو دل سے قبول نہیں کرتا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1- Strachy : 94

2- Moon E.P. :137

3- Strachy : 113, quoted vth Report 45,
Forrest's Selection 45, Trotter 55

4- Moon E.P. :142

5- " 145

6- Srtachy : 116

7- Strachy : 51-53, quoted Ms Records India office and
British Museum Mss No. 29.198

8- Strachy : 53, quoted Forrest's Selection vth Report
App. 21

9- ''حافظ رحمت خاں دیگر سردارانِ روہیلہ کے ساتھ اٹاوہ اور دیگر علاقوں پر قبضہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ اس نے چالیس لاکھ روپیہ میں سے ایک پائی بھی نہیں دی ہے اور اس کے بعد بھی اس علاقہ پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ میں اس کے خلاف فوجی کارروائی کر کے سزا دینا چاہتا ہوں۔''

(Strachy : 102, quoted vth report.)

10- Hemilton

11- ''بیس ہزار روہیلہ بخار (عارضۂ اسہال بقول شو پرشاد مصنف فرح بخش 82b) میں مرے تھے۔ اس واقعہ کی 'قضائے مردم' تاریخ ہے۔''

(اخبار الصنادید جلد اول 422 بحوالہ گلِ رحمت)

12- عنایت خاں نے مرحومین کی جگہ تجربہ کار جوان فوجی بھرتی کرنے کی اجازت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مانگی تو اُسے صرف دو تین ہزار فوجی بھرنے کی اجازت دی۔ عنایت خاں نے اُن تین ہزار روہیلوں کو بھرتی کرلیا جو ضابطہ خاں کی شکست کے بعد کٹھیر میں بھاگ آئے تھے۔ (اخبار الصنادید جلد اول 432)

13۔ اخبار الصنادید جلد اول 497

15۔ رستم علی بجنوری نے جاگیر کی جگہ جائیداد کی اصطلاح استعمال کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روہیلہ سرداروں کو جو علاقہ بھی دیا جاتا تھا وہ ہمیشہ کے لیے اس کو مل جاتا تھا مثال کے طور پر (رستم علی نے) لکھا ہے کہ حافظ رحمت خاںؒ کو چودہ لاکھ روپے جمع کی جائیداد میں پیلی بھیت، بریلی اور بدایوں کے محلات دیئے گئے، دوندے خاں کو بارہ لاکھ روپیہ جمع کی جائیداد، سردار بخشی کو نو لاکھ، فتح خاں خانساماں کو سات لاکھ، محمد خاں پسر داؤد خاں کو برولی اور کئی دوسرے گاؤں۔'' (اقتدار حسین صدیقی: مضمون جرنل 4-5 رضا لائبریری 179)

16۔ ہندی مغلوں کی فوج مصنف اروِن 293۔

17- Strachy : 30

18- گل رحمت: 64b

19- Strachy : 31

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فصل: بیالیس

باب: اکیس

میران پور کٹرہ کی جنگ اور اس کے بعد کے حالات

میران پور کٹرہ کی جنگ کی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی سوائے اس شعر کے۔

بگڑتی ہے جب ظالم کی نیت
نہیں کام آتی دلیل اور حجت

شجاع الدولہ کو بغیر کسی وجہ کے روہیلوں کا زرخیز علاقہ چاہیے تھا اور ہیس ٹنگز کو اپنے لیے رشوت کے طور پر معقول رقم۔ کمپنی کی آمدنی میں اضافہ کرنا محض ایک بہانہ تھا۔ وہ خود قبول کرتا ہے ''شجاع الدولہ بدعہد اور ہمارا مخالف ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ یہ معاہدہ میں نے کسی اصول یا ضابطہ کے تحت نہیں بلکہ کمپنی کی مالی دشواریوں کے پیش نظر کیا[1] ہے اور جب شجاع الدولہ نے جنگ سے دامن بچانے کا اظہار کیا تو اس نے کہا ''شجاعُ الدولہ نے چالیس لاکھ روپیہ معاف کرنے کا اظہار مجھ سے کیا۔ میں نے اس کو صلاح دی کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے روہیلوں سے روپیہ وصول کر لینا چاہیے اور ایک روپیہ بھی نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ روپیہ کی عدم ادائیگی ان کے خلاف کارروائی کرنے کی معقول وجہ بن جائے گی۔[2]''

واقعات کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوگا کہ حافظ رحمت خاں پار روہیلہ سرداروں کے اندرونی میں معاملات میں بری طرح الجھا ہوا تھا اور ضابطہ خاں کی نادانیوں کے اثرات بھی کٹھیر کے علاقے پر پڑ رہے تھے۔ اس کے علاوہ اس کے بیٹے عنایت خاں کی جوانی کی عمر میں موت نے اُسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شجاع الدولہ اور انگریزوں کے تعلقات، اور شجاع الدولہ اور دلّی کے معاملات کے بارے میں کچھ جان ہی نہ سکا۔ حافظ رحمت خاں کے مندرجہ ذیل خط بنام ہیس ٹنگز سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی سادگی کے باعث انگریزوں کو قابلِ اعتبار سمجھتا تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ انگریزوں کی وہ قوم جس کے خلاف اُس نے تلوار اُٹھانا تو الگ بات ہے، کبھی زبان بھی نہیں ہلائی، در پردہ روہیلہ قوم کو روپیوں کے لالچ میں شجاع الدولہ کے ہاتھوں بیچنے والی قوم تھی:

''آپ بخوبی واقف ہیں کہ ہمارے اور سرداران انگریز کے درمیان دوستی کا گہرا رشتہ قایم رہا ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ یہ رشتہ ہمیشہ قایم رہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی بھی یہی رائے ہوگی۔ اس دوستی کو مدّ نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل باتوں کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔''

اس کے بعد حافظ رحمت خاں مراٹھوں کے کٹھیر میں آنے، نانک متہ میں پناہ لینے، کیپٹن ہارپر کے نانک متہ آ کر حافظ رحمت خاں کو شاہ آباد بلانے اور شجاع الدولہ سے معاہدہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:

''شجاع الدولہ اور جرنل بارکر نے روہیلوں کو پار روہیلہ علاقے سے بھگانے کے بارے میں نہ کوئی فوجی کارروائی کی اور نہ اُن سے کوئی بات ہی کی۔ اپنا وعدہ پورا کیے بغیر یہ لوگ فیض آباد چلے گئے اور مراٹھا برسات کی وجہ سے کٹھیر کے علاقوں سے چلے گئے۔'' اس کے بعد مراٹھوں کے دوبارہ کٹھیر میں آنے (فروری 1773) شجاع الدولہ اور جرنل بارکر کی لاپرواہی کا ذکر کرتے ہوئے حافظ رحمت خاں لکھتا ہے ''انھوں نے ہر کام ادھورا کیا۔ مجھے مراٹھوں کا شکار بنا کر اپنے اپنے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

علاقوں کو چلے گئے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ انصاف کو پیش نظر رکھ کر روہیلوں کی دوستی کو ہر زمانے میں قایم رکھنے کے آرزومند ہوں گے۔[3]"

لیکن ہیس ٹنگز نے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مسٹر مل کی بھی یہی رائے ہے کہ ہیس ٹنگز نے دھوکا دیا: "شجاع الدولہ اور انگریزوں نے مراٹھوں کو روہیلوں کے علاقوں سے کبھی بیدخل نہیں کیا۔ انھوں نے مراٹھوں سے روہیلوں کا دفاع نہیں کیا۔ شجاع الدولہ اور روہیلوں کے مابین معاہدہ ایک دھوکہ ہے۔ شجاع الدولہ نے اپنی جانب سے کبھی بھی وعدہ پورا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس لیے اُسے روپیہ مانگنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔"

حافظ رحمت خاں برابر جنگ ٹالنے کی کوشش کرتا رہا۔ جب کرنل چیمپین اودھ پہنچ گیا (12 اپریل 1774) تو حافظ رحمت خاں نے خط لکھا "پچھلے سال (فروری 1772) مراٹھا ساحل گنگا تک آ گئے تھے تو میں نے جرنل بارکر کی موجودگی میں شجاع الدولہ سے دوستی کر لی تھی اور مراٹھوں سے معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ میری جانب سے اس درمیانی عرصہ (13 جون 1772 سے 12 اپریل 1774) میں خلوص اور وفاداری میں کوئی کمی نہیں آئی لیکن ہنوز شجاع الدولہ کے دل میں پرانی رنجش زندہ ہے۔ آپ جرنل بارکر کی جگہ تشریف لا رہے ہیں۔ امید ہے کہ خوش خبری کے جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔[4]" 13 اپریل 1774 کو کرنل چیمپن نے جواب دیا "روہیلہ قبائل کی مدد پر دو کروڑ روپیہ خرچ ہوئے ہیں۔ اگر مطالبہ پورا نہیں ہوا تو میں کل فوج آگے بڑھا دوں گا۔" حافظ رحمت خاں نے اسی دن (اس وقت شجاع الدولہ اور انگریزوں کی فوجیں کٹھیر میں داخل ہو چکی تھیں 17 اپریل) مطالبہ کو جھوٹا قرار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دیتے ہوئے دوبارہ غور کرنے کی درخواست کی اور لکھا کہ ہمارے خیمے بھی تھوڑے فاصلہ پر ہیں۔'' 5

شجاع الدولہ نے روہیلوں کے پاس رقم کے مطالبہ کے لیے وفد بھیجا تھا جس کے بارے میں ہیملٹن لکھتا ہے کہ حافظ رحمت خاں نے شجاع الدولہ کے وکیل کو گول مول جواب دے کر رخصت کیا۔ وہ پیلی بھیت سے آنولہ آیا اور سردارانِ روہیلہ کو سامانِ جنگ درست کرنے کا حکم دیا۔ یہیں پر فیض اللہ خاں نے ملاقات کی۔ حافظ رحمت خاں نے تمام رنجشوں اور جھگڑوں کو بھلا کر فیض اللہ خاں اور روہیلہ سرداروں کو جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دی کیونکہ اب جنگ کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن آپسی عداوتوں اور رنجشوں کے باعث اتحاد کی تمام کوششیں بیکار ہوگئیں۔ سردارانِ روہیلہ کی عداوتیں دشمن کی تلوار سے زیادہ مضر ثابت ہوئیں۔ سردارانِ روہیلہ نے مالی تعاون دینے سے انکار کر دیا اور جو روپیہ امدادی طور پر وار فنڈ میں آیا وہ فوجی ضرورت کے لیے ناکافی تھا۔

شجاع الدولہ روہیلوں کی باہمی رنجشوں کے بارے میں جانتا تھا اس لیے اس نے رنجشوں کو بڑھانے میں اور زیادہ مدد کی۔ احمد خاں (پسر سردار خاں) اور خانساماں (احمد خاں پسر فتح علی خاں خانساماں) نے جنگ میں شرکت نہیں کی بلکہ یہ لوگ میدانِ جنگ میں اس وقت پہنچے جب صف بندی ہو چکی تھی اور جنگ تیار تھی۔ میدانِ جنگ میں پہنچنے کے بعد بھی وہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ انھیں کیا کرنا چاہیے انہیں یہ بھی خوف تھا کہ اگر روہیلوں نے اس حملہ کو ناکام بنا دیا تو حافظ رحمت خاں ان کے خلاف انتقامی کارروائی ضرور کرے گا۔ محبت اللہ خاں اور فتح اللہ خاں (پسران

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوندے خاں) کے پاس شجاع الدولہ نے دستخط اور مہر لگا کر کچھ وعدوں کے ساتھ قرآن بھیجا تھا۔ وہ در پردہ شجاع الدولہ کے شریک تھے لیکن عام پٹھانوں کی مخالفت کے خوف سے بہت بعد میں جنگ میں شریک ہوئے تھے۔[6]

اس زمانے میں شاہجہاں پور کے شمالی اور مشرقی علاقہ (گولا کانٹ وغیرہ) پر حافظ رحمت خاں کا قبضہ تھا جہاں عبداللہ خاں (حافظ رحمت خاں کے بیٹے ارادت خاں کا سُسر) ناظم کے عہدے پر فائز تھا۔ اس نے بھی شجاع الدولہ سے دوستی کر لی تھی۔ حالات حافظ رحمت خاں کے مخالف تھے۔ نجم الغنی جیسے مصنفین کا یہ خیال ہے کہ حافظ رحمت خاں کے پاس اتنا روپیہ تھا کہ ادائیگی رقم کے بعد جنگ کو ٹالا جا سکتا تھا، قابلِ یقین بیان نہیں کیونکہ شجاع الدولہ روہیلوں کو شکست دے کر کٹھیر پر قبضہ کرنے کی نیت کر چکا تھا اسی لیے تو اس نے چالیس لاکھ روپیہ کے مطالبہ کو بڑھا کر دو کروڑ روپیہ کا مطالبہ کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ دو کروڑ روپیہ ادا کرنا حافظ رحمت خاں کے بس کی بات نہیں تھی البتہ اگر ایک بار سردارانِ روہیلہ دل و جان سے مالی تعاون کے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاتے تو شجاع الدولہ اور ہیس ٹنگوس کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑ سکتا تھا۔

اس نازک وقت میں حافظ رحمت خاں کے دیوان پہاڑ سنگھ نے سردارانِ کٹھیر کی مخالفت اور عدم توجہی کے حوالے سے جنگ سے گریز کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے روپیہ قرض لے کر ادا کرنے کی بات کہی تھی لیکن مطالبہ چالیس لاکھ سے بڑھ کر دو کروڑ روپیہ ہو چکا تھا اس لیے حافظ رحمت خاں نے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میرے پاس اتنا روپیہ ہوتا تو ادا کر دیتا۔ اب لوگوں سے روپیہ طلب کرنا، زبردستی وصول کرنا یا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شجاع الدولہ کی خوشامد کرنا اس کے لیے شایانِ شان نہیں۔ اپنے دوستوں کی اولادوں کی بے مروّتی اور دوندے خاں کی اولادوں (محبّ اللہ خاں اور فتح اللہ خاں جن سے قرآن پر دستخط کر کے اور مہر لگا کر شجاع الدولہ نے دوستی کا وعدہ کیا[7] تھا اور احمد خاں بخشی اور احمد خاں پسر سردار خاں سے شجاع الدولہ) کے خفیہ معاہدوں نے اس کا دل توڑ دیا تھا۔ اس نے تمام سرداروں کی موجودگی میں آنولہ میں (محبّ اللہ خاں، فتح اللہ خاں احمد خاں بخشی اور احمد خاں بن سردار خاں موجود نہیں تھے) کہا ''جس کو میری ہمراہی منظور ہو میرے ساتھ جنگ کے لیے چلے اور جس کو جنگ میں شرکت نہیں کرنی ہو وہ واپس چلا جائے۔ مجھ کو دشمن فوج کی کثرت اور دوستوں کی کمی کا کوئی خوف نہیں۔ اگر ایک شخص بھی میرے ساتھ نہیں ہوگا تب بھی میں شجاع الدولہ کے مقابلہ سے منہ نہ موڑوں گا۔'' [8]

باب اکیس/فصل تینتالیس

حافظ رحمت خاں کی جنگ کے لیے روانگی

حافظ رحمت خاں قلعہ بریلی سے یازدہم محرم 1188 ہجری (24 مارچ 1774) کو جنگ کے لیے چلا اور آنولہ آ گیا۔ یہاں اطلاع ملی کہ شجاع الدولہ میدی گھاٹ سے گنگا عبور کر کے شاہ آباد کی راہ سے کٹھیر پر حملہ کرے گا۔ حافظ رحمت خاں آنولہ سے ٹانڈہ ہوتا ہوا گنگا عبور کر کے فرید پور میں داخل ہوا (بریلی سے مشرق کی طرف سات کوس کے فاصلہ پر) کٹھیر کے بڑے سردار بہت کم تعداد میں اس کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ساتھ تھے۔ البتہ راجپوت زمیندار، کٹھیر، مئواور فرخ آباد کے پٹھان اور سید اپنی مرضی سے اس کی فوج میں شامل ہونے لگے۔

جب شجاع الدولہ شاہجہاں پور آیا تو عبداللہ خاں نے بیس ہزار پٹھانوں کی جمیعت کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ عبداللہ خاں کی اس حرکت سے حافظ رحمت خاں کو سخت صدمہ ہوا۔ انھوں نے یہ پیشن گوئی کی کہ یہ شخص شجاع الدولہ کے ہاتھوں ذلت اٹھائے گا۔[9] فیض اللہ خاں اور محمد یار خاں (پسران نواب علی محمد خاں) اور نصر اللہ خاں (پسر عبداللہ خاں ابن نواب علی محمد خاں) بھی سات آٹھ ہزار فوج کے ساتھ لشکر میں شامل ہو گئے۔[10] جب شجاع الدولہ تلہر سے روانہ ہوا تو حافظ رحمت خاں کٹرہ میران پور آ گیا[11] (بریلی سے مشرق جنوب کی طرف چودھا کوس پر)۔

اس وقت حافظ رحمت خاں کے پاس پچیس ہزار فوج ہو گئی تھی۔ کرنل چیمپین فوج کی تعداد چالیس ہزار بتاتا ہے جو مبالغہ ہے لیکن ہیملٹن کے مطابق روہیلہ فوج 28ہزار تھی۔ ہیملٹن کی رائے درست ہے۔ اس فوج میں کافی تعدد ہندوؤں کی بھی تھی۔[12] حافظ رحمت خاں سے ہمدردی اور حمیت افغانی سے متاثر ہو کر لوگ برابر چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں اس کے لشکر میں شامل ہوتے رہے۔ لیکن محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں (پسر دوندے خاں جو رشتہ میں حافظ رحمت خاں کے بھتیجے تھے) اور احمد خاں بخشی نہیں آئے تھے۔ یہ لوگ عین لڑائی کے وقت (غالباً 21 اپریل) کو چار سو اور تین سو سواروں کے ساتھ آئے تھے۔[13]

21 اپریل کو دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ روہیلوں نے صف بندی کی اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے لیکن دوسری طرف سے کوئی حملہ نہیں ہوا۔ دوسرے دن بھی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صف بندی کی گئی لیکن حملہ نہیں ہوا۔ اس عرصہ میں حافظ رحمت خاں کی فوج میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ ہیملٹن کے بیان کے مطابق روہیلوں کی فوج 28 ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اس خیال سے کہ کہیں حافظ رحمت خاں کی فوج میں اور اضافہ نہ ہو جائے 23 اپریل کو جبکہ روہیلوں نے صف بندی بھی نہیں کی تھی اور بہت سے فوجی گھوڑوں کو چارہ کھلانے ادھر ادھر لے گئے تھے اور حافظ رحمت خاں اشراق کی نماز پڑھ رہا تھا، مخالف فوج کا ڈنکا بجا۔[14] حافظ رحمت خاں دس ہزار پیادہ سوار کے ساتھ آگے بڑھا۔

حافظ رحمت خاں کو اطلاع دی گئی تو انھوں نے فوج کو تیاری کا حکم دیا اور سرداران روہیلہ کو اطلاع کرائی۔ کچھ سرداروں کو اطلاع بھی نہیں ہوئی تھی کہ مخالف فوج نے گولہ باری شروع کر دی۔ روہیلوں نے جس طرح بھی ہو پایا صف بندی کی اور لڑائی شروع ہو گئی۔ مستقیم خاں پسر شیخ کبیر جو ہراول میں تھا اسی کو سب سے پہلے مقابلہ کرنا پڑا۔ مستقیم خاں کا دستہ توپوں کے گولوں کے باوجود بائیں طرف سے اندر گھس کر توپوں تک پہنچ گیا لیکن تلنگوں کی گولیوں کی باڑھ سے اس کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ دائیں جانب سے فیض اللہ خاں نے حملہ کر دیا۔ حافظ رحمت خاں نے انگریزی فوج پر حملہ کیا۔ اب دائیں بائیں اور سامنے جنگ چھڑ گئی۔[15]

اچانک احمد خاں پسر سردار خاں جو شجاع الدولہ سے ساز باز کر چکا تھا بغیر لڑے ہی شور مچاتا ہوا اپنے ماتحت فوجیوں کے ساتھ بھاگنے لگا۔ اس کی اس حرکت سے روہیلہ فوج میں کچھ دیر کے لیے بھگدڑ مچ گئی اور کچھ فوجیوں نے بھاگنا شروع کر دیا لیکن خونریز جنگ جاری رہی۔ مستقیم خاں اور حافظ رحمت خاں کی فوج کو کافی نقصان گولہ باری سے ہوا۔ اچانک ایک گولہ حافظ رحمت خاں کے قریب پھٹا اور ران کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

موت ہو گئی۔ اس وقت حافظ رحمت خاں کے قریب ان کے لڑکوں میں محبت خاں، محمد یار خاں، محمد دیدار خاں، اللہ یار خاں اور عظمت خاں موجود تھے۔ وہ بھی دوسرے روہیلوں کے ساتھ بھاگ نکلے۔[16]

سلطان خاں بڑیچ نے جو کبھی حافظ رحمت خاں کا ملازم تھا، حافظ رحمت خاں کا سر کاٹ کر شجاع الدولہ کے حضور پیش کیا اور انعام پایا۔ شجاع الدولہ نے حافظ رحمت خاں کی لاش منگوا کر اس میں سر سلوا کر، پالکی میں رکھ کر بریلی روانہ کر دیا اور دوسرے دن انھیں بریلی میں دفن کر دیا گیا۔[17]

شو پرشاد کے بیان کے مطابق فیض اللہ خاں، نصر اللہ خاں اور محمد یار خاں (خاندان نواب علی محمد خاں) بھی جنگ میں شریک تھے لیکن جنگ کے حالات اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سردارانِ روہیلہ میں مستقیم خاں پسر شیخ کبیر، سیف الدین خاں اور عبد الجبار خاں کے علاوہ کوئی بڑا سردار دل و جان سے حافظ رحمت خاں کا شریک نہیں تھا۔ جن فوجیوں نے حافظ رحمت خاں کا دِل سے ساتھ دیا تھا وہ بڑی بے جگری سے لڑے۔ جن کی تعریف کرنل چیمپین بھی کرتا ہے۔

''شجاع الدولہ نے انگریزی فوج کی کوئی مدد نہیں کی۔ انگریزوں کی آگ برساتی ہوئی توپوں کا جواب روہیلوں کے پاس نہیں تھا۔ پھر بھی وہ میدانِ جنگ میں ڈٹے رہے یہاں تک کہ ان کے معزز اور بہادر سردار قتل ہو گئے۔ جب روہیلوں نے بھاگنا شروع کر دیا تو وزیر (شجاع الدولہ) اور اس کا گنواروں کا ہجوم (Rabble) ظاہر ہوا اور بہادر دشمنوں (روہیلہ) کے خیموں کو لوٹنے میں مصروف ہو گیا جن سے مقابلہ کرنے کی جرأت کے بارے میں وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔''

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چیمپین (Despach of col. Champion, vth Report. App. 26) نے جن سرداروں کے قتل کا ذکر کیا ہے غالباً وہ جماعہ داران تھے۔ چیمپین لکھتا ہے ''روہیلوں نے ثابت قدمی کا ثبوت دیا اور کبھی کبھی تو وہ ہماری فوج کو کھدیڑ کر آگے بڑھ کر فتحیابی کے جھنڈے گاڑ دیتے۔ ان میں سے بہت سے جرأت اور بہادری کے ساتھ حملہ کر کے آگے بڑھ آتے تھے تاکہ دوسرے فوجیوں کی ہمت بڑھائیں۔'' (Strachy : 141) روہیلوں کی شکست کی سب سے بڑی وجہ زیادہ تر سردارانِ روہیلہ کی بے دلی اور بیوفائی تھی۔

باب اکیس/فصل چوالیس

حافظ رحمت خاں کے کارنامے

حافظ رحمت خاں کے آخری دورِ حکومت میں نواب علی محمد خاں، نواب نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خاں کی اولادوں میں اخلاقی انحطاط اور قبائلی طرزِ معاشرت سے بیزاری کی نشانیاں صاف دکھائی دینے لگی تھیں۔ خود پرستی اور خود بینی نے روہیلہ اتحاد کو ختم کر دیا تھا اور حالات حافظ رحمت خاں کے قابو سے باہر ہو گئے تھے۔ حافظ رحمت خاں نہایت اعلیٰ درجہ کا منتظم، رعایا پرور دیندار انسان تھا جس کے دورِ حکومت میں کٹھیر کا شورش زدہ علاقہ گہوارہ امن بن گیا تھا۔ غیر مزروعہ اور بنجر زمینیں لہلہاتے کھیت بن گئی تھیں اور سارا علاقہ زراعت کے لحاظ سے بے مثال ہو گیا تھا۔ ہندو رعیت کے ساتھ ہمدردی سے پیش آتا تھا حق اور انصاف کا بول بالا تھا یہی وجہ تھی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہ روہیلوں کی ہر مہم میں رعایا نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

اس کی سمجھ داری، مزاج میں اعتدال اور بردباری، سیاسی تدبر اور معاملہ فہمی کے باعث ہی اُسے ابدالی نے سفارتی معاملات طے کرنے سورج مل جاٹ کے پاس بھیجا تھا (جنوری 1760)۔ عمر کے آخری حصہ میں بھی اس میں جنگ کرنے کا حوصلہ تھا اس لیے اس نے نواب نجیب الدولہ کے صلح کے مشورہ کو نظر انداز کر کے نواب احمد خاں بنگش کو مراٹھوں سے جنگ کرنے پر اُکسایا تھا (جنوری 1771) لیکن حالات نے اس کا ساتھ نہیں دیا اور وہ اٹاوہ وغیرہ مراٹھوں کے سپرد کر کے صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔

اس کے ملکی و مالی انتظام کی صلاحیت، ذاتی اوصاف، علمیت، ادب نوازی، تعمیرات اور تجارتی ترقی کے بارے میں الطاف حسین نے بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جسے پڑھ کر یہ یقین ہوتا جاتا ہے کہ حافظ رحمت خاں میں اعلیٰ حکمراں بننے کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں۔ اگر وہ دلّی کی سیاست میں دخل دینے کا خطرہ مول لیتا تو ہندوستان کی سیاست میں نمایاں کردار ادا کر سکتا تھا۔ لیکن اس کی احتیاط برتنے کے مزاج نے اُسے کٹھیر کا سرپرست ہی بنائے رکھا اور وہ افغان جرگہ کے ''ملک'' کی حیثیت سے اوپر اٹھ کر حکمراں کے مرتبہ تک نہ آ سکا حالانکہ وہ عمر کے آخری دنوں میں بھی کٹھیر کا واحد حکمراں تھا اور اس کی اس حیثیت کو اس دور کی سبھی طاقتیں تسلیم کرتی تھیں۔ باوجود تمام صلاحیتوں کے حکمراں بننے کا آرزومند نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اسے تصوف وراثت میں ملا تھا اسی لیے وہ غیر ضروری جنگوں سے گریز کرتا تھا اور یہ نہیں چاہتا تھا کہ ہوس ملک گیری کے لیے خلق خدا کا خون بہایا جائے۔ اس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نے تاحیات اخلاقی قدروں اور انسانی ہمدردی کو پیش نظر رکھا، جس کی حکومت سازی میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے اور ان تمام موقعوں سے فائیدہ نہیں اٹھایا جن کی بدولت وہ طاقتور حکمراں بن سکتا تھا۔ راجستھان کے قحط زدہ لوگوں کی مدد کرنا، مال کی درآمد برآمد پر ٹیکس ختم کرنا اور گنگا پور میں مرنے والے فوجیوں کے وارثین کو ملازمت دینا وغیرہ ایسے کام تھے جس سے اس کی خدا ترسی کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے دورِ حکومت کے بارے میں الطاف حسین لکھتا ہے کہ :۔

''روہیلہ گورنمنٹ کے قوانین نہایت قابل تعریف تھے۔ اس کی عملداری میں چوری، ڈکیتی نہ تھی۔ دیہات اور شہروں میں مختلف مذاہب کی مخلوط پنچائیتیں اور برادریاں ان پیشوں کے اعتبار سے جو انھوں نے اختیار کررکھے تھے قائم تھیں۔ ان کا ایک سرپنچ یا چودھری ہوا کرتا تھا جس کا فیصلہ سرکاری حکم سے زیادہ وقعت رکھتا تھا۔ ان پنچایتوں میں ہر قسم کے مال اور فوجداری کے مقدمات طے ہونے کے علاوہ بازار میں فروخت ہونے والی اشیاء کے نرخ بھی طے ہوتے تھے۔ حکومت کے مقرر کردہ عاملوں، قاضیوں اور مفتیوں کے پاس پنچایتی برادری کے لوگوں کے مقدمات شاذو نادر ہی جاتے تھے۔ مملکت آباد، زراعت مکمل اور رعایا خوش حال تھی۔ مزارعین (کسان) کو تقاوی کے ذریعہ امداد دے کر کاشتکاری کرائی جاتی تھی۔ مال گزاری صرف چونی روپیہ (1/4) لی جاتی تھی۔ مسٹر فرنکلین نے بریلی کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ شہر حافظ رحمت خاں کی خصوصی توجہ کے سبب ایک بہت بڑی تجارت گاہ بن گیا ہے[19]۔''

یہ بات قابل یقین ہے کہ حافظ رحمت خاں اور دیگر سرداران روہیلہ نے مقامی کاشتکاروں کے ساتھ اچھا رویہ اپنایا ہوگا کیونکہ جو خوشحالی اور زراعتی ترقی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نجیب الدولہ کے علاقوں اور کٹھیر کے علاقوں میں دیکھنے کوملتی ہے وہ پاس پڑوس کے علاقوں میں دکھائی نہیں دیتی۔ الفسٹن نے صحیح لکھا ہے کہ روہیلوں اور ہندوؤں کے تعلقات برادرانہ تھے۔ ان کی ترقی دیکھ کر ہمارے فوجیوں کو بھی رشک ہوتا تھا۔ (Strachy:30)

حافظ رحمت خاں نے بکثرت گڑھیاں، قلعے، شہر پناہیں، محل سرائیں، مسافر خانے، مہمان خانے، بازار، سڑکیں، پل، نہریں، تالاب، مدرسے، مسجدیں اور مقبرے تعمیر کرائے۔ بریلی، آنولہ، حافظ گنج، پیلی بھیت، جلال آباد اور بدایوں وغیرہ میں اکثر عمارتیں تعمیر کرائیں جن میں بعض شکستہ اور بعض بہتر حال میں آج بھی موجود ہیں۔ بدایوں میں ایک خوبصورت مسجد جس کے احاطے میں اس کے والد شاہ عالم خاں کی قبر ہے اور حضرت سید احمدؒ والد حضرت نظام الدینؒ کی درگاہ حافظ صاحب کی تعمیر کردہ ہے۔ آنولہ میں نواب علی محمد خاں کا مقبرہ، پیلی بھیت کی جامع مسجد، دریائے کھکرہ کا پل آج تک موجود ہے۔ خاص بریلی کی عمارات میں مبارک محل، دیوانِ عام، دیوانِ خاص اور قلعہ تھا جن کا صرف نام ہی رہ گیا ہے۔ شجاع الدولہ نے انہیں مسمار کر کے ان کا نام ونشان ہی مٹا دیا۔

حافظ صاحب سے متعلق تذکروں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب کردار، متقی، پرہیزگار اور پابند صوم وصلوٰۃ تھا۔ مشائخ وصوفیاء سے قلبی محبت وعقیدت تھی۔ ''آخون فقیر صاحب، حافظ شاہ جمال اللہ صاحب، شاہ ابوالفتح صاحب، حافظ صدیق صاحب، شاہ کلیم اللہ صاحب اور میاں شاہ عزت اللہ صاحب وغیرہ جمع ہو گئے تھے۔''

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حافظ صاحب پشتو اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ اسٹریچی نے لکھا ہے:

''ایم ڈارمس ٹیٹر اپنے رامپور جانے کی کیفیت اس طرح بیان کرتا ہے کہ جب وہ وہاں سے رخصت ہو رہا تھا تو اس کو ایک روہیلہ نے حافظ رحمت خاں اور دوسرے روہیلہ سرداروں کا ایک قلمی مجموعہ کلام دیا جواب برٹش عجائب خانہ کے مشرقی نوشتہ جات میں محفوظ ہے۔ جس میں ایک نظم پشتو زبان میں حافظ رحمت خاں کی بھی ہے۔ جس کا مضمون پٹھانوں اور مغلوں کی موروثی عداوت ہے........گو میں نے حافظ رحمت خاں کا دیوان اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا لیکن تعلیم یافتہ افغانوں میں یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ وہ ایک دیوان چھوڑ کر مرے تھے۔ حافظ رحمت خاں کے پاس کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا جس کو شجاع الدولہ لکھنؤ لے گیا تھا جو بعد کو شاہانِ اودھ کے کتب خانے کی زینت بنا۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے ان کتابوں کی فہرست مرتب کی تھی جس کی ایک جلد 1854 میں شائع ہوئی تھی۔ اسپرنگر کا بیان ہے کہ مجھے اسلحہ خانے میں چالیس صندوق خراب وخستہ حالت میں ملے تھے جن میں حافظ رحمت خاں کا علمی خزانہ تھا۔ بعض پشتو تصانیف روہیلہ سرداروں کی لکھی ہوئی تھیں۔ 1857 میں لکھنؤ کا کتب خانہ برباد ہو گیا لیکن کبھی کبھی یہ کتابیں دستیاب ہوتی رہتی ہیں۔[19] ''

حافظ رحمت خاں کی کتابوں میں ایک کتاب 'خلاصۃ الانساب' ہے جس میں انھوں نے اپنے بزرگوں کے نام ونسب کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں بھی موجود ہے۔ ایک کتاب تواریخ رحمت خانی میں یوسف زئیوں کے کابل پر قبضہ کرنے اور ہندوستان آنے کے مفصل واقعات ہیں۔ یہ کتاب 1662ء میں پشتو میں لکھی گئی تھی۔ 1770 میں اس کا ترجمہ حافظ رحمت خاں نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فارسی میں کرایا تھا۔ اب یہ کتاب انڈیا آفس لائبریری لندن میں ہے اور اس کی پرانی نقلیں خدا بخش لائبریری پٹنہ اور سید عزت علی مقیم آگرہ کے پاس ہے۔ (الطاف 299) حافظ رحمت خاں کے لڑکے محبت خاں نے 'ہندوستانی پشتو' لغت لکھی تھی اور اچھا شاعر تھا۔ (Strachy 28)

کٹھیر کے روہیلہ سرداروں کی فنون لطیفہ ار تہذیب تمدن کے سلسلہ میں پروفیسر اقتدار حسین کی رائے ہے: ''علی محمد خاں روہیلہ اور نجیب الدولہ نے معاشی اور تہذیبی ترقی میں نمایاں کام انجام دیے۔ کٹھیر میں نئے آنے والے روہیلوں نے مغلیہ دور کے ادبی اور تہذیبی ورثہ کو بڑے سلیقے سے اپنایا اور اعلی جمالیاتی مزاج کا ثبوت دیا۔ روہیلوں کی جمالیاتی حس (Aesthetic Sense) کا نمونہ ان کے ادبی ذوق، فن تعمیرات میں دلچسپی، لباس اور سماجی زندگی میں دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے مکمل طور پر مغلیہ تہذیب کو اپنا لیا تھا۔'' (Seminor Paper on Rohella)

ہیملٹن[21] حافظ رحمت خاں[22] کے بارے میں لکھتا ہے کہ:-

''چاہے ہم اُسے سیاست داں کی حیثیت سے دیکھیں یا ایک فوجی کی حیثیت سے، وہ کسی حد تک قابل عزت ضرور تھا۔ ایک پریشان حال روہیلہ قوم کے منتظم (Director) کی حیثیت سے اس نے ٹکڑوں میں بٹی ہوئی قوم کو اپنی ذاتی لیاقت سے سمجھا بجھا کر، بہت سے موقعوں پر متحد کیا تھا اس قوم کو جو فطری طور پر سرکش ہو خطرناک موقعوں پر عرصۂ دراز تک، متحد رکھنا بہت مشکل کام تھا۔ اس کی ذاتی شجاعت اور استقلال نے انتہائی خطرناک وقت میں، غیر روہیلہ طاقت ور دشمنوں سے اپنی قوم کو برباد ہونے سے بچایا اور انھیں متحد کیا اور انھیں اس لائق بنا دیا کہ وہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایسے خطرناک موقعوں پر جبکہ ان کی تباہی اور بربادی ہونا یقینی تھی، انھیں کسی بھی دشمن سے مقابلہ کرنے کے لائق بنا دیا۔ یہ اس کی ذاتی لیاقت اور مستقل مزاجی کی بدولت ہی ممکن ہوا کہ عرصہ دراز سے وہ روہیلہ حکومت کو قایم کیے رہا اور اس کے ساتھی متحد ہو کر اس کی مدد کرتے رہے۔ جنگ کے وسائل کی کمی کے باوجود اس نے بجائے ذلت آمیز اطاعت کے اپنی مملکت اور جان قربان کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس نے آئندہ پیش آنے والے واقعات میں قابلِ تعریف کام انجام دیے لیکن جن حالات میں اس نے ترقی حاصل کی اور علی محمد خاں کی بخشی ہوئی جائیداد (Endowment) پر اپنی بدنیتی اور غیر اصولی طریقہ سے قبضہ کر کے اپنی خواہشات کی تکمیل کی اور جائیداد کے جائز وارثین کو محروم کر دیا، اس سے اس کے کردار میں داغ لگ جاتا ہے[20]۔'' اگر رستم علی کے بیان کو پیش نظر رکھا جائے (جسکے بیان کو پروفیسر اقتدار حسین صدیقی معتبر مانتے ہیں) تو ہیملٹن کا بیان حقیقت سے کوسوں دور دکھائی دیتا ہے۔ یہ وہی الزام ہے جو نواب علی محمد خاں کی اولادیں لگاتی آئی ہیں۔ ہیملٹن شیو پرشاد سے متاثر نظر آتا ہے جو فیض اللہ خاں ابن نواب علی محمد خاں کا درباری تھا۔

حافظ رحمت خان کا خاندان (الطاف حسین کے مطابق):- حافظ رحمت خاں نے پہلی شادی ملک شادی خاں ابن شہزاد خاں، ابن محمود خاں عرف موتی بابا کی صاحبزادی سے کی تھی۔ اس کے بطن سے صرف دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ دوسرا عقد ملک خداداد خاں کی صاحبزادی سے کیا جن سے عنایت خاں، محبت خاں اور عظمت خاں پیدا ہوئے۔ باقی تمام لڑکے اور لڑکیاں ہندوستانی بیویوں سے پیدا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوئے۔ان کی تمام بیویوں سے اولاد کی مجموعی تعداد 23 تھی جن میں چودہ لڑکے تھے جن میں نواب عنایت خاں اور نواب ہمت خاں کا انتقال ان کی زندگی میں ہو گیا تھا۔

1۔عنایت خاں (بڑا لڑکا) انتقال 1773۔بتیس 32 سال کی عمر میں وفات پائی۔ عنایت خاں کے باغ بریلی میں دفن ہوا۔

2۔ہمت خاں: 1760 میں 12 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔پیلی بھیت میں دفن ہوا۔

3۔ارادت خاں: حافظ رحمت خاں کی موت کے وقت 26 سال چند مہینے کا تھا۔ 31 اکتوبر 1808 کو انتقال ہوا۔شاہجہاں پور میں دفن ہوا۔

4۔محبت خاں: حافظ رحمت خاں کی موت کے وقت 24 سال کا تھا۔ 35 سال لکھنؤ میں گزار کر 59 سال کی عمر میں 1809 میں انتقال ہوا۔لکھنؤ میں دفن ہوا۔

5۔حافظ محمد یار خاں: (تاریخ گل رحمت کے مصنف کا باپ): حافظ رحمت خاں کی موت کے وقت اس کی عمر 24 سال تھی۔ 85 سال کی عمر میں اب تک (1254ھ 1838ء) زندہ ہیں۔طویل عمر میں انتقال ہوا ہوگا۔ نوٹ: باقی شجرہ ص ۵۸۹ پر ہے۔

6۔محمد دیدار خاں: حافظ رحمت خاں کے انتقال کے وقت بائیس سال کا تھا۔ 1808ء میں لکھنؤ میں انتقال ہوا اور لکھنؤ میں دفن ہوا۔

7۔ذوالفقار خاں: حافظ رحمت خاں کی موت کے وقت بائیس سال کا تھا۔ 1797 میں لکھنؤ میں انتقال ہوا مقبرہ حافظ رحمت خاں میں دفن کیا گیا۔

8۔اللہ یار خاں: حافظ محمد یار خاں کا حقیقی بھائی تھا۔حافظ رحمت خاں کی موت کے وقت اکیس سال کا تھا۔1832ء کو 81 سال کی عمر میں وفات پائی۔

9۔عظمت خاں: عنایت خاں کا حقیقی بھائی تھا۔حافظ رحمت خاں کی موت کے وقت 21 سال کا تھا۔1779 میں انتقال ہوا۔عنایت خاں کے قریب دفن ہوا۔

10۔حرمت خاں: حافظ رحمت خاں کی موت کے وقت ۱۹ سال کا تھا۔1846 میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرادآباد میں وفات ہوئی اور وہیں دفن ہوا۔

11۔غلام مصطفےٰ خاں: حافظ رحمت خاں کی موت کے وقت 15 سال چند ماہ کا تھا۔ 1788 میں 30 سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ زیر دیوار غربی مقبرہ حافظ رحمت خاں میں دفن ہوا۔

12۔محمد عمر خاں: حافظ رحمت خاں کی موت کے وقت 14 سال کا تھا۔ 1824ء میں سرسٹھ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ بریلی میں اپنے مکان کے پائیں باغ میں دفن ہوا۔

13۔مستجاب خاں: حافظ رحمت خاں کی موت کے وقت 13 سال کا تھا۔ 1832ء میں چوہتر سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ اپنے باغ نواب مستجاب خاں، میں دفن ہوا۔ گلستانِ رحمت اس کی تصنیف ہے۔

14۔محمد اکبر خاں: حافظ رحمت خاں کے انتقال کے وقت بارہ سال چند مہینے کا تھا۔ 1830 کو 71 سال کی عمر میں انتقال ہوا اور رامپور میں دفن ہوا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1- Strachy: 113. quoted Letter of Hastings, Trotter 114

2- Strachy : 122

3- Strachy : 300-400

4- Strachy : 136, quoted India office Record.

5- Strachy : 138

6- Hemilton 290-291 تفصیل ضمیمہ نمبر 10 میں دیکھئے۔

7- شو پرشاد (مخطوطہ) 101b

8- گل رحمت " 105b

9- گل رحمت 106b-107a-شو پرشاد 102a

10- گل رحمت 111b شو پرشاد 99a

11- کٹرہ کمال زئی و فرید پور کے درمیان میں لاہی کھیٹرہ کا میدان (عماد السعادۃ مخطوطہ 127b) شو پرشاد کے مطابق لاہی کھیٹرہ 101a۔ ''میران پور کٹرہ کو کٹرہ کمال زئی بھی کہتے ہیں۔(اخبار الصنادید جلد اول 493)

12- Strachy : 29

13- گل رحمت 111a

14- شو پرشاد 102a

15- شو پرشاد 102a-گل رحمت 11a

16- گل رحمت 112b-شو پرشاد 102a-عماد السعادۃ 127b

17- سلطان خاں بڑیچ کی نمک حرامی کے سلسلہ میں یہ قطعہ کٹھیر میں مشہور ہو گیا تھا۔

ہر کس کہ در جہاں کند از قومِ خود بدی | از دے یزید در ہمہ اوصاف کمتر است

داری اگر بدل ہوس امتحان ببیں | سلطان خاں بشمرِ حرامی برابر است

''حافظ رحمت خاں کا سر ضابطہ خاں اور مظفر جنگ (خاندانِ بنگش) کو تصدیق کے لیے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دکھایا گیا تو مظفر جنگ نے طنزیہ کہا- ''جناب! اسی ریش وفش (گھوڑے جیسے داڑھی کے بال) کے ساتھ جنگ کرنے آئے تھے۔'' پھر یہ سر شاہ مدن پیرزادہ (نسبت غوث الاعظم محی الدین جیلانیؒ) کو دکھایا تو انھوں نے آبدیدہ ہو کر کہا- "یہ سر ہم سب مسلمانوں کی عزت ہے"۔ اس بیبا کی پر شجاع الدولہ نے شاہ مدن کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔'' (عماد السعادۃ 127b)۔

''شاہ مدن نے حافظ صاحب کا سر دیکھ کر یہ شعر پڑھا تھا

سرِ کشتہ برنیزہ می زد نفس　　　　که معراجِ مرداں ہمیں است و بس

(گل رحمت 113b)

حافظ صاحب کے مقبرہ کی تفصیل ضمیمہ 11 میں دیکھیئے۔

Strachy : 31, quoted Francklin who visited Bareilly -18 in 1795

19- الطاف: 298 بحوالہ اسٹریچی

Rasheed : 150, quoted Hemilton 237 -20

ہیملٹن کا بیان تاریخ فرح بخش مصنف شو پرشاد کے مطابق ہے۔ شو پرشاد فیض اللہ خاں کا نوکر تھا جس کے ذمہ پولیٹیکل ایجنٹ کی خدمات تھیں۔ اس کی ملاقات کرنل کرک پیٹرک (Kirk Patric) سے ہوئی جو بلگرام میں کمانڈ کر رہا تھا۔ اس نے شو پرشاد کو حالات روہیلہ لکھنے پر آمادہ کیا۔ اس نے 1776 میں مسودہ لکھ کر فیض اللہ خاں کی خدمت میں پیش کیا اور فیض اللہ خاں نے تصحیح کی۔

(Strachy : xvi (Preface) quoted Dr. C. Riev's catalogue of P.M. vohi 306)

اسٹریچی اس ماخذ کو مستند مانتا ہے لیکن یہ الزام بھی لگاتا ہے کہ حافظ رحمت خاں نے نواب علی محمد خاں کی اولادوں کو ان کے حق سے محروم کر دیا تھا۔ (Strachy: xvii)

21- ضمیمہ 10

22- ضمیمہ 11

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میران پور کٹرہ کی جنگ کے بعد

میران پور کٹرہ کی جنگ سے متعلق روہیلہ اور اودھ ماخذ حافظ رحمت خاں اور شجاع الدولہ کے سلسلہ میں ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔ علاوہ ازیں روہیلہ ماخذ نجیب الدولہ اور ضابطہ خاں کے خلاف بھی دکھائی دیتے ہیں۔ انگریزی ماخذوں میں ہیملٹن، فیض اللہ خاں کا طرفدار اور حافظ رحمت خاں کا کسی حد تک مخالف دکھائی دیتا ہے جبکہ اسٹریچی حافظ رحمت خاں اور روہیلوں کے قاتل ہیس ٹنگوس کا طرفدار ہے۔ پھر بھی کرنل چیمپین کی رپورٹنگ اور کسی حد تک بارکر کی رپورٹنگ بھی اور مقدمہ کے دوران بیانات اور ہیس ٹنگز کی ذاتی ڈائری کے اقتباسات اور اس کے نجی خطوط سے ہونیوالی معلومات کی کڑیوں کو جوڑا جائے تو بڑی حد تک حقیقت سامنے آجاتی ہے۔

روہیلہ ماخذ فرح بخش مصنف شو پرشاد مظفر جنگ اور ضابطہ خاں کو بے غیرت کہہ کر اس جنگ میں ضابطہ خاں کو شجاع الدولہ کا شریک بناتا ہے۔ (100b) اور عمادۃ السعادۃ (127b) کے بیان کے مطابق ضابطہ خاں شجاع الدولہ کے پاس اس وقت موجود تھا جب حافظ رحمت خاں کا کٹا ہوا سر سلطان خاں لیکر آیا تھا اور شجاع الدولہ نے مظفر جنگ اور ضابطہ خاں سے مخاطب ہوکر اس کی تصدیق چاہی تھی لیکن کسی بھی ماخذ میں اس کی فوجی کارروائی یا میدانِ جنگ میں اس کے دستہ کی تعیناتی کی خبر نہیں ملتی۔ نہ اس کی موجودگی سے کسی روہیلہ کو جانی نقصان کا پتہ چلتا ہے۔ شاہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عالم بھی شجاع الدولہ کی درخواست پر اس جنگ میں شرکت کرنا چاہتا تھا۔ وہ دلّی سے مع فوج کے روانہ بھی ہوا تھا لیکن نجار آنے کی وجہ سے وہ دلّی سے کچھ دور آ کر لوٹ گیا تھا۔ نجف خاں اس وقت آیا جب جنگ ختم ہوگئی تھی۔ چونکہ ضابطہ خاں دلّی حکومت میں میر بخشی کے عہدہ پر فائز تھا اس لیے اسے بھی آنا پڑا ہوگا۔ مرزا نجف خاں کی لوٹ مار اور ظلم کے واقعات ضرور ملتے ہیں البتہ ضابطہ خاں کا شریک ہونا یا نہ ہونا برابر ہی دکھائی دیتا ہے۔

شجاع الدولہ نہ صرف فاتح تھا بلکہ روہیلوں کا بدترین دشمن اور روہیلوں کے سلسلے میں کینہ پرور بھی تھا۔ اس کا ثبوت برٹش ہاؤس آف کامنس میں ہیس ٹنگزس پر مقدمہ کے دوران جرح میں کرنل بارکر نے یہ قبول کیا تھا کہ ''روہیلوں سے حسد کی وجہ یہ تھی کہ شجاع الدولہ کے باپ (صفدر جنگ) کے زمانے میں روہیلوں نے (نواب علی محمد خاں) اودھ کے کچھ علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ صفدر جنگ اور شجاع الدولہ کبھی بھی اسے بھلا نہیں سکا'' (Strachy: 296)۔ اسی بغض و کینہ کی وجہ سے اُس نے روہیلوں کے ساتھ بدترین سلوک کیا اور اُن تمام وعدوں کو بھلا دیا جو اس نے سردارانِ روہیلہ کے ساتھ کیے تھے جن کی سازش کی وجہ سے اس نے روہیلوں پر آسانی سے فتح حاصل کر لی تھی۔ اس کے ظلم کی داستان صرف روہیلہ ماخذوں تک محدود رہ جاتی اگر یوروپین مورخ مِل اس کا تذکرہ نہیں کرتا ''فتحیابی کے حقوق کو شجاع الدولہ سے پہلے شاید ہی کسی نے اتنے وحشیانہ طریقے پر استعمال کیا ہو جتنا شجاع الدولہ نے کیا تھا۔ اس کا حکم تھا کہ جو کوئی روہیلہ دکھائی دے اس کا قتل کر دیا جائے یا اُسے کٹھیر چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے[1]''۔ یورپ میں روہیلوں پر ظلم کی داستان اس وقت عام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوگئی جب مسٹر برکؔ نے جیمس ملؔ کے تاریخی بیان کو بنیاد مان کر وارن ہیس ٹنگز پر ایک مضمون لکھ کر اسے انتہائی ظالم، جابر، لالچی اور انگریز قوم کے کردار و اخلاق کو بیچنے والا کہا۔

شکست کے بعد فیض اللہ خاں حافظ رحمت خاں کے مشورہ کے مطابق لال ڈانگ چلا گیا جو گڑھوال کی پہاڑیوں کے دامن میں دور تک پھیلے ہوئے گھنے جنگلوں میں قدرتی پناہ گاہ تھی۔ بہت سے روہیلہ تو اس کے ساتھ ہی چلے گئے تھے اور باقی سردارانِ روہیلہ (احمد خاں بخشی، احمد خاں خانساماں، مستقیم خاں، عبدالجبار خاں، محمد حسن خاں، سیف الدین خاں، پرمول خاں، ملاّ میر باز خاں وغیرہ) بھی بعد میں لال ڈانگ پہنچ گئے۔

فرح بخش اور گل رحمت میں حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں کی اولادوں اور بیگم سعد اللہ خاں کے ساتھ نازیبا سلوک کا تذکرہ بڑی تفصیل سے موجود ہے جس کا اختصار اس طرح ہے کہ:

ذوالفقار خاں ابن حافظ رحمت خاں بریلی کی حفاظت پر تعینات تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ بریلی کے شرفاء کو جمع کر کے شجاع الدولہ کے پاس سفارت روانہ کرے گا لیکن اسی رات کو شجاع الدولہ کے فوجیوں نے بریلی پر قبضہ کرلیا۔ حافظ رحمت خاں کا دوسرا لڑکا محبت خاں جنگ سے واپس لوٹ کر گھر سے باہر نہیں نکلا اور شجاع الدولہ سے ملاقات کرنیکی ترکیب کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس نے اور ذوالفقار خاں نے شجاع الدولہ سے ملاقات کی۔ شجاع الدولہ نے محبت خاں اور ذوالفقار خاں کو دلاسا دیا اور یقین دلایا کہ وہ دونوں کو پیلی بھیت آ کر سرفراز کرے گا اور دونوں بھائیوں کو اپنے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیمپ میں ٹھہرالیا۔اس نے مکاری کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے حبشی غلام شیدی بشیر کو حکم دیا کہ فوراً پیلی بھیت پہنچ کر تمام لوگوں کے مال ومتاع پر قبضہ کرلے۔اس نے پیلی بھیت پہنچ کر سرکردہ لوگوں اور دیگر شرفاء کو گرفتار کرلیا۔ان کے مال ومتاع پر قبضہ کرلیا۔اس کے بعد اس نے دوندے خاں کی حویلی (بسولی) پر بھی قبضہ کر کے تمام مال ومتاع کو قبضے میں لے لیا۔آنولہ وغیرہ کو لوٹا۔محبت خاں اور اس کے بھائیوں، حافظ رحمت خاں کی بیوہ، عنایت خاں کی بیوہ اور دوسری بیگمات اور ان کی اولادوں کو چھکڑوں میں بٹھایا اور کچھ قیدیوں کو پیدل چلنے پر مجبور کیا۔بریلی، آنولہ، بسولی اور پیلی بھیت کی حویلیوں، مکانات، مقبروں، قلعوں کو دفینوں کی تلاش میں کھود ڈالا۔عورتوں کے جسم پر جتنے بھی زیورات تھے، انہیں چھین لیا گیا۔علماء وفضلاء کی بے عزتی کی گئی۔ محبت خاں وغیرہ کے ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی قیدی بنا کر الہ آباد بھیج دیا گیا۔قیدیوں کے مصارف کے لیے سو روپے روز مقرر کیے گئے[2]۔ ارادت خاں، ذوالفقار خاں، سعادت علی خاں شجاع الدولہ کے بیٹے کی سفارش پر قید سے محفوظ رہے۔ارادت خاں کے قید نہ ہونے کی وجہ یہ بھی تھی کہ اُس کا سُسر عبد اللہ خاں (شاہجہاں پور) شجاع الدولہ کے ساتھ تھا۔

روہیلوں کی بدحالی اور شجاع الدولہ کے مظالم سے متعلق بیوہ حافظ رحمت خاں کا خط چیمپین کے ذریعہ ہیس ٹنگز تک پہنچا تھا۔ ''معزز انگریز صاحبان کی خدمت میں جو سارے ہندوستان میں انصاف مساوات اور بیکسوں کی امداد کے لیے مشہور ہیں! آپ لوگوں کو بخوبی علم ہے کہ حافظ رحمت خاں نے اسی ملک پر چالیس سال تک اس رعب و دبدبہ کے ساتھ حکومت کی ہے کہ ان کا نام سن کر وحشی جانور بھی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مقبرہ نجو خاں اور بلند خاں، فتح گنج، بریلی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کانپ اُٹھتے تھے۔ وہ قتل کر دیے گئے اور اُن کے وارثین کے پاس گزر اوقات کے لیے کچھ نہ رہا۔ وہ دانے دانے کو محتاج ہو گئے۔ انہیں گھروں سے بے گھر کر کے دھوپ میں جلنے اور تپتی ہوئی ریت کی تکلیفیں برداشت کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہ مٹھی بھر چاول کے دانوں اور ایک کٹورہ پانی کے لیے ترس رہے ہیں۔ بھوک اور پیاس سے نڈھال ہیں۔

کل تک میں ایک لاکھ رعیت کی ملکہ تھی لیکن آج میں کسی کو حکم نہیں دے سکتی کیوں کہ میں خود ایک قیدی ہوں۔ قسمت بدلتی ہے تو باعظمت لوگ بھی بے عظمت ہو جاتے ہیں اور بے عزت لوگ باعزت بن جاتے ہیں۔ میں بے قصور ہوں۔ اگر کوئی خطاوار ہے تو صرف حافظ رحمت خاں۔ باپ کی خطا پر بچوں کو سزا کیوں دی جا رہی ہے۔ جنگلی جانور کی طرح مجھے کیوں لیجایا جا رہا ہے۔ نہ رات کو ٹھہرنے کی جگہ ہے اور نہ دن کو سایہ نصیب[3] ہے۔"

الطاف نے کرنل چیمپین کے دو خطوں کا ترجمہ کیا ہے:

"میں تہہ دل سے یہ یقین کرنے پر مجبور ہوں کہ بورڈ کو یہ گمان ہرگز نہ ہوگا کہ ان احکام کا ایسا بُرا انجام ہوگا جیسا کہ واقع ہوا ہے۔ انہوں نے یہ پیش بینی بھی نہ کی ہوگی کہ ایک پوری قوم کا ایسا اچانک اور مکمل زوال و اخراج عمل میں آئے گا۔ انہوں نے یہ خیال بھی نہ کیا ہوگا کہ انگریزی فوج سے امداد پانے والا ایک بڑا آدمی ایک برٹش کمانڈر کے صلاح و مشورہ کی اس قدر کم وقعت کرے گا اور نہ یہ تصور کرنے کا امکان تھا کہ ایک شخص جو خود بھی مصائب و آلام کا آبِ تلخ چکھ چکا ہو۔ ان لامحدود بے مثل عنایتوں کو جو اس کے ساتھ کی گئی تھیں قطعی فراموش کر کے دوسروں کے ساتھ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھوڑی سی مہربانی کرنے سے بھی انکار کردے گا۔۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ ظلم وتعدی کا ایجنٹ ہونے کی حیثیت سے تنہا نواب ہی مجرم ہے لیکن تمام ایشیا والے جانتے ہیں کہ انگریزوں نے اسے قوت دی ہے۔۔ کیا ایسی صورت میں وہ یہ نتیجہ نہ نکالیں گے کہ ان کے ایجنٹ کے ہاتھوں جو مظالم ہو رہے ہیں وہ انہیں کی چشم پوشی کے باعث ہیں۔

میرا یہ مطلب نہیں ہے اور نہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حافظ رحمت خاں کے اہل وعیال کو شجاع الدولہ سے آزاد کرادیا جائے بلکہ نواب پر یہ اثر اندازی کیجائے کہ وہ ان کی خاندانی حیثیت کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کرے۔ان لوگوں نے خود یہ التجا کی تھی کہ ایک یا جس قدر لڑکے نواب چاہے اپنی قید میں رکھے لیکن بیگم صاحبہ یا دوسری مستورات کی بے حرمتی نہ کرے۔اور ان کو اپنے لشکر کے بدمعاشوں کی ہنسی مذاق اور دوسری سخت ذلیل حرکتوں کا شکار نہ بنایا جائے''۔

''یہ گرفتارانِ بلا عاجز و ناچار ہو کر قوت لا یموت (صرف اتنی غذا جو زندہ رہنے کے لیے کافی ہو) خریدنے کے لیے مجھ سے اور میرے متعلقین سے بھیک مانگنے اور خیرات لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔پانی جیسی معمولی چیز کے لیے ان کا گڑگڑانا اور ہر ایک کی یہ کوشش کہ پہلے اُسے دیا جائے ناقابلِ برداشت مناظر ہیں[4]۔،،

کرنل چیمپین کے بیان پر یقین کرنے سے پہلے چیمپین اور مڈلٹن (پولیٹیکل ایجنٹ مقیم اودھ) کے مابین کشیدہ تعلقات کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ مڈلٹن (Middleton) ہیس ٹنگس کا قابلِ اعتماد ماتحت تھا۔ کرنل چیمپین کو صرف جنگی خدمات انجام دینے کا حق تھا اور سیاسی معاملات مڈلٹن کے سپرد تھے جس کا براہِ راست تعلق ہیس ٹنگز سے تھا۔ وہ چیمپین کی مداخلت پسند نہیں کرتا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روہیلہ ماخذ بھی تحقیق طلب ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو کتنی ہی باتیں غور طلب ہیں۔ مثلاً دوندے خاں کے بیٹوں محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں کے بارے میں دیگر ماخذ بھی ثابت کرتے ہیں کہ انھوں نے درپردہ شجاع الدولہ سے شرکت نہ کرنے کا وعدہ کرلیا تھا اور جنگ میں بے دِلی سے شریک رہے لیکن احمد خاں خانساماں اور احمد خاں بخشی کے بارے میں دھوکہ دہی کا معاملہ مصدقہ نہیں کیونکہ یہ دونوں فیض اللہ خاں کے ساتھ لال ڈانگ میں موجود تھے اور شجاع الدولہ ان سے سخت ناراض تھا۔ البتہ محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں جنگ کے بعد بھی اپنے علاقہ میں ٹھہرے رہے تھے تاکہ اپنی خدمات کا صلہ پاسکیں۔ اسی طرح حافظ رحمت خاں نے چالیس لاکھ روپیہ کے تمسک پر دستخط سردارانِ روہیلہ سے مشورے کے بعد تمام سرداروں کی طرف سے کیے تھے جس میں فیض اللہ خاں بھی شامل تھا لیکن ادائیگی رقم کی ساری ذمہ داری صرف حافظ رحمت خاں کے ذمہ ڈال دی گئی اور رقم دینے سے سب نے انکار کردیا یا پہلوتہی کرتے رہے۔ لیکن بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ فیض اللہ خاں اپنا خزانہ اپنے ساتھ لال ڈانگ لے گیا تھا اور کافی بڑی رقم اس نے شجاع الدولہ کو ادا کی تھی تاکہ کمپنی سرکار کے مطالبۂ زر کی ادائیگی کرسکے (Strachy: 281) اور اس بات کو نجم الغنی بھی قبول کرتا ہے کہ 'اس نے قدیم متوسلوں کی تباہی و پریشانی دیکھ کر خزانے کا منھ کھول دیا اور تمام لوگوں کی ضروریات پر خرچ کیا، (اخبار الصنادید جلد اوّل 536)۔ خاص طور سے معاہدۂ لال ڈانگ کے واقعات میں اس بات کی کافی گنجائش موجود ہے کہ فیض اللہ خاں جو کٹرہ میران پور کی جنگ میں چھ سات ہزار فوج کے ساتھ شامل تھا، محض رسمی طور پر شریک تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس جنگ میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روہیلوں کی نا اتفاقی شکست کی صورت مین سامنے آئے گی۔

باب بائیس/فصل چھیالیس

برٹش ماخذوں کی نظر میں

برٹش ہاؤس آف کامنس میں ہیس ٹنگزس پر مقدمہ کے دوران بہت سی اہم دستاویزات سامنے آئیں جو اصلی واقعات پر روشنی ڈالتی ہیں۔ یہ دستاویزات خط کتابت، روہیلوں کے خطوط، کرنل چیمپین کی رپورٹنگ اور ہیس ٹنگزس کے ذاتی اور آفیشل لیٹر کی شکل میں ہیں حالانکہ اس خط کتابت کا تسلسل دانستہ یا غیر دانستہ طور پر ٹوٹا ہوا ہے پھر بھی ان کے ذریعہ بہت سے حقائق سامنے آجاتے ہیں۔ لیکن ان واقعات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ روہیلوں کے بارے میں ہیس ٹنگوس اور کمپنی سرکار کے نظریہ کو اس دور کی انگلینڈ کی تاریخ کے پس منظر میں سمجھا جائے جس کا مختصر خاکہ حسبِ ذیل ہے۔

1784 میں پِٹ (Pit) کا مسودۂ قانون ہاؤس آف کامنس میں پیش ہوا۔ اس مسودہ میں بڑی ذہانت کے ساتھ کمپنی کے اختیارات اور برٹش گورنمنٹ کے درمیان مصالحت کی کوشش کی گئی تھی۔ اس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی مراعات اور سرپرستی کو برقرار رکھتے ہوئے برٹش کراؤن (Crown) کو یہ مکمل اختیارات دیے گئے تھے کہ وہ حکومت کی حکمت عملی پر پورا کنٹرول خود رکھ سکے لیکن ہیس ٹنگوس کو یہ تجویز اس لیے ناپسند تھی کیونکہ اس مسودۂ قانون کی رو سے ہندوستان میں گورنر جنرل کا وقار محض

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کونسل کے رحم وکرم پر رہ گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر پٹ نے ہیس ٹنگزس کا نام لیے بغیر مسودہ پیش کرتے وقت کمپنی کے خلاف بہت کچھ کہا تھا۔ ہیس ٹنگزس نے سمجھ لیا کہ اب اس کے دن پورے ہو گئے۔ اس نے 13 جنوری 1785 کو مجلسِ عاملہ (Select Committee) کے سامنے یہ اعلان کر دیا کہ وہ یہ عہدہ چھوڑ رہا ہے اور یکم فروری کو اپنے فرائض میکفرسن کے سپرد کر کے ایک ہفتہ بعد ہندوستان چھوڑ دیا۔ اس نے تیس سال تک کمپنی کی ملازمت کی تھی۔

انگلینڈ میں عوام اور سرکاری حلقوں میں اسکی عزّت افزائی ہوئی۔ لیکن ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ مسٹر برک نے ہاؤس آف کامنس (دارالعوام) میں ایک نوٹس بھیجا کہ وہ کسی بھی آئندہ تاریخ پر ایک تحریک پیش کرے گا جس کی رو سے ایک شریف آدمی کے رویہّ اور طرزِ عمل پر بحث کی جائے گی جو حال ہی میں ہندوستان سے آیا ہے۔ لیکن ڈگ پارٹی کے ممبران نے برک کو تحریک پیش کرنے سے روک دیا۔ مگر ہیس ٹنگزس کے غرور نے برک اور فاکس کو مجبور کر دیا اور انہوں نے اپریل میں الزامات پیش کر دیے اور یکم مئی 1784ء کو ہیس ٹنگزس ہاؤس آف کامنس کی عدالت میں پیش ہوا۔

جون میں روہیلہ جنگ سے متعلق الزامات پر بحث ہوئی۔ شجاع الدولہ کی مدد کرنے پر ڈائرکٹرس نے نفرت کا اظہار کیا لیکن ہاؤس کی اندرونی سیاست کی وجہ سے ہیس ٹنگزس 67 ووٹوں کے مقابلہ میں 119 ووٹوں سے اس مقدمہ سے بری ہو گیا لیکن بنارس کے راجا چیت نگھ کے مقدمہ میں 21 مئی 1784ء کو گرفتار کر لیا گیا۔ ہیس ٹنگزس کو یقین تھا کہ اگر اسکے کام میں رُکاوٹ نہیں ڈالی جاتی تو وہ سارے ہندوستان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے حکمرانوں کو برٹش حکومت کے قدموں میں جھکا دیتا۔ اس نے بیان بھی دیا تھا کہ میں کسی بھی ایسے الحاق کو پسند کرتا ہوں جس سے ہماری دفاعی طاقت اور آمدنی میں اضافہ ہو (Moon 367)۔ ہیس ٹنگزس کو روہیلوں کے قتل کے الزام سے بری کرنے کا مطلب صاف ہے کہ برٹش حکومت ہاؤس آف کامنس میں برٹش حکومت کے انصاف اور اخلاق کا ڈھنڈورہ ضرور پیٹتی ہے لیکن ملک گیری اور دولت کمانے کو قابل جرم نہیں سمجھتی۔

حقیقت یہ ہے کہ چالیس لاکھ روپیہ ادا کرنے کا معاہدہ اس خدمت کے لیے تھا کہ مراٹھوں سے جنگ کر کے روہیلوں کے جان و مال کی حفاظت کیجائیگی لیکن مراٹھوں سے نہ کوئی جنگ ہوئی اور نہ کوئی مراٹھا مارا گیا بلکہ مراٹھوں نے مرادآباد، سنبھل اور بدایوں کے روہیلہ مقبوضات کو جی بھر کر لوٹا۔ اس لیے رقم کی ادائیگی کا کوئی جواز ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کے بعد ہیس ٹنگوس نے مطالبہ زر کو بنیاد بنا کر شجاع الدولہ سے فوجی امداد کا معاہدہ کر کے روہیلوں کا ملک چھیننا اور شجاع الدولہ کو لوٹ مار کر کے دولت کمانے کی آزادی بھی دیدی۔ کیا ہاؤس آف کامنس میں پیش کیے گئے مسٹر برک کے اس دعوے کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے:

''سالہا سال تک وہ (ہیس ٹنگزس) شرمناک حرکتیں کرتا رہا۔ وہ ہر وہ کام کرتا جو عام انسان کے ذہن میں بھی نہیں آ سکتا۔ وہ ایک ایسا منصف تھا جو دوزخ میں بھی شیطانی حرکتیں کرنے سے باز نہیں رہ سکتا تھا اور وہ شخص تھا وارین ہیس ٹنگوس۔ ایک ایسا خونخوار درندہ جو شکم سیر ہو کر بھی حریصانہ فطرت کے باعث شکار کے ہاتھوں کو چاٹتا رہتا ہے۔ کیا کوئی ایسے خونخوار درندہ کے سائے میں ایک رات بھی چین سے گزار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سکتا ہے؟ کمینوں کا سردار، چور، ظالم، ڈکیت، دھوکہ باز، سٹہ باز، جواری، فریبی۔ اُسے کسی بھی نام سے پکارا جاسکتا ہے۔افسوس کہ انگریزی لغت میں کوئی اتنا بُرا لفظ نہیں جو اس کی شخصیت کی ترجمانی کر سکے۔سر والٹر ریلے (Sir Walter Raleigh) کو دوزخ کی مکڑی کہا گیا ہے لیکن اس نافرض شناس کو دوزخ میں اسیر مکڑی کہنا زیادہ مناسب ہے۔اس شخص کی کس سے مثال دیجائے؟ ایک بھینسہ گاڑی چلانے والا۔

Strachy : Preface xii

شجاع الدولہ ہیس ٹنگزس کا حوالہ دیتے ہوئے برکؔ نے کہا: ''اس آدمی نے ساری قوم (پٹھان) کو (شجاع الدولہ کے ہاتھوں) بیچ دیا تھا جن کا ملک زرخیزی کے باعث باغ کی طرح خوشحال تھا۔۔۔ جوزمین پر سب سے بہادر، باعزّت اور با اخلاق قوم تھے۔ حالانکہ یہ لوگ افغانستان سے آکر اس علاقہ میں آباد ہوئے ہیں لیکن پرسکون زندگی گزارنے کے آرزومند ہیں اوراسی ملک کے باشندے بن گئے ہیں۔۔۔ جنگ کے دوران ہزاروں روہیلہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔ جب روہیلوں میں مزاحمت کی طاقت نہیں رہی، انکے گاؤں کو جلا دیا گیا''(Strachey 25)۔

روہیلہ قوم یا قبیلہ:- (Nation or Tribe) مسٹر فرانس (Francis) کا ایک خط مورخہ 30 دسمبر 1774 بنام کورٹ آف ڈائریکٹرس پیش کیا گیا جس مین مسٹر فرانس نے روہیلوں کو بہادر اور آزادی پسند قوم کہا تھا اور ان کی سب سے بڑی کمزوری ان کی آپسی فرقہ بندیوں میں تقسیم ہونا بتایا تھا۔فرانس یہ ثابت کرنا چاہ رہا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھا کہ روہیلہ طاقت ور قوم تھی۔ اگر وہ سرداروں کی وجہ سے گروپوں میں تقسیم نہیں ہوتی تو نا قابلِ شکست تھی۔

ہیس ٹنگز نے جواب دیا کہ بہادر اور آزادی پسند کہنا تو صرف وہ الفاظ ہیں جنہیں تقریر میں استعمال کیا جاتا ہے۔ میں اس کا جواب نہیں دے سکتا البتہ اتنا ضرور کہتا ہوں کہ روہیلہ بہادر اور آزادی پسند نہیں ہیں۔ وہ صرف پٹھانوں کا ایک قبیلہ ہیں جنہوں نے ساٹھ سال پہلے لٹیروں کی طرح اس علاقہ (کٹھیر) کو فتح کر لیا تھا۔ اور اسی فتحیابی کی بدولت کھیتی باڑی میں بغیر عملی تعاون کے یا بغیر کسی کاروبار کے یا مقامی لوگوں سے ربط ضبط پیدا کیے بغیر زندگی گزار رہے ہیں۔ روہیلہ مسلمان ہیں اور رعایا ہندو۔ صرف حاکم تبدیل ہوا ہے۔[5]

عدالت کے سامنے ہیس ٹنگوس کا یہ بیان کہ روہیلہ کھیتی یا کاروبار نہیں کرتے تھے، صرف تلوار کے بل پر کھاتے تھے یقینی طور پر درست ہے۔ اس ملک میں بیرونی حملہ آوروں میں ترک، مغل اور افغان ہیں۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ کسی بھی فاتح نے عرصہ تک کسی پیشہ کو اختیار نہیں کیا بلکہ صنعت وحرفت اور زراعت کے فروغ میں تعاون ضرور دیا ہے۔ خود انگریز قوم میں بھی اس دور میں کوئی کاشتکار یا صنعت کار نہیں تھا۔ حاکم بننے سے پہلے وہ تجارت ضرور کرتے تھے لیکن حاکم بننے کے بعد ان کی تلواریں تجارت کے ذریعہ مال کمانے میں لگی رہیں جبکہ مسلمان حکمرانوں نے اس ملک میں تہذیب، تمدن، شاعری، موسیقی، فن تعمیرات اور ادب کی پرورش کی۔ صرف روہیلہ فاتحین سے یہ اُمید کرنا کہ انہیں کھیتی باڑی کرنی چاہئے تھی یا دست کاری کو پیشہ بنانا چاہیے تھا درست نہیں کیونکہ تلوار چلانے والے سے بہترین شاعری یا نثر نگاری کی توقع

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تو کی جاسکتی ہے لیکن کسی مزدور کی طرح محنت کرنے کی اُمید نہیں کی جاسکتی کیوں کہ فوجی قوم (Martial Race) صرف لڑنا مرنا ہی جانتی ہے، کسی بھی حکمراں قوم سے رعیت کی طرح محنت مزدوری کرنے کی اُمید نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے زراعت کو اتنا فروغ دیا جس کی مثال پاس پڑوس کے علاقوں میں نہیں ملتی۔

اس سلسلے میں میکالے نے کہا کہ رُوہیلوں کے عہد میں صنعت اور زراعت کو فروغ حاصل ہوا۔ کھیتی باڑی سے ان کا تعلق ایک زمیندار یا بڑے زمیندار کا تھا جبکہ کھیتی باڑی کا کام ہندو ہی کیا کرتے تھے (شہادت مقدمہ مئی 1786)۔

جہاں تک مقامی لوگوں سے بے رغبتی کا سوال ہے تو یہ محض ہیس ٹنگز کی روہیلوں کی بابت ذاتی رائے ہے جس کا صداقت سے کوئی تعلق نہیں۔ تمام روہیلہ سرداروں سے متعلق ایسے معزز اور صاحبِ مرتبہ ہندوؤں کی بڑی تعداد موجود رہی جو امورِ سلطنت میں مددگار و معاون رہے خاص طور سے دیوان کے عہدہ پر ہندو ہی نظر آتے ہیں مثلاً گلاب رائے نواب نجیب الدولہ کا دیوان تھا اور پہاڑ سنگھ کھتری حافظ رحمت خاں کا دیوان تھا اور دیوان کان مل بھی دوندے خاں سے وابستہ رہا۔

مقامی ہندوؤں کی آبادی سے بہتر اور برادرانہ تعلقات کے تاریخی حوالے بھی جابجا ملتے ہیں مثلاً ''جب نواب علی محمد خاں پار روہیلہ علاقے سے قیدی کی حیثیت سے محمد شاہ کے ساتھ دلّی چلا گیا اور پھر سرہند کا چکلہ دار بنا کر بھیج دیا گیا اور دو سال تک پار روہیلہ علاقہ اس کی حکمرانی میں نہیں رہا لیکن دو سال بعد پھر لوٹ کر آیا اور ان علاقوں پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ اس موقع پر یہ تاریخی بیان اس بات کی سند ہے کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مقامی ہندوؤں سے روہیلوں کے تعلقات برادرانہ تھے۔

"اگر رعایا کو نواب علی محمد خاں پر اعتبار نہیں ہوتا تو سرہند سے واپسی (1748) کے بعد کٹھیر پر دوبارہ قبضہ کرنا آسان کام نہیں تھا۔" (ڈاکٹر اظہر 97 بحوالہ ذکرالسیر 325) راجا بلاس رائے پسر راجا مان رائے کے علاوہ کافی راجپوت زمیندار کٹرہ میران پور کی جنگ میں موجود تھے۔ پہاڑ سنگھ کھتری کو پگڑی بدل کر حافظ رحمت خاں نے اپنا بھائی بنالیا تھا (عمادالسعادۃ 126a)۔ چاند پور کے راجا رام پرساد کے خاندان کے محلات آج بھی موجود ہیں جو اس بات کے گواہ ہیں کہ نجیب الدولہ اور ضابطہ خاں نے ہندوؤں سے برادرانہ تعلقات رکھے۔

"مسٹر ہیس ٹنگز کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ روہیلہ قوم نہیں تھے، وہ اس لائق تھے کہ ہر وقت ساٹھ ہزار فوج میدانِ جنگ میں اُتار سکتے تھے۔ ایسی طاقت ور قوم کو ہم عام لوگوں میں شمار کیسے کر سکتے ہیں۔ کیا ہیس ٹنگز کا مطلب یہ ہے کہ یہ ساٹھ ہزار فوج محض عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر مشتمل تھی؟ ملٹن کے مطابق روہیلہ فوج کی تعداد اسی ہزار گھوڑ اسوار اور پیدل تھی۔[6]"

یہ بات غور طلب ہے کہ مسٹر فرانسس نے صرف پار روہیلہ (کٹھیر) فوج کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر دوآب (نجیب الدولہ کے مقبوضات) کے روہیلوں کو بھی شامل کرلیا جائے تو روہیلہ فوج کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہوجائے گی جبکہ اس میں شاہ جہاں پور، مؤ اور احمد خاں بنگش کے پٹھانوں کی تعداد شامل نہیں ہے۔

اس حقیقت کو بیشتر تاریخ نویسوں نے قبول کیا ہے کہ روہیلوں کی آمد سے پہلے کٹھیر ایک شورش زدہ علاقہ تھا۔ ترک سلاطین کو اس علاقہ کی بغاوتوں کو فرو کرنے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں کئی مہمات میں خود بھی آنا پڑا۔ قتل عام بھی کرنا پڑا اور دورِ مغلیہ میں بھی کٹھیر یا راجپوتوں کو بغاوت ختم کرنے کیلئے بار بار فوج بھیجنا پڑی۔ خود حافظ رحمت خاں کو دیش پت بنجارہ کی بغاوت کو فرو کرنا پڑا اور بہت کم عرصہ میں اس علاقہ کو، جہاں زیادہ تر جنگلات، بنجر زمینیں اور ویرانی تھی، آباد اور زرعی علاقہ بنا کر امن وامان بحال کر دیا۔ کٹھیر اور نجیب الدولہ کے مقبوضہ علاقوں میں شہر بسانے اور باغات لگانے کی ابتدا ان ہی روہیلوں نے کی جنہیں اِلبس ٹوآن غیر مہذب اور ہیس ٹنگز لٹیرا کہتا ہے۔ روہیلوں کی ثقافتی، تمدنی اور تہذیبی سرگرمیاں ان کی تعمیر کردہ حسین عمارتوں (قلعوں، بارہ دریوں اور قلعہ پتھر گڑھ نجیب آباد، قلعہ بسولی دوندے خاں اور جامع مسجد پیلی بھیت حافظ رحمت خاں، مقبرہ نواب علی محمد خاں آنولہ وغیرہ) پُلوں، مدرسوں، مسجدوں اور اس دور کی روہیلہ تصنیفات میں دکھائی دیتی ہیں۔ بریلی کو تجارتی منڈی بنا دینا حافظ رحمت خاں کا صنعتی ترقی میں تعاون دینے کا کارنامہ ہے۔ (بیان فرینکلن)۔ ترقیاتی کاموں پر حافظ رحمت خاں کافی بڑی رقم خرچ کیا کرتا تھا اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتا تھا کہ اس کے ملک کی آمدنی صرف پچاس ساٹھ لاکھ روپیہ سالانہ (بیان ویریلیسٹ Verelst) یا چھتر اسی لاکھ روپیہ رہ گئی ہے (کرنل چیمپین)۔ بلکہ کرنل چیمپین نے تو یہاں تک کہا کہ حافظ رحمت خاں کے تنزل کا سبب اس کی قلیل آمدنی تھی۔[7]

سب سے پہلے فاکس نے ایسٹ انڈیا بل پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اُس بڑے تاجر (Salesman) ہیس ٹنگز نے بغیر کسی جنگ اور بغیر معقول وجہ کے، اپنی ایمانداری اور فرض شناسی کے جھوٹے دعوے کے باوجود روہیلہ قوم کا دوسرا نیلام شجاع الدولہ کے حق میں کر دیا اور چار لاکھ پونڈ (L4.00000) لیکر (روہیلوں کے)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مکمل استیصال(Utter Extirpation) کے لیے بیچ ڈالا اور ہماری (ایسٹ انڈیا کمپنی کی) جانب سے اس معاہدے کی پابندی دل و جان سے کی گئی (یعنی روہیلوں کو نیست نابود کرنے کے لیے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی گئی)۔ اپنے عہد کا سب سے بہادر انسان، روہیلوں کا ممتاز ترین سردار حافظ رحمت خاں، جو شجاعت اور دلیری میں تمام ایشیا میں مشہور تھا اور شاعری میں بھی شہرت کا مالک تھا۔ اس پر انگریز بریگیڈ اور شجاع الدولہ نے ایک لاکھ فوج سے حملہ کر دیا۔ اس کا سر کاٹ کر روپیہ پانے کی خاطر دوندے (شجاع الدولہ) کو پیش کر دیا گیا۔ اس کے بیوی اور بچے اور سردارانِ روہیلہ خورد و نوش کے لیے انگریزی کیمپ کے چاروں طرف دیکھے گئے۔ روہیلہ قوم یا تو قتل کر دی گئی یا شہر بدر ہو گئی۔ ملک تلوار کے زور پر ویران کر دیا گیا۔ وہ سرزمین جس پر روہیلوں کی خود مختار حکومت کی برکات چاروں طرف بکھری پڑی تھیں، جو رعیت کے جان و مال کی محافظ تھی، زراعت کا مرکز تھی اور خورد و نوش کی چیزوں کی کثرت سے دوسری مملکتوں سے بہت بلند تھی، اب وہی سرزمین ویرانہ بن چکی تھی جس میں خودرو درخت اور خاردار جھاڑیاں اُگ آئی ہیں۔ جہاں انسانوں کی جگہ وحشی درندے رہتے ہیں۔ اس انگریز افسر (کرنل چیمپین) جو فروخت شدہ مخلوق کو بھیڑ بکریوں کی طرح قصائی خریدار (شجاع الدولہ) کے حوالے کرنے پر تعینات تھا، اپنی خدمات کی بجا آوری میں کچھ دکھ محسوس کر کے، ان بے پناہ مظالم کو (جو شجاع الدولہ کے ذریعہ عمل میں لائے جا رہے تھے) کم کرانے کے لیے پریسیڈنٹ بنگال کو لکھا تو ایک سول گورنر (ہیس ٹنگوس) نے اُسے ڈانٹ پلائی۔[8]

4 اپریل 1786 کو برک نے ہاؤس آف کامنس میں مندرجہ ذیل الزامات

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیش کیے تھے:

ا۔ ستمبر 1773 میں شجاع الدولہ اور ہیس ٹنگزس کے درمیان جو ذاتی معاہدہ (Private Engagement) ہوا تھا اسکی رو سے روہیلوں کا ان کے ملک سے مکمل استیصال کرنا تھا۔ کونسل (غالباً Selection Committee) نے بھی ہیس ٹنگوس کی طرفداری کرتے ہوئے روہیلوں کو غیر انسانی، ذلت آمیز اور شرمناک طریقہ پر ان کے ملک سے نکال دیا۔

2۔ بیوہ حافظ رحمت خاں کی درخواست کو ٹھکرا دیا گیا اور سردارانِ روہیلہ کی عورتوں کو شجاع الدولہ کی فوج کے جاہل گنواروں کے ہاتھوں ذلّت اُٹھانا پڑی۔ عورتوں کو ضروریاتِ زندگی کی چیزوں سے محروم کر دیا گیا۔ جب کرنل چیمپین نے ازراہِ ہمدردی ان کی سفارش کی تو شجاع الدولہ نے نظر انداز کر دیا۔

3۔ کرنل چیمپین نے ہیس ٹنگزس کو مظالم سے آگاہ کیا تو ہیس ٹنگزس نے جواب دیا کہ ہم شجاع الدولہ کو (ظلم کرنے سے) روک نہیں سکتے۔ رعیت کے ساتھ کسی بھی طرح کا سلوک کرنے کا اُسے حق ہے۔ اس کے بعد کرنل چیمپین نے ہیس ٹنگزس کی ناراضگی کے خوف سے کوئی شکایت نہیں کی۔

4۔ اس ظلم کی وجہ سے روہیلوں کا آباد، زرخیز علاقہ غیر آباد اور غیر مزروعہ ہوگیا۔ پر امن زندگی گزارنے کی آرزومند قوم (روہیلہ) کو بے دخل کر کے ظالم حکومت قایم ہوگئی۔ اس بربادی کے نشانات آج بھی دکھائی دیتے ہیں [9]

روہیلہ ماخذوں کی نظریں:- تاریخ فرح بخش اور گل رحمت اور گلستان رحمت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(مخطوطات) میں ان واقعات کی تفصیل موجود ہے۔ اخبار الصنادید (مطبوعہ 1918) نے ان ماخذوں کے علاوہ دیگر ماخذوں کے حوالوں سے کافی تفصیل لکھی ہے۔

''شجاع الدولہ (جنگ کے بعد) دو تین کوچ کر کے مع انگریزی فوج کے 16 صفر (28 اپریل 1774) کو پیلی بھیت کے متصل پہنچ گیا اور قلعہ دیوہا کے قریب جہاں حافظ رحمت خاں کے عیال و اطفال محصور تھے خیمہ زن ہوا اور ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ تمام شہر کے باشندے گھوڑے اور ہتھیار محصلوں (وصول کرنے والوں) کو دیکر شہر سے نکل جائیں اور اپنا مال و اسباب نہ چھپائیں۔

شیدی بشیر کے آدمیوں نے شہر کے لوگوں سے ہتھیار اور اسباب چھین کر بہت سے لوگوں کو شہر سے نکال دیا اور کچھ قید کر لیے۔ اس کے بعد شجاع الدولہ نے محبت خاں (پسر حافظ رحمت خاں) کو حکم بھیجا کہ حافظ صاحب کا خزانہ بتاؤ۔ محبت خاں نے جواب دیا کہ اگر خزانہ ہوتا تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ اس کے بعد حکم دیا کہ محل سرا ایک دو دن کے لئے خالی کر دو اور سب متعلقین کو لیکر لشکر میں چلے آؤ۔ مستورات (عورتوں) کا زیور اور دوسرا سامان وہاں چھوڑ دیا جائے تا کہ ہمارے آدمی خزانے کی تلاش کریں۔ ۱۸ صفر (13 اپریل 1774) کو محبت خاں نے تمام عورتوں اور بچوں اور بھائیوں سے زر و زیور اور اسباب لیکر شیدی بشیر کے سپرد کر دیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اور ایک قمچی ہاتھ میں لیکر شیدی بشیر کے آدمیوں کے ہمراہ شجاع الدولہ کے کیمپ میں چلا گیا۔ اس کے بعد شیدی بشیر کے آدمیوں نے حافظ صاحب کے عیال و اطفال (Family) کو بے حرمتی اور رسوائی (Vilest indignities) کے ساتھ حویلی سے نکال کر رتھ اور چھکڑوں میں سوار کرا کر اس ڈیرے میں اُتارا جو شجاع الدولہ کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیمپ میں کھڑا کیا گیا تھا۔"

"نواب سعد اللہ خاں کی بیگم کو جب حافظ رحمت خاں کی شکست کی خبر پہنچی تو اس نے شجاع الدولہ کے پاس ایک عرضی میاں حسن شاہ کی معرفت اس مضمون کی بھیجی کہ "اس بیوہ کے بارے میں کیا حکم ہے۔ میرا کوئی وارث نہیں ہے۔ اگر میری ضبطی اور تاراجی مدّ نظر ہے تو حکم ہو کہ میں اپنا تمام سامان لدوا کر آپ کے لشکر میں بھیجدوں۔ اگر میری حرمت محفوظ رہنے کا اقرار کیا جائے تو میں نئی حکومت کی فرمانبرداری میں حاضر ہوں۔ میرا بھی آپ پر حق ہے اس لیے کہ میں آپ کے بھائی (سعد اللہ خاں شجاع الدولہ کا پگڑی بدل بھائی تھا) کی ناموس ہوں جس نے آپ کے بڑے کام کیے ہیں۔"

شجاع الدولہ نے شاہ صادق علی اور میاں سید معصوم کو بھیج کر بیگم کو اطمینان دلایا کہ آنولہ کے حالات معمول پر آ جانے کے بعد تین لاکھ (جو روہیلوں کے طرف سے مقرر تھے) سے زیادہ روپیہ مصارف کے لیے مقرر کر دیا جائے گا۔ (520)

"تاریخ فرح بخش سے ثابت ہے کہ آنولہ کی عمارتوں کو نقصان پہنچا تھا اور مدرسوں و مسجدوں کی بیحرمتی کی گئی تھی۔" (535)

بسولی (دوندے خاں کی جائیداد) کو مرزا نجف خاں (شاہ عالم کا ملازم) پہلے ہی لوٹ چکا تھا۔ اس کے بعد شجاع الدولہ منونہ سے دریائے سوت کے کنارے خیمہ زن ہو گیا۔ اس نے بسولی کا محاصرہ کرنے اور لوٹ مار کا حکم دیا۔ دوندے خاں کی حویلی کے اندر فوجیوں کو بھیج کر عورتوں کا جھاڑ لینا اور مکانات کی تلاشی اور سامان کی ضبطی کا کام شروع ہوا۔ دوندے خاں کے خاندان کو بیرحمی کے ساتھ حویلی سے نکال کر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رتھ اور چھکڑوں میں بٹھا کر قیدیوں کے خیمے میں اتارا گیا۔ شجاع الدولہ ہر روز دوندے خاں کی حویلی میں جا کر خزانوں اور دفینوں کے تلاش میں حویلی کو کھدواتا حویلی کے اندر کنوؤں میں غوطہ لگواتا لیکن اس کے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔ اس نے دوندے خاں اور حافظ رحمت خاں کے خاندان کو قلعہ الہ باد میں قیدی بنا کر بھیج دیا۔

اسی قسم کے بہت سے مظالم کا تذکرہ روہیلہ ماخذوں میں موجود ہے۔ کرنل چیمپین کی شکایات جب زیادہ ہو گئیں تو ہیس ٹنگوس نے اتنا ضرور کیا کہ شجاع الدولہ کو تنبیہ کی کہ وہ روہیلوں کے ساتھ اور خاص طور سے ان کے خاندان کے ساتھ غیر انسانی سلوک سے باز آجائے کیونکہ یہ انگریزوں کی روایات کے خلاف ہے لیکن شجاع الدولہ پر اس تنبیہ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ (Moon 145)

موؔن نے مندرجہ بالا جس خط کا حوالہ دیا ہے وہ میری نظر سے نہیں گزرا البتہ کرنل چیمپین کے خطوط اور مقدمہ کے دوران بیانات میں ہسینٹگو کی رحم دلی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ممکن ہے یہ تحریر معاہدۂ لال ڈانگ (17 اکتوبر 1774) کے بعد حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں کے متعلقین کی رہائی کے سلسلہ میں لکھی گئی ہو۔

کرنل چیمپین پہلا انگریز تھا جس نے روہیلوں پر ظلم کا تذکرہ کیا ہے اور یہی وہ شخص تھا جس کے ذریعہ معاہدۂ لال ڈانگ ہوا اور اس کے بعد بھی روہیلہ سرداروں کے بہت سے معاملات اسی کی وجہ سے طے ہوئے اس لیے اگر اُسے روہیلوں کا ہمدرد اور ہیس ٹنگوس کو اصول پرست مان کر روہیلہ جنگ کا جائزہ لیا جائے تو یہ غلطی ہوگی بلکہ یہ مان کر جائزہ لینا ہوگا کہ کرنل چیمپین کی ہمدردی کے پیچھے مالی منفعت یا لین دین کے واقعات ضرور ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

''کرنل چیمپین کو جو انگریزی فوج کی کمانڈ کر رہا تھا سختی کے ساتھ تاکید کردی گئی تھی کہ وہ اپنے اختیارات اور طاقت کا استعمال اپنی فوجی خدمات انجام دینے تک محدود رکھے۔ ملک کے تمام خارجہ اور سیاسی تعلقات کا کام ہیس ٹنگز کے ذاتی نمائندہ مڈلٹن کے سپرد تھا اور کرنل چیمپین کو ایک سے زیادہ مرتبہ بطور تنبیہ یہ ہدایت کی گئی کہ وہ صرف وزیر کی قدر و منزلت کیا کرے بلکہ ہمیشہ اس کے معاملات میں مخل ہونے یا روہیلہ سرداروں سے سیاسی گفتگو کرنے سے احتراز کرے۔ چیمپین کا یہ کام تھا کہ وہ صرف جنگ کرے۔ اب یہ وزیر کا کام ہے کہ وہ اس فتح سے کیا فائیدے حاصل کرتا ہے۔

وزیر اس بات سے بیحد ناراض ہوا کہ چیمپین اور اس کے ماتحت فوجی عہدیدار اس سے انعام و اکرام کا مطالبہ کرتے ہیں حالاں کہ وہ ان کی خدمات کے عوض گراں بہا رقم خرچ کر رہا ہے۔ ہیس ٹنگوس نے نواب کے اس مطالبہ کی حمایت کی اور اُس نے چیمپین کے مطالبہ (مال و اکرام) کو نامنظور کر دیا۔

ہیس ٹنگوس نے چیمپین کو لکھا ''انعام و اکرام کے خیال ہی کو زہر قاتل سمجھ کر ترک کردو۔'' ہیس ٹنگوس کے اس اصرار کا پتہ اُس خط سے واضح ہو جاتا ہے جو اُس نے چیمپین کے ذریعہ لکھے گئے وزیر کے مبینہ ظلم و ستم کے جواب میں چیمپین کو لکھا تھا۔

اختیارات پر پابندیاں عائد ہو جانے کی وجہ سے چیمپین غصہ تو ہو گیا لیکن روہیلوں پر ظلم و ستم کی جو کہانیاں اس تک پہنچیں وہ انھیں سچ مان کر بڑے زور شور سے اظہار افسوس کرتا ''اختیارات نہ ہونے کی وجہ سی میں نواب کو دہشت گردی اور لوٹ مار کی کارروائیوں سے باز رکھنے کے معاملہ میں بے بس ہوں۔''

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہیس ٹنگز نے لکھا ''بورڈ تمھیں خواہ کسی قسم کے اختیارات بھی دیدے۔ تم اُن تاثرات کو دور نہیں کر سکتے جس کا تم نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ وزیر کے اعمال پر تمہیں کسی قسم کا ضبط و اختیار حاصل نہیں۔ البتہ تمہارے صلاح ومشورے کا کچھ وزن ہوسکتا ہے۔ تم کو مشورہ یا صلاح دینے کا حق حاصل ہے۔ اور ایسا کرنا تمہارا فرض بھی ہے کہ ہر ناپسندیدہ معاملہ پر احتجاج کرو جس سے عام لوگوں پر یا باہمی مفاد کے کسی معاملہ پر کوئی برا اثر پڑتا ہو۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے زیادہ تم کر ہی کیا سکتے ہو۔ اراکین بورڈ (Board of Directors) بھی اگر اپنے کامل اختیارات کے ساتھ خود موجود ہوں تو وہ بھی کچھ کر نہیں سکتے۔ وہ بھی وزیر سے جنگ کیے بغیر کسی قسم کا دباؤ اس پر نہیں ڈال سکتے اور اس قسم کے دباؤ کے ہم سب خلاف ہیں۔''

(Moon : P 148-149)

اس زمانے میں روہیلوں کی اتنی نازک حالت تھی کہ ان کا ایک قاتل (چیمپین) کسی بھی وجہ سے ان پر رحم کرنا چاہتا تھا اور دوسرا قاتل ہیس ٹنگز انتہائی مکاری سے اس کی رحم کی درخواستوں کو نامنظور کر رہا تھا اور انتہائی شاطرانہ طرزِ تحریر لکھکر اپنا دامن داغدار ہونے سے بچا بھی رہا تھا تاکہ جرم کا کوئی ثبوت باقی نہ رہ سکے۔

روہیلوں کی بربادی کے بعد کیا ہیس ٹنگز کا خواب پورا ہوا؟

ہیس ٹنگز پر سب سے مدلّل اور معقول الزام یہ تھا کہ اس نے دولت کے لالچ میں اپنے وقت کی طاقتور قوم روہیلہ کو برباد کیا۔ ان کے پرامن زرخیز علاقوں کو کرائے کی انگریزی فوج کے تعاون سے شجاع الدولہ کے قبضہ میں دیدیا جبکہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

انگریزوں کے ساتھ روہیلوں کے تعلقات برادرانہ تھے اور روہیلوں نے کبھی بھی انگریزوں کو نقصان نہیں پہنچایا تھا اور اگر کوئی تنازعہ تھا تو صرف شجاع الدولہ اور روہیلوں کے درمیان تھا۔ روہیلہ شجاع الدولہ کو لائق اعتبار نہیں سمجھتے تھے اسی لیے حافظ رحمت خاں نے معاہدہ کے وقت صرف سر رابرٹ بارکر پر اعتبار کر کے دستخط کیے تھے ورنہ حالات کے تحت مراٹھوں سے معاہدہ کرنا زیادہ فائیدہ مند تھا۔ اس کا ثبوت سر رابرٹ بارکر کا یہ بیان ہے جو اس نے جرح کے وقت سوال کے جواب میں دیا تھا۔

"میں نے دو وجوہات کے تحت دستخط کیے تھے۔ اول یہ کہ دونوں فریقوں (شجاع الدولہ اور حافظ رحمت خاں) نے مجھ سے کہا تھا دوسری وجہ یہ تھی کہ میں جانتا تھا کہ میرے بغیر یہ معاہدہ مکمل نہیں ہو سکتا کیونکہ روہیلوں کو شجاع الدولہ پر اعتبار نہیں تھا۔"

(Strachy 295)

ہیس ٹنگوس کا یہ کہنا کہ "روہیلہ بے حد فسادی معاہدہ شکن اور سرکش قوم تھی" صرف تہمت ہے جو اپنا جرم چھپانے کے لیے مخالف پر لگائی جاتی ہے کیونکہ روہیلوں نے کبھی بھی انگریزوں سے کوئی معاہدہ نہیں کیا، نہ ان سے سرکشی کی اور نہ ان کے خلاف کوئی جنگ کی تھی۔

ہیس ٹنگز کا یہ دعویٰ کہ اُس نے صرف اپنے اور شجاع الدولہ کے ملکی تحفظ کے لیے شجاع الدولہ سے معاہدہ بنارس کیا تھا اور وہ ایک آئیڈیل کمپنی حکومت کا نظام قایم کرنا چاہتا تھا جو ہندوستانی حکومتوں سے بہتر اور عام سیاسی اخلاقیات کا آئینہ دار ہو، ایک ایسا خواب تھا جو کبھی پورا نہیں ہوا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ صرف ایک نعرہ تھا۔ اُسے کمپنی سرکار کے لیے دولت چاہیے تھی چاہے وہ روہیلوں کو برباد کر کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ملے اور ایک بڑی رقم رشوت کے طور پر چاہیے تھی تا کہ وہ کمپنی کے دوسرے آفیسروں کی طرح انگلینڈ جا کر عیش سے زندگی گزار سکے جیسا کہ اس زمانے میں کمپنی کے نوکروں کا دستور تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1- James Mill : vol. v

2- شو پرشاد 108ab - 107b

سو روپیہ روزینہ مصارف کی تفصیل یہ ہے کہ پچاس روپیہ محبّ اللہ خاں، فتح اللہ خاں اور عظیم اللہ خاں (پسران دوندے خاں) چالیس روپیہ روز محبت خاں، عظمت خاں، منگل خاں، حرمت خاں، محمد یار خاں الہ یار خاں، غلام مصطفٰے خاں اور اکبر خاں وغیرہ (پسران حافظ رحمت خاں) کے لیے۔ اور دس روپیہ روز عنایت خاں کے عیال واطفال کے لیے۔ (اخبار الصنادید جلد اول 526)

3- Thompsone.E.:118

4- الطاف 240-241 بحوالہ ہیس ٹنگز رپورٹ پنجم ضمیمہ 27

5- Strachy : 26, quoted Minute by Hastings 10 January 1775 vth Report App. 45

6- ہاؤس آف کامنس میں فرانسس کا بیان 2 جون 1786

7- Evedence of col. champion, Forrest Selection vth 173

8- Strachy : 173-174, quoted speech of mr. Burk Dec. Ist 1783

9- Strachy : 175

439

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لال ڈانگ کے حالات اور معاہدہ لال ڈانگ

کٹرہ میران پور کی شکست کے بعد فیض اللہ خاں دس[1] ہزار روہیلوں کے ساتھ لال ڈانگ چلا گیا جو دامن کوہِ گڑھوال میں قدرتی پناہ گاہ تھی۔ ان لوگوں میں خاندانِ نواب علی محمد خاں، پسرانِ بخشی سردار خاں (احمد خاں) اولاد فتح خاں خانساماں (احمد خاں خانساماں) مستقیم خاں پسر شیخ کبیر، محمد حسن خاں، ملاّ محسن کے لڑکے، عبدالجبار خاں پسر عبدالستار خاں، سیف الدین خاں، پسران پرمول خاں، وملاّ میر باز خاں وغیرہ (سردارانِ روہیلہ اور رسالہ داران) شامل[2] تھے۔ بہت سے روہیلہ مختلف علاقوں میں چلے گئے تھے وہ بعد میں لال ڈانگ پہنچنا شروع ہو گئے۔ گرمی کا موسم، ناسازگار آب وہوا، پانی اور چراگاہوں کی کمی کے باعث بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ شجاع الدولہ کی فوجوں نے رسد بند کرنا شروع کردی۔ راجا الموڑہ نے بھی شجاع الدولہ کے خوف سے رسد بھیجنا بند کردی تھی پھر بھی کسی نہ کسی طرح سے نجیب آباد اور دوسرے پہاڑی راستوں سے رسد پہنچتی رہی۔

اس نازک وقت میں فیض اللہ خاں کے ذاتی خزانے نے بڑی حد تک روہیلوں کی مدد کی اور بڑے صبر وتحمل سے روہیلہ یہ سخت وقت گزارتے رہے۔ دوسری طرف شجاع الدولہ نے روہیلوں کو برباد کرنے اور ذلیل کرنے میں کوئی کمی نہیں کی۔ حافظ رحمت خاں کی اولادوں میں سوائے ذوالفقار خاں اور ارادت خاں سب کو مع خاندان گرفتار کر کے ایک فوجی کیمپ میں قیدی بنالیا۔ دوندے خاں کی اولادوں میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

محبّ اللہ خاں اور فتح اللہ خاں لال ڈانگ نہیں گئے۔اس امید پر بسولی میں رہے کہ شجاع الدولہ وعدے کے مطابق حافظ رحمت خاں کو شکست دینے میں مدد کرنے کے بدلے میں جاگیرات پر ان کا قبضہ بحال رکھے گا بلکہ اور انعام بھی دے گا۔اس خوش فہمی میں وہ مرزا نجف خاں کے ہاتھ خوشی خوشی گرفتار ہو گیا اور سب قیدیوں کو الہ آباد کے قلعہ میں قیدی بنا کر بھیج دیا گیا۔

بیگم سعد اللہ خاں کو شجاع الدولہ سے اچھے سلوک کی امید تھی کیونکہ سعد اللہ خاں نہ صرف اس کا پگڑی بدل بھائی تھا بلکہ شہزادہ ہدایت بخش، عماد الملک اور شجاع الدولہ کے مابین سعد اللہ خاں نے صلح بھی کرائی تھی اور شجاع الدولہ کی بابت ادائیگی چار لاکھ روپیہ ضمانت بھی لی تھی (جون 1757)۔ابتدا میں تو شجاع الدولہ نے بیوہ سعد اللہ خاں کو یقین دلایا کہ آنولہ میں شورش ختم ہونے کے بعد وہ روہیلوں کے ذریعہ ادا کی جانے والی سالانہ رقم تین لاکھ سے زیادہ ادا کرے گا لیکن بعد میں اس نے دیرینہ کینہ پروری اور بد معاملگی کا ثبوت دیتے ہوئے بیوہ سعد اللہ خاں کو ذلت آمیز طریقہ پر گرفتار کر کے چھکڑے میں بٹھا کر فوجی کیمپ میں بھیج دیا۔بسولی، آنولہ، بریلی، پیلی بھیت وغیرہ کوئی ایسی آبادی نہیں تھی جسے لوٹا نہ گیا ہو اور سرداروں و رسالہ داروں اور ان کے خاندان کو گرفتار کر کے الہ آباد نہ بھیجا گیا ہو۔

بلاس رائے بن دیوان مان رائے (جو میران پور کٹرہ کی جنگ میں روہیلوں کے ساتھ موجود تھا اور حافظ رحمت خاں کا معتمد تھا) نے دو کروڑ روپیہ میں اجارہ ضبطگی کٹھیر کا لے لیا۔اس نے روپیہ سختی سے وصول کرنا شروع کیا اور کسی شریف آدمی کی عزت اور مجبوری کا خیال نہیں کیا۔عبد الستار خاں کا مکان لوٹ لیا اور شاہ اشرف خاں

441

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کو آنولہ میں قید کر لیا۔ دولت رام اور لال جی ساہو کاروں کو بھی قیدی بنا لیا۔ دیوان کانمل اور راؤ پہاڑ سنگھ، جن کی شان و شوکت روہیلوں کی مرہونِ منت تھی، ان دونوں نے تحصیل کا ٹھیکہ دوگنی رقم کر کے لے لیا۔ چونکہ وہ تحصیل سے متعلق کاموں سے بخوبی واقف تھے اس لیے دونوں نے گزشتہ سالوں کی باقیات اور تقاوی کو جبراً وصول کرنے کے لیے لوگوں پر زیادتیاں کیں اور بعد میں خود بھی شیدی بشیر کے ہاتھوں سزا پائی۔ بلاس رائے اور دیوان کان مل بنسی دھر مانک اور بخت مل بھی سزایاب ہوئے کیونکہ یہ لوگ بھی وعدے کے مطابق رقم ادا نہیں کر پائے تھے۔[3]

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا روہیلہ ہری دوار اور نجیب آباد کے راستے سے لال ڈانگ میں جمع ہونے لگے۔ یہ وقت فیض اللہ خاں کے لیے بڑا سخت تھا کیونکہ روہیلوں کے خورد نوش کا انتظام کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ برسات شروع ہونے کے بعد حالات اور زیادہ دشوار ہو گئے تھے۔ ضابطہ خاں روہیلہ سرداروں سے خفیہ طور پر رابطہ بنائے ہوئے تھا۔ وہ خط کتابت کے ذریعہ پٹھانوں کو متحد کر کے شجاع الدولہ اور انگریزوں کو بھگانا یا شکست دینا چاہتا تھا۔ یہ راز اس وقت کھلا جب اس کا ایک خط شجاع الدولہ کے ہاتھ آ گیا[4] (یا کسی روہیلہ نے اس کو پہنچا دیا)۔ اس وقت یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا کہ کون روہیلہ روہیلوں کا ہمدرد ہے اور کون روہیلہ صلہ کی تمنا میں شجاع الدولہ سے ساز باز کیے ہوا ہے۔ یہ اطلاع بھی شجاع الدولہ کو ملی تھی کہ اخون محمد صید خاں اور فیض اللہ خاں کا دیوان صاحب رائے برابر فوج بھرتی کر رہے ہیں اور مستقیم خاں فوجی دستہ لے کر جنگل سے باہر نکلنے لگا ہے۔

اس وقت شجاع الدولہ بسولی میں ران میں پھوڑا (دنبل) نکلنے کی وجہ سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چلنے پھرنے سے معذور تھا۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ فیض اللہ خاں چیمپین سے صلح کی بات کر رہا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اگر ملک کٹھیر اس کو دیدیا جائے تو وہ معقول رقم دینے کے لیے آمادہ ہے۔ وہ اس بات پر بھی راضی ہے کہ کمپنی سرکار کو ہرجۂ جنگ کے علاوہ شجاع الدولہ کو بھی سالانہ رقم ادا کرتا رہے گا۔ چیمپین بھی اس سے متفق ہے۔ لیکن اسے یہ جان کر اطمینان ہو گیا کہ ہیس ٹنگوس چیمپین کی صلاح سے متفق نہیں ہے بلکہ اس نے صلح کرنے یا نہ کرنے کے اختیارات شجاع الدولہ کے سپرد کر دیے ہیں۔ اس نے کرنل چیمپین سے لال ڈانگ کی طرف کوچ کرنے کے لیے کہا تو وہ ٹال گیا اور برسات میں فوجوں کو بڑھانے اور محاصرہ تنگ کرنے سے اپنی فوج کو نقصان پہنچنے کا عذر کیا۔

شجاع الدولہ اس موقع سے فائیدہ اٹھانا چاہتا تھا اس لیے وہ سخت تکلیف کے باوجود کرنل چیمپین کے ہمراہ بسولی سے کوچ کر کے لال ڈانگ آ گیا (جولائی 1774)۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت روہیلہ ایک دل ہیں اور موسم کی خرابی کے باوجود پریشان نہیں ہیں اس لیے اُس نے روہیلہ سرداروں کا اتحاد ختم کرنے کے لیے سرداروں اور رسالہ داروں کو خفیہ خطوط لکھ کر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ روہیلہ پہلے سے بیزار تھے۔ اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ فیض اللہ خاں ان کی مہینوں سے کفالت کر رہا ہے، انھوں نے شجاع الدولہ سے خط کتابت کے ذریعہ رابطہ پیدا کر لیا۔

شجاع الدولہ اور انگریزی فوجوں نے نجیب آباد اور پتھر گڑھ پر قبضہ کر لیا (Sarkar iii 93) پھر موہن پور کی طرف فوجوں کو آگے بڑھایا اور بھینس گھٹہ (بھینس گھاٹ) سے ہوتا ہوا مع فوج کے لال ڈانگ سے سولہ کوس پر خیمہ زن ہو گیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روہیلوں کی رسد کی ناکہ بندی سخت کردی گئی۔ لیکن روہیلہ پہاڑی راستوں پر چلنے کے عادی ہونے کے باعث، خودسروں پر جنس لاد کر لانے لگے البتہ گھوڑوں کی گھاس نہ ملنے کی وجہ سے گھوڑے بہت کمزور ہوگئے اور بیمار پڑنے لگے۔ ہر روز تھوڑی بہت گولہ باری اور بندوق کی فائرنگ ہوتی لیکن کوئی جانی نقصان نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ شجاع الدولہ اور انگریزی فوجیں بھی محاصرہ کی سختیوں سے تنگ آ گئیں۔ فیض اللہ خاں صلح کے لیے برابر کرنل چیمپین سے رابطہ قایم کیے رہا۔ شجاع الدولہ نے اُسے صرف ڈیڑھ لاکھ روپیہ جمع کی جاگیر دینے پر رضامندی کا اظہار کیا لیکن سردارانِ روہیلہ میں احمد خاں بخشی، احمد خاں خانساماں اور مستقیم خاں نے اس شرط پر صلح نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ مستقیم خاں کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ صلح کی شرائط میں حافظ رحمت خاں کے وارثین کی رہائی اور جاگیرات کی بحالی ضرور ہونی چاہیے لیکن فیض اللہ خاں جانتا تھا کہ شجاع الدولہ خاندانِ حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں کا جانی دشمن ہے اور یہی بات صلح نہ ہونے دیگی۔ اس لیے اس نے مستقیم خاں کی تجویز کو رد کردیا۔ اُس کے علاوہ احمد خاں خانساماں اور احمد خاں بخشی جو ہر روز فوجی دستوں کے ساتھ دشمن پر جوش و خروش سے حملہ کرتے تھے فیض اللہ خاں کی نرم شرطوں پر صلح کے مخالف تھے لیکن فیض اللہ خاں جانتا تھا کہ روہیلہ زیادہ عرصہ اس تنگی میں نہیں رہ سکتے۔ اسی طرح شجاع الدولہ کو بھی احساس تھا کہ محاصرہ زیادہ دن تک جاری رہنے کا مطلب تھا انگریزی فوج کی بے دلی اور انگریزی فوج کی خدمات کے بدلے ایک کثیر رقم کی ادائیگی جو اس وقت تک کروڑوں روپیہ تک پہنچ چکی تھی۔

شجاع الدولہ جانتا تھا کہ جو روہیلہ برے وقت میں فیض اللہ خاں سے اتحاد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

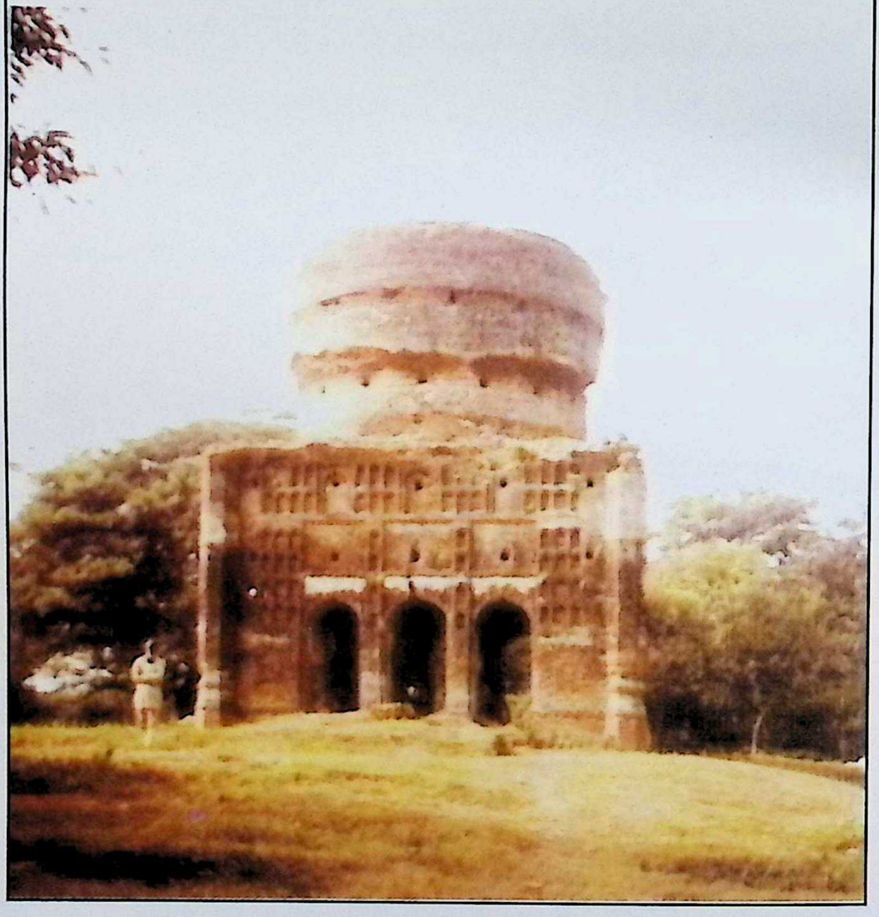

حظیرہ تحصیل بلاسپور، ضلع رامپور غالباً **1920** میں بشارت خاں نے تعمیر کرایا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیے ہوئے ہیں وہ جاگیرات پانے کے لالچ میں اتحاد توڑ دیں گے۔ اس نے قلعہ دار الہ آباد کو حکم دیا کہ وہ محبت خاں پسر حافظ رحمت خاں کو مع خاندان کے رہا کردے۔ اس کے حکم کی تعمیل کے طور پر محبت خاں تنہا ہی 2 صفر 1188ھ (14 اپریل پنج شنبہ 1174) کو الہ آباد سے رہا ہو کر شجاع الدولہ سے ملاقات کے لیے چل دیا۔ شجاع الدولہ نے فیض اللہ خاں کو دھمکی دی کہ اگر تم ہماری شرطوں پر صلح کرنے پر راضی نہیں ہوئے تو محبت خاں کو خلعت دے کر جاگیرات پر قابض کر دیا جائے گا۔ فیض اللہ خاں جانتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کیونکہ محبت خاں اور حافظ رحمت خاں کے لڑکے حافظ رحمت خاں کے قتل کے بعد بھی شجاع الدولہ کا خیر مقدم کر کے اس سے جاگیرات کی بحالی کے طلبگار تھے اس لیے اس نے کرنل چیمپن سے مشورہ کے بعد شجاع الدولہ سے ملاقات کرنے اور صلح کرنے کا ارادہ ظاہر کر دیا۔

صرف گل رحمت کا مصنف سعادت یار خاں پوتا حافظ رحمت خاں کا بیان ہے کہ مستقیم خاں پسر شیخ کبیر فیض اللہ خاں کے ساتھ صلح کے وقت جانا چاہتا تھا تاکہ حافظ رحمت خاں کے وارثین کی رہائی اور جاگیرات کا تحفظ کیا جا سکے لیکن فیض اللہ خاں نے اسے معاہدہ کی گفتگو میں شریک کرنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ حافظ رحمت خاں کے وارثین کا معاملہ معاہدہ میں رکاوٹ ڈال سکتا تھا (گل رحمت 120b)۔ فیض اللہ خاں نے کرنل چیمپن کی موجودگی میں شجاع الدولہ سے معاہدہ کر لیا۔ اس کے قدیم پرگنوں شاہ آباد، سرساواں اور چومحلہ (غالباً رامپور شاہ آباد میں شامل تھا) کے علاوہ مزید چھ پرگنے اُجاؤں، کابر، بلاسپور، ریہٹر، ٹھاکردوارہ اور سرکڑہ اضافہ کر کے نو پرگنے چودہ لاکھ پچھتر ہزار روپیہ آمدنی کے دیدیے گئے۔ گل رحمت کے بیان کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مطابق ان ان پرگنوں کی آمدنی پچیس لاکھ سے کم نہ تھی۔ مستقیم خاں کے سلسلہ میں گل رحمت کا بیان قابل اعتماد نہیں ہے البتہ یہ سچ ہوسکتا ہے کہ شیخ کبیر کی اولاد ہونے کے باعث مستقیم خاں حافظ رحمت خاں کے خاندان کا ہمدرد اور بہی خواہ تھا اور اس کی دلی خواہش بھی یہی تھی۔[5]

معاہدہ کے بعد "پچاس ہزار سوار پیادے (مبالغہ ہے) کرنل چمپین کے مواجہہ (زیر نگرانی) میں گنگا پار اتار دیے گئے جن میں احمد خاں بخشی اور احمد خاں خانساماں بھی تھا۔" (اخبار الصنادید جلد اول 556 بحوالہ فرح بخش مصنف شو پرشاد) لیکن گل رحمت صرف اتنا لکھتا ہے کہ معاہدہ کے بعد تمام لوگوں کے ساتھ فیض اللہ خاں رامپور کے لیے روانہ ہوگیا (120b)۔

باب تیئس/فصل اڑتالیس

معاہدہ لال ڈانگ (17 اکتوبر 1774)

معاہدہ لال ڈانگ کی رو سے (i) فیض اللہ خاں صرف پانچ ہزار فوج رکھنے کا مجاز تھا (ii) جنگ یا ضرورت کے وقت دو تین ہزار فوج شجاع الدولہ کی مدد کے لیے بھیجنے کا پابند تھا (iii) شجاع الدولہ کے علاوہ کسی دوسری طاقت سے دوستی اور اتحاد نہیں کرے گا۔ (iv) خط کتابت سوائے انگریزوں کے کسی سے نہیں کرے گا یہ عہد نامہ کرنل چیمپن اور فیض اللہ خاں کے درمیان ہوا تھا جس پر فیض اللہ خاں اور کرنل چیمپن کے دستخط اور تاریخ ماہ رجب 1188 ہجری (ستمبر 1774) تحریر ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوسرا عہد نامہ اسی دن شجاع الدولہ اور کرنل چیمپین کے درمیان ہوا تھا جس میں تحریر ہے کہ (i) میں (شجاع الدولہ) ملک رامپور مع دیگر اضلاع متعلقہ جس کی جمع سالانہ چودہ لاکھ پچھتر ہزار روپیہ سالانہ ہے فیض اللہ خاں کو دوں گا۔(ii) اگر فیض اللہ خاں میرے علاوہ کسی سے اتحاد و اتفاق نہ کرے تو میں اس کی بہتری اور بھلائی کی تدبیر کروں گا۔ اس معاہدہ میں بھی پانچ ہزار فوج رکھنے کا پابند کیا گیا ہے۔(iii) باقی روہیلوں کو گنگا کے اس پار نکال دیا جائے گا۔[6]

معاہدہ لال ڈانگ کے بارے میں انگری ماخذوں کا بیان:- معاہدہ لال ڈانگ کے بارے میں انگریزی ماخذوں کا بیان ضروری ہے کیونکہ روہیلہ اور انگریزی ماخذوں کی روشنی میں حالات وواقعات کی صحیح تصویر سامنے آتی ہے۔

''مئی (1774) کے اختتام پر فیض اللہ خاں نے شجاع الدولہ اور کرنل چیمپین سے صلح کی بات کی کہ اگر روہیلوں کا سارا ملک اس کو دیدیا جائے تو وہ تین قسطوں میں اسّی لاکھ روپیہ ادا کرے گا لیکن شجاع الدولہ کی ضمانت کرنل چیمپین کو دینا ہوگی اور وہ اپنا ایک بیٹا انگریزوں کے پاس یرغمال کے طور پر چھوڑ دے گا۔ اس نے دوسری تجویز یہ رکھی کہ وہ تیس لاکھ روپیہ سالانہ شجاع الدولہ کو ادا کرے گا اور اگر کمپنی سرکار ضمانت لیتی ہے تو وہ پچیس لاکھ روپیہ کمپنی سرکار کو ادا کرے گا اور پندرہ ہزار فوج کمپنی سرکار اور شجاع الدولہ کے لیے مہیا کرے گا۔''[7]

کرنل چیمپین دونوں تجاویز سے متفق تھا لیکن ہیس ٹنگز نے اسے مسترد کردیا (رپورٹ کرنل چیمپین 28 مئی 1774) ''یہ میرا پہلا فرض ہے کہ معاہدۂ بنارس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی پاسداری کیجائے۔ جنگ میں شامل ہونے کا مقصد ہے کہ روہیلہ علاقہ پر شجاع الدولہ کا قبضہ کرادیا جائے تاکہ وزیر کی سرحدیں دشمنوں سے محفوظ ہو جائیں۔ فیض اللہ خاں کو یہ ملک واپس دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم معاہدہ کی تکمیل میں ناکام رہے اور فیض اللہ خاں اس کے لیے خطرہ بنا رہے گا۔ فیض اللہ خاں رقم ادا نہیں کر پائے گا اور دشمنی برقرار رہے گی۔ اس معاہدے سے گریز کی جائے۔"[8]

ہیس ٹنگوس کی اس رائے پر ہاؤس آف کامنس میں برک نے بیان دیا تھا کہ بہتر یہ ہوتا کہ ہیس ٹنگوس شجاع الدولہ کے بجائے فیض اللہ خاں سے معاہدہ کرتا۔ شجاع الدولہ کو جب معلوم ہوا کہ کرنل چیمپین معاہدہ کرانا چاہتا ہے تو اس نے سرداران روہیلہ کو خط بھیجنے شروع کیے جن میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ان کو ان کے موروثی گھروں میں آباد ہونے میں مدد دی جائے گی لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کتنے روہیلہ سرداروں نے شجاع الدولہ پر اعتبار کیا تھا۔ جولائی میں مراٹھوں کی آمد کی خبر ملی۔ مراٹھوں نے روہیلوں سے کہا کہ وہ کچھ دن اور ثابت قدمی سے جمے رہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہ عالم ان سے بات کر رہا ہے اور بڑی رقم کے بدلے ان کی مدد پر آمادہ ہے۔ اس خبر کو پا کر کرنل چیمپین جولال ڈانگ کی مہم میں شرکت سے گریز کر رہا تھا، شجاع الدولہ کے ساتھ بسولی سے روانہ ہو گیا۔ بات چیت کا سلسلہ پھر شروع ہوا۔ ہیس ٹنگوس برابر اس بات پر زور دے رہا تھا کہ اس جنگ کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ اس نے چیمپین کو لکھا کہ روہیلوں سے نرم شرطوں پر صلح کر لینی چاہیے۔ شجاع الدولہ نے صلح کے بعد کرنل چیمپین سے کہا تھا کہ وہ دس پندرہ ہزار روہیلوں کو اپنی فوج میں شامل کرنا چاہتا ہے۔[9]

معاہدہ کی رو سے صرف پانچ ہزار مسلح فوج فیض اللہ خاں رکھ سکتا تھا اور باقی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فوج کو گنگا کے پار جانا تھا کرنل چیمپین کے عدالتی بیان کے مطابق بیس ہزار مسلح اور غیر مسلح روہیلہ گنگا کے پار اُتارے گئے تھے۔[15] (ہیملٹن گنگا پار جانے والے روہیلوں کی تعداد سترہ اٹھارہ ہزار بتاتا ہے۔)

فیض اللہ خاں سے معاہدہ کرنے سے پہلے یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ انگریزوں کے علم میں لائے بغیر شجاع الدولہ نے شاہ عالم سے خفیہ معاہدہ کر لیا ہے۔ یہ اطلاع کرنل چیمپین نے ہیس ٹنگز کو دی (5 مئی 1774)۔ اس اطلاع سے کونسل کے ممبران میں اختلافِ رائے پیدا ہو گیا کہ اب کیا کیا جائے؟ 23 مئی کو ہیس ٹنگز کی رائے کو مانتے ہوئے کرنل چیمپین کو حکم دیا گیا کہ معاہدہ شکنی کا معاملہ ہمارے علم میں نہیں ہے اس لیے اس کا فیصلہ کرنا ہمارے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔ ہمارا معاہدہ روہیلہ مقبوضات پر قبضہ کرانے کا ہے۔ اس راہ میں اگر شاہ عالم یا مرزا نجف خاں کوئی مداخلت کرتا ہے تو اس کا جواب دشمن کی طرح دیا جائے۔ اگر شجاع الدولہ مرزا نجف خاں یا شاہ عالم کی مدد سے غیر مفتوحہ علاقوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو اس سے پوچھنا چاہیے کہ اس سلسلہ میں کوئی معاہدہ ہوا ہے یا نہیں۔ اگر وہ انکار کرتا ہے تو تمہیں (چیمپین) تحقیق کرنے کا اختیار نہیں اور نہ ہمیں اس بات میں دلچسپی ہے کہ تم نے کن ذرائعوں سے سچائی کو تلاش کیا ہے۔[11]

اس خط سے ہیس ٹنگز کی نیت کا مطلب صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ روہیلوں کی بربادی کے لیے شجاع الدولہ جیسے عہد شکن پر اعتبار کر رہا تھا۔ چیمپین 16 مئی (1774) کو ایک رپورٹ بھیجی کہ شاہ عالم نے مرزا نجف خاں کو فوج لے کر بھیجا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ روہیلوں سے جنگ (کٹرہ میران پور) کے وقت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شجاع الدولہ نے بادشاہ سے فوجی مدد طلب کی تھی۔ بادشاہ دلّی روانہ ہو گیا تھا مگر بخار آنے کی وجہ سے وہ دلّی لوٹ گیا اور مجھے (نجف خاں) فوج کے ساتھ بھیج دیا۔ میں اس وقت پہنچا جب جنگ ختم ہو گئی تھی۔ (روہیلہ ماخذوں کے بیان کے مطابق نجف خاں موجود رہا) اس کا مطالبہ ہے کہ وزیر ان شرائط کو پورا کرے اور روہیلوں کے مفتوحہ علاقے کا آدھا حصہ بادشاہ کو دیدے۔ اس نے معاہدہ کی نقل بھیجی ہے اور یہ کہا ہے کہ وہ معاہدہ کی تکمیل تک یہیں رہے گا۔[12]

کرنل چیمپین کے بیان سے شجاع الدولہ کی عہد شکنی کے ساتھ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہیس ٹنگزس نے ایک بڑی رشوت ضرور لی ہوگی جو اس زمانے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ادنیٰ سے اعلیٰ ملازم لینے کا عادی ہو گیا تھا۔ نجف خاں نے معاہدہ کی تکمیل کی کوئی گنجائش نہیں دیکھی تو وہ جلد ہی واپس چلا گیا۔ 17 جون کو شاہ عالم کا خط کرنل چیمپین کو ملا جس میں اس نے کہا تھا کہ شجاع الدولہ کو وعدہ پورا کرنا چاہیے۔ کرنل چیمپین سے شجاع الدولہ نے اقرار کیا کہ معاہدہ ہوا تھا لیکن بادشاہ کو خود آنا چاہیے تھا۔ وہ نہیں آیا تو معاہدہ کی تکمیل کا سوال نہیں اُٹھتا۔ کرنل چیمپین نے معاہدہ کی تحریر دکھاتے ہوئے کہا کہ اس میں کوئی ایسی شرط نہیں ہے کہ بادشاہ خود آئے گا۔ بادشاہ خود تو کچھ بھی نہیں۔ اصل طاقت تو نجف خاں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ آ گیا تھا۔ لہٰذا معاہدہ کی تکمیل ہو گئی۔ ضابطہ خاں کی آمد کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

کرنل چیمپین نے اس معاملہ کی اطلاع ہیس ٹنگزس کو دی اور ہدایات طلب کیں۔ ہیس ٹنگزس نے تحریر لکھی کہ یہ معاہدہ ہماری سرکار کی جان کاری میں لائے بغیر کیا گیا تھا۔ ہم ضامن نہیں تھے اس لیے ہمیں مداخلت کا حق نہیں پہنچتا۔[13]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مندرجہ بالا واقعات اور حالات کی روشنی میں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ کڑہ میران پور کی جنگ میں روہیلوں کی عظمت اور طاقت کو دفن کرنے کے لیے جو قبر کھودی گئی تھی اس میں معاہدہ لال ڈانگ کے ذریعہ ہمیشہ کے لیے روہیلوں کی طاقت کو دفن کر دیا گیا۔ کٹھیر کی وسیع حکومت صرف رامپور کے جاگیردارے میں سمٹ کر رہ گئی اور نواب علی محمد خاں کا جانشین فیض اللہ خاں شجاع الدولہ کے رحم و کرم پر زندہ ایک جاگیردار بن گیا لیکن یہ جاگیرداری قبول کرنا اس کی مجبوری بھی تھی ورنہ وہ اپنے حق سے محروم رہ جاتا اور اس کی جگہ محبت خاں معاہدہ کر لیتا اور نواب علی محمد خاں کی اولادوں کو کچھ نہیں ملتا۔

پار روہیلوں سے ہمدردی کے چکر میں ضابطہ خاں کو مفت میں نقصان اُٹھانا پڑا۔ ہم قبیلہ اور ہم قوم ہونے کے ناطے ہزاروں روہیلہ نجیب آباد آ گئے تھے۔ اُس نے اپنے باپ نجیب الدولہ کی طرح پار روہیلوں سے اتحاد کر کے شجاع الدولہ کے خلاف متحدہ افغان اتحاد (Pan - Afghan Coalition) بنانے کی کوشش کی لیکن اس کا خط کسی طرح شجاع الدولہ تک پہنچ گیا۔ وہ سازشی قرار پایا اور شجاع الدولہ نے نجیب آباد کے سارے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے پاس صرف میرٹھ اور سہارن پور کی شاہی جاگیرات رہ گئیں جن کی آمدنی اُسے شاہی خزانے میں محصولات کے طور پر داخل کرنا تھیں[14]۔ دلّی کی سیاست میں اس کا وقار بہت کم ہو گیا اور یہیں سے اس کی بدقسمتی کا بھی آغاز ہوا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

1۔ عماد السعادۃ 130a

2۔ گل رحمت 118b

3۔ گل رحمت 118b-120ab، شوپر شاد 108ab

4۔ Sarkar : iii 92

5۔ گل رحمت 118a - 140b، شوپر شاد 104a-118ab

6۔ عہد ناماجات جلد دوم

7۔ Strachy : 147

8۔ Strachy : 148. quoted vth Report App. 27

9۔ " 151 " " "

10۔ Evedence before House of Commons May 3, 1786

11۔ Strachy : 152. quoted vth Report App.27

12۔ Strachy : 153. quoted vth Report App. i,106

13۔ Strachy : 154. quoted vth Report App.27

14۔ Sarkar: vol. iii, 93

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فصل: انچاس

باب: چوبیس

صنعت، زراعت، تہذیب وتمدّن

(روہیلہ دورِ حکومت میں)

روہیلوں کے دورِ حکومت کا سرسری طور پر جائزہ لیا جائے تو سردار داؤد خاں کے قتل کے بعد ان کی حکومت کا عہد 1721ء سے شروع ہوتا ہے۔ اس وقت نواب علی محمد خاں کٹھیر میں حکمراں تھا۔ علی محمد خاں کے بعد 1748 حافظ رحمت خاں کا دور شروع ہوتا ہے جس کے دورِ حکومت میں پار روہیلوں کی حکومت اٹاوہ، شکوہ آباد، بدایوں، شاہجہاں پور (کچھ علاقے)، بریلی، مرادآباد اور کچھ عرصہ تک الموڑہ بھی علی محمد خاں کا مطیع رہا تھا۔

دوسری جانب نجیب الدولہ کی حکومت کا آغاز 1753 سے ہوتا ہے جس کی حکومت کی سرحدیں دوآب میں سہارن پور، میرٹھ، مظفرنگر، ڈیرہ دون، گڑھوال کے کافی علاقوں اور نجیب آباد تک پھیلی ہوئی تھیں۔ لگ بھگ پچاس ساٹھ سال تک روہیلوں نے حکومت کی۔ اس قلیل عرصہ میں علی محمد خاں، حافظ رحمت خاں اور نجیب الدولہ متواتر جنگوں میں مصروف رہے لیکن جنگی مصروفیت کے باوجود انہوں نے صنعت، زراعت، فنِ تعمیرات، ادب اور تہذیب وتمدن میں لائق ذکر ترقی کر لی تھی جس کا تذکرہ روہیلہ ماخذوں میں کہیں کہیں ضمنی طور پر آ گیا ہے۔

روہیلہ مورخین نے بھی اپنے پیشرو مغل تاریخ نویسوں کے طرز پر صرف سیاسی حالات اور واقعات تحریر کیے ہیں اس لیے روہیلہ ماخذوں میں اس دور کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صنعت، زراعت اور تہذیب وتمدن کے واقعات کا نہ ملنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے البتہ اس دور کی ادبی تخلیقات مصحفیؔ اور قایم چاندپوری کے تذکروں وغیرہ میں اس عہد کے تہذیب وتمدّن اور حکمراں طبقہ کی علم دوستی پر ضمناً روشنی پڑتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ روہیلوں نے غیر مزروعہ زمینوں کو زیرِ کاشت لاکر اسے اتنا زرخیز بنادیا تھا کہ نواب نجیب الدولہ اور پار روہیلوں کے مقبوضات کی پیداوار کا مقابلہ مشرقی ہندوستان میں کوئی حکومت نہیں کرسکتی تھی۔ اس کی سب بڑی وجہ یہ تھی کہ زیادہ تر مغل حکومت کے صوبیدار اور منصب دار اپنے علاقوں کو اپنے نائبین کے زیرِ انتظام چھوڑ کر دلّی دربار میں موجود رہتے تھے۔ صرف روہیلہ حکمراں اپنے اپنے مقبوضہ علاقوں میں رہ کر کسانوں سے براہِ راست تعلق بنائے رکھتے تھے اس لیے کسانوں کے مسائل حل کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے کیونکہ ان ہی کسانوں کی پیداوار پر ان کی نجی آمدنی کا انحصار تھا۔

ایک اندازے کے مطابق یہ کہا جاسکتا ہے کہ روہیلوں نے بھی مغلوں کا مروجہ طریقہ اپنا کر شرحِ لگان نافذ کیا ہوگا۔ حافظ رحمت خاں کے علاقے میں 1/4 لگان تھا۔ البتہ لگان کے علاوہ پار روہیلہ علاقوں میں راہ واری اور زکوٰۃ ٹیکس کا بھی ذکر ملتا ہے۔ عمر کے آخری دنوں میں عوام میں مقبولیت حاصل کرنے یا عوام کی معاشی حالت بہتر بنانے کے لیے حافظ رحمت خاں نے راہ واری اور زکوٰۃ ٹیکس معاف کردیئے تھے۔(1767-1768)

فرینکلن جس نے 1795 میں پار روہیلہ علاقوں کا دورہ کیا تھا، روہیلوں کی بابت لکھتا ہے ”حافظ رحمت خاں کا دارالخلافہ پیلی بھیت تجارتی مرکز تھا۔ اس نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیلی بھیت کے گرد چار میل کے گھیرے میں فصیل پناہ یا شہر پناہ(City Wall) تعمیر کرائی تھی۔ پیلی بھیت کی منڈی سال، صنوبر(Fir) ساگون ور دیگر کمیاب اور قیمتی لکڑی کے لیے بہت مشہور تھی۔ شکر اور گاڑھا(Coars Cloths)، تمبا کو اس علاقے کی خاص صنعت تھی۔ کماؤں کے پہاڑوں سے سہاگہ (Borax) رال(Pitch)، جڑی بوٹیاں، لاکھ(Wax) اور شہد جیسی چیزیں پیلی بھیت آتی تھیں اور ملک کے دوسرے حصوں میں جاتی تھیں۔

روہیلوں نے کٹھیر کے بہت سے شہروں کو تجارتی منڈیاں بنا دیا تھا جن میں شاہ آباد، سہارن پور، بریلی، بدایوں، آنولہ، مرادآباد، سنبھل اور رام پور اس دور کے مشہور شہر تھے جو اپنی صنعتوں کے لیے ہندوستان میں مشہور ہو گئے تھے۔ ان شہروں کی مصنوعات خریدنے کے لیے لاہور، کابل، کشمیر، قندھار اور ایران کے تاجر بڑی تعداد میں یہاں آتے تھے۔

ان مصنوعات کے بدلے پتھر، پیتل(Copper)، لوہا، ٹن(Tin)، رانگ (Lead)، دوائیں، کشمیری شال، کرمانین اون (Karmarnian Wool) خچر (Mules)، گھوڑے، یاقوت (لالRubies)، خریدے جاتے تھے۔"(Franklin 58، حدیقۃ الاقالیم 138)

روہیلوں کی سب سے مشہور صنعت گھوڑوں کا کاروبار تھا اس صنعت میں وہ ہندوستان میں بے مثال تھے۔ گھوڑوں کی پرورش، گھوڑوں کی نسلیں بنانا اور ان کی چراگاہوں کے متعلق معلومات میں روہیلوں کو بہت جانکاری تھی، روہیلوں نے کماؤں میں ایسی چراگاہیں تلاش کر لی تھیں جو گھوڑوں کی پرورش اور صحت کے لیے نہایت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

موزوں تھیں۔ایسی ہی ایک چراگاہ کماؤں کے پہاڑوں میں گھوڑا کھال تھی جو آزادی ہندوستان کے مدتوں بعد تک رامپور اسٹیٹ کی ملکیت رہی تھی۔

روہیلوں کے عہد میں اور اس کے بعد تک رامپور اسٹیٹ میں بھی افزائش نسل کا محکمہ (Animal Husbandry) بڑا مشہور رہا[1]۔ جنرل اعظم الدین خاں ریجنٹ رامپور اسٹیٹ نے افزائش نسل کے لیے اٹلی سے دو سانڈ منگائے تھے تاکہ عام مویشیوں کو گابھن کیا جاسکے۔اس کے علاوہ ہر تحصیل میں جگہ جگہ افزائش نسل کے لیے عمارتیں تعمیر کرائی گئی تھیں جہاں اعلیٰ نسل کے سانڈ موجود تھے اور دیہاتی اپنے جانوروں کو بغیر معاوضہ کے گابھن کراتے تھے۔

(State Gazett Rampur 1888-89)

افزائش نسل کی بہترین مثال وہ کتا ہے جسے عرف عام میں 'تازی' (رامپور ہاؤنڈ[2]) کہا جاتا ہے۔ یہ شکاری کتا آج بھی رامپور میں موجود ہے اور کئی بار آل انڈیا ڈاگ شو مقابلہ میں پہلا انعام حاصل کر چکا ہے۔ روہیلوں کی مصنوعات کا اختصاراً تذکرہ حسب ذیل ہے:

شاہجہاں پور:- شاہجہاں پوری میں عمدہ قسم کے کپڑے بنائے جاتے تھے جن میں چھینٹ (پھولدار کپڑا جس میں چھوٹے بوٹے ہوتے تھے کتیان (باریک کپڑا) اور چولا بنانے کا کپڑا۔اس شہر میں بید کی صنعت کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ یہ بید بڑی تعداد میں کماؤں میں بہنے والی شاردا ندی کے کنارے خود پیدا ہوتا تھا۔ یہاں پیتل کے عمدہ قسم کے برتن میں چاندی اور سونے کا کام نہایت عمدہ ہوتا تھا۔ یہ دست کاری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اب ناپید ہو چکی ہے۔ اس قسم کی بہت سی معلومات Fisher کے گزیٹیر میں درج ہیں جسے فشر نے 1873 میں تالیف کیا تھا۔

سہارن پور اور بریلی:- سہارن پور میں لکڑی پر نقاشی کا کام بے مثال ہوتا تھا لیکن لکڑی کی دوسری چیزیں بریلی اور سہارن پور دونوں جگہ بنتی تھیں۔ اسی زمانے میں نجیب آباد بھی لکڑی کی دست کاری کے لیے مشہور تھا۔ سہارنپور میں لکڑی پر نقاشی کا کام آج بھی مشہور صنعت ہے جبکہ بریلی فرنیچر بنانے کے لیے بہت مشہور ہے۔

مئو رشید آباد:- مئو رشید آباد میں اعلیٰ قسم کا کپڑا سِلک، چکن، کارچوب (Brocade) اور سوزن کاری کا کپڑا (Scarved with drawn thread) تیار ہوتا تھا جسے مالدار لوگ خریدتے تھے۔

رامپور:- رامپور میں گاڑھا بنایا جاتا تھا۔ یہاں شیشے (Glass) اور کانچ کی چوڑیاں بنتی تھیں اور شیشہ کے جڑاؤ زیورات بھی بہت مشہور تھے۔ چینی کے برتنوں کا کاربار بہت مشہور تھا یہ برتن ملتان کی سفید نیلی چینی کے برتنوں سے کم درجے کے ہوتے تھے (Fisher ix, Part iii 34) رامپور میں نوابی کے عہد میں بھی یہ صنعت ترقی پر رہی اور سرکار سرپرستی کرتی رہی۔ انڈسٹریل ٹریننگ سینٹر (Industrial Training Centre) واقع توپخانہ میں آزادی کے بعد تک کپڑا بننے، بڑھئی کا کام وغیرہ کے علاوہ چینی کے برتن بنانے کی ٹریننگ بھی دی جاتی تھی اور طلباء کو وظیفہ بھی دیا جاتا تھا۔ آج بھی چینی گراں محلہ اس صنعت کی یاد دلا ہے جواب ختم ہو چکی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہاں سونے کے زیورات نہایت اعلیٰ کوالٹی کے بنتے تھے اور ریاست ختم ہونے کے بعد بھی یہ صنعت رامپور میں آج بھی باقی ہے۔ٹوپی (Cap) چاقو اور سروطے کی صنعت مشہور تھی اور آج بھی رامپور میں ٹوپی سازی کا کام ترقی پر ہے البتہ چاقو سازی اور سروطہ سازی کی صنعت سسک رہی ہے۔

ماچس سازی (Match Stics) کی صنعت رامپور اور بریلی میں بہت مشہور (Gazett Breilly) ماچس فیکٹری نواب رضا علی خاں کے عہد تک قایم رہی لیکن آزادی کے بعد جہاں دیگر صنعتیں (رضا ٹیکسٹال، رضا شوگر فیکٹری، بلند شوگر فیکٹری، مشین ٹولس فیکٹری، چمڑہ سازی فیکٹری، فروٹ فیکٹری وغیرہ) بند ہو گئیں وہیں رامپور کی چینی کے برتن بنانے وغیرہ کی فیکٹری بھی بند ہو گئی۔

رامپور میں پیپلی گاؤں میں نواب علی محمد خاں کے زمانے میں اسلحہ سازی کا بہت بڑا کارخانہ تھا۔آج یہ علاقہ رزرو فاریسٹ (Reserve Forest) بن چکا ہے۔دسمبر 1999 میں میں نے جب اس علاقہ کا دورہ کیا تو گھنے جنگلوں میں چار مسجدوں کو دریافت کیا جو برباد ہو چکی ہیں۔صرف ان کے آثار یا ایک دو محرابیں باقی ہیں۔یہ مسجدیں تقریباً 150 میٹر کے علاقے میں ہیں۔اس قسم کی بہت سی مسجدیں اس جنگل میں گھنے پیڑوں میں چھپی ہوئی ہیں جن تک رسائی پانا نہایت مشکل کام ہے۔ جگہ جگہ بنی قبریں اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ حافظ رحمت خاں کے عہد میں بھی یہاں گنجان آبادی رہی ہوگی۔ کچھ لوگوں نے بتایا کہ پیپلی میں بارہ سو بڑھئی اور لوہار اسلحہ سازی کے کام پر معمور تھے لیکن وبائی بیماری کے باعث لوگ مر گئے جو باقی بچے تھے وہ دوسری جگہوں پر ہجرت کر گئے۔آج بھی رامپور میں غیر قانونی اسلحہ سازی کا دھندہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پپلی کے جنگل میں ایک ویران شکستہ مسجد

پپلی کے جنگل میں ایک ویران شکستہ مسجد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عہد گزشتہ کی یاد دلاتا ہے۔ روہیلوں کی اسلحہ سازی میں مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ''1855 میں اودھ کی صنعت و حرفت کی نمائش کے لیے اشیاء کی طلب میں ایک اپیل شائع کی گئی تھی اس میں رامپور کی بندوق کا ذکر ہے کہ ایسی بندوق درکار ہے جس کا چہرہ، نال آہنی یا برنجی، رومی یا لاہوری، یا داغستانی یا رامپوری، یا ولایتی، یا انگریزی توڑے دار۔'' (نیر مسعود: نیا دور اودھ نمبر حصہ دوم 1994 بحوالہ انشائے دلکشا مصنف سید نثار علی بخاری بریلی مطبعہ فخر المطابع 1270ھ 54-1853ء)

امروہہ:- امروہہ لکڑی کے کھلونوں اور مٹی کے برتنوں کے لیے بہت مشہور تھا۔ برتنوں پر بنے نقش و نگار اور آرائش بہت خوب ہوتی تھی۔ سونے چاندی کے زیورات بھی بنتے تھے۔

دیہاتی نظام:- روہیلوں کے عہد حکومت میں بھی مغلیہ عہد کا پنچایتی نظام رائج تھا۔ پنچایتی نظام دو طرح کا تھا۔ (ا) عدالتی نظام (Judicial) اور غیر عدالتی (Non Judicial)۔ عدالتی نظام میں پانچ ممبر ہوتے تھے جن میں ایک سرپنچ بھی ہوتا تھا۔ گاؤں کے چھوٹے موٹے مقدمات کا پنچایت فیصلہ کرتی تھی۔ ان سرپنچوں کا چناؤ گاؤں کے لوگ کرتے تھے۔ پنچایت پر اعلیٰ ذات کا قبضہ تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اس دور کا دیہاتی سماجی نظام تھا جس پر اعلیٰ ذات کا اثر تھا۔ اس لیے یہ ضروری تھا کہ پنچایت کے فیصلے کو کوئی رد کرنیکی ہمت نہ کر سکے۔

غیر عدالتی پنچایت میں سماجی اور مذہبی معاملات سے متعلق مقدمات فیصل ہوتے تھے لیکن اس میں ہر ذات اور ہر قوم کے ممبر ہوتے تھے۔ اس میں ملزم پر جرمانہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھی عائد کیا جاتا تھا اور اُسے برادری سے بھی نکالا جا سکتا تھا۔ اس پنچایت کا ہیڈ چودھری کہلاتا تھا۔ لیکن فیصلہ کرنے کا حق (اگر ملزم ہندو اور نیچی ذات کا ہے) صرف برہمن، راجپوت اور کائستھ کو حاصل تھا جن کا چناؤ کبھی اکثریتِ رائے سے اور کبھی وراثتی ہوا کرتا تھا (Atkinson : vol. v 50)۔

سماجی نظام :- انگریزی ماخذوں مین ہندوؤں کے سماجی نظام کے بارے میں کچھ اطلاعات ضرور ملتی ہیں لیکن مسلمانوں کی طرزِ معاشرت کے بارے میں بہت کم اطلاعیں ملتی ہیں۔ ہندوؤں میں اعلیٰ اور نیچی ذات کے درمیان شادی بیاہ کا دستور نہیں تھا۔ عام طور پر بیوہ کی دوسری شادی کا طریقہ نہیں تھا البتہ کبھی کبھی مرحوم شوہر کا چھوٹا بھائی بیوہ سے شادی کر لیتا تھا اور دوسری شادی کو کھڑاؤ (Kharao) کہا جاتا تھا۔ لیکن بیوہ کی شادی کا طریقہ صرف نیچی ذات کے لوگوں میں تھا۔ اعلیٰ ذات کے ہندو برہمن، راجپورت، بنیے (ویش) سماج میں بیوہ کی شادی نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح ہندوؤں میں طلاق (Sepration) نہیں ہوتی تھی البتہ بیوی کو چھوڑ دینے یا تاحیات ترک تعلقات کے واقعات ضرور ملتے ہیں۔ (Atkinson, vol v. Fisher, vol ix, north west provinces of India)

اعلیٰ ذات کے ہندوؤں میں عام جگہ پر شراب پینا، کھانا، دوسری ذات میں شادی کرنا اور گاؤکشی وغیرہ جرم تھا۔ جو کوئی اس جرم کا مرتکب ہوتا تھا اسے برادری سے نکال دیا جاتا تھا۔ راجپوت اور ٹھاکروں میں یہ رواج تھا کہ وہ نٹنیوں اور کنجریوں کو رکھیل بنا کر رکھ لیتے تھے لیکن انھیں یہ اجازت نہیں تھی کہ وہ عام لوگوں میں ان کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ساتھ اُٹھیں بیٹھیں یا گھومیں۔ اگر کوئی نیچی ذات کی عورت شادی کے بعد کسی غیر مرد سے تعلق رکھتی تھی اور اس سے شادی پر آمادہ ہو جاتی تھی تو اس کے نئے شوہر کو پہلی شادی کا جملہ خرچ پہلے شوہر کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ (Fisher: vol ix)

کٹھیر میں ساٹھ پینسٹھ سال گزارنے کے بعد روہیلوں کے قبائلی نظامِ معاشرت میں وہ سختی نہیں رہی تھی جو افغانستان کے پٹھانوں میں موجود تھی۔ مغلوں کی تہذیب سے وہ آشنا ہو گئے تھے اور ہندوؤں کے ساتھ رہتے رہتے اُن سے برادرانہ تعلقات استوار ہو گئے تھے۔ حالانکہ روہیلوں میں کوئی ذات پات کی تفریق نہیں تھی لیکن پھر روہیلہ اور غیر روہیلہ مسلمانوں کی دوسری ذاتوں کے ساتھ شادی بیاہ نہیں ہوتا تھا۔ روہیلہ طرز معاشرت میں اہلِ سادات کی بڑی عزت تھی اور خاص طور پر صوفیا اور مشائخ سے وابستگی اور ان کی عظمت بہت تھی۔

قدیم روہیلہ ماخذوں اور انگریزی ماخذوں میں شادی بیاہ کی رسموں کا ذکر نہیں ملتا البتہ سردارانِ روہیلہ کے عقد کے موقع پر پچاس ساٹھ ہزار کے مہر کی اطلاعیں ضرور ملتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر عقد کے موقع پر مہر کی ادائیگی عام مسلمانوں میں بھی حسبِ حیثیت ضرور رہی ہوگی کیونکہ یہ سنتِ نبوی تھی۔

روہیلوں کی شادی کی تقریب کے بارے میں کئی دل چسپ باتوں کا پتہ چلتا ہے ''روہیلہ دلہن اپنی کنپٹی (Temple) پر بالوں کو ایک انداز کے ساتھ چسپاں کر لیتی تھی جسے اربل (Ur-bal) کہا جاتا تھا۔ یہ رسم روہیلوں کے ساتھ براہِ راست افغانستان سے آئی تھی۔ نکاح کے بعد دولہا کو زنانے میں مدعو کیا جاتا تھا اور وہ تمام عورتوں کی موجودگی میں اربال کو کھول دیا کرتا تھا۔'' (اقبال حسین 207 بحوالہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(Dictionory Pushto of Afghanistan)۔

اربل ، بالوں کی ایک لٹ ہوتی تھی۔ اُسے بل دیکر گوندھا جاتا تھا جسے رامپور میں 'کچئی' کہتے ہیں۔ کچئی ان لڑکیوں کے بالوں میں گوندھی جاتی تھی جو غیر شادی شدہ ہوتی تھیں۔ لیکن تیس چالیس سال کے عرصہ میں میں نے کسی لڑکی کے بالوں میں کچئی نہیں دیکھی۔ البتہ دیہات کی ناخواندہ لڑکیاں اب بھی گوندھتی ہیں۔

نجم الغنی روہیلوں کی ایک اور رسم کا ذکر کرتا ہے: ''کسی خاص خاندان کی عورت جب کسی لڑکی کو اپنے لڑکے کے لیے پسند کر لیتی تو وہ اس کے گھر جا کر لڑکی کے دوپٹہ کا کونا پھاڑ دیتی یا اس کو گود میں چاول کے چند دانے ڈال دیتی جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہم نے اس لڑکی کو اپنی بہو بنانے کے لیے پسند کر لیا۔ اگر یہ رشتہ منظور نہیں ہوتا تو دونوں خاندانوں میں تلواریں چلنے لگتیں اور فیصلہ تلوار کے ذریعہ ہوتا۔''

(نجم الغنی: جلد دوم ص504)

لیکن ایسی کسی رسم کا تذکرہ اس دور کی افغانستان کی تاریخ میں بھی نہیں ملتا۔ خاص طور سے یوسف زئی علاقے کے قبیلوں میں یہ رسم نہیں تھی اور کٹھیر کے روہیلوں کا تعلق یوسف زئی علاقے سے تھا۔ اس سلسلہ میں محمد حیات خاں نے تفصیل سے ذکر کیا ہے حالانکہ حیات افغانی تاریخی ماخذ نہیں ہے پھر بھی مصنف چشم دید گواہ ہے کیونکہ وہ افغانستان میں 1862 سے پہلے انگریزوں کا نوکر رہا تھا۔

''لڑکی کا رشتہ ایسے خاندان میں کیا جاتا ہے جس خاندان سے دوستی رکھنا مقصود ہوتی ہے۔ رشتہ کی گفتگو ڈوم (جس کو ریوریا دلال کہتے ہیں) کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ اس قوم کے مرد اور عورت کا حال ڈوم کو خوب معلوم ہوتا ہے۔ رشتہ کا پیغام لڑکے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

والوں کی طرف سے لڑکی والوں کے گھر جاتا ہے۔ اگر لڑکی کے والدین کی رضامندی ہوتی ہے تو لڑکے کا باپ ڈوم کے ساتھ لڑکی کے گھر جاتا ہے۔ دونوں کی باہمی رضامندی کے بعد لڑکے والا چند معتبر لوگوں اور رشتہ داروں کے ساتھ لڑکی کے گھر آتے ہیں۔ وقتِ شب جملہ اموراتِ شادی و پا خلاصی اور تعداد زرِ نقد وغیرہ اخراجات مقرر ہو کر اکثر اسی رات مہر بھی تعین ہو کر زبانی یا وکیلان یا بحاضری مردِ منسوب نکاح بھی ہو جاتا ہے اور اگر زرِ مقررہ موجود نہ ہو تو نکاح کا دن مقرر کر لیتے ہیں۔

بات چیت طے ہونے کے بعد لڑکی کا باپ اور لڑکا ایک ہی پیالہ سے شربت پیتے ہیں۔ اگر لڑکا منسوب ہمراہ نہ ہو تو اس کا باپ یا بھائی جو رشتہ لیکر آیا ہے، وہ شربت پیتا ہے۔ اس رسم کے بعد عہد رشتہ اور مضبوط ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اگر اس عہد کو توڑ دیا جائے تو اس کا ٹوٹنا اتنا ناگوار ہوتا ہے جیسے نکاح توڑ دیا گیا ہو۔ جب رشتہ طے ہو جاتا ہے دونون طرف سے مبارک باد کہتے ہیں۔ ایسی منگنی کو ''کوژوان'' (Engagement) کہتے ہیں۔ مہر کو مَہر کہتے ہیں اور جس لڑکے سے نسبت طے ہوتی ہے اس کو 'ظلمائی' یا 'چغول' کہا جاتا ہے اور جس لڑکی سے نسبت طے ہوتی ہے اس کو 'پغلہ' یا 'چغالہ' کہتے ہیں۔ شادی کی ضیافت کو 'داوَؤ' اور برات کو 'جنج' کہتے ہیں اور 'اہلِ جنج' دونوں طرف کے رشتہ دار اور دوستوں کو کہا جاتا ہے۔

جس دن شادی کی بات طے ہونا ہوتی ہے اس دن دولہا اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور عورتوں کا ہجوم لیکر لڑکی کے گھر جاتا ہے۔ عورتیں مردوں سے الگ چلتی ہیں۔ ان عورتوں کو جو دولہا کے ساتھ چلتی ہیں ''جانجیان'' کہتے ہیں۔ یہ عورتیں (خوشی میں) بندوقیں بھی چلاتی ہیں اور گھوڑے بھی دوڑاتی ہیں۔ میراثی لوگ برات کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ساتھ دہل (کھال کا ساز جیسے تنبل وغیرہ) اور سرنا (پھونک کا ساز) بجاتے ہوئے چلتے ہیں۔ لڑکی کے گھر پر جو عورتیں رشتہ دار اور قریبی دوست ہوتی ہیں اُن کو 'مانجیان' کہتے ہیں۔ جب 'جنج' (برات) منزل مقصود پر پہنچ جاتی ہے تو جانجی اور مانجی مل کر دن رات خوب گاتے ہیں۔

جس دن برات لڑکی کے گھر پہنچتی ہے اسی دن رات کو نکاح خوانی کی تقریب ہوتی ہے۔ بارات ساری رات دلہن کے گھر رہتی ہے اور صبح کو رخصتی کی تقریب ہوتی ہے اور دولہا دلہن کو مع جانجیان (براتیوں) اپنے گھر واپس آ جاتا ہے۔ 1960 تک بارات کا ساری رات لڑکی کے گھر رہنا رامپور میں مروج تھا۔ ممکن ہے دیہاتوں میں اب بھی ہو۔ جب مہمان رخصت ہو جاتے ہیں تو عام طور پر تیسرے دن دولہا چادر اُٹھا کر پہلی بار دلہن کی صورت دیکھتا ہے۔ (حیات افغانی: ص 206-207)

میران پور کٹرہ کی جنگ (1774) کے بعد کٹھیر کی حکومت ختم ہو گئی تھی البتہ روہیلون کی نشانی کے طور پر معاہدہ لال ڈانگ کے صرف رامپور اسٹیٹ باقی رہ گئی تھی۔ یہاں ایک رسم آج بھی باقی ہے جسے ''مانجا'' کہا جاتا ہے۔ اس رسم میں دولہا اور دلہن کو شادی سے چند روز پہلے پیلے (Yellow) یا زرد رنگ (Yellow ochre) کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ اگر یوسف زئیوں کی رسم کے ذوالفاظ مانجی اور جانجی پر غور کیا جائے تو رسم مانجا کا تعلق سمجھ میں آ جاتا ہے۔ اس تقریب پر گائے جانے والے مانجا گیت رضا علی خاں نواب رام پور نے لکھے ہیں جو نوابی خاندان میں میراثنیں گایا کرتی تھیں۔ متوسط طبقہ میں بھی یہ رواج رہا ہے۔ میراثنیں زندہ ہیں لیکن گانے بجانے کا ماحول ختم ہو گیا ہے البتہ نوابی خاندان میں شادی بیاہ کی تقاریب میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میراثنیں آج بھی گاتی ہیں۔

اس وضاحت کے بعد نجم الغنی کا مندرجہ بالا بیان (دوپٹہ پھاڑنا یا چاول گود میں ڈالنا) مشتبہ نظر آتا ہے کیونکہ اس قسم کا واقعہ نہ میں نے دیکھا اور نہ کسی بزرگ سے سُنا۔[3] بچے کی پیدائش کے بارے میں محمد حیات خاں یوسف زئیوں کی ایک رسم کا ذکر کرتا ہے:

''لڑکا پیدا ہونے پر بہت خوشی کی جاتی ہے۔ لڑکے کی ماں چالیس روز تک کمرے سے باہر نہیں نکلتی ہے کیونکہ اُسے کچھ رسمیں ادا کرنا ہوتی ہیں۔ وہ چالیسویں دن 'غسلِ شفا' کے بعد باہر آتی ہے۔'' (حیات افغانی ص 207)

'غسل شفا' کو رامپور میں 'چھلاّ نہانا' کہتے ہیں جو چالیس دن کی نسبت سے 'غسل شفا' کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہ رسم تقریباً 1960 تک عام گھروں میں میں نے خود دیکھی ہے۔ رسم ختنہ پر خوشی کی تقریب علاقہ یوسف زئی میں عام تھی (حیات افغانی 208)۔ یہ رسم رامپور میں آج بھی زندہ ہے۔ 1960 تک میں نے خود دیکھا ہے کہ جس بچے کی ختنہ ہوتی تھی اُسے گوٹا لگا سرخ جامہ پہنا کر عام لوگ تانگہ یا رکشا میں بٹھا کر شہر کے تمام مزارات پر حاضری دلانے لے جاتے تھے جسے عوامی اصطلاح میں سلام کرانا کہتے تھے اور مزار پر بچہ کہتا تھا 'میاں سلام!'۔ عقیدہ یہ تھا کہ میاں کی برکت سے عمل جراحی کامیاب ہوگا۔ یہ کام جراح (جو قوم کا نائی ہوتا تھا) اُسترے سے ختنہ کرتا تھا۔ یہ طریقہ آج بھی عام ہے۔ دس بارہ سال سے سرجن بھی ختنہ کرنے لگے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب چوبیس/فصل پچاس

روہیلوں کی طرز معاشرت

عام روہیلوں کا طرز معاشرت بڑا سادہ اور بے تکلف تھا۔ البتہ سردارانِ روہیلہ نے بڑی حد تک مغلیہ تہذیب کو اختیا کرلیا تھا۔ ان کی سماجی زندگی میں اس قدر یکسانیت تھی کہ جب کبھی وہ جمع ہوتے تھے تو ان کی وضع قطع اور لباس سے یہ پہچاننا مشکل ہوتا تھا کہ ان میں کون ادنیٰ ہے اور کون اعلیٰ۔

''افغانوں کی طرزِ معاشرت سادی اور سیدھی تھی جس میں کسی قسم کے تصنع اور آرائش کا نام ونشان نہیں تھا۔ ان کے خلقی اور فطری طبائع کے اثر نے روزمرہ کی ضرورتوں کو نہایت ہی محدود برتاؤ پر منحصر کردیا تھا۔ یہ وہ حالت تھی جس کو وہ اپنی اولوالعزمی اور عالی ہمتی کے ساتھ ساتھ اپنے کوہستانی آزاد ملک سے ساتھ لائے تھے۔ گوسلطنت مغلیہ کی صحبت اور ہندوملک کے اثر سے عیش پرستی اور آرام طلبی نے بھی کچھ نہ کچھ اپنا اثر ضرور کیا لیکن یہ تاثیر عالی رتبہ سرداروں کے احاطے سے نکل کر عام لوگوں تک بہت کم پہنچی تھی۔ عام صحبتوں میں سردار اور سپاہی کی شناخت بہت مشکل تھی اور آزدانہ رائے میں کسی کے رعب داب کونہیں مانتے تھے۔

قدیمی ملکی لباس کے بڑے بڑے موٹے کپڑوں کے کرتے اور ڈھیلے ڈھیلے تنبان ان کے خاص وطن کی نشانی بنے رہے۔ اور پتلی لنگیاں جو ہمیشہ بطور چادر یا رومال کے زیب کمر رہتی تھیں ان کے حب وطن کی یادگار تسلیم کی جاتی تھیں۔ ٹیڑھی پگڑیوں اور متناسب اعضاء کی وجہ سے وہ مغلوں اور دوسری اقوام فاتح سے الگ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پہچانے جاتے تھے۔(اخبار الصنادید: جلد دوم 503)

ہر وقت مسلح رہنا اور ہتھیاروں کو درست اور بہتر کوالٹی کا رکھنا ان کی فوجی ضرورت ہی نہیں بلکہ ان کا مزاج تھا کیونکہ وہ افغانستان کے باشندے تھے جہاں معمولی باتوں پر اور کبھی کبھی کسبِ معاش کے لیے ایک قبیلے کو دوسرے قبیلے سے جنگ کرنا پڑتی تھی۔ یہی عادت وخصلت لیکر وہ پار روہیلہ علاقے میں آئے تھے جہاں انھیں فوجی کی حیثیت سے نوکری مل گئی۔ سوائے جنگ کرنے کے انھیں کوئی پیشہ نہیں آتا تھا اور وہ طبیعتاً بھی پیشہ ورانہ زندگی کو حقارت سے دیکھتے تھے۔ اس لیے وہ دستکاری اور ہنر مندی سے دور رہے لیکن سردارانہ روہیلہ نے اہل کمال اور ہنر مندوں کی سرپرستی سے منہ نہیں موڑا۔ صاف گوئی روہیلوں کا مزاج بنی رہی۔

میران پور کٹرہ کی جنگ (1774) تک ان کی حاکمانہ حیثیت قایم رہی اور روہیلہ فوج کی نوکری کی قلیل آمدنی پر گزر کرنا اپنی شان سمجھتے رہے۔ ان کی سپاہیانہ آن بان اور سماج میں بالادستی ایک مدت تک قایم رہی۔ لیکن جیسے ہی میران پور کٹرہ کی جنگ میں شکست ہوئی روہیلوں کا وقار بھی ختم ہو گیا اور آمدنی بھی ختم ہو گئی۔ بیروزگاری نے انھیں وطن چھوڑنے اور معمولی نوکریاں کرنے پر مجبور کر دیا۔

نجیب الدولہ کی وفات (1770) کے بعد ضابطہ خاں بھی زوال کی طرف آمادہ ہوا۔ معاہدہ لال ڈانگ (1774) کے بعد جب ہزاروں روہیلوں کو شجاع الدولہ کے حکم پر شہر بدر کر دیا گیا تو کٹھیر کے روہیلہ کچھ تو ضابطہ خاں کی فوج میں نوکر ہو گئے اور باقی روہیلہ معاشی بدحالی کا شکار ہو کر دوسرے علاقوں میں تلاش معاش کے لیے چلے گئے۔ جب ضابطہ خاں کی حکومت کا زوال ہو گیا تو اس علاقے کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روہیلوں کو بھی معاشی بدحالی کا سامنا کرنا پڑا۔

عقائد کے لحاظ سے روہیلہ سوفی صدی سنّی مسلک کے ماننے والے تھے۔ خاص طور سے پار روہیلہ اور نواب نجیب الدولہ سے متعلق تمام روہیلہ سنی تھے۔ یہ لوگ علماء اور صوفیا کی بڑی عزت کرتے تھے۔ مدارس قایم کرتے اور طلباء کو وظیفہ دیتے تھے۔

صوفیاء اور مزارات سے ان کو خاص عقیدت تھی۔ مزارات پر باقاعدہ حاضری دینا خانقاہوں اور فقراء کے لیے مددِ معاش کا انتظام کرنا اپنا فرضِ اولین سمجھتے تھے۔ نوابینِ رامپور کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ وہ صاحبِ مزار بزرگ کے مقبروں میں دفن ہونا باعثِ نجات مانتے تھے۔ مذہب کے اتنے سخت پابند تھے کہ اس سلسلہ میں کسی بھی مصلحت یا سیاسی ضرورت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

مدارس کے قیام اور دینی تعلیم کا آغاز نواب علی محمد خاں کے دور سے ہوتا ہے۔ نواب علی محمد خاں نے دور دراز علاقوں سے مشہور علماء کو کٹھیر میں بلا کر درس و تدریس کے سلسلہ کی ابتدا کی۔ ان علماء میں جلال الدین خاں کابلی سید ابدال شاہ اور سید علی شاہ ترمذی مشہور علماء تھے (ڈاکٹر اظہر: دیباچہ انندرام مخلص 86، کاملان رامپور 2)۔ نادر شاہ کے حملہ کے بعد (1739) دہلی کے علماء اور اہلِ کمال برباد ہوئے تو نواب علی محمد خاں نے ان کی سرپرستی کی اور علماء کی ایک بڑی تعداد آنولہ آ گئی۔ آنولہ مذہبی تعلیم کا مرکز بن گیا (ڈاکٹر اظہر 87 بحوالہ حدیقۃ الاقالیم 138)

علماء کی سرپرستی اور درس و تدریس کا سلسلہ نواب نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خاں کے عہد میں بھی جاری رہا۔ حافظ رحمت خاں نے پیلی بھیت شاہجہاں[5] پور وغیرہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں کافی مدرسے قایم کیے جن میں طلباء وظائف پاتے تھے۔ ملا حسن اور عبد العلی بحر العلوم لکھنؤ سے ہجرت کر کے کٹھیر آئے تو حافظ رحمت خاں نے شاہجہاں پور کے مدرسہ میں صدر معلم کے عہدے پر فائز کر دیا اور حافظ رحمت خاں کے بعد وہ فیض اللہ خاں کے عہد میں رامپور آئے اور وہاں سے ارکاٹ چلے گئے تھے۔ (گل رحمت 115a، اقتدار حسین صدیقی)۔ حافظ رحمت خاں کو تعلیم سے اس قدر دلچسپی تھی کہ اس نے مدرسوں کی کفالت اور طلباء و علماء کے اخراجات کے لیے نہ صرف جاگیریں وقف کی تھیں بلکہ ذاتی خزانے سے اخراجات ادا کرتے تھے۔ فارغ التحصیل طلباء کی دستار بندی اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ اکثر وہ علماء کی صحبت مین رہتے اور ان کے ساتھ سفر بھی کرتے تھے (گل رحمت 115ab)۔

نواب نجیب الدولہ خود تو ان پڑھ تھا لیکن تعلیم سے رغبت رکھتا تھا۔ علماء کی سرپرستی اور مدارس کی پرورش سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ علم کا شیدائی تھا حالانکہ ماحول اور حالات نے اسے تعلیم سے دور رکھا تھا۔ اقتدار پاتے ہی اس نے علماء کو جمع کیا اور نوسو علماء اس کے پاس جمع ہو گئے جنہیں پانچ روپیہ سے پانچ سو روپیہ تک زرِ اعانت ملتا تھا۔ اس نے دارانگر میں مدرسہ[6] قایم کیا جس میں فرنگی محل کے علماء بھی شامل تھے۔ اس نے نجیب آباد میں بھی دینی مدرسہ قایم کیا جس کا طریقۂ تعلیم دلّی کے ''مدرسۂ رحیمیہ'' کے انداز پر تھا۔ اس مدرسہ میں شاہ ولی اللہؒ (دلّی) مکتبۂ فکر کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ملاّ حسن (فرنگی محل) تو اب ضابطہ خاں کے عہد میں مدرسہ دارانگر میں مدرس تھے۔ روہیلوں کی مملکت برباد ہونے کے بعد بھی فیض اللہ خاں والی رامپور نے اس تعلیمی سلسلہ کو باقی رکھا۔ رامپور میں مدرسہ عالیہ قایم کیا۔[7]''

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(اقبال حسین ص 208 بحوالہ سیاسی ملفوظات 81، 202 جام جہاں نما 508 معاصر الکرام مصنف آزاد بلگرامی مطبوعہ لاہور 1913 مساکن فلفی Sepration from 30b Indian Muslim مصنف Francis Robinson ص 109، 263)

نجیب الدولہ شاہ ولی اللہؒ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا جن کا تعلق صوفیا کے نقش بندی سلسلہ سے تھا۔ اس زمانے میں جبکہ شہنشاہیت بدنام اور بدکردار تھی اور طبقہ امراء گمراہی اور بے دینی کا شکار ہو چکا تھا، شاہ ولی اللہ کو نواب نجیب الدولہ کی ذات سے بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں جو خود بھی صاحبِ کردار حمیت اسلامی کا حامی اور شمالی ہندوستان کی بڑی طاقت تھا۔

حافظ رحمت خاں کو شاہ مدن سے بڑی عقیدت تھی جو قادریہ سلسلہ کے بزرگ مشائخ سے تعلق رکھتے تھے۔ حافظ رحمت خاں صوفیا کے تمام سلسلوں سے عقیدت رکھتا تھا اور ان کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس وجہ سے آنولہ اور پیلی بھیت صوفیا کا مرکز بن گیا تھا۔'' اخوند فقیر، حافظ شاہ جمال اللہ، شاہ ابوالفتح، حافظ صدیق، شاہ کلیم اللہ اور میاں عزت اللہ وغیرہ حافظ رحمت خاں اور روہیلوں کے نظر میں باعزت اور بابرکت ہستیاں تھیں۔ میاں عزت اللہ کا تعلق شیخ احمد سرہندی سے تھا جن کے فیوض و برکات سے فیضیاب ہونے کے لیے حافظ رحمت خاں نے کٹھیر میں آنے کی دعوت دی تھی اور ان کی آمد پر ان کی مال واکرام سے خاطر مدارات کی تھی۔

حافظ رحمت خاں کو خاص طور سے سید احمدؒ سے بڑی عقیدت تھی جو شیخ عبدالقادر جیلانی میر احسنؒ اور میاں معصومؒ سے تعلق رکھتے تھے اور زیادہ تر ان ہی کی صحبت میں رہنا پسند کرتا تھا۔ وہ شاہ جمال اللہؒ اور شاہ کلیم اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرتا تھا۔ حافظ رحمت خاں رائے بریلی میں شاہ لال اور اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کی درگاہوں پر نذرانے بھیجا کرتا تھا۔ دلّی میں خواجہ بختیار کاکیؒ اور شیخ نظام الدین اولیاؒ کی درگاہوں پر تحفے اور روپیہ بھیجتا تھا'' (گل رحمت: 226b)۔

''نواب نجیب الدولہ کا بیٹا اور جانشین (ضابطہ خاں) شاہ فخر الدینؒ چشتی سے بیعت تھا جو چشتی سلسلہ کے بزرگ تھے۔ ضابطہ خاں نے اپنے پیر و مرشد کو غوث گڑھ میں قیام کرنے کی دعوت بھی دی تھی لیکن انھوں نے انکار کر دیا تھا۔''

(اقبال حسین: ص209 بحوالہ مضمون ''شرافت الانوار'' ماہنامہ برہان 1947 ص81-111)

سردارانِ روہیلہ کے علاوہ عام طور پر روہیلے صوفیوں سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ زیارتوں پر حاضری دینا، اور نذرانے پیش کرنا ان کی عام عادت تھی۔ سنبھل، امروہہ اور شاہجہاں پور کے بیشتر روہیلہ مرزا جانِ جاناں کے معتقد اور عقیدت مند تھے اور مرزا جانِ جاناں روحانی پیشوا کا درجہ رکھتے تھے۔ (اقبال حسین: ص209 بحوالہ کلمات طیبات۔ خط نمبر 74)

باب چوبیس/فصل اکیاون

ہندوؤں سے تعلقات

ہندوؤں سے برادرانہ تعلقات تاریخ روہیلہ کا بڑا روشن پہلو ہے۔ ہندوؤں کے مذہبی معاملات اور سماجی رسم و رواج میں روہیلوں نے کبھی بھی دخل اندازی نہیں کی بلکہ دیہات میں رہنے والی ہندوؤں کی اکثریت کے ساتھ ان کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تعلقات برادرانہ اور مشفقانہ رہے۔ روہیلوں نے ہندوستان کے دیگر امراء اور منصب داروں کی طرح اپنی رعیت کو اپنے نائبین کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا بلکہ اپنی مملکت کو سرداروں میں تقسیم کر کے ان کے سپرد جاگیریں کر دیں جس سے ملک کے انتظام اور امن و امان بحال رکھنے میں کافی مدد ملی۔ معمولی سا تنازعہ اور واقعہ بھی جاگیردار کو فوراً معلوم ہونے لگا اس لیے اس کا سدباب بھی فوراً ہی عمل آجاتا تھا۔

''اس وقت ہندوؤں میں شیر خوار بچوں کی نسل کشی (Infanticide) اور نابالغ بچوں کی شادی (Child-Marriage) جیسی سماجی برائیاں موجود تھیں۔ شیر خوار لڑکیوں کو قتل کر دینا کٹھیر کے راجپوتوں کا عام رواج تھا۔ مرادآباد کے جاٹ اور اہار بھی شیر خوار لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے۔'' (Atkinson: ii, part 1, 196, Fisher vol ix, part 1, 92) لیکن روہیلوں نے اس غیر انسانی حرکت کو بند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس ظلم کو روکنا ان کے لیے باعثِ ثواب ضرور تھا لیکن ہندوؤں کی رسومات میں دخل اندازی اور دل شکنی بھی تھا۔

''نواب نجیب الدولہ نے ایک کھتری ہندو عورت کو زبردستی مسلمان بنانے کے سلسلہ میں مولوی نظر محمد کی کوشش کو ناکام بنا دیا تھا اور اس جرم پر مولوی نظر محمد کو شہر بدر کرنے کا حکم بھی دیا تھا۔'' یہ واقعہ دلّی میں ہوا تھا اور نجیب دلّی کا ریجنٹ تھا۔

(اقبال حسین: ص 210 بحوالہ اخبارات 15 - 19 اکتوبر، 16 اکتوبر 1768 ص 221 - 222)

اپنی وفات سے چند ماہ پیشتر جبکہ وہ مراٹھوں کی مہم میں شریک تھا اور مراٹھوں سے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے، اس نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا تھا کہ گڑھ مکتیشر کے مقدس گنگا اشنان میں شریک ہونے والے ہندو زائرین کو لوٹا نہ جائے اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ان کے جان و مال کا تحفظ کیا جائے۔

حافظ رحمت خاں پنڈتوں اور پجاریوں کی بھرپور مالی امداد کیا کرتا تھا۔

(گل رحمت 227، اقبال حسین 210 بحوالہ اسنادِ خاندانِ نجیب الدولہ ص 3)

''اسٹریچی (Strachey) جو حافظ رحمت خاں کا مخالف ہے، اور دیگر مصنفین جنہوں نے حافظ رحمت خاں کی موت کے پچاس سال بعد کٹھیر کا دورہ کیا تھا، انھوں نے لکھا ہے کہ عام طور پر لوگ حافظ رحمت خاں کی تعریف کرتے تھے۔'' (اقبال حسین 210 بحوالہ The British colonies, P 330 Forster vol i, P 149)

''کٹھیر کے روہیلوں کے ہندوؤں کے ساتھ اتنے مضبوط روابط تھے کہ 1857 کی بغاوت میں باوجود انگریزی حکومت کی لاکھ کوشش کے ہندو اور مسلانوں کے برادرانہ تعلقات قایم رہے۔'' Foreign Department (Seeret) No. 14,297 (Bijnor) NAI اقبال حسین 210

''انگریزوں نے (روہیل کھنڈ کے) ہندوؤں کو باغیوں (بہادر خاں جو حافظ رحمت خاں کے پوتے کا بیٹا تھا) کے خلاف اُکسانے کے لیے پچاس ہزار روپیہ کی رقم مخصوص کی تھی لیکن کوئی بھی (ہندو) ایسا نہیں تھا جو اس رقم کو لینے اور انگریزوں کی سازش کو کامیاب بنانے کے لیے رضا مند ہوتا۔ لہٰذا یہ پلان مُسترد کر دیا گیا۔''

(اقبال حسین 210 بحوالہ Freedome Stuggle in Uttar Pradesh, 342)

روہیلوں کے دورِ حکومت میں سیکڑوں ہندو اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ روہیلہ فوج میں ملازم ہونے اور فوجی خدمات انجام دینے کو زیادہ پسند کرتے تھے جبکہ ملک کے انتظامی امور (Civil Departments) میں ہندوؤں پر بھروسہ کرتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لیکن راجپوتوں اور کھتریوں کو فوج میں اعلیٰ عہدے دیتے تھے۔ (حیات حافظ رحمت خاں 347 اقبال حسین 211 بحوالہ مخزن ص 72) خاص طور سے مالیات کا محکمہ (Revenue Dept.) ہندوؤں کو دیا جاتا تھا اور متصدی (Secretary) کے عہدے کایستھوں کو تفویض کیے جاتے تھے (اقبال حسین: 211 بحوالہ مخزن 72)

روہیلوں کی طرف سے جن ہندوؤں کو احمد شاہ ابدالی، شاہ عالم ثانی، مراٹھا، جاٹ، شجاع الدولہ اور کمپنی سرکار کے پاس سفارت (Diplomatic Missions) پر بھیجا گیا ان میں چند اعلیٰ عہدیداروں کے نام ہیں۔ جے سکھ رائے، منشی ٹیک چند، منشی چتر بھوج[1]، میگھ راج[2] اور چیت رام۔" (اقبال حسین: ص 211 بحوالہ گل رحمت 16b بہاری لال 9، شو پرشاد 71، عماد 98، تاریخ شاہ عالم 143 اخبارات 28)

روہیلوں کو مسلسل جنگوں میں مصروف رہنے اور زمینداروں کی بغاوتوں کو ختم کرنے کی وجہ سے اتنا وقت نہیں ملا کہ وہ چین سے بیٹھتے اور اپنے عہد کے اہل کمال کو جمع کر کے ادبی اور تہذیبی سرمائے کو خاطر خواہ ترقی دیتے پھر بھی اس دور کے تذکروں میں ان اہل ہنود کے نام ملتے ہیں جو روہیلوں کی مملکت میں معزز عہدوں پر فائز تھے۔ "گلاب رائے نجیب الدولہ کا دیوان تھا اور اس کا بھانجا لالہ نول رائے وفا سہارن پور میں چند پرگنوں کا حاکم تھا۔" (پروفیسر اقتدار حسین صدیقی: سیمینار پیپر رضا لائبریری، ص 24 بحوالہ مخزنِ نکہت ص 72)

بنسی دھر نواب سعد اللہ خاں پسر نواب علی محمد خاں کا دیوان تھا۔ پہاڑ سنگھ کھتری نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں کا دیوان تھا۔ دیوان مان رائے حافظ رحمت خاں کے عہد میں دیوان کے منصب پر فائز تھا۔ اور راجا کنور سین بھی اسی اعلیٰ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عہدے پر فائز تھا۔ کامل دوندے خاں کا دیوان تھا جسے مراد آباد میں مراٹھوں نے گرفتار کرلیا تھا (1773)۔

راجا مان سنگھ نجیب الدولہ کے دیوان کا پیشکار تھا۔ ساگرمل کھتری نواب نجیب الدولہ کی طرف سے سورج مل جاٹ سے معاملہ طے کرنے عہدۂ سفارت پر فائز ہوکر گیا تھا۔ راجا رام پرساد آف چاندپور اپنے وقت کا صاحب اقتدار مالدار تھا۔ راجا گلاب رائے کو ضابطہ خاں نے کسی ضلع کا حاکم بنایا تھا (اقتدار حسین صدیقی) مندرجہ بالا ہندو منصب داروں کے علاوہ بھی بہت سی مقتدر ہستیاں ہوں گی جن کے بارے میں مستقبل کے مورخین لکھتے رہیں گے۔

باب پچیس — فصل باون

فنون لطیفہ اور ادب نوازی

جو قوم صدیوں سے علم سے نا آشنا رہی ہو اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے ہزاروں برس پہلے علم، سے اتنی واقف رہی ہو کہ رگ وید کی تالیف افغانستان میں ہوئی ہو، اس قوم میں علم کا آجانا اور سرداران روہیلہ کا علم سے رغبت رکھنا اور باعلم حضرات کی عزت کرنا یقیناً تعجب کی بات ہے۔ ایسا نہیں لگتا کہ یہ قوم جہالت کے باعث علم سے دور رہی تھی بلکہ ان کے آبائی ملک جغرفیائی اور سیاسی حالات نے انھیں ہتھیار اٹھانے اور اپنے تحفظ کے لیے ہمہ وقت ہتھیار بند رہنے پر مجبور کردیا تھا لیکن جیسے ہی انھیں کٹھیر اور بالائی دوآب کی حکومت قایم کرنے کا موقع ملا ان کی فطری خوبیاں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جاگ اُٹھیں اور علم کی طرف رغبت شروع ہوگئی۔

حالانکہ روہیلوں کو حکومت قایم کرنے اور دربار آراستہ کرنے کے مواقع ہاتھ نہیں آئے۔ ان کی زندگی متواتر جنگوں اور غیر یقینی سیاسی حالات سے دوچار رہنے میں گزری۔ ان نامساعد حالات اور شورش زدہ عہد میں بھی ادب اور شعروشاعری کے بارے میں سوچنا اور علمی سرمایہ جمع کرلینا ان عظیم روہیلہ سرداروں کا عظیم کام ہے جو صاحبِ سیف بھی رہے، صاحب قلم بھی اور علم و ہنر کے سرپرست بھی۔ لیکن جس بیدردی سے اس قوم کے علمی سرمائے کو دانستہ طور پر برباد کیا گیا اور سیاسی حالات نے اس کا تحفظ کرنے کی مہلت نہیں دی اس کے بعد بھی جو کچھ باقی بچا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ روہیلوں نے ادب نوازی میں گراں قدر خدمات انجام دی تھیں۔

''نواب علی محمد خاں ادب اور فنونِ لطیفہ کا شوقین اور سرپرست تھا۔ اسنے افغانستان کے پشتو کے مشہور شاعر کریم خاں افغان کو کٹھیر میں بلایا اور اپنی ملازمت میں بڑی عزت سے رکھا۔ کریم خاں ان کا درباری شاعر تھا۔'' (ڈاکٹر اظہار: دیباچہ سفرنامہ آنندرام مخلص: ص87)

14 حافظ رحمت خاں علم پروری نہیں بلکہ صاحب تصنیفات تھا۔ خلاصۃ الانساب اور تواریخ رحمت خانی اس کی تصنیفات ہیں۔ ڈارمس ٹیٹر نے لکھا ہے کہ میں نے حافظ رحمت خاں کا کلام لوگوں سے سنا لیکن دیوان نہیں دیکھ سکا۔ (الطاف 298 بحوالہ اسٹریچی۔) اس کا لڑکا محبت خاں محبتؔ بھی اچھا شاعر اور استاد تھا جس کے بہت سے شاگرد تھے۔ اس کا بیٹا شاہ عالم خاں عالمؔ بھی اچھا شاعر تھا۔ (مصحفی: تذکرہ شعرائے اردو بفارسی 254، تذکرہ ریاض الفصحا 239) اس کے علاوہ اس کے اور ضابطہ خاں کے عہد میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قاؔیم چاند پوری، مولوی غلام محمد خاں فائق جیسے استادانِ شاعر کے نام بھی ملتے ہیں یقیناً اس کے عہد میں شعروشاعری کا بول بالا رہا ہوگا کیونکہ میر عبدالرسول نثار (پیشہ معمار) اور عنایت اللہ حجاؔم (پیشہ حجام) جیسے پیشوں کے لوگ بھی شاعری کرتے تھے۔ (مصحفی: 112، 296) نثاؔر کے بزرگوں نے دلّی کی جامع مسجد کی تعمیر میں کام کیا تھا۔ وہ ضابطہ خاں کے یہاں ملازم تھا۔ وہ ضابطہ خاں کی فرمائش پر مثنوی زلیخا کا اردو ترجمہ کر رہا تھا لیکن یہ کام مکمل نہیں ہو سکا کہ اس کی موت ہو گئی (مصحفی 208) فدوؔی ضابطہ خاں کی شکست کے بعد محمد یار خاں (پسر نواب علی محمد خاں) کے یہاں مصاحبوں میں نوکر ہو گیا تھا۔

حافظ رحمت خاں اور فیض اللہ خاں کے عہد میں محمد یار خاں نے شعروشاعری اور ادبی محفلوں کو زندہ رکھا وہ جب تک آنولہ میں مقیم رہا آنولہ شعروسخن کا گہوارہ بنا رہا اور لال ڈانگ معاہدہ (1774) کے بعد وہ رامپور میں کرم خاں رزڑ کی حویلی میں رہنے لگا تو رامپور کی ادبی محفل اسی کے دم سے آباد رہی۔ وہ مصحفؔی کا شاگرد تھا اور قاؔیم چاند پوری سے بھی گہرا تعلق رکھتا تھا۔ امیر تخلص تھا۔ فدوؔی لاہوری، پروانہ علی شاہ پرواؔنہ مرادآبادی، نعیم اللہ خاں نعیؔم شاگرد حاتؔم، میاں عشرتؔ حکیم کبیر علی سنبھلی محمد یار خاں کے سخن گو ملازم تھے۔ (مصحفی: تذکرہ اردو شعراء ریاض الفصحا)۔ اس کا لڑکا سید احمد خاں افسؔر بھی شاعر تھا۔ (اخبار الصنادید i 560) ضابطہ خاں نے مرزا اسعادت خاں رنگیؔن کی سرپرستی کی تھی[15] (اقبال حسین 212)۔

تذکرہ مصحفی کے بیان کے مطابق مستقیم خاں پسر شیخ کبیر بھی ادب پرور تھا اور شاعری میں استادی کا درجہ رکھتا تھا۔ غلام نبی خاں قدرتؔ اور محمد بشیر خاں لکنت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(عم زادہ مستقیم خاں) مستقیم خاں کے شاگرد تھے۔ صغیر علی مروتؔ پسر حکیم کبیر علی نجوؔ خاں پسر مستقیم خاں کی صحبت میں رہتا تھا (تذکرہ مصحفی: 287، 286، 277) نواب فصیح اللہ خاں مفتوںؔ خلف نواب نصر اللہ خاں پسر عبداللہ خاں، شاہ ملول الہامؔ، سید مراد علی حیرتؔ، میر شاہ حسین حقیقتؔ شاگرد جرأتؔ، سید محمد زماں زماںؔ، میر سعادت علی خاں سعادتؔ، مولوی قدرت اللہ شوقؔ، مرزا حسین علی محبتؔ، عالم شاہ پیرزادہ محزوںؔ، میر عبدالرسول نثارؔ، شیخ رمضان علی اخترؔ، نواب امداد علی خان امدادؔ (خاندان فیض اللہ خاں) مولوی اللہ داد عرف حافظ شبراتی طالبؔ، سید غیاث الدین عاشقؔ، میر عارف علی عارفؔ، میر علی اکبر رضوی عظمتؔ، احمد خاں غفلتؔ، مولوی غلام علی فائق، غلام نبی خاں قربتؔ شاگرد مستقیم خاں، کریم اللہ خاں کرمؔ، غلام محمد خاں، مہرؔ، میر محبّ علی مفلسؔ، میر محمد جان نالاںؔ، مرزا باقر علی وحشتؔ، مستقیم خاں وسعتؔ وغیرہ ایسے شعراء ہیں جن کا تذکرہ مصحفی نے شعرائے اردو بفارسی اور ریاض الفصحا میں کیا ہے۔ عبداللہ خاں پسر نواب علی محمد خاں فارسی اور اردو کا شاعر تھا۔ عاصیؔ، مبتلاؔ اور آزادؔ تخلص تھے اور میر فیض علی ابن میر حسن ساکن دلّی عبداللہ خاں کے یہاں اشعار نویسی پر نوکر تھا۔ (قدرت اللہ شوق، جامِ جہاں نما)

باب پچیس/فصل ترپن

موسیقی

ہندوستان میں ترکی سلطانوں اور مغل بادشاہوں کی محفلوں میں موسیقی اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شاعری کا ہمیشہ بول بالا رہا ہے۔ فنون لطیفہ کی یہ دونوں اصناف درباری شان و شوکت اور درباری تہذیب کی ہمیشہ باقی رہنے والی نشانیاں تھیں جنہیں صوبائی حکمرانوں نے بھی اپنا لیا تھا۔ موسیقی فطری جذبہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ مقبول خاص و عام رہی ہے جس کی اعلیٰ قسم دُھر پد گائیکی، بین اور پکھاوج کا باج ہے جس کا اقرار اورنگ زیب نے بھی کیا ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں بلکہ نواب علی محمد خاں (1748-1721) کے ذوقِ لطیف کا ثبوت ہے کہ اُس نے موسیقی کے استادوں کو جمع کیا تھا بلکہ بقول ڈاکٹر اظہر علی (سفر نامہ مخلص) گانے اور ستار بجانے میں ماہر تھا۔ یہ بات قابلِ یقین اس لیے بھی ہے کہ نادر شاہ کے حملہ (1739) کے بعد دلّی کے حالات خراب ہو گئے تھے اور اہل کمال تلاش معاش کے لیے سرپرستوں کی تلاش میں دوسرے صوبوں میں جانا شروع ہو گئے تھے۔ یہ فنکار دلّی اور اودھ کے درمیان روہیلوں کی زرخیز حکومت اور نواب علی محمد خاں کی فیاضی کے سبب یہاں ٹھہر گئے ہوں گے۔ چونکہ شمالی ہندوستان میں ہندوستانی گائیکی اور باج کا سلسلہ خاندانِ مشری سنگھ اور تانسین سے ملتا تھا اس لیے جو کوئی بھی استادِ موسیقی آیا ہو گا اس کا تعلق بھی موسیقی کے اسی گھرانے سے ہو گا۔ نواب علی محمد خاں کے دربار میں امراؤ خاں یوگی، ان کے دو بھائی گلاب خاں اور تراب خاں آئے تھے۔ فیروز خاں ادارنگ بھی نواب علی محمد خاں کے حضور آیا تھا۔ لیکن یہ لوگ مستقل طور پر آنولہ میں نہیں رہے تھے بلکہ آتے جاتے رہے۔

نواب علی محمد خاں کے بڑے لڑکے عبداللہ خاں[13] کو دیوانگی کی حد تک موسیقی سے لگاؤ تھا۔ وہ بھائیوں (فیض اللہ خاں وغیرہ) اور حافظ رحمت خاں سے اختلاف کے باعث افغانستان میں ابدالی کے لڑکے تیمور شاہ کے پاس چلا گیا تھا اور پھر لوٹ کر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آیا تو دریائے ادل کے کنارے اترچھینڈی (آنولہ سے مشرقی کی جانب دو تین کوس کے فاصلہ پر) میں چھوٹا سا قلعہ بنا کر رہنے لگا۔ گانے بجانے کی صحبت دن رات رہتی تھی۔ اس کی شہرت سن کر نامی گرامی موسیقار اس کے پاس آتے تھے۔ دھرپد گاتا تھا اور ستار بجاتا تھا۔ 1145 ہجری (31-1730) میں پیدا ہوا اور پانچ صفر 1181ھ (3 جولائی 1767) میں انتقال ہوا۔ اجھیانی میں دفن ہے (اخبار الصنادید i 290)۔ نواب علی محمد خاں کا دوسرا لڑکا محمد یار خاں بھی موسیقی کا شوقین تھا اور آنولہ میں موسیقی کو زندہ رکھے ہوئے تھا۔ معاہدہ لال ڈانگ کے بعد وہ رامپور آ گیا تھا۔ رامپور میں موسیقی کا بول بالا اسی کے ذوق وشوق کا نتیجہ ہے جسے بعد میں نواب یوسف علی خاں (1855-1865) نواب کلب علی خاں (1865-1886)، نواب حامد علی خاں (1889-1930) اور نواب رضا علی خاں (1930-1949) نے اس فن کو زندہ رکھا۔ تانسین گھرانے کا سلسلہ جو نواب علی محمد خاں سے شروع ہوا اور رامراؤ خاں یوگی، فیروز خاں، بہادر خاں، روشن خاں ڈاگر، امیر خاں کے ذریعہ وزیر خاں اور استاد دبیر خاں بین کار تک قایم رہا۔ اس خاندان کے آخری فن کار دبیر خاں بین کار کلکتہ چلے گئے اور وہیں پر ان کا انتقال ہوا۔ سہسوان کے موجودہ موسیقار (حفیظ خاں، نثار حسین خاں، غلام مصطفٰے وغیرہ) خود کو ''رامپور سہسوان گھرانہ'' سے متعلق کہنے لگے ہیں ممکن ہے کہ عبداللہ خاں اور محمد یار خاں کے باعث (سہسوان ان کی عمل داری میں تھا) سہسوان کے کسی فرد نے تانسین خاندان کے کسی استاد سے تعلیم حاصل کر کے نام پیدا کرلیا ہو اور اُسی سے سہسوان میں موسیقی کا سلسلہ قایم ہوا ہو جو آج تک باقی ہے۔ اس سلسلہ کے استاد و مشتاق حسین خاں کی اولادیں رامپور میں رہ رہی ہیں اور یہ خاندان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آج بھی موسیقی کے پیشہ سے وابستہ ہے۔

باب پچیس/فصل چون

فن تعمیرات (Architecture)

نواب علی محمد خاں، نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خاں کی زندگی غیر یقینی سیاسی حالات اور انتشار ذہنی میں گزری۔ مراٹھوں، جاٹوں، سکھوں اور صوبیداران اودھ نے انھیں چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ دوندے خاں، ضابطہ خاں، عبداللہ خاں، سعد اللہ خاں، محمد یار خاں اور دوسرے سرداران روہیلہ بھی بے سکونی کا شکار رہے اس کے بعد بھی ان کی تعمیرات ان کے ذوق جمال کی آئینہ دار ہیں۔ ان عمارتوں کو مراٹھوں اور شجاع الدولہ نے بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔ کٹھیر کی بہت سی عمارتوں کو دفینے تلاش کرنیکی جستجو میں، مساجد اور مقبروں کو چھوڑ کر، کھود کر پھینک دیا گیا۔ (اقبال حسین بحوالہ شوپرشاد 93a، عبرت نامہ 259، کنز التاریخ 99) اور جو عمارتیں قابل مرمت رہ گئی تھیں، ان سے متعلقہ آراضی پر متولیوں نے قبضہ کر کے مکانات تعمیر کر لیے۔ پھر بھی ان عمارتوں کے وسیع و عریض رقبے اور آثار بتاتے ہیں کہ کبھی یہ عمارتیں بلند اور حسین تھیں۔

ان برباد عمارتوں کا تذکرہ فاسٹر (Froster) نے کیا ہے جو اس علاقہ سے 1783 میں گزرا تھا۔ وہ پہلا عینی شاہد ہے جس نے ان عماتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ آنولہ کے بارے میں لکھتا ہے: ''وہ علاقے جو رہنے والوں سے آباد تھے، جہاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مسجدیں اور خوبصورت عمارتیں تھیں، وہاں آبادیاں غائب ہیں اور شکستہ برباد شدہ عمارتوں کے آثار بھی ختم ہونے کے قریب ہیں۔" (Froster,: vol i, Piii)

"نواب علی محمد خاں نے آنولہ کو 1772 میں دارالخلافہ بنایا تھا۔" (اقبال حسین: 213) دارالخلافہ بننے کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں یہاں ہزاروں مساجد[16] اور بہت سی خوبصورت عمارتیں بن گئی تھیں۔

اللہ یار خاں بلگرامی نے بھی آنولہ میں ہزاروں مساجد ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔[17] کچھ مسجدیں اتنی حسین اور خوشنما ہیں کہ تعمیر و حسن میں دلّی کی جامع مسجد کا مقابلہ کرتی ہیں۔ ان کے گنبدوں کا بالائی حصہ (Pinnacles) پیتل کا ہے جن پر سونا چڑھا ہوا ہے۔[18] (حدیقۃ الاقالیم: ص 138)

علی محمد خاں نے آنولہ میں ایک قلعہ بھی تعمیر کرایا تھا۔ یہ قلعہ پختہ اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ اس میں دو صحن (Court Yards) تھے جہاں علی محمد خاں اور ان کے جانشین دربار لگاتے تھے۔ لیکن اس کا دروازہ غیر جاذبِ نظر (Un imposing) تھا۔ اس کی اندرونی دیوار کے اندر بہت سی عمارتیں اینٹوں سے تعمیر کی ہوئی تھیں۔ باہری صحن میں اس دیوار کے مقابل جو اندرونی حصہ کو جدا کرتی تھی، دیوان خانہ (Hall of audience) تھا۔ دیوان خانہ کا بالائی حصہ ستونوں (Pillars) پر ایستادہ تھا جو یقینی طور پر خوبصورت تھا۔ (Fuhrer: Monumental Antiquities, 24)

قلعہ کے دروازے کے سامنے سردار خاں کی بنوائی ہوئی مسجد ہے۔ (Fuhrer 24. Atkinson vol v. 696) لیکن تمام عمارتوں میں سب سے حسین عمارت بیگم مسجد ہے (Fuhrer 24)۔ "بارہ برجی (Twelve Domed) مسجد جسے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

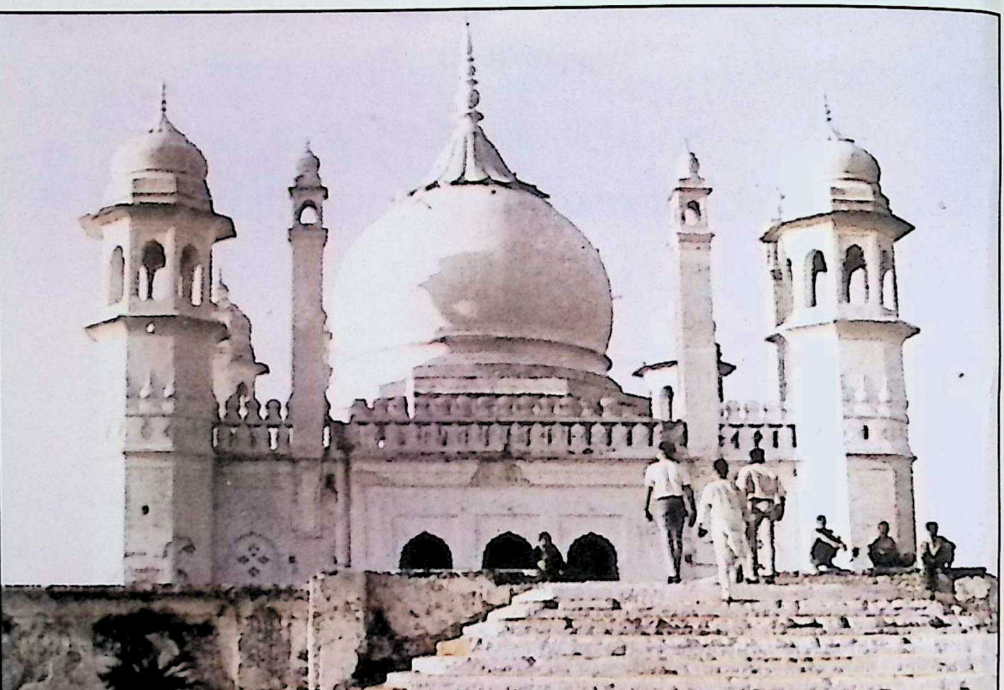

مقبرہ نواب علی محمد خاں، آنولہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فتح خاں خانساماں نے تعمیر کرایا تھا۔ لایق تذکرہ عمارت ہے حالانکہ جدید ماہر تعمیرات کی نظر میں اس میں تناسب کی کمی (Lack Proportion) نظر آئے گی جو عمارت کی شان وشوکت کو کم کرتی ہے (Fuhrer 24)۔

''فن تعمیرات کے لحاظ سے آنولہ کی قابلِ تذکرہ عمارت علی محمد خاں کا مقبرہ ہے۔ یہ ایک اونچے چبوترے (Plinth) پر تعمیر کیا گیا ہے جس کی بارہ سیڑھیاں ہیں۔ یہ ایک مربعہ عمارت (Square building) ہے جس کے اطراف میں پختہ تالاب ہے۔ درمیان کی عمارت پر گنبد ہے جس کا قبہ ہشت پہل (Octagonal Cupolas) ہے۔ ہر قبہ (Cupola) کی درمیانی دیوار پر دو مربع مینار (Square Minarets) ہیں۔ آج بھی لوگوں کی نظروں میں یہ مقبرہ لایق عزت ہے۔ ہر جمعرات کو لوگ یہاں آتے ہیں اور برسوں پہلے گزرے ہوئے حکمراں کی خدمت میں اظہار عقیدت پیش کرتے ہیں۔'' (اقبال حسین: ص214 بحوالہ اشوب 322ab)

علی محمد خاں کے مقبرے کے چبوترے پر تین مقبرے ہیں اور ایک مقبرہ سے متصل ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ ایک مقبرہ علی محمد خاں کے بیٹے سعد اللہ خاں کا ہے۔ اس کے اطراف میں جالیاں ہیں اور کنارے پر حجرے (Alcoves) ہیں۔ اس عمارت کے احاطے میں اور بہت سے مقبرے ہیں۔ اس عمارت کا جاذبِ نظر نظارہ گنبدوں کا وہ مجموعہ ہے جو جنوبی دروازے کی حسین سیڑھیوں سے دکھائی دیتا ہے۔

(Fuhrer : vol ii, P24,25 Atkinson vol v, 697)

روہیلوں کی تقسیم (1752) میں بسولی جب دوندے خاں کے حصہ میں آیا تو یہ غیر آباد علاقہ آباد ہوکر لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ دوندے خاں نے یہاں قلعہ،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

امام باڑہ اور سرائے تعمیر کرائی۔ امام باڑے کی تعمیر حنفی روہیلوں کی اہل بیت سے محبت کا واضح ثبوت ہے۔ اس کی دوسری مثال الموڑے کی کربلا ہے۔ الموڑے میں سات مہینے قیام کے دوران روہیلوں نے کربلا بنا کر تعزیہ داری کی تھی۔ دوندے خاں نے 67 ایکڑ میں قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ ایک شیش محل بھی تعمیر کرایا تھا جسے 1763 میں تکوجی ہولکر نے اور اس کے بعد 1774 میں شجاع الدولہ نے برباد کر دیا تھا۔ (Fuhrer. vol. ii 23 اقبال حسین 214 بحوالہ شور پرشاد 93a، عبرت نامہ 259) دوندے خاں نے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ اس کی زیادہ تر عمارتوں کو انگریزوں نے اس جرم میں برباد کرا دیا کہ اس کی اولادوں نے (غالباً مجو خاں ساکن مرادآباد) 1857 کی بغاوت میں حصہ لیا تھا (کنز التاریخ 99)۔

بسولی کی عمارتوں کے بارے میں الطاف حسین نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جس نے 1927 میں اس علاقہ کا دورہ کیا تھا۔ کسی زمانے میں بسولی میں بانسوں کے گھنے جنگل تھے اور اسے "بسوری" کہا جاتا تھا جو بعد میں بسولی مشہور ہو گیا۔ اس کی سرحدیں ضلع مرادآباد، بدایوں اور رامپور سے ملتی تھیں۔ دوندے خاں نے آبادی کے اندر بڑے بڑے آموں کے باغ لگائے۔ قاضی ٹولہ، کٹرہ اور گداپور محلے آباد کیے۔ سڑکیں، بازار اور عالیشان عمارتیں تعمیر کیں۔ دریائے سوتھ کے قریب فیروز شاہ تغلق کے زمانے کے قدیم قلعہ کی از سر نو مرمت کرائی۔ دوندے خاں کے تعمیر کردہ قلعہ کے 1907 کے بعد تک دو خوبصورت پھاٹک اور شاندار برج قایم تھے اور فصیل کے کچھ حصے بھی محفوظ تھے۔ فصیل اس قدر چوڑی تھی کہ اس پر دو توپ گاڑیاں بیک وقت گرداوری کرتی تھیں۔ چند عمارتیں اب بھی باقی ہیں ان میں سے نوابی حمام کی عمارت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں سرکاری تحصیل، دفتر سب رجسٹرار، اصطبل میں کارواں سرائے اور دوسری عمارتوں میں منصفی، تھانہ، شفاخانہ، اسکول مع بورڈنگ، پولس لائن، ڈاک بنگلہ ہیں۔ موجودہ مویشی خانہ وہی مکان ہے جس میں دوندے خاں کا انتقال ہوا تھا۔

ایک پرانی محل سرا میں ساداتِ بسولی رہتے ہیں۔ دوندے خاں کے تعمیر کردہ مدرسہ کی مرمت مسلمانوں نے کرا کر قایم رکھا ہے۔ شیش محل اور چوکیداروں کی مسجد کا نشان بھی نہیں ہے لیکن ان کی تعمیر کردہ مسجد آبادی کے وسط میں موجود ہے۔ جامع مسجد آبادی سے دور ہوگئی تھی جس پر غیر مسلموں نے قبضہ کرلیا تھا لیکن 1887 میں پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی۔ مسجد پر یہ کتبہ نصب ہے۔

بحسنِ نیتِ آں جو ہر عقل — مرتب شد چوں ایں قصرِ معلی
چناں آمد ندا از ہاتفِ غیب — مکرم مسجدِ ثانیِ اقصیٰ

1179ہجری

بکثرت مساجد مسلمانوں کی رضامندی یا نارضامندی سے غیر مسلموں کے قبضہ میں چلی گئی ہیں۔ دریائے سوتھ کے قریب بلند سطح پر دوندے خاں کا عالیشان مقبرہ ہے۔ اس کے وسط میں وسیع صحن میں دو بڑی پختہ قبریں ہیں جن میں جانب مشرق کی قبر دوندے خاں کی ہے اور مغرب کی جانب ان کے پیر کی قبر ہے۔ پوری عمارت شکستگی کے آخری مدارج طے کر رہی ہے۔ نصف مقبرہ ایک غیر مسلم زمیں دار کی ملکیت بن چکا ہے۔

بسولی کے قلعہ کا واقعہ عبرت ناک ہے۔ اس علاقہ پر جب انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو 1839 میں گورنمنٹ نے اسے مسٹر ڈونلڈ کے ہاتھ فروخت کیا جس نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صاحبزادہ حیدر علی خاں خلف نواب یوسف علی خاں والی رامپور کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ چند سال بعد جب حیدر علی خاں نے ترک سکونت کی تو قلعہ کے اندر کی عمارتیں مسمار ہوگئیں۔ ان کی اولاد نے اینٹیں بیچنا شروع کر دیں۔ 1914 تک تمام برج اور اینٹیں اکھڑ گئیں اور قلعہ کا خاتمہ ہوگیا۔ البتہ مراد آباد میں ان کی بہت سی عمارتوں کے نشانات ملتے ہیں۔ ان کے شیش محل کا پتہ نہیں البتہ محلّہ آباد ہے۔ محلّہ کٹرہ دوندے خاں کے عہد میں مشہور مقام تھا۔ محلّہ موتی باغ میں خوبصورت باغ تھا۔ اب کچھ پختہ قبریں باقی ہیں۔ باغ کے قریب دوندے خاں کی تعمیر کردہ مسجد اب بھی باقی ہے۔ مراد آباد کے قدیم شاہی قلعہ میں اب گورنمنٹ کالج ہے۔ اس کے قریب وسیع اور شاندار مسجد ہے۔ رام گنگا کے کنارے جامع مسجد ہے۔ یہ تینوں عمارات دوندے خاں کے عہد سے پہلے کی ہیں۔

اترچھینڈی میں سعد اللہ خاں رہا کرتا تھا جو آنولہ سے جانب مشرق دو ڈھائی کوس پر ہے۔ سعد اللہ خاں نے 13 ایکڑ رقبہ میں ایک حویلی (Castle) بنوائی تھی۔ یہ عمارت اب ڈھیر بن گئی ہے۔ (اقبال حسین 215 بحوالہ مسودہ 161b، شوپرشاد 37b)

پیلی بھیت حافظ رحمت خاں کی جاگیر تھی۔ جب راجستھان میں قحط پڑا تو راجستھان کے آئے ہوئے مزدوروں اور کاریگروں سے شہر کے چاروں طرف گارے اور اینٹ کی شہر پناہ تعمیر کرائی (گل رحمت 137a، Francklin 58)۔ ان کی بنوائی ہوئی سب سے حسین عمارت جامع مسجد ہے جو آج بھی اچھی حالت میں ہے۔ انھوں نے بکثرت گڑھیاں، چھوٹے چھوٹے قلعے، شہر پناہیں، محل سرائیں، مہمان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

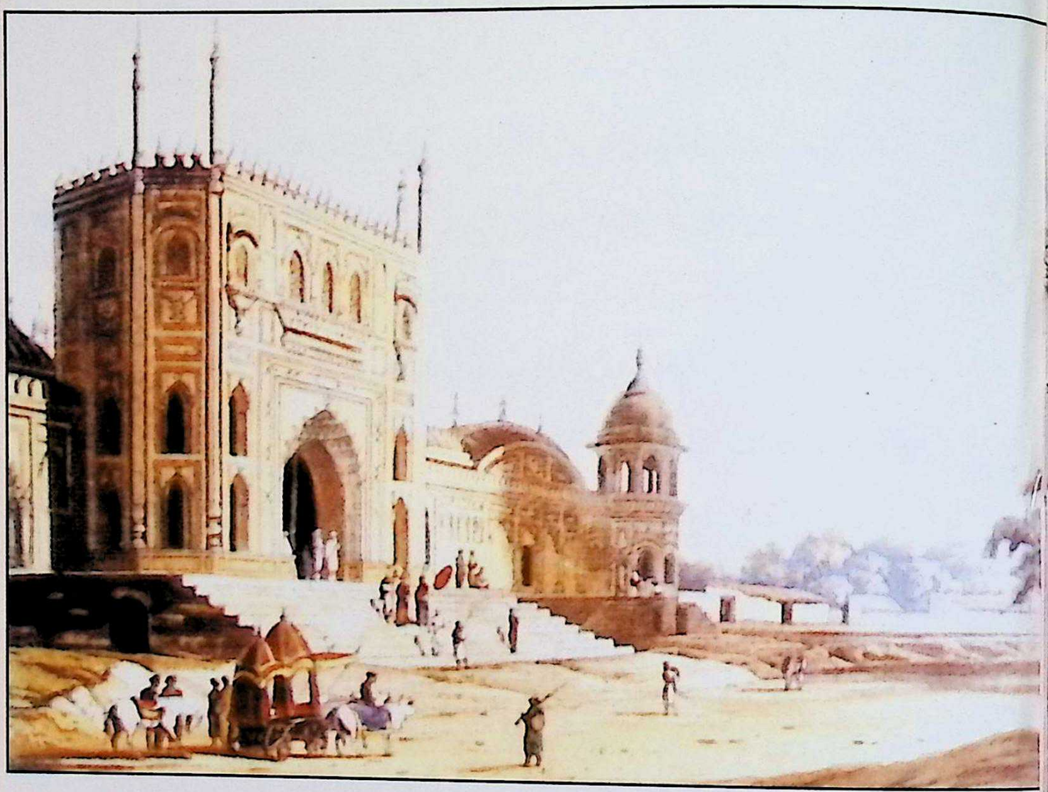

جامع مسجد پیلی بھیت، یہ پینٹنگ ۱۷۸۶ء میں مصور Daniells نے بنائی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خانے، بازار، سڑکیں، پل، تالاب، مدرسے، خانقاہیں، مسجدیں، مقبرے اور باغات تعمیر کرائے۔ یہ عمارتیں پیلی بھیت، بریلی، آنولہ، بدایوں، حافظ گنج اور جلال آباد میں تعمیر کرائی تھیں جن میں بعض شکستہ بعض اچھی حالت میں موجود ہیں۔

بدایوں کی ایک خوبصورت مسجد کے احاطے میں ان کے والد شاہ عالم خاں کی قبر ہے۔ حضرت سید احمدؒ والد حضرت نظام الدینؒ کی درگاہ حافظ صاحب نے تعمیر کرائی تھی۔ آنولہ میں نواب علی محمد خاں کا مقبرہ، بریلی خاص میں مبارک محل، دیوان عام، دیوانِ خاص اور قلعہ تھا جن کا صرف نام ہی باقی رہ گیا ہے۔ (الطاف 268، 269)

اجھیانی نواب علی محمد خاں کے بڑے لڑکے عبد اللہ خاں کی جاگیر تھا۔ اُس نے مسجد اور قدم رسول کی عمارت تعمیر کرائی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا مقبرہ تعمیر ہوا تھا (اقبال حسین 216 بحوالہ کنز التاریخ 96، شوپرشاد 37b)۔

اُسہیت (Usehat ضلع بدایوں) فتح خاں خانساماں کی جاگیر میں تھا۔ اس نے اُسہیت میں ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ اس قلعہ کے چاروں طرف آبادی تھی۔ ''1837 میں کارمیکائیل (Carmichael) نے اسے دیکھا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ اس کا ایک دروازہ جس کی خوبصورت مینار ہے اور چند برج نما مینار (Bastion) باقی ہیں جو اس عمارت کی شان وشوکت کا پتہ دیتے ہیں۔'' (اقبال حسین بحوالہ کنز التاریخ ص 96، Atkinson vol v, P230)

نواب نجیب الدولہ کی ساری زندگی جنگ وجدل میں گزری اور اپنی جاگیر سے دور رہا پھر بھی اُس نے اپنے پندرہ سولہ سالہ دورِ حکومت میں چند خوبصورت عمارتوں کو تعمیر کرایا تھا۔ اس کی تعمیر کردہ عمارتوں میں تین مضبوط قلعے، پتھر گڑھ، غوث

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گڑھ اور سکرتال ہیں۔ ان قلعوں میں قلعۂ پتھر گڑھ بہتر حالت میں آج بھی موجود ہے۔ حالانکہ اس کی تعمیر کردہ عمارتیں مراٹھوں کی دست برد سے کافی برباد ہو چکی تھیں لیکن اس کے بعد جب محمود خاں (خاندانِ نجیب الدولہ، نواب جلال الدین خاں، نواب سعید اللہ خاں وغیرہ) نے 1857 کی بغاوت میں سرگرم حصہ لیا تو انگریزوں نے ان شکستہ عمارتوں کو بھی برباد کر دیا۔

قلعۂ پتھر گڑھ نجیب آباد کے مشرق میں ڈیڑھ دو کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ چالیس ایکڑ مربع قطعہ آراضی پر بنا ہوا ہے۔ ساری تعمیر پتھر کی ہے۔ فصلیں کافی چوڑی اور اونچی ہیں۔ چار سمتوں میں چار شاندار اور مضبوط گیٹ ہیں۔ ہر گیٹ سے آدھ کلومیٹر کے فاصلہ پر قلعہ سے باہر حفاظتی چوکیاں ہیں جن کے صرف شکستہ ستون باقی رہ گئے ہیں۔ حفاظتی چوکیوں اور فصیل قلعہ کے چاروں طرف کی آراضی پر ناجائز قبضے ہو چکے ہیں اور اس میں کھیتی ہو رہی ہے۔

فصیل کی دیوار میں اندر کی جانب محرابیں ہیں۔ فصیل کی چھت پر جانے کے لیے ہر دروازے سے دو زینے دائیں بائیں ہیں۔ فصیل کی چھت محرابوں پر بنی ہے اور اتنی کشادہ ہے کہ اس پر دو گھوڑے دوڑائے جا سکتے ہیں۔ مشرقی اور مغربی دروازے اتنے چوڑے ہیں کہ ان میں حفاظتی فوج کے لیے دونوں جانب کمرے بنے ہوئے ہیں۔

قلعہ کے درمیان کی تمام عمارتوں کو برباد کر دیا گیا ہے۔ درمیان میں صرف ایک برباد تالاب باقی رہ گیا ہے جو پختہ ہے۔ اس میں دھوبی کپڑے دھوتے ہیں۔ قلعہ کے مشرق گیٹ پر محکمۂ آثار قدیمہ اتر پردیش کا بورڈ ضرور لگا ہے لیکن حفاظت کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قلعہ نجیب آباد کی شکستہ حفاظتی چوکی کے آثار

جامع مسجد نجیب آباد کا اندرونی حصہ (مقصورہ)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ یہ قلعہ 1755 میں تعمیر اہوا تھا۔

نجیب آباد سے ایک کلومیٹر فاصلہ پر نجیب الدولہ کی تعمیر کردہ ایک حسین عمارت، بارہ دری ہے۔ یہ سطح زمین سے دو میٹر اونچی کرسی (Plinth) پر بنی ہے۔ چبوترے کے چاروں کناروں میں نہایت حسین، متناسب برج نما مینار (Bastion) شکستہ حالت میں آج بھی باقی ہیں۔ اس مربعہ قطعہ آراضی پر بنی عمارت کا درمیانی حصہ گرادیا گیا ہے جو چاروں میناروں کے درمیان میں اور چبوترے کے اوپر ملبہ کی صورت میں پڑا ہوا ہے۔ ممکن ہے اس عمارت کا درمیانی حسین گنبد بھی ہو جسے مراٹھوں نے برباد کردیا ہوگا۔ یہ حسین عمارت نہایت شکستہ حالت میں ہے۔

بارہ دری کے چاروں طرف لگ بھگ بارہ فٹ اونچی دیوار کہیں کہیں پر موجود ہے لیکن دیوار کے اندر ایک پختہ مکان تعمیر ہو گیا ہے جو یقینی طور پر نگراں نے ناجائز قبضہ کر کے بنایا ہوگا۔ یہ عمارت ہر لحاظ سے سادہ اور حسین ہے اور کسی وقت میں نجیب الدولہ کے عہد کی حسین ترین عمارت رہی ہوگی۔

سکرتال کا قلعہ مظفر نگر سے سترہ میل دور جانب مشرق واقع ہے۔ ناہموار زمین، اونچے اور نیچے ٹیلے (Ridges and Ravines) اور دلدلے نالوں کی وجہ سے ناقابل تسخیر تھا۔ لیکن اب مکمل طور پر برباد ہو چکا ہے۔ نجیب الدولہ نے نجیب آباد میں ساٹھ بیگہ آراضی میں ایک حویلی اور ایک مہمان خانہ بھی تعمیر کرایا تھا (Bijnore Gazett 304)۔ بہت عمارتوں میں سرکاری دفاتر ہیں اس لیے ان کا پہچاننا مشکل ہے۔

نجیب آباد شہر کے وسط میں نجیب الدولہ کی تعمیر کردہ جامع مسجد گھنی آبادی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے درمیان آج بھی موجود ہے۔ یہ مسجد نجیب الدولہ کے قد کی طرح عظیم نہیں اور طول عرض میں بھی زیادہ بڑی نہیں۔ لیکن اپنے عہد کی حسین مسجد ہے۔ دالان کو جدید طرز پر بنا کر اس کے حسن کو داغدار کر دیا گیا ہے۔ لگتا ہے کہ موجودہ نسل کو پیوندکاری کا بھی سلیقہ نہیں۔ مسجد کے اطراف میں کافی اونچی فصیل ہے لیکن فصیل کے اندر اتنے مکانات بن گئے ہیں کہ فصیل کہیں کہیں پر نشانی طور باقی رہ گئی ہے۔ یہ مسجد کافی اونچے چبوترے پر تعمیر کی گئی ہے۔ اس کے مینار اور گنبد متناسب اور حسین ہیں۔

جامع مسجد سے تھوڑے فاصلہ پر آبادی کے بیچ مقبرہ نجیب الدولہ ہے۔ مقبرہ تو برائے نام ہے اصل میں ایک تنگ صحن کی مسجد ہے جس میں اونچے چبوترے پر نجیب الدولہ اور اس کی بیوی کی قبریں ہیں جن پر کوئی سایہ نہیں البتہ قبروں کے چاروں طرف مٹی کے سیکڑوں دیے رکھے ہیں۔ مراد مانگنے والے ان دیوں کو روشن کرتے ہیں۔ لوحِ مرقد نہیں ہے۔ کسی زمانے میں مقبرے پر چھت تھی جو نقاشی اور قیمتی پتھروں سے آراستہ تھی جنہیں 1772 میں مراٹھا لوٹ کر لے گئے تھے۔ (اقتدار حسین صدیقی 17) اب وقت نے اس عظیم فاتح کی قبر کو منت مرادیں پوری کرنیوالا پیر بنا دیا ہے۔ حفاظتی دیواروں کو توڑ کر ناجائز قبضے ہو گئے ہیں اور مقبرہ سے ملحق زمین کو قبرستان بنا دیا گیا ہے۔

تاریخ بلوۂ نجیب آباد کے بیان کے مطابق نجیب الدولہ نے بہت سے گنج (Market) تعمیر کرائے تھے جیسے ضابطہ گنج، کالو گنج، منیر گنج، نواب گنج وغیرہ۔ یہ چوک مربع (Square) ہیں، (اقتدار حسین صدیقی 17) یہ گنج آج بھی ہیں مگر بدرونق۔ دفاعی نقطۂ نظر سے نجیب الدولہ نے پٹھانوں کی بستیاں (Colonies)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھی مختلف جگہوں پر بسائی تھیں جیسے بسی کوٹلہ جو نجیب آباد سے نو میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کے آفیسروں نے بھی کچھ حسین عمارتیں تعمیر کرائی تھیں۔ نواب افضل خاں نے افضل گڑھ بنایا تھا جو بجنور کا اہم قصبہ ہے۔ کلیات چاند پوری سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے انتظامیہ اور فوج سے متعلق آفیسروں نے بہت سی خوبصورت عمارتوں کو تعمیر کیا تھا۔ (اقتدار حسین صدیقی 18)

باب پچیس/فصل پچپن

شہروں کی آبادکاری (Urbanization)

ہندوستانی، فارسی، اردو اور یوروپین سیاحوں کی کتابوں میں 18 ویں صدی میں کٹھیر میں اور نجیب الدولہ کے علاقہ میں ہونے والی آبادکاری کے تذکرے ملتے ہیں (اقتدار حسین صدیقی 14) لیکن سب سے خاص بات یہ ہے کہ روہیلوں نے کسی بھی پرانے شہر یا گاؤں کے نام کو تبدیل نہیں کیا بلکہ جن علاقوں میں اقامت اختیار کی انھیں ترقی یافتہ شہروں میں تبدیل کر دیا۔ آنولہ، پیلی بھیت، اجھیانی، سہسوان، اتر چھینڈی، بسولی، شاہ آباد، بریلی (علاقہ کٹھیر) کرت پور، بسی کوٹلہ، نگینہ، دھام پور، چاند پور وغیرہ (علاقہ نجیب الدولہ) ایسی بستیاں ہیں جنہیں روہیلوں نے جیتا جاگتا شہر بنا دیا۔ غیر آباد علاقوں آباد کر کے نئے شہر بھی بنائے جیسے نجیب آباد، افضل گڑھ، غوث گڑھ (علاقہ نجیب الدولہ) اور انھیں تجارت صنعت اور تمدن سے آشنا کیا۔ کٹھیر کے روہیلوں نے آنولہ، پیلی بھیت، بریلی اور رامپور کو تجارتی مرکزوں میں بدل دیا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گاؤں کی آبادکاری کا جائزہ لینے پر معلوم ہوا کہ موجودہ ضلع رامپور میں 67 فیصد گاؤں روہیلوں نے آباد کر کے ان کے نئے نام رکھے ہیں اور باقی برباد شدہ گاؤں کو دوبارہ آباد کر کے ان کے قدیم ناموں میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

ضلع رامپور پر کی ایک دیہاتی ترقیاتی رپورٹ میں ضلع کی پانچ تحصیلوں میں صرف سوار کی رپورٹ (مطبوعہ 1904) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحصیل میں 61 فیصدی گاؤں نئے ناموں سے روہیلوں نے آباد کیے اور باقی قدیم گاؤں میں دوبارہ آبادکاری کا کام انجام دیا۔ کچھ گاؤں میں مدرسہ، چاہِ آبپاشی اور چاہِ آبِ نوشی (پینے کے پانی کے کنویں) کا بھی انتظام تھا۔ ان گاؤں کی زمین کی قسم، پیداوار کی قسمیں مردم شماری، لوگوں کی قوم اور ان کے چال چلن کے بارے میں بھی تفصیلی معلومات ہیں۔

نوابین رامپور کے ریاستی انتظام کی تفصیل ریاست کے ریکارڈ سے معلوم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ محفوظ ہے لیکن کٹھیر کے روہیلوں کی تفصیل اس لیے معلوم نہیں ہوتی کہ سارا ریکارڈ برباد ہو چکا ہے۔ اسی طرح نواب نجیب الدولہ کے علاقے کا بھی ریکارڈ برباد ہو چکا ہے لیکن اس خاندان کے حکمرانوں کا کچھ دیہاتی ریکارڈ علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ میں آج بھی موجود ہے جو کسی تحقیق کرنے والے کی توجہ کا منتظر ہے۔ اس دیہاتی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ روہیلہ زراعت اور گاؤں کی معاشیات اور سماجیات کا ریکارڈ رکھنے کے عادی تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باب پچیس فصل چھپن

انتظامیہ (Administration)

سردار داؤد خاں کو حکومت سازی کا موقع نہیں ملا اور نہ ہی اس کے پاس اتنا بڑا علاقہ تھا کہ وہ حکومت قایم کر سکتا لیکن اس کے جانشین نواب علی محمد خاں نے اس کام کو انجام دیا۔ چونکہ اس کی ماں جاٹ تھی اور روہیلوں کا تربیت یافتہ تھا اس لیے اس کے مزاج میں قبائلی جنگجویانہ صلاحیت اور ہندوستانی مزاج کا صبر و ضبط بھی آ گیا تھا وہ روہیلوں کے قبائلی نظامِ حکومت (Oligarchy) کا پابند تھا جس میں نظامِ حکومت ایک فردِ واحد کے ہاتھوں میں نہ ہو کر سردارانِ روہیلہ کے مشورہ کا پابند ہوتا تھا۔ شخصی نظام حکومت کے تحت آسانی سے فیصلہ کیے جا سکتے تھے لیکن اس نظام میں وہ سردارانِ روہیلہ کے اجتماعی فیصلہ کو ماننے کے لیے مجبور تھا اسی لیے کبھی روہیلہ متحد ہو جاتے تھے اور کبھی اتفاق رائے نہ ہونے کی وجہ سے اتحاد نہیں ہو پاتا تھا۔ روہیلوں کا طرز حکومت ہندوستان کے قدیم شخصی نظام حکومت، ترکوں اور مغلوں کے مطلق العنان نظام حکومت سے مختلف ہونے کے باعث ہندوستان کے لیے زیادہ تر ناموافق ثابت ہوا تھا اور بہت سے موقعوں پر روہیلہ اتفاق رائے سے فیصلہ نہیں کر پائے تھے جیسے احمد خاں بنگش کی مدد کے لیے صرف سعد اللہ خاں کا جنگ میں شرکت کرنا یا نجیب الدولہ کا روہیلوں کے فیصلہ کو نظر انداز کر کے دلّی چلے جانا وغیرہ۔ اس بات سے روہیلوں کو اجتماعی طور پر نقصان زیادہ ہوا۔

روہیلوں کے طرز حکومت کے بارے میں بہت سی مثالیں مل جاتیں اگر ان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کا ریکارڈ مراٹھا، شجاع الدولہ اور کمپنی سرکار برباد نہیں کرتی۔ 1773-1774 میں روہیلوں کا علمی خزانہ برباد ہو گیا تھا اور جو کچھ ان کے وارثین کے ذریعہ باقی رہا تھا وہ 1857 کے ہنگامے میں برباد ہو گیا کیونکہ روہیلہ سرداروں نے اپنا کھویا ہوا اقتدار پانے کے لیے انگریزوں کے خلاف بغاوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا جن میں بریلی کے بہادر خاں (خاندانِ حافظ رحمت خاں) مجو خان آف مراد آباد (خاندانِ نواب دوندے خاں) اور محمود خاں آف بجنور (خاندان نواب نجیب الدولہ) سرفہرست ہیں۔

عوام کو رعیت سمجھ کر حکومت کرنا 18 ویں صدی کے نو وارد روہیلوں کا مزاج نہیں تھا۔ وہ جنگ کرنے کے شیدائی تھے۔ ان کے روہیلہ سماج میں سب اپنی مرضی کے مالک تھے۔ دولت اور سماجی حیثیت کے لحاظ سے ان کی سماجی حیثیت میں بھی فرق تھا لیکن ان کا مزاج، طرز معاشرت، لباس، وضع قطع یکساں تھے۔ ہر روہیلہ دوسرے روہیلہ کی عزت نفس کا خیال رکھتا تھا۔

عام رائے یہی ہے کہ روہیلوں نے جب مغلیہ حکومت کے علاقوں پر قبضہ کیا تھا تو مروجہ مغلیہ نظام کو ہی اپنا لیا تھا۔ بس فرق صرف اتنا تھا کہ مغلوں کی حکومت مرکز کے تحت تھی اور روہیلوں کے طرزِ نظام مین مرکز کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے انتظام کرنے میں دشواری بھی پیش آتی تھی۔ ''اُن کا طرز نظام نیم جاگیردارانہ (Semi-Feuderal) موروثی اور وراثتی (Patriarchal and Hereditory) انداز پر قایم تھا۔'' (Forster .: vol. P135) ان کے زیر اقتدار علاقوں میں کسانوں کی خوش حالی، زراعت، صنعت وحرفت اور تجارت میں ترقی اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے تعلقات کسانوں سے مشفقانہ تھے اور عدل وانصاف کا بول بالا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روہیلوں کے سارے دورِ حکومت میں جاٹ، سکھ، مراٹھا اور صوبیدارانِ اودھ ان کے ابدی دشمن بن کر انھیں جنگوں میں الجھائے رہے اس لیے وہ مروجہ طرزِ نظام میں کوئی اصلاح نہیں کر سکے لیکن انھوں نے اپنے فطری مشاہدے (Common-Sense) کی بنا پر صنعت وحرفت، تجارت اور تہذیب وتمدن کی ترقی مین اہم خدمات انجام دیں۔" (اقبال حسین ص 188 بحوالہ گل رحمت 221-224 اخبارات 31۔ ہینری ایلیٹ (Henry Ellio) جس نے روہیل کھنڈ میں کئی سال گزارے حافظ رحمت خاں کی مقبولیت سے بہت متاثر تھا۔)

باب پچیس/فصل ستاون

نظام عدل

روہیلوں نے نظام عدل (Judicial System) میں کوئی نئی اصلاح نہیں کی بلکہ مروجہ مغلیہ نظام عدل کو ہی اپنا لیا اور محکمۂ قضاۃ کو قایم رکھا۔" روہیلوں کے دورِ حکومت میں قاضیوں کے تقرر اور ان کی تبدیلی سے متعلق ایسے بہت سے عدالتی کاغذات (Document) علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ میں موجود ہیں۔"

(اقبال حسین ص 188)

نواب دوندے خاں نے یکم جون 1769 کو امانت علی پسر نور علی کا تقرر پرگنہ بچھراؤں، سرکار سنبھل صوبہ شاہجہاں آباد کے عہدۂ قاضی پر کیا تھا اور قاضی محمد کا تبادلہ کر دیا تھا۔ دوندے خاں کی مہر (Seal) پر "فدوی شاہ عالم بادشاہ غازی" لکھا ہے۔"

(اقبال حسین ص 188)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تاریخ میں ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جبکہ روہیلوں کے زیر اقتدار علاقوں کے قاضیوں کا تقرر شاہ عالم نے کیا ہے۔ ''شاہ عالم نے محمد تاج الدین پسر شرف الدین کا تقرر قاضی کے عہدہ پر پرگنہ اعظم پور، سرکار سنبھل میں کیا تھا اور ذوالفقار علی کا تبادلہ کردیا تھا۔'' (اقبال حسین 189)

'اسنادِ خاندانِ نجیب الدولہ' کے حوالے سے اقبال حسین نے نجیب الدولہ کے فیصلہ کا ذکر کیا ہے (ص 189)۔ گلستانِ رحمت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ رحمت خاں کے فیصلے شریعت (Muslim Law) کے مطابق ہوتے تھے لیکن سنگین جرم کے فیصلہ شرعی قوانین سے مستثنیٰ تھے۔ (اقبال حسین 189 بحوالہ گل رحمت 231a) روہیلہ سردار قاضی سے بالاتر حیثیت رکھتا تھا۔ اُسے اپیل سننے اور فیصلہ کرنے کا اختیار تھا حالاں کہ اس کا فیصلہ بھی اس دور کی مروجہ روایات اور شریعت کے مطابق ہی ہوتا تھا۔ ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فیصلہ کرنے سے پہلے روہیلہ سردار ذاتی طور پر تفتیش کراتے تھے۔ یہ بات عام طور پر مشہور تھی اس لیے گواہانِ مقدمہ جھوٹی گواہی سے بچتے تھے اور مقدمات کے فیصلوں میں غیر انصافی کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فوجی نظام (Army Administration)

روہیلوں کا فوجی نظام بھی مغلوں کے فوجی نظام کے طرز پر قایم تھا۔ مغلوں کی کوئی باقاعدہ ایسی فوج نہیں تھی جس کا براہِ راست تعلق حکمراں سے ہوتا البتہ مغل جاگیردار ضرورت کے وقت مقررہ فوج مہیا کرنے کا پابند ہوتا تھا لیکن روہیلوں کی بابت یہ سند نہیں ملتی کہ سردارانِ روہیلہ کتنی فوج مہیا کرنے کے پابند تھے۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ تمام روہیلہ پیشہ ور فوجی تھے اور جنگ کے دوران متحد ہو جاتے تھے لیکن یہ اتحاد کرنا یا اتحاد سے انکار کرنا ان کی مرضی پر منحصر ہوتا تھا مثلاً جب صفدر جنگ نے احمد خاں بنگش پر جنگ چلکیا سے پہلے حملہ (1751) کیا تھا اور احمد خاں بنگش نے روہیلوں سے امداد کی درخواست کی تھی تب حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں وغیرہ نے مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ صرف نواب سعد اللہ خاں (پسر نواب علی محمد خاں) نے دس ہزار فوج کے ساتھ احمد خاں بنگش کی مدد کی تھی۔

اسی طرح معاہدہ چلکیا (1752) کے بعد جب بادشاہ دلی اور صفدر جنگ کے درمیان تنازعہ شروع ہوا تھا تب صفدر جنگ اور بادشاہ نے روہیلوں سے مدد طلب کی تھی لیکن حافظ رحمت خاں کی مرضی کے خلاف نجیب الدولہ دیگر روہیلوں کے ساتھ بادشاہ کی مدد کے لیے چلا گیا تھا۔ ایسے بھی واقعات نہیں ملتے کہ اگر کسی روہیلہ سردار نے فوجی امداد کی درخواست کو مسترد کر دیا ہو تو اس کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کی گئی ہو لیکن مجموعی حیثیت یہ کہا جا سکتا ہے کہ روہیلوں کا طرز نظام بڑی حد تک مغلوں کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

طرز نظام جیسا ہی تھا۔ بنگڑھ کی مہم کے دوران انندرام مخلص نے نواب علی محمد خاں کی فوج کو دیکھا تھا: ''اُس کی فوج کا عجیب رسم ہے۔ ہر سوار اور پیادہ کے پاس بندوق ہے۔ دہ باشی (دس) اور صد باشی (ایک سو) کے نشان کا رنگ الگ الگ ہے۔ جب فوج حرکت کرتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے گلستان ساتھ ساتھ چل رہا ہو۔''
(سفرنامہ مخلص 78)

روہیلہ فوج پیدل، بندوق بردار، اور توپخانہ پر مشتمل تھی۔ روہیلہ فوج کی سب سے بڑی اور تجربہ کار فوج بندوق بردار (Musketry) تھی۔ چونکہ روہیلہ بچپن ہی سے بندوق چلانے کے شوقین تھے اس لیے ان کا نشانہ بے مثال تھا۔ اس بندوق بردار دستہ کی بدولت روہیلوں نے کئی جنگوں میں فتح حاصل کی تھی۔ ''علی محمد خاں کے لشکر کا ہر فوجی چاہے وہ پیدل ہو یا سوار، بندوق بردار ہوتا تھا۔'' (مخلص 78)
''روہیلہ فوج کی کردار سازی کے لیے مستند عالم اور پیر و مرشد سید احمد[19] روہیلہ فوج میں موجود تھا جو روہیلوں کا روحانی پیشوا تھا۔ شاہ ولی اللہؒ کی دعائیں بھی نجیب الدولہ کی شامل حال تھیں۔''[20]

روہیلہ سرداروں میں نواب علی محمد خاں نے روہیلہ فوج کو ایک طاقتور اور فرماں بردار فوج بنانے میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس کے زمانے میں افغانستان کے بہت سے پٹھان کٹھیر میں آئے اور ملازم ہوئے۔ چونکہ جنگ کرنا روہیلوں کا پسندیدہ پیشہ تھا اس لیے باپ کی موت ہو جانے پر اس کی جگہ بیٹے کو ملازم رکھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی کیونکہ روہیلوں کی اولادیں ابتدا ہی سے اپنے گھروں میں بزرگوں سے فوجی ٹریننگ حاصل کر لیا کرتی تھیں یہی وجہ ہے کہ روہیلہ فوج

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فن سپاہ گری اور فن شہسواری میں ماہر ہوتی تھی۔

حافظ رحمت خاں کی خدا ترسی نے اگر ایک طرف روہیلوں کی فوج کو کمزور کیا تو دوسری جانب یہ ثابت بھی کر دیا کہ روہیلہ قبائلی نظام ترک کرنا پسند نہیں کرتے تھے حالاں کہ انھیں دوسری قوموں کے فوجی مل سکتے تھے۔ اور وہ نانک متہ میں ہوئی اموات کی کمی پوری کر سکتا تھا۔

مراٹھوں کی پیہم یورش نے کٹھیر اور نجیب الدولہ کے روہیلہ سرداروں کی معاشیات کو بُری طرح مجروح کر دیا تھا۔ اسی طرح نجیب الدولہ جو مسلسل جاٹوں، مراٹھوں اور سکھوں سے برسرِ پیکار رہا۔ مالی طور پر کمزور ہو گیا تھا جس کا بہت بُرا اثر روہیلہ فوج پر پڑا تھا۔ معاہدہ لال ڈانگ کے فوراً بعد جب شجاع الدولہ نے انگریزوں کی مدد سے نجیب آباد پر حملہ کر کے سارے نجیب آباد کے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا تو ضابطہ خاں اس لایق بھی نہیں رہا تھا کہ اس کا مقابلہ کر سکتا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حواشی

ا۔ ریاست رامپور میں ایک جگہ بابوگڑھ (موجودہ جیل خانے کے قریب جانبِ مشرق جواب سرکاری نرسری ہے) ہے۔ وہاں پر افزائش نسل کے لیے گھوڑوں اور خچروں کی نسل تیار کی جاتی تھی۔ اسی طرح نواب نجیب الدولہ کے علاقہ میں ہاپوڑ سے آگے دلّی شاہراہ پر واقع بابوگڑھ میں بھی جانوروں کی افزائش نسل کا کام ہوتا تھا۔

2۔ ''رامپور تازی کتوں کے لیے مشہور ہے۔ نواب احمد علی خاں (1840-1794) کے عہد میں جن کو شکار کا بڑا شوق تھا، ان کتوں کی نسل جنوبی ہند سے لائی گئی تھی۔ یہ تازی عموماً بھورے رنگ کے ہوا کرتے ہیں جن کے بال بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور ولایتی تازی کے مقابلہ میں گرمی زیادہ برداشت کر سکتے ہیں اور قد و قامت میں بڑے بھی ہوتے ہیں۔ بعض پٹھان ان کو ممالک وسط بنگال اور راجپوتانہ میں بیچنے لے جاتے ہیں ایک جوڑی کی قیمت تین سو روپیہ ملتی ہے۔'' (State Report 1888-89)

3۔ کٹھیر کی حکومت ختم ہونے کے بعد صرف رامپور کا جاگیر دارہ روہیلوں کی نشانی کے طور پر باقی رہ گیا ہے جہاں روہیلوں نے تہذیبی وراثت اور رسم و رواج کو کچھ مقامی رنگ آمیزی کر کے زندہ رکھا جس کا مختصر اًتذکرہ اس طرح ہے:

شادی کے موقع پر نوشاہ (دولہا) اور عروسہ (دلہن) کے گھروں پر الگ الگ تقریبیں ہوتی ہیں اور ان تقریبوں کا سلسلہ مہینوں چلتا ہے۔ نوشاہ کے گھر پر دولہا کے اُبٹن لگانے کی رسم، بھابی کا دولہا کی آنکھوں میں سُرمہ لگانا۔ اور شادی سے پہلے سہرابندی کی رسم جن میں تمام خاندان شریک ہوتا ہے۔

شادی سے چار دن اور کبھی کبھی ایک ہفتہ پہلے دلہن کو گھر کے کسی تنہا گوشہ (کمرہ وغیرہ) میں بٹھا دیا جاتا ہے جہاں صرف اس کی سہیلیاں یا ہمجولیاں ہوا کرتی ہیں۔ ڈھولک چھپائی کی رسم ہوتی ہے اور سہاگ گیت گائے جاتے ہیں۔ ان گیتوں میں خالص ہندوستانی رنگ دکھائی دیتا ہے۔ اس رسم کو مایوں بٹھانا کہا جاتا ہے۔ مایوں بٹھانے دولہا کے گھر کی عورتیں آتی ہیں۔ مایوں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے دنوں میں ہر روز کوئی نہ کوئی رشتہ دار یا سہیلی کے یہاں سے دودھ جلیبیاں آتی ہیں اور دلہن کو کھلائی جاتی ہیں۔ آج کل دودھ جلیبیوں کی جگہ عمدہ قسم کا کھانا بھی آنے لگا ہے۔ دلہن کو اُبٹن میں بسایا جاتا ہے۔

عقد کے بعد جب دولہا گھر میں داخل ہوتا ہے تو آرسی مصحف کی رسم ادا ہوتی ہے۔ دولہا اور دلہن کو آمنے سامنے بٹھا کر دونوں پر باریک دوپٹہ ڈال دیا جاتا ہے۔ دونوں کے درمیان قرآن کھول کر رکھ دیا جاتا ہے اور شیشے میں دلہن کے چہرے کا عکس دولہا کو دکھایا جاتا ہے۔ یہ رسم افغانستان کے یوسف زئیوں کی قدیم رسم 'دولہا دلہن' پر چادر ڈالنے، کی یاد دلاتا ہے۔

اس موقع پر دولہا کی سالیاں دولہا کا جوتا چرا لیتی ہیں اور یہ جوتا اُسی وقت ملتا ہے جب دولہا کچھ رقم سالیوں کو ادا کرتا ہے۔ یہ رقم سالیاں آپس میں تقسیم کر لیتی ہیں۔ پھر دولہا کی سلامی ہوتی ہے اور دولہا کو روپیہ دیا جاتا ہے۔

اس رسم سے پہلے ایک اور رسم ہوتی تھی۔ جب دولہا کے گھر کی عورتیں دلہن کے گھر داخل ہوتی تھیں تو ان کو پھولوں کی ہری بھری ٹہنی سے مارا جاتا تھا۔ پھر ڈھولک پر دُشنام گائے جاتے تھے جن میں سمدھی اور سمدھن کا نام لیکر مذاق کیا جاتا تھا۔ عام طور پر دُشنام میراثنیں گاتی تھیں۔ لیکن یہ حسین رسم اب ختم ہو چکی ہے البتہ نوابی خاندان میں باقی ہے۔ رخصتی کے وقت عام طور پر امیر خسرو کا وداعی گیت گایا جاتا تھا جس کے بول ہیں 'کاہے بیاہی بدیس رے سن بابل مورے۔' اس گیت کو سن کر سب کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔

دولہا بینڈ باجے کے ساتھ آتا تھا۔ جب دلہن ڈولے میں بیٹھتی تھی تو بینڈ وِداعی گیت کی دُھن بجاتا تھا۔ لیکن آج شرفاء نے بینڈ باجا ترک کر دیا ہے۔ دلہن کے ڈولے میں بیٹھنے کے بعد رخصتی کے وقت جب کہار ڈولا اُٹھاتے ہیں تب دلہن کے بھائی ڈولا پکڑ لیتے ہیں۔ جب دولہا کا باپ اُنھیں رقم دیتا ہے تب وہ ڈولا اُٹھنے دیتے ہیں۔ جب کہار ڈولا اُٹھاتے ہیں تو ڈولے پر اشرفیاں، سونے یا چاندی کے پھول یا سکے حسبِ حیثیت نچھاور کیے جاتے ہیں اور ان کو اُٹھانے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے لیے پر بازاری لوگ جھپٹ پڑتے ہیں۔اب ڈولا کبھی کبھی دکھائی دیتا ہے۔عام طور پر دلہن کار میں رخصت ہوتی ہے۔ جب دلہن دولہا کے گھر پہنچ جاتی تو دلہن کے دوپٹے پر اُسے نماز ادا کرنا ہوتی تھی تا کہ یہ رشتہ ابدی محبت اور پاکیزگی کے ساتھ قایم رہے۔لیکن یہ رسم بھی ختم ہو چکی ہے۔ شادی کے دوسرے دن دولہا والے دعوت ولیمہ پر رشتہ داروں اور دوستوں کو مدعو کرتے ہیں۔رؤسا اور سرداروں کی شادی میں سارا شہر یا سارا گاؤں مدعو ہوتا تھا لیکن اب رشتہ دار اور دوست ہی ہوتے ہیں۔

دوسرے دن دلہن کے گھر والے ایک نہایت پر تکلف دعوت کا اہتمام کرتے ہیں جسے ''چوتھی'' کہا جاتا ہے یہ دعوت رات کو ہوتی ہے اور دولہا دعوت سے پہلے دلہن کے گھر میں داخل ہوتا ہے۔چوتھی کی رسم زنانے میں ادا ہوتی ہے۔ پردہ داری کی وجہ سے زنانے میں دولہا کے ساتھ صرف عورتیں یا لڑکیاں ہی آتی ہیں۔دولہا دلہن چوکی پر آمنے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔درمیان میں لڈو ہوتے ہیں۔ دولہا دلہن کی طرف لڈو اچھالتا ہے اور دلہن دولہا کی طرف۔ چونکہ چوتھی میں لڑکے والے پھل اور سبزیاں خوانوں میں لاتے ہیں اس لیے گھر کے باقی لوگ پھلوں اور سبزیوں کو ایک دوسرے کے مار کر چوتھی کھیلتے ہیں۔ہنسی مذاق اور قہقہوں سے بھری یہ تقریب بڑی پر لطف ہوتی ہے۔یہ رسم آج بھی کچھ زیادہ شان وشوکت سے جاری ہے۔

چوتھی کی دعوت کے بعد دولہا دلہن کو اپنے گھر لیجاتا ہے۔چار دن کے بعد دلہن پھر اپنے گھر چلی جاتی ہے اس رسم کو ''چالا'' کہا جاتا ہے۔ پہلے یہ چالے کئی مہینوں تک چلتے رہتے تھے اور ہر چالے میں دولہا کے گھر والے اور قریبی رشتہ دار کھانے پر مدعو ہوتے تھے لیکن اب کمی آ گئی ہے۔

جب دلہن حاملہ ہوتی تھی تو خشک میوہ سے اس کی ''گود بھرنے'' کی رسم ادا ہوتی تھی اور بچہ کی پیدائش پر میراثنیں ''زچہ گیری'' کے گیت گاتی تھیں۔دلہن کو باریک دوپٹے کی اوٹ سے تارے دکھائے جاتے تھے۔ بچے کی پیدائش پر ''رامے خورے'' گائے جاتے تھے جو افغانستان کی قدیم رسم تھی۔افغانوں میں اسرائیلوں کی طرح یہ رواج تھا کہ جب بڑے بھائی کا انتقال ہو جاتا تھا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تو مرحوم کا چھوٹا بھائی اپنی بھابی سے شادی کر لیتا تھا۔اس کا معاشی پہلو یہ بھی تھا کہ جائیداد وغیر خاندان میں تقسیم نہ ہو۔رامپور میں رامے خورے کی رسم غیر پٹھانوں میں بھی رائج تھی۔میں نے خود اپنی رشتہ دار سے رامے خورے سُنے ہیں۔اب یہ رسم ختم ہو چکی ہے۔

اس رسم کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک مرحوم کے بھائی اور اس کی بیوی کے تعلقات کشیدہ تھے۔شوہر کے انتقال کے وقت وہ حاملہ تھی۔اس نے باہمی کشیدگی کی وجہ سے دیور سے شادی نہیں کی اور دیور و اہلِ خاندان کی زیادتیوں کو برداشت کرتی رہی۔جب اس کے لڑکا پیدا ہو گیا تو اس نے چولہے کا توا اور چمٹا اٹھایا۔چھت پر چڑھ کر توے کو چمٹے سے بجایا اور پشتو میں پکارنے لگی ''اب میرا بدلہ لینے والا اور اپنے باپ کا جانشین پیدا ہو گیا''موجودہ دور میں بہت سی رسموں نے دم توڑ دیا ہے۔کچھ رسموں می تبدیلی آ گئی ہے لیکن ان میں سے بہت سی رسمیں مثلاً چوتھی، مایوں، ڈولہ (موجودہ دور میں کار) روکنا، چالا، آرسی مصحف، سہرابندی، اور سلامی آج بھی رامپور میں رائج ہیں۔

5۔''حافظ رحمت خاں نے روہیل کھنڈ (کٹھیر یا روہیلہ علاقہ) کو رشکِ دلی بنا دیا۔ مولانا بحر العلوم کو اصرار و التجا سے شاہجہاں پور بلایا۔ان کے لیے ایک خاص مدرسہ قایم کیا جس میں مولانا (عبد العلی) مشغول درس و تدریس رہے۔''

(مولوی ابو الحسنات ندوی: ہندوستان کی قدیم درس گاہیں ص 17)

''حافظ الملک صد ہا علماء مثل علماء تبحر مثل مولانا عبد العلی لکھنوی وغیرہ ہم در تمامی شہر ہائے کٹھیر مجمع شدہ.........در مدرسہ کتب درسی، وظیفۂ طلباء از سرکار تعین می یافت۔''

(گل رحمت 34)

''یاد دارم کہ ایام تحصیل فقیر در بلدۂ بریلی قریب سہ صد کس طالب علم آشنائے فقیر بودند۔'' (کندن لال اشکی: نزہتہ الناظر)

''حافظ رحمت خاں نے بریلی اور شاہجہاں پور کی طرح پیلی بھیت میں بھی مدرسہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بنوادیا تھا۔ جب ساڑے تین لاکھ کے صرفہ سے جامع مسجد بنوائی تو اسی سلسلہ میں مدرسہ کی عمارت بھی تعمیر ہوئی۔ فارغ التحصیل طلباء کے نواب مرحوم اپنے ہاتھ سے دستارِ فضیلت باندھتے تھے۔ ان کا وظیفہ مقرر کردیتے تھے۔'' (گل رحمت ص 35)

''دارانگر امروہہ کے گردنواح میں ایک مشہور مقام ہے جہاں نجیب الدولہ نے ایک بڑا مدرسہ قایم کیا تھا......... خصوصیت کے ساتھ فرنگی محل کے اکثر فارغ التحصیل اشخاص مدرسین میں داخل تھے۔'' (ہندوستان کی قدیم درس گاہیں ص 33)

7۔ ''مولانا بحر العلوم کونواب فیض اللہ خاں نے رامپور بلایا اور مدرسہ عالیہ کا صدر مدرس مقرر کیا۔ وہ پانچ برس تک درس وتدریس میں مشغول رہے۔ ہندوستان کے دوسرے مشہور عالم ملاّ حسن بھی عرصہ تک مدرس رہے۔'' (ہندوستان کی قدیم درس گاہیں۔ ص 33)

9۔ مولوی نظر علی نے 9 اکتوبر 1768 کو دتی کی جامع مسجد میں مسلمانوں کو رادھا چودھری کی رشتہ دار کھتری عورت کے معاملہ میں جمع کیا۔ رادھا چودھری کے گھر کو برباد کرڈالا۔ 10 اکتوبر کو دتی شہر میں فساد شروع ہوگیا جس کے باعث امن برباد ہوگیا۔ فسادیوں نے محلہ دھرم پور سے اس عورت کو پکڑلیا اور مولوی نظر علی کے گھر لے آئے جہاں اُسے زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ یہ خبر پاتے ہی نواب نجیب الدولہ نے (جو اس وقت دتی سلطنت کا ریجنٹ تھا) مولوی نظر علی کے اقدام مذمت کی اور اسی وقت اسے دتی شہر چھوڑنے کا حکم دیا۔ (اقبال حسین 210 بحوالہ اخبارات 9 اکتوبر اور 17 اکتوبر 1768 ص 221-222)

10۔ فاسٹر (Forster) جس نے نجیب الدولہ کی موت کے بعد نجیب آباد کا دورہ کیا تھا لکھتا ہے: ہندوستان کے بالائی علاقے (بالائی دوآب) میں ہر جگہ نجیب الدولہ کی عزت ہے اور اس کی رعایا اس کو یاد کرتی ہے اور اس کی خوبیوں کی تعریف کرتی ہے۔

(آخبارات 31 اکتوبر 1770 ص 149)

11۔ چتر بھوج نواب علی محمد خاں کے عہد (1721-1748) میں قمر الدین خاں وزیر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مملکت کی طرف سے 1747 میں مرادآباد کا ناظم تھا۔ (اقتدار حسین: ص ۹) اور نجیب الدولہ کی طرف سے سفارتی معاملات کی نوکری پر فائز تھا۔

12۔ میگھ راج نواب نجیب الدولہ کا وکیل تھا اور سفارتی معاملات اس کے سپرد تھے۔

13۔ سہسوان (ضلع بدایوں) 1752 میں نواب عبداللہ خاں کی جاگیر تھا۔ عبداللہ خاں موسیقی کا شوقین تھا اسی وجہ سے یہاں آج بھی موسیقار موجود ہیں۔ 1960 کے بعد سہسوان کے موسیقاروں نے اسے ''رامپور سہسوان گھرانے'' کے نام سے پکارنا شروع کردیا۔ ''رامپور سہسوان'' کو موسیقی کا گھرانہ کہنا کسی بھی طرح مناسب نہیں کیونکہ موسیقی کے گھرانے کی جو خصوصیات مثل گوالیار گھرانہ، پنجاب گھرانہ، کرانہ گھرانہ وغیرہ ہوتی ہیں وہ سہسوان یا رامپور کے موسیقاروں میں نہیں پائی جاتیں۔ کسی ایک خاندان کا کئی پشتوں سے ایک ہی جگہ پر رہنے سے گھرانا نہیں مانا جاتا بلکہ گھرانے کی خصوصیت وہ بنیادی اصولِ گائیگی یا باج ہوتا ہے جو دوسرے گھرانوں میں نہیں پایا جاتا۔ اس شہر میں اُستاد نثار حسین خاں، اُستاد حفیظ خاں جیسے کئی نامور استادانِ موسیقی پیدا ہوئے ہیں۔

14۔ حافظ الملک کی کتابوں میں ایک کتاب ''خلاصۃ الانساب'' ہے جو الطاف حسین کو بڑی کوشش سے دستیاب ہوئی ہے۔ اس میں مصنف نے اپنے نام ونسب کے بڑے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں بھی موجود ہے۔ ایک اور کتاب ''تواریخ رحمت خانی'' ہے جس میں یوسف زائیوں کے کابل پر قبضہ کرنے اور ہندوستان آنے کے مفصل واقعات ہیں۔ یہ کتاب 1622ء میں لکھی گئی تھی اور اس کا حافظ الملک نے 1770 میں آسان بامحاورہ ترجمہ فارسی میں کرایا تھا۔ اب یہ کتاب انڈیا آفس لائبریری لندن میں مل سکتی ہے۔ ہندوستان میں بھی اس کی بہت پرانی نقول خدا بخش لائبریری پٹنہ اور ہمارے ایک دوست سید عزت علی مقیم آگرہ کے پاس ہے۔'' (الطاف حسین: ص 299)

15۔ مرزا سعادت خاں رنگین مرزا طہماسپ بیگ مسکین کا بیٹا تھا جس نے ''طہماسپ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نامہ'' لکھا۔ (اقبال حسین 212 بحوالہ گل رعنا 268)

16۔ تذکرہ حکومت المسلمین میں لکھا ہے کہ ہر ایک پٹھان کا بسبب نفسانیت (Eago) یہ قول تھا کہ دوسرے پٹھان کے مکان و مسجد پر نماز پڑھنے کو نہیں جائیں گے اس لیے ہر ایک پٹھان نے اپنے اپنے دروازے پر مسجد تعمیر کی۔ چنانچہ سترہ سو مسجدیں آنولہ میں تیار ہو گئیں بلکہ اب تک بعض مساجد آباد اور اکثر شکستہ اور ویران موجود ہیں۔

(اخبار الصنادید: جلد اول ص 192)

17۔ حدیقۃ الاقالیم مصنف اللہ یار بلگرامی 1782 میں لکھی گئی۔

18۔ ''نواب علی محمد خاں کے عہد میں آنولہ میں بہت سی مسجدیں اور خانقاہیں تھیں۔ پختہ قلعہ تھا جس کے گنبد زرّیں تھے اور مذہب (Polished with Gold) مسجد تھی۔'' (اخبار الصنادید جلد اول ص 192 بحوالہ مساکن فلفی مصنف منولال)

19 نجم الغنی روہیلوں کے ایک اور روحانی پیشوا کا ذکر ''سید حسن'' کے نام سے کرتا ہے جو قایم خاں سے جنگ کے دوران نواب سعد اللہ خاں کے ساتھ ہاتھی پر بیٹھے ہوئے تھے۔

(اخبار الصنا د جلد اول 210)

''حضرت سید احمد شاہ عرف شاہ جی میاں والد سید معصوم بڑے نیک خصلت اور عقل و دانش میں ارسطوئے زمانہ اور تہور مردانگی میں یگانہ اور افاغنہ (روہیلہ) کے پیرزادے تھے۔ اور سید علی بابا کی اولاد میں تھے جو ساداتِ ترمذ سے ہیں۔'' (اخبار الصنادید جلد اول 207)

20۔ اخبار الصنادید 210 حیات حافظ رحمت خاں 82 اور سیاسی مکتوبات 79 میں تفصیل موجود ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ

روہیلوں کا آبائی وطن

یہ ضمیمہ غیر تاریخی کتابوں اور غیر مستند اقوال کے سہارے صرف اس غرض سے لکھا گیا ہے تا کہ صدیوں سے داستانوں سے دل بہلانیوالی اور گپّوں سے دلچسپی رکھنے والی روہیلہ قوم دل بہلا سکے۔ حقائق اس لیے بیان نہیں کیے جا سکتے کیونکہ تاریخی ماخذ دستیاب نہیں ہیں۔ تاریخی مواد کی کمی کے باوجود بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی قوم ایسی ہو جس کے بارے میں اتنا لکھا گیا ہو جتنا افغانوں (پٹھانوں، پشتونوں، پختونوں) کے بارے میں لکھا جا چکا ہے لیکن ان کے بارے میں آج بھی کوئی مصدقہ رائے قایم نہیں کی جا سکتی کیوں کہ افغان قوم کی تاریخ اتنی پرانی اور مختلف الخیال بیانوں، قصوں، کہانیوں، ذاتی رایوں اور تحقیق کرنیوالوں کے خیالات کے باوجود غیر تاریخی مواد کی دھند میں اس قدر لپٹی ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ حقائق کو تلاش کرنا ناممکن ہے۔ البتہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بائیسویں صدی میں جینے والا روہیلہ آج بھی اپنے اور اپنے وطن کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین رہتا ہے۔ یہ قوم حکومت اور دولت کھو جانے کے بعد بھی اس بحث میں اُلجھی رہتی ہے کہ کون سا قبیلہ شجاعت اور شہرت میں سب سے زیادہ معزز ہے۔ پٹھانوں کی اس چھوٹی سی بستی رامپور میں میں نے روہیلوں کو اس موضوع پر بحث کے دوران لڑتے جھگڑتے بھی دیکھا ہے۔

پٹھانوں کی خود نوشت تاریخ محققین کی تاریخ سے بہت مختلف ہے۔ حالانکہ افغانوں اور افغانستان کی تاریخ قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے لیکن علم کی کمی کے باعث تاریخی مواد نہیں ملتا۔ افغانوں کی پہلی تاریخ فتح سواد یا فتح سوات ہے جسے شیخ ملیؒ نے لکھا تھا۔ اس کے بعد ترکی عالم (افغانستان کا رہنے والا) درویزہ (1638-1533) کی تصنیف 'اصلاحِ افاغنہ' 1611ء میں لکھی گئی۔ اس کتاب میں افغانوں کے شجرے کو ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ کتاب تھوڑا بہت تاریخی مواد بھی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فراہم کرتی ہے کیونکہ درویزہ نے افغانستان میں بابر کی سرگرمیوں کو بھی بیان کیا ہے اس لیے کسی نہ کسی حد تک 'اصلاح افاغنہ' تزک بابری، کا ہم عصر تاریخی ماخذ بنجاتی ہے اس کے بعد سترہویں صدی میں خوش حال خاں خٹک کا دیوان شائع ہوا۔ ان کتابوں کے علاوہ بایزید (پیروشن) کی تصنیفات 'خیر البیان اور صراط التوحید' وغیرہ ہیں جو عقیدہ کے موضوع پر اس کے عرصۂ حیات (1584-1525) میں کسی وقت لکھی گئی تھیں۔

''ہندوؤں کی طرح افغان بھی واقعات کا ریکارڈ رکھنے میں لاپرواہ تھے۔ وہ تاریخی واقعات کو قصے کہانیوں کی طرح لکھتے ہیں اور جو کچھ انھوں نے لکھا ہے اس میں ان کی تنگ نظری، ذاتی رجحان، مذہبی جنون اور قبائلی ونسلی تعصب کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ ان کی تصانیف میں تاریخی صداقت تلاش کرنا اتنا ہی دردِ سر ہے جتنا کہ کسی نیارے کے لیے زرگر کی خاک میں سونا تلاش کرنا۔ وہ گپ مارنے کے اتنے شوقین ہیں کہ حقیقت کو گپ میں چھپا دیتے ہیں۔''

(قانون گو16) لیکن قانون گو یہ بھی کہتا ہے کہ پٹھان جھوٹ بولنا پسند نہیں کرتا البتہ گپ مارنے کا شوقین ہے۔

افغانوں سے متعلق ہندوستانی، یورپین اور افغانی نظریات کا بیان اختصاراً بیان کرنا ہی مناسب ہے۔ ان کی ابتدائی زندگی سے متعلق یورپین مورخین اُولف کیرو (Olaf Careo) مورگنسٹیرین (Morgenstiren) بیلو (Bellew) لانگ ورتھ ڈیمس (Long worth dames) اور ریورٹی (Reverty) نے افغانوں کے دیو مالائی، فرضی بیانات اور قیاس آرائیوں پر بڑی دلچسپ روشنی ڈالی ہے۔ اور اس بحث کا آغاز بھی اس وقت شروع ہوا جب 18 ویں صدی میں سر ولیم جونس نے ایشیائی علوم کی تحقیق کی بنیاد ڈالی اور گم شدہ اسرائیلی فرقوں کی تلاش شروع کردی۔ اس نے تیرہ سو برس پرانی نشانیوں کو دیکھ کر پہچانا کہ یہ وہی گمشدہ اسرائیلی قوم ہے جسے بیت المقدس سے نکالا گیا تھا اور غور (افغانستان) میں رہ کر اس نے قبول اسلام کیا تھا جبکہ فارسی مورخین کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتے بلکہ یہ مانتے ہیں کہ یا تو انھیں بیت المقدس سے نکالا گیا تھا یا پھر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ مصر سے نکالے گئے تھے۔

مسٹر برنؔ نے دعویٰ کیا ہے کہ ''افغان خود کو بنی اسرائیل کہتے ہیں لیکن یہودی نام سے نفرت بھی کرتے ہیں۔ افغانیوں میں یہودیوں کی طرح یہ دستور بھی ہے کہ بڑے بھائی کے مرنے پر چھوٹا بھائی اپنی بیوہ بھابی سے شادی کر لیتا ہے۔ یہ دستور توریت کے مطابق ہے.......... چونکہ یہ ثابت ہے کہ ایک گروہ بنی اسرائیل کا مشرق کی طرف آیا تھا اس قول کو رد کرنے کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں ملتی۔ اس لیے ہمیں قبول کر لینا چاہیے کہ افغان یہودیوں کی اولاد سے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میں ایک عظیم عالم (Elphinston) سے اختلاف کر رہا ہوں لیکن میری رائے کی بنیاد ایک معقول دلیل پر ہے۔'' (سیاحت بخارا اُردو ترجمہ 139)

لیکن ڈاکٹر بیلو برنؔ کی رائے سے اختلاف کرتا ہے: ''افغان قوم خود کو بنی اسرائیل کہتی ہے مگر ان کے پاس کوئی معتبر ثبوت نہیں ہے۔ ان کے تحریری ثبوت ان کے بزرگوں کے اقوال پر منحصر ہیں۔ ان اقوال میں یہ ذکر بھی ہے کہ موسیٰ نے بنی اسرائیل کو شاہ مصر سے کیسے نجات دی اور تابوت سکینہ کیسے قبضے میں آیا۔ ان افغان تذکروں میں جنگ عمالقہ کا بھی ذکر ہے۔ یہ واقعات مذہب اسلام میں موجود ہیں اس وجہ سے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ قصے افغانوں نے بنائے۔ مگر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے (افغانوں کا خود کو اسرائیل کہنا) خلاف بھی کوئی ثبوت ہو کہ افغانوں کے بنی اسرائیل ہونے کے دعوے غلط ہیں.......... یہ قوم بڑی سرکش ہے اور یہودیوں کی طرح گناہ کرنے کی عادی ہے۔ لیکن افغان ایک حکمراں قوم ہے۔ صورتِ معاشرت رسم اور عادت میں سب قوموں سے الگ ہیں۔ ان کی زبان پشتو یا پختون ہے جس کا تلفظ غیر افغانیوں کے لیے انتہائی مشکل ہے۔ اس زبان کی صرف و نحو (Grammer) آسان ہے مگر فعل (verb) کی ترکیب بڑی حد تک عبرانی زبان سے ملتی ہے۔ پشتو زبان کی آواز ایشیائی زبانوں میں نہیں پائی جاتی (Bellew: Races of Afghanistan 20) بیلو کہتا ہے کہ افغان عراق سے ایران اور ایران سے غزنی میں آئے تھے۔ ہزارہ اور غور کے کچھ حصوں میں عراقی مشابہت رکھنے والے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آباد ہیں۔

عبدالسلام خاں لکھتا ہے کہ سردار غلام حیدر خاں ولی عہد کابل نے مجھے سات جلدیں دی ہیں جو پانچ فارسی میں اور دو پشتو میں ہیں یہ کتابیں 74 سال سے لے کر 252 برس کی تصنیف ہیں۔ان کتابوں کی بنیاد پر عبدالسلام خاں کے بیان کا اختصار اس طرح ہے کہ ''پختون یا پشتون عبرانی یا ئسریانی لفظ ہے جس کے معنی آزاد شدہ کے ہیں۔افغانوں کی شکلیں اور عادتیں یہودیوں جیسی ہیں۔قربانیوں کا خاص دستور ہے۔قرعہ کے ذریعہ یہودیوں کے طرز پر موروثی زمین تقسیم کی جاتی ہے۔اسلام قبول کرنے سے پہلے قیسی اور غوری دو گروہ تھے۔بعض مورخین پیغمبر اسلام سے دونوں کو مسلمان ہونا مانتے ہیں اور بعض حضرت علی سے غوری قبیلے کی بیعت مانتے ہیں۔قیسی گروہ میں تقریباً کل قوم افاغنہ (درانی، غلزئی، یوسف زئی وغیرہ) ہیں۔یہ گروہ کوہِ سلیمان پر آباد ہوا تھا۔مزاروں کی پرستش اور ولیوں کی تعظیم عام ہے۔توریت سے بھی یہی حالت بنی اسرائیل کی معلوم ہوتی ہے۔(نسب افاغنہ)

سرفراز خاں نے متعدد مورخین مثلاً کلپوٹ، کرونسکی، جیکویر اور رینگز کے یہ نظریات لکھے ہیں کہ پشتون در حقیقت آرمینیوں کی ایک شاخ ہے جو پہلے شروان میں رہتی تھی اور اغوان کہلاتی تھی۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ بحرِ حزر کے کنارے باب الابواب اور شروانات (شمالی ایران) میں آباد تھے۔حدودِ ایران میں لوٹ مار کرنے کی پاداش میں شاہِ ایران نے ان کو مشرقی خراسان کی طرف نکال دیا۔(خان روشن: تواریخ رحمت خانی 350) روشن خاں افغانوں کو سامی النسل اور نسل ابراہیم سے متعلق مانتا ہے۔

برنیر کا خیال ہے کہ افغان دس گمشدہ قبیلوں کی اولاد سے ہیں اور سلسلہ نسب اسرائیل کے بادشاہ سال سے ملتا ہے اس رائے سے ولیم جونز نے اتفاق کیا ہے لیکن پروفیسر ڈاسن اس رائے سے اتفاق نہیں کرتا اور بنی اسرائیل اور افغانوں کے خط و خال میں یکسانیت کو قبول کرتا ہے۔وہ مانتا ہے کہ پشتو میں عبرانی زبان کے کوئی آثار نہیں اور یہ بھی مانتا ہے کہ افغانوں نے پشتو زبان کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بدلا نہیں ہے۔(خان روشن بحوالہ تاریخ افغانستان 330)

قانون گو خالص ہندوستانی طرزِ فکر کی بنیاد پر کہتا ہے کہ یہ افغانی بنی نوع انسان کے وہ مورِث اعلیٰ ہیں جن کی ایک شاخ قدیم عہد میں انڈو آرین کے نام سے موسوم ہوئی اور صدیوں تک روہ میں اقامت پذیر رہ کر وہاں سے باہر چلی گئی۔ آج بھی روہ کے خطہ کو سیراب کرنے والے دریاؤں کے نام رِگ وید میں پائے جاتے ہیں اور اس علاقہ کی زبان کا مخزن (Root) سنسکرت ہے۔ قانون گو یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ افغان قوم ماضی میں تہذیب یافتہ رہی تھی لیکن ماضی کی تہذیب سے اس کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ روہ کے افغان قبیلے گواہی دیتے ہیں کہ کس طرح ایک مہذب قوم ایک دشوار گزار پہاڑی علاقہ میں گوشہ نشینی کی بعد ماضی کے ادب سے رشتہ توڑ کر دھیرے دھیرے اپنی مالی اور سیاسی پریشانیوں سے پست ہو کر نیم وحشی بن جاتی ہے۔

(قانون گو 33)

یوسف زئی:- یوسف زئیوں کے بارے میں مندرجہ ذیل معلومات حیاتِ افغانی مصنف محمد حیات خاں سے ماخوذ ہیں جسے تاریخی ماخذ کے بجائے زیبِ داستان کے طور پر پڑھنا مناسب ہے اور تصدیق کے لیے کسی بہتر کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ عام افغان اور غیر افغان شجرہ نویس اس قبیلہ کے بانی یوسف کو افغانوں کے مفروضہ جدا دل قیس عبد الرشید کے بیٹے سرابن (یا سڑابن) کی اولاد سے ظاہر کرتے ہیں اور اُسے سرابانی پکارتے ہیں۔ بعد میں چل کر سرابانی، شخیے اور غوری دو حصوں میں تقسیم ہو گئے تو شخیے کی اولاد یوسف زئی، گگیانی اور ترکانڈی پکارے جانے لگے۔ یوسف زئی بھی دو قبیلوں میں بٹ گئے۔ ایک یوسف زئی کہلائے دوسرے منڈر۔ یہ سلسلہ بعد میں منڈٹے کے دو بیٹوں عمر اور یوسف سے چلتا ہے۔ عمر نے دریائے سندھ کو عبور کر کے موضع حسن ابدال (پنجاب) میں اقامت اختیار کی جہاں اس کا بیٹا منڈر پیدا ہوا۔ عمر کا انتقال بھی یہیں ہوا۔ یوسف کو معلوم ہوا تو وہ علاقہ حسن ابدال میں منڈر اور اس کی والدہ کو ساتھ لے گیا اور منڈر کے ساتھ اپنی لڑکی بیاہ دی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بعض وجوہات کی بنا پر یوسف کی اولاد کو موجودہ علاقہ یوسف زئی کی طرف آنا پڑا۔ اس وقت ہجرت کی قیادت احمد خاں منڈر کر رہا تھا۔ بعد میں اندرونی تقسیم کی وجہ سے یوسف کی اولاد (یوسف زئی) ضلع مردان وغیرہ کے علاقہ میں مقیم ہوگئی اور منڈر مردان کے میدانی علاقوں میں چلے گئے۔ اس کے بعد یوسف زئی اس علاوہ کو چھوڑ کر سوات، دیر، بنیر، پنجکوڑہ اور باجوڑ وغیرہ کی طرف کوچ کر گئے۔ شاخ منڈر کے لوگ روہیل کھنڈ (کٹھیر) اور دوآب (علاقہ نجیب الدولہ) میں آباد ہیں انھیں روہیلہ کہتے ہیں۔

افغانستان کے یوسف زئیوں کے بارے میں حیات خاں لکھتا ہے کہ (اس نئے علاقہ میں آکر) یہ لوگ زمیندار ہو گئے لیکن اس سے پہلے یہ لوگ بطور ''پیوندہ'' پھرتے تھے۔ مویشی چرائی اور گلہ بانی کرتے تھے۔ چراگاہوں کی تلاش میں مقامی لوگوں سے تکرار ہو جاتی تھی۔ لڑائی بھی ہو جاتی تھی۔ اسلحہ بندی اور جنگ جوئی کی وجہ بھی یہی ہے۔ آپسی نااتفاقی اس قوم کی پرانی عادت ہے مگر بیرونی حملہ آور کے مقابلہ میں متحد ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں کے پاس تھوڑی زمین ہے وہ زمین دوسروں کو اجارہ یا ٹھیکہ پر دے کر نوکری کے واسطے روہیل کھنڈ (کٹھیر - پار روہیلہ علاقہ یا نجیب الدولہ کا علاقہ) چلے جاتے ہیں۔

یوسف زئی کی پانچ ابتدائی شاخوں (خیل) میں اُوریا اور بادی خیل نابود ہوگئی اور باقی چار خیلوں میں سے عیسی زئی جن کے تین شعبے حسن زئی، مداخل، اکازنی (یا اکوزئی) مشہور ہیں یہ کوہِ مہابن سے شمال کی طرف مشرقی گوشہ اور اگرور ضلع ہزارہ کے سندھ دریا کے دونوں کناروں کے اوپر پہاڑوں میں آباد ہیں۔

جب اس قوم کی ترقی ہوئی تو جہالت اور نخوت کی وجہ سے الغ بیگ کی حکومت سے سرکشی پر آمادہ ہو کر کابل سے نکالے گئے اور لنگر ہار میں آباد ہو گئے۔ ان کی شاخ ترکلانی، علاقہ بالغمان میں آباد ہوگئی۔ کچھ عرصہ بعد محمد زئی اور یوسف زئی قبیلوں کی لڑائی ہوئی۔ یوسف زئی غالب آئے۔ اس کے بعد یہ قوم پشاور میں داخل ہوئی۔ وہاں سفید سنگ دلازاک قوم نے رحم کھا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کران کو زمین دیدی لیکن بعد میں یوسف زئیوں نی دلازاک قوم کو بیدخل کردیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اخون درویزہ نے بھی لکھی ہے۔ جب ان کی طاقت بڑھ گئی تو مرزا الغ بیگ کو شکست دے کر سواتھہ (یا سوات) پر قبضہ کرلیا۔

اسی طرح جب بابر نے کابل فتح کرلیا (1519ء) تو یوسف زئی اس کی فوجوں پر چھاپے مارنے لگے۔ مغل فوج سے مقابلہ کے وقت پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے۔ مجبور ہو کر بابر نے یوسف زئیوں کے قتل عام کا حکم دیا اور وہ بھیڑ بکریوں کی طرح قتل کیے جانے لگے۔ جب بابر سوات میں تھا تو یوسف زئیوں کا سردار ملک منصور حاضر ہوا۔ بابر سے معافی مانگ کر اپنی بیٹی (تذکرہ گل بدن بیگم کے مطابق اس کا نام مبارکہ بیگم تھا Rumer Golden 28) کی شادی بابر سے کردی۔ اور چین سے رہنے لگے۔ اکبر کے زمانے میں انھیں سر اٹھانے کا موقعہ ملا۔ لوٹ مار اور راہزنی کے واقعات عام ہو گئے۔ اکبر نے 1558 میں زین خاں کوکہ کی کمانڈ میں لشکر بھیجا۔ یوسف زئیوں کو شکست ہوئی۔ قتل اور گرفتار ہوئے اور سوات پر زین خاں نے قبضہ کرلیا اس جنگ میں اخون درویزہ کو بھی پہاڑوں میں روپوش ہونا پڑا تھا جس کا تذکرہ اس نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اسی جنگ میں راجا بیربل مارا گیا تھا۔

سترہویں صدی میں انھیں پھر سر اٹھانے کا موقع ملا۔ ان کے سردار علی اصغر نے سوات پر قبضہ کرلیا۔ شاہجہاں نے یوسف زئیوں کو شکست دے کر سوات پر قبضہ کرلیا۔ شاہجہاں نے یہ نتیجہ نکالا کہ بزورِ شمشیر ان پر قابو پانا مشکل ہے۔ اس نے سیاست سے کام لیتے ہوئے یوسف زئیوں کے علاقہ کو بارہ ہزار روپیہ کے عوض شہباز خاں خٹک کو ٹھیکہ پر دیدیا۔ اورنگ زیب نے اپنے عہد حکومت میں دریائے سندھ کے کناروں پر آباد یوسف زئیوں کو بزورِ طاقت بیدخل کردیا جو اس علاقہ میں طاقتور ہو گئے تھے۔ لیکن اورنگ زیب کی وفات کے بعد (1707) ناکارہ جانشینوں کے دورِ حکومت میں یوسف زئیوں نے پھر قبضے کرنا شروع کردیے۔ اس کے بعد نادر شاہ درّانی نے ایران سے آکر افغانستان پر قبضہ کرلیا۔ لیکن یوسف زئیوں کی سرکشی جاری رہی اور انھوں نے نادر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شاہ کے ایران جاتے ہی اس کی فوج کو شکست دے کر کافی علاقوں پر قبضہ کرلیا۔اس خبر کو سن کر نادر شاہ کو خود افغانستان آنا پڑا۔اس نے یوسف زئیوں کو شکست دیکر قبضہ بحال کرلیا تو سف زئی سلام کو حاضر ہونے لگے۔

1774 میں معاہدہ لال ڈانگ کے بعد جب کٹھیر سے روہیلوں کی حکومت ختم ہوگئی تب رامپور کی جاگیر ہی انضمام ریاست (1949) تک روہیلوں کی نمائندگی کرتی رہی۔ روہیلوں کے مندرجہ ذیل قبائل آج بھی رامپور میں آباد ہیں۔

قبیلہ ترین:- اس قبیلے کے بہت کم لوگ رامپور میں رہتے ہیں۔ترین کا بیٹا ابدال تھا۔ابدال کی اولاد نے ابدالی یا درّانی لکھ کر اپنی الگ پہچان بنالی۔احمد شاہ ابدالی یا احمد شاہ درّانی اسی قبیلہ سے تھا۔ان کی دو شاخیں ہیں ایک تور ترین اور دوسری سپین ترین۔اس قوم کا پیشہ زراعت اور تجارت ہے۔یہ لوگ پہلے شام کے شمالی علاقہ تیرہ میں رہتے تھے۔اس کے بعد خوزستان (ایران) میں آباد ہوئے۔اس کے بعد افغانستان کے علاقہ تیرہ میں آباد ہوگئے۔(خان روشن: 443)

قبیلہ باجوڑ:- رامپور میں شہر کے مشرق شمال کے حاشیہ میں رہتے ہیں۔ گھنی آبادی ہے۔ زیادہ تر لوگوں کا پیشہ زراعت اور تجارت ہے۔افغانستان میں یہ قوم علاقہ باجوڑ کی سرسبز وادی میں رہتی ہے۔اس قوم کا پیشہ زیادہ تر کاشتکاری ہے لیکن براوَلی کے لوگ لوہے کا سامان بنا کر دوسرے علاقوں میں فروخت کرتے ہیں۔عورتیں ریگ سیاہ جمع کر کے آہنگروں کی دکانوں پر فروخت کرتی ہیں۔اسے گرم کر کے لوہا بنایا جاتا ہے۔(حیات خاں 214)

قبیلہ خٹک:- یہ لوگ رامپور میں شاہ آباد گیٹ کے مشرقی علاقہ میں رہتے ہیں جسے محلہ خٹکان کہتے ہیں۔نوابوں کے عہد میں زیادہ تر فوج میں نوکر تھے۔ابتدا میں یہ قوم کوہ شوال میں آباد تھی۔اس کے بعد بنو کے علاقہ میں داخل ہوئی اور سدراڈن کے مقام پر آباد ہوگئی۔اس قوم کا مشہور شاعر اور جانباز خوشحال خاں خٹک تھا۔عام طور پر کاشتکاری کرتے ہیں۔ پیدل فوج میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھرتی ہونے کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔ کاہل مزاج ہونے کے باعث کھیتی پر محنت نہیں کرتے۔ خوش شکل نہیں ہوتے لیکن قد آور اور مضبوط جسم کے ہوتے ہیں۔ (حیات خاں 317)

قبیلہ توخی:- رامپور میں یہ لفظ بگڑ کر ''طوغی'' ہو گیا ہے اور 'ط' سے لکھا جاتا ہے۔ اس قبیلہ کے نام پر گھنی آبادی والا ایک محلّہ گھیر طوغاں (اصل لفظ توخاں) آباد ہے۔ یہ بھی کٹھیر کے روہیلوں کی قدیم آبادی ہے۔

قبیلہ غلزئی میں قوم توخی صف اول میں شمار ہوتی تھی۔ یہ قوم وادیٔ ترنک سے لیکر علاقہ شیبارتک اور اس کے دیہات میں آباد ہے۔ ہزارہ اور منیرہ میں بھی ان کے قصبے ہیں۔
(حیات خاں 319)

قبیلہ غلزئی :- گھیر غلزیان کے نام سے شہر کے شمالی حاشیہ میں ان کی گھنی آبادی ہے۔ زیادہ تر فوج میں نوکر تھے۔ یہ قبیلہ ابتدا ہی سے کٹھیر میں فوج کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہا۔ صدر خاں کمالزئی سردار داؤد خاں کا معتمد اور ابتدائی ساتھی تھا۔ اس کے بعد سردار خاں کمالزئی بخشی کے عہدہ پر فائز رہا۔ کوٹ اور آنولہ کے کچھ پرگنوں کا جاگیردار تھا (اخبار الصنادید 275)۔ صدر خاں کا دوسرا بیٹا عبدالستار خاں حافظ رحمت خاں کی فوج میں رسالہ دار تھا اور پرگنہ فرید پور کی جاگیر اسی کے پاس تھی۔ اس کی موت کے بعد اس کے لڑکے عبدالحیار خاں کو دیدی گئی۔ سردار خاں بخشی کے انتقال کے بعد کوٹ کی جاگیر احمد خاں بخشی کو مل گئی تھی۔ ایک بار حافظ رحمت خاں اور احمد خاں بخشی میں تنازعہ ہو گیا تھا اور کٹھیر کے سارے کمالزئی حافظ رحمت خاں سے آمادہ جنگ ہو گئے تھے لیکن فیض اللہ خاں نے اس جنگ کو ٹال دیا تھا۔ (اخبار الصنادید 456)

کسی زمانے میں افغانستان کی معزز قوم تھی۔ سترہویں صدی میں اس قوم نے اصفہان کو تنہا فتح کیا تھا اور روم کے بادشاہ کی فوج کو بھی شکست دی تھی۔ یہ قوم افغانستان میں کابل ندی سے علاقہ ننگرہار تک ایک سو اسی میل طویل اور پچاس میل چوڑے علاقہ میں رہتی ہے۔
(محمد حیات خاں 328)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قبیلہ بڑیچ:- یوسف زئیوں کی ذیلی شاخ کا قبیلہ بڑیچ 18 ویں صدی کے شمالی ہندوستان کا مشہور قبیلہ بن گیا۔ سردار داؤد خاں، نواب علی محمد خاں، حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں کا اسی قبیلہ سے تعلق تھا۔ یوسف زئیوں کی دوسری شاخ عمر خیل سے نواب نجیب الدولہ اور ضابطہ خاں کا تعلق ہے۔ یہ لوگ کٹھیر کے مختلف شہروں، نجیب آباد، سہارن پور، میرٹھ، وغیرہ کے اضلاع میں بڑی تعداد میں رہتے ہیں۔ رامپور میں بھی اس قبیلہ کے کافی تعداد میں معزز پٹھان رہتے ہیں۔

یہ لوگ افغانستان میں علاقہ شورابک یا شوراوک میں رہتے ہیں۔ حاکم کابل کو نام نہاد خراج دیتے ہیں۔ کچھ لوگ چھپروں میں رہتے ہیں جسے وہ ''کوڈل'' کہتے ہیں اور کچھ سیاہ خیموں میں اونٹوں اور مویشیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کی پوشاک اور دستور جاہل درانیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ شتر اور گھوڑے کا گوشت کھاتے ہیں۔ سادہ لوح اور دوسروں کو نقصان نہ پہنچانے والی قوم ہے۔ اس قوم میں فتح خاں کا قصہ بہت مشہور ہے جو جہانگیر کے عہد مین غارت گری کرنے لگا تھا اور فوج سے بہادری کے ساتھ جنگ کرتا ہوا مارا گیا تھا۔ (محمد حیات خاں 153)

آفریدی:- کٹھیر کے روہیلوں اور نواب نجیب الدولہ کے عہد میں آفریدی قبیلہ کے کئی نامور سردار گزرے ہیں جنھوں نے بہادری کے کارنامے انجام دیے ہیں۔ خاص طور سے ضابطہ خاں کے دور حکومت میں جب مراٹھا، مرزا نجف خاں اور شاہ عالم ثانی نے فروری 1772 میں نجیب آباد پر حملہ کیا تھا اس وقت سعادت خاں آفریدی اور صادق خاں آفریدی نے نہایت بہادری سے جنگ کی تھی۔ (Sarkar : vol. iii, 37)

اس وقت رامپور میں 'آفریدیان' کے نام سے ایک گھنی آبادی نالہ پار پر موجود ہے اور صدیوں سے بااثر قبیلہ کی حیثیت سے رہ رہے ہیں۔

''اس قبیلہ کا مورث اعلیٰ عثمان تھا۔ آفریدی مشہور ہونے کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک بار چند مفلس اور درماندہ لوگ عثمان کے گھر آ کر بیٹھ گئے۔ اس وقت عثمان گھر پر نہیں تھا۔ جب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عثمان گھر پر آیا تو ان لوگوں میں سے کسی نے پوچھا: یہ کون ہے؟

تب کسی نے جواب دیا: ''داہم آفریدہ دخدائی دے۔'' (یہ بھی خدا کا آفریدہ پیدا کیا ہوا) ہے۔ اسی دن سے عثمان آفریدی کے نام سے مشہور ہوا اور افغانوں کی ایک الگ قوم قرار پایا۔ ان کی بہت سی شاخیں ہیں۔ سب سے زیادہ تعداد اولا دخیل کی ہے جس میں فیروزہ خیل اور احمد خیل زیادہ ہیں۔ یہ لوگ علاقہ تیرا میں آباد ہیں۔ یہ علاقہ زیادہ تر کوہستانی ہے۔ صرف ایک پہاڑی خوشگوار اور قابل کاشت ٹکڑا ہے، جس پر قوم تیرا (تیراہ) آباد تھی۔ آفریدیوں نے بزورِ شمشیر یہ علاقہ لے لیا۔

اس قوم میں ایک نہایت چالاک شخص، پیر تاریک، پیدا ہوا جس کی اعانت سے آفریدیوں نے تیراہ میں آباد اتمان خیلوں کو بے دخل کیا۔ یہ واقعہ جہانگیر کے دورِ حکومت (1605-1627) کا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے ایک بڑے علاقہ کو تسخیر کرلیا جس کی سرحدیں مشرق میں کاکا صاحب سے مغرب میں کوہِ راج گل، شمال میں علاقہ خیبر میں حدود نہنگر ہار تک اور جنوب میں ضلع پشاور تک ملتی ہیں۔

احمد شاہ ابدالی کے زمانے کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کی آبادی اُنیس ہزار تھی۔ یہ قوم بڑی جنگجو اور راہزن ہے۔ پیداوار کی کمی نے اس قوم کو لوٹ مار، ڈاکہ زنی اور سرقہ کے ذریعے کسب حاصل کرنے پر مجبور کردیا ہے۔ کچھ لوگ زراعت کرتے ہیں اور کچھ لوگ پشاور میں نمک فروشی کا کاروبار کرتے ہیں۔ اس قوم کی شاخ 'زخہ خیل' اور 'کوکی خیل' میں غارت گری اور چوری کی عادت زیادہ ہے۔ درۂ خیبر کے راستے سے جو مسافر پشاور سے کابل جاتے ہیں انھیں یہ لوگ لوٹ لیتے ہیں۔ (محمد حیات خاں، ص 313)

مہمند: - رامپور میں ان کی بہت کم تعداد ہے۔ کسی خاص ٹولہ یا گھیر میں نہیں رہتے۔ یہ قوم خرشبون ابن سڑبن سے ہے۔ اس کا مورث اعلیٰ غری یا غور تھا۔ مغلوں کے حملہ کے باعث یہ قوم غزنی سے ہجرت کر کے پشاور آئی تھی۔ شاہزادہ کامران (بابر کا بیٹا) کی مدد سے دلازاکوں کو شکست

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دے کر پشاور پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس وقت پشاور میں ان کے بارہ ہزار گھر ہیں۔ ان کا ذریعہ معاش زیادہ تر بوریا فروشی اور سوداگری ہے۔ (حیات خاں 222)

رزّڑ:۔ یہ قبیلہ رامپور میں کسی عہد میں معزز رہا ہوگا کیونکہ کرم خاں رزّڑ ضابطہ خاں کی فوج میں اعلیٰ عہدہ پر فائز تھا۔ وہ سکرتال کے محاصرہ اور جنگ میں بھی موجود تھا۔ رامپور میں کرم خاں رزّڑ کی حویلی کا ذکر بھی ملتا ہے جس میں معاہدۂ لال ڈانگ (1774) کے بعد فیض اللہ خاں کا بھائی محمد یار خاں رہا تھا۔ مصحفی بھی یہاں ٹھہرا تھا۔ نواب محمد سعید خاں (1855-1840) نے پہلی بار رامپور میں تھانے قایم کیے تو ایک تھانہ رزّڑ بھی قایم کیا۔ غالبًا اس محلہ میں کبھی ان کی بڑی آبادی رہی ہوگی۔ کرم خاں رزّڑ کماؤں کی مہم میں بھی روہیلوں کے ساتھ تھا اور سکرتال کی جنگ میں مرزا نجف خاں کی فوج سے لڑتے ہوئے مارا گیا تھا۔ (1772) اس کی حویلی فیض اللہ خاں کی رامپور میں آمد (1774) سے پہلے موجود تھی۔

قبیلہ سلارزئی:۔ اس قبیلہ کا صرف ایک خاندان محلہ باجوڑی ٹولہ میں رہتا ہے۔ اس خاندان کے ایک فرد مولوی قاری حکیم خوشنود حسین خاں مرحوم کا تحریری بیان ہے کہ "میرے مورثوں کا تعلق پٹھانوں کے قبیلہ سالارزئی سے ہے۔ وہ لوگ علاقہ باجوڑ سرحد افغانستان ہمیشہ کے لیے ترک وطن کر کے مغلیہ حکومت کے دورِ زوال میں شمالی ہندوستان آئے۔"

وہ شمالی ہندوستان کے علاقہ کٹھیر میں روہیلوں کے ابتدائی عہد 1712-1720 کے درمیانی عرصہ میں آئے تھے، لیکن محمد حیات خاں کے بیان کے مطابق "قوم یوسف زئی کی شاخیں ملک بنہیر میں اس طرح آباد تھیں کہ مشرقی حصہ میں شاخ چغزئی شمال میں گدازئی، مغرب میں سلارزئی، جنوب میں نورپزے، درمیان میں عائشہ زئی اور دولت زئی آباد تھے۔" (حیات افغانی، ص 322)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

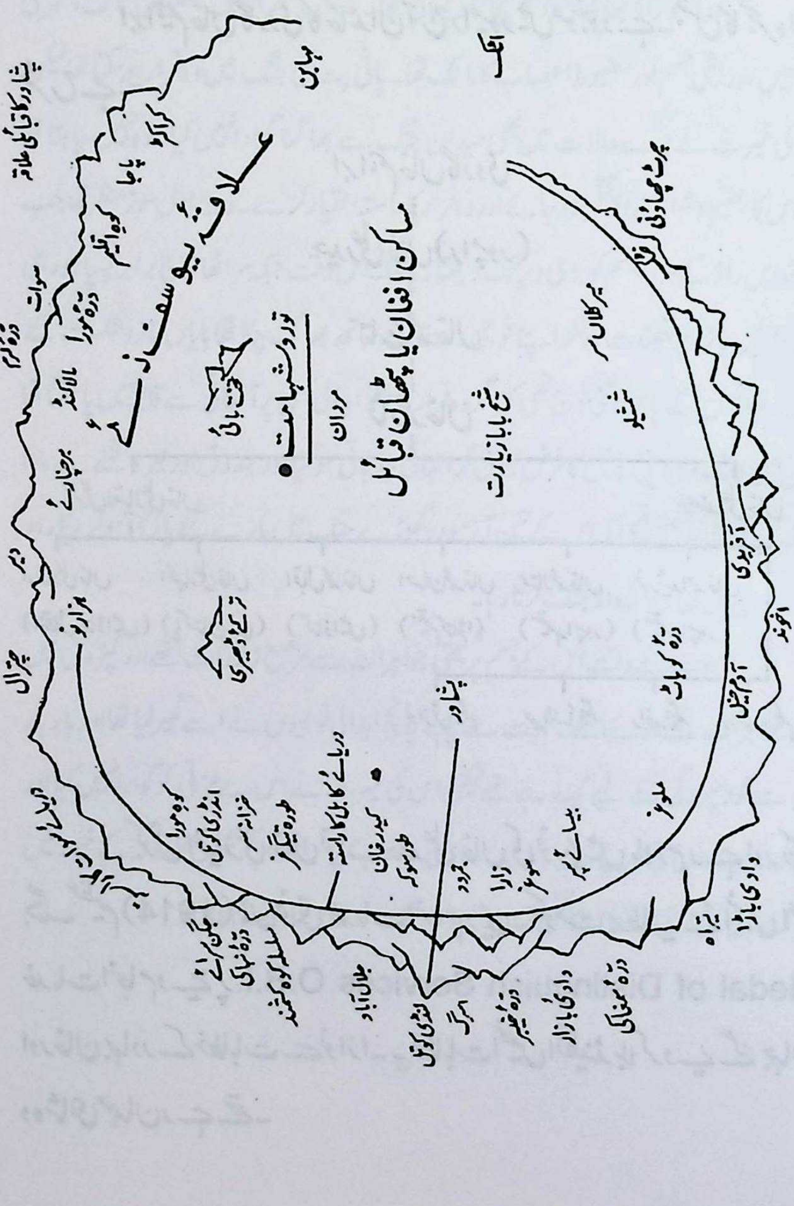

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(ضمیمہ 1)

ابراہیم خاں گاردی

ابراہیم خاں گاردی کا خاندان آج رامپور میں موجود ہے۔ جس کا شجرہ اس طرح ہے:-

ابراہم خاں گاروی

حیدر علی خاں (رامپور)

تاج محمد خاں

نثار محمد خاں

- کرنل امتیاز علی خاں
  - ارشاد علی خاں (انتقال کناڈا میں)
  - اظہار علی خاں (پاکستان میں)
  - اقبال محمد خاں (کناڈا میں)
  - احسان محمد خاں (مقیم کناڈا)
  - ممتاز محمد خاں (مقیم رامپور)
  - خورشید احمد خاں (مقیم رامپور)
  - نوازش بیگم
  - مہرالنسأ بیگم
  - رافعہ بیگم
  - راشدہ بیگم
- صفدر علی خاں

کرنل امتیاز علی خاں نواب حامد علی خاں کی فوج میں ملازم رہے اور پہلی جنگ عظیم (1914) میں فوجی خدمات انجام دیں۔ حکومت برطانیہ نے انہیں اعلیٰ خدمات انجام دینے پر Medal of Distinguish Services O.B.I. اور خان بہادر کے خطابات سے نوازا۔ یہ خطابات انھیں انگلینڈ بلا کر دیے گئے جہاں وہ شاہی مہمان رہے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 2

سداشوراؤ بھاؤ

سداشوراؤ بھاؤ پیشوا کا چچازاد بھائی تھا۔ صاف ستھرا رنگ، ستواں ناک، گہری آنکھیں، ورزشی جسم اور مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ پانی پت کی جنگ میں وہ فرار ہو سکتا تھا لیکن اس کی غیرت نے برے حالات میں بھی میدان جنگ سے بھاگنا گوارا نہیں کیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بھتیجا وشواس راؤ قتل ہو جائے اور وہ فرار کا راستہ اختیار کرے۔ وہ بڑا دل سوز منظر تھا جب وہ وشواس راؤ کے مردہ جسم کو بڑی دیر تک دیکھتا رہا تھا۔ اس وقت جبکہ مراٹھا فوج برابر پسپا ہو رہی تھی دائیں بازو پر تعینات ہولکر اپنے فوجی دستے کے ساتھ بھاگ چکا تھا بایاں بازو شکست کے قریب تھا، اس کے پاس اتنی فوج تھی کہ اگر وہ فرار ہوتا تو ابدالی اس پر آسانی سے قابو نہیں پا سکتا تھا لیکن اس وقت وہ لایق جرنل کا فرض بھول کر انتہائی جذباتی ہو گیا اور بندوق اور نیزہ لگنے سے مارا گیا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کے تین آزمودہ گھوڑے جنگ میں مارے گئے یا زخمی ہو کر بیکار ہو گئے۔ وہ پیدل ہی دیوانہ وار جنگ کرتا رہا۔

موت کے وقت اس کے جسم پر قیمتی جواہرات سے مرصع زیورات تھے اور کپڑوں میں بھی جواہرات لگے ہوئے تھے۔ موت سے پہلے پانچ ابدالی فوجیوں نے اسے گھیر لیا تھا اور بار بار اس سے خودسپردگی کے لیے کہہ رہے تھے لیکن اس کی غیرت نے اس بے عزتی کو گوارا نہیں کیا اور اس نے بہادروں کی طرح جان دیدی۔ وہ زخمی حالت میں گرفتار ہو کر شجاع الدولہ کے خیمہ میں تھا کہ ابدالی کے فوجی نے اس کا قتل کر دیا۔ (Sarkar ii, 256 - 257)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 3

وسواس جی راؤ

وسواس جی راؤ پیشوا بالا جی باجی راؤ کا جانشین اور بیٹا اور سداشوراؤ کا بھتیجا تھا۔ جنگ پانی پت میں اس کی عمر سترہ سال تھی۔ وہ مہاراشٹر کا حسین ترین جوان تھا۔ حالانکہ وہ ہندوستانی تھا لیکن اس کا رنگ چمپا کے پھول کی طرح سفید تھا۔ نہایت وجیہہ، خوش شکل اور مضبوط اعضا کا مالک تھا۔ اس کے ہاتھ اتنے دراز تھے کہ گھٹنوں تک آتے تھے آنکھیں حسین اور آبدار تھیں۔ اس کے چہرے کی خوبصورتی اس کی نیم باز آنکھیں تھیں۔ وہ جنگ میں گولی سے مارا گیا تھا۔ بالا جی باجی راؤ پیشوا نواب نجیب الدولہ کو دلی سے بیدخل کر کے وسواس جی کو دلی کے تخت پر بٹھانا چاہتا تھا۔

(Iqbal : 101, quoted Imad 78, T. Shakir Khani 87a, S.P.D. vol. xxi 254, T.Najeeb-ud-daula 32b, Miskin 57b.)

اس کی موت نے پیشوا کو اتنا مضمحل کر دیا کہ وہ اس صدمہ سے بیمار ہو گیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 4

شادی عجیب خاں (عجیب الدولہ عرف کلّو خاں)

نورالدین کے بیان کے مطابق 1767 میں نجیب الدولہ نے عجیب خاں کی شادی مرحوم نواب سعداللہ خاں کی بیٹی سے کردی۔ یہ شادی بڑی دھوم دھام سے شاندار طریقہ پر ہوئی تھی، جس میں راجا ناگرمل (عرف بہادر جی) راجا دلیر سنگھ، سیف اللہ خاں، یاقوت رقم خاں، تاج محمد خاں بلوچ، سردارانِ گوجر، سید جمیل الدین خاں (مغل سردار) مرزا جعفر متبنی ملکہ زمانی بیگم بادشاہ محمد شاہ وغیرہ صاحبِ حیثیت سرداران اور امراء شریک ہوئے تھے اور ہر شخص کی حسب حیثیت خاطر مدارات کی گئی تھی۔ شہر آنولہ سے باہر ایک کردہ (کوس) تک ڈیرے لگائے گئے تھے۔ حافظ رحمت خاں، دوندے خاں اور زیادہ تر سردارانِ روہیلہ شریک ہوئے تھے اور حسبِ حیثیت تحائف بھی لائے تھے۔ تحائف اس قدر آئے تھے کہ رخصتی کے وقت بیس ہاتھیوں پر لدے ہوئے سعداللہ خاں کی حویلی سے برآمد ہوئے تھے اور براتیوں کو بھی بیگم سعداللہ خاں کی طرف سے تحفے دیے گئے تھے۔

''سید احمد جماعہ دار کو نقرئی حوضہ کے دو ہاتھی اور چند گھوڑے ملے۔ افضل خاں، سلطان خاں، امان خاں، ضابطہ خاں اور دیگر مقتدر مہمانوں کے لیے علیحدہ علیحدہ خیمے لگائے گئے تھے جہاں زرّیں مسندیں اور ضرورت کا اعلیٰ سامان موجود تھا۔ ہر مہمان کو ہر روز نئی پوشاک پہننے کو دی جاتی تھی۔ ہر خیمہ میں رقاصائیں رقص کرتی کرتی تھیں۔''

(نورالدین فارسی 65-66)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 5

نواب نجیب الدولہ

نواب نجیب الدولہ کا تعلق یوسف زئیوں کی ذیلی شاخ 'عمر خیل' سے تھا۔ اس کا چچا بشارت خاں 1720 میں افغانستان سے آکر بلاسپور میں آباد ہوگیا اور اپنے نام سے بشارت نگر بستی بنائی جو آج بھی تحصیل بلاسپور ضلع رامپور میں موجود ہے۔
(عبدالسلام خاں: سرگزشتِ نواب نجیب الدولہ 6)

شجرہ نسب بشارت خاں

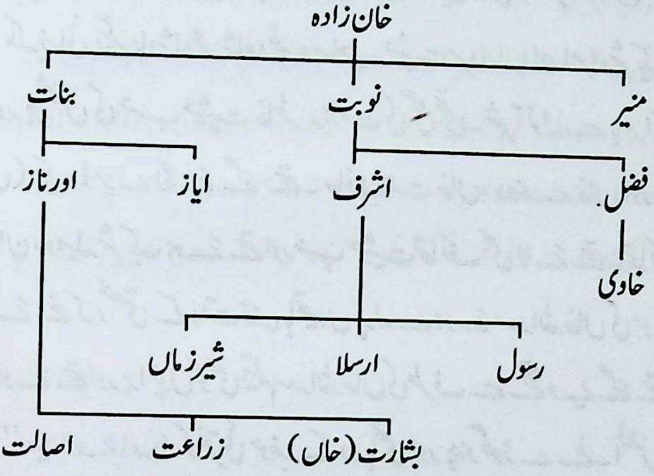

(اللہ بخش یوسفی: افغانانِ یوسف زے)

نواب نجیب الدولہ سے متعلق تذکروں میں اس کے بھائیوں کے نام اس طرح ملتے ہیں۔ نواب سلطان خاں، امیر خاں، منیر خاں، افضل خاں، امان خاں، افضل خاں نے افضل گڑھ آباد کیا۔ سلطان خاں اور منیر خاں نجیب الدولہ کے ساتھ رہے۔ امیر خاں کا سلسلہ بشارت نگر سے معلوم ہوتا ہے اور باز خاں کو بسی کوٹلہ میں جاگیر ملی۔ ان ہی کی لڑکی سے غلام قادر خاں نے شادی کی تھی۔ (عبدالسلام:13)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نواب نجیب الدولہ 1152ھ (مارچ 1739 - مارچ 1740) میں اپنے چچا بشارت خاں کے پاس آیا تھا۔ اپنے چچا کی لڑکی سے شادی کی۔ وہ سرہند میں نواب علی محمد خاں کی فوج میں نوکر تھا۔ جب والدۂ ضابطہ خاں (بشارت خاں کی بیٹی) نے انتقال کیا تو اس نے دوندے خاں کی بیٹی ذربیگم سے شادی کرلی (1116ھ مطابق دسمبر 1747 - نومبر 1748) (عبدالسلام 5-7)

نواب علی محمد خاں، بشارت خاں اور نواب نجیب الدولہ کی رشتہ داریاں حسبِ ذیل ہیں:-

1۔نواب علی محمد خاں نے بشارت خاں کی لڑکی سے شادی کی جس سے معصومہ بیگم پیدا ہوئی تھی۔ اس کی شادی ضابطہ خاں (پسر نجیب الدولہ) سے ہوئی تھی۔ اسی کے بطن سے غلام قادر روہیلہ پیدا ہوا تھا۔ عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں پسران نواب علی محمد خاں معصومہ بیگم کی اولاد تھے۔

2۔ نظام بیگم دختر نواب سعد اللہ خاں (پسر نواب علی محمد خاں) کی شادی نجیب خاں (نجیب الدولہ کلّو خاں) پسر نجیب الدولہ سے ہوئی تھی۔

3۔ ولی النساء بیگم دختر نصر اللہ خاں خلف عبداللہ خاں (پسر نواب علی محمد خاں) کی شادی مجیب خاں (مجیب الدولہ ملھو خاں) پسر نجیب الدولہ سے ہوئی تھی۔ (عبدالسلام: 10-15)

یہ شجرہ صاحبزادہ یوسف علی خاں (خاندان نجیب الدولہ) نے ترتیب دیا ہے جو حیات ہیں اور رامپور میں مقیم ہیں

- عمر خاں (رزڑ، درّانی، یوسف زئی) [بیوی ماہی (ماہی خیل)]
  - میر اسمٰعیل خاں
    - جہاں گیر خاں
      - کرم خاں (کرم خیل)
      - شمس الدین خاں (شمس خیل)
      - نظر خاں (نظر خیل)
        - جہان خاں
          - سید خاں (سید خیل)
            - ملک احمد خاں
            - ملک عنایت خاں (عنایت خیل)
              - نواب بشارت خاں (لگ بھگ ۱۷۲۰ء میں کٹھیر میں آئے ضلع رامپور تحصیل بلاسپور میں بشارت نگر آباد کیا)
              - ملک اصالت خاں (عرف سمندر خاں)
              - نواب فاضل خاں
                - افضل خاں
                - امان خاں
        - جہانگیر خاں
          - محمد خاں (موتیا خیل)
            - عاطف خاں (ان کی شادی نواب نجیب الدولہ کی بہن سے ہوئی جن کا نام غالباً زوار بیگم تھا)
              - نواب باز خاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نواب بشارت خاں ابن عنایت خاں

امیر منور خاں عرف منگو خاں

مہر بانو

اس کی شادی نواب امیر خاں

پسر نواب منیر خاں سے ہوئی

بڑے لڑکی جس کی شادی

نواب نجیب الدولہ سے ہوئی

چھوٹی لڑکی جس کی شادی

نواب علی محمد خاں سے ہوئی

معصومہ بیگم

اس کی شادی نواب محی الدین خاں (ضابطہ خاں)

پسر نواب نجیب الدولہ سے ہوئی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 5

ملک اصالت خاں بن ملک عنایت خاں (عنایت خیل)

- زوار بیگم (زوجہ آصف خاں)
  - عبدالوحید خاں
    ان کی شادی کلثوم بیگم دختر حمید الظفر خاں ابن نواب جلال الدین خاں ابن نواب جلال الدین خاں سے 1903 میں ہوئی
    پیدائش 1878
    وفات 1961
  - شوکت آرا بیگم
    زوجہ سعید الظفر خاں ابن حمید الظفر خاں
    پیدائش 8/12/1900
    وفات 3/4/1946
  - عبدالصمد خاں
    پیدائش 27/9/1879
    وفات 27/1/1943
- حمائم خاں
- نواب سلطان خاں
- نواب امیر خاں
- نواب منیر خاں
- نواب نجیب الدولہ
  (پیدائش 1708، آمد کٹھیر 1740، وفات 31 اکتوبر 1770)
  - عجیب خاں (عجیب الدولہ عرف کلو خاں)
    از بطن دربیگم دختر نواب دوندے خاں
    عجب خاں کی شادی نواب سعداللہ خاں کی بیٹی سے ہوئی تھی
  - مجیب خاں (مجیب الدولہ عرف ملہو خاں)
    از بطن دربیگم دختر نواب دوندے خاں
  - نواب ضابطہ خاں (محی الدین خاں)
    از بطن دختر نواب بشارت خاں
    وفات 21 جنوری 1748
    - نواب غلام معین الدین خاں عرف بھمبو خاں
      - پہلی بیوی پٹھانی سے
        - فیض بیگم (زوجہ نواب باز خاں)
        - سید بیگم (زوجہ عظمت اللہ خاں)
          پوتا نواب سعداللہ خاں ابن مجیب اللہ خاں
      - دوسری بیوی سے
        - نواب جنرل محمود خاں
          - غضنفر علی خاں
          - مظفر علی خاں
          - بیٹی
      - تیسری بیوی سے
        - نواب جلال الدین خاں
          23 راپریل 1885 کو جنگ آزادی میں شرکت کی وجہ سے پھانسی ہوئی۔
    - نواب غلام قادر خاں روہیلہ
      از بطن معصومہ بیگم دختر نواب علی محمد خاں
      (غلام قادر خاں نے روشن آرا بیگم دختر نواب باز خاں سے شادی کی کوئی اولاد نہیں ہوئی تو نواب سعداللہ خاں کا پوتا نواب باز خاں کو گود لیا)

نواب جلال الدین خاں ابن نواب غلام محی الدین خاں (بھمبو خاں)

شمس النساء بیگم
ازبطن مجلس آرا بیگم دختر سید علی بہادر خاں
ابن مظفر علی خاں ابن نظام علی خاں
ابن نواب فیض اللہ خاں ابن نواب
علی محمد خاں
شمس النساء بیگم کی شادی نواب
علاء الدین خاں آف لاہور سے
18 جنوری 1855 کو ہوئی

بشیر الدین احمد خاں
پیدائش 18 اگست 1863
وفات 12 جنوری 1924
ان کی شادی عالیہ سلطان بیگم سے
اگست 1870 میں ہوئی

جعفری بیگم
ان کی شادی مولوی عطاء اللہ خاں
سے ہوئی۔
پیدائش 1852
ازبطن قدسیہ بیگم

احمدی بیگم
ان کی شادی نواب عبد السلام خاں
سے 1872 میں ہوئی
انتقال لگ بھگ 1880

جنرل اعظم الدین خاں
پیدائش 1854
قتل 13 اپریل 1891

پہلی بیوی نوشابہ بیگم
سے دس بچے پیدا ہوئے
کوئی زندہ نہیں رہا۔

نادرہ زمانی بیگم
ازبطن فاطمہ بیگم آف لکھنؤ
ان کی شادی عبد الصمد خاں سے
1899 میں ہوئی۔

عسکری بیگم (رفعت زمانی)
بیگم نواب رضا علی خاں آف رامپور
پیدائش: 10 دسمبر 1907
وفات: 19 اکتوبر 1987

میجر حمید الظفر خاں
پیدائش 13 اکتوبر 1856
وفات یکم دسمبر 1911

> نواب جلال الدین خاں کی پہلی شادی مجلس آرا بیگم دختر سید علی بہادر خاں ابن نواب مظفری علی خاں ابن نواب فیض اللہ خاں ابن نواب علی محمد خاں سے ہوئی۔ مجلس آرا بیگم کے انتقال کے بعد ان کی بہن قدسیہ بیگم دختر سید بہادر خاں سے ہوئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نواب بازخاں ابن عاطف خاں

- فتح اللہ خاں
  - دختر (نام معلوم نہیں) زوجہ سیف اللہ خاں
  - (دختر نام معلوم نہیں) زوجہ نظام اللہ خاں
  - نواب سعید اللہ خاں
    ان کی شادی فیض بیگم
    دختر غلام محی الدین خاں (بھبوخاں) سے ہوئی
    انھیں 1857 کے انقلاب میں حصہ لینے کے جرم میں
    انگریزوں نے 23رفروری 1858 کو پھانسی دیدی
    - اسمٰعیل خاں
      - دختر (نام معلوم نہیں)
      - عبدالملک خاں
    - اسحاق خاں
      - عبدالسلام خاں
        ان کی شادی احمدی بیگم دختر نواب جلال الدین خاں
        نجیب آبادی سے غالباً 1872 یا 1873 میں ہوئی
        پیدائش 8 فروری 1849 وفات 29 جون 1929
      - عبدالمجید خاں
        ان کی شادی عنایت بیگم دختر مولوی عطاء اللہ خاں
        سے ہوئی جن کا انتقال 1950 میں ہوا۔
        پیدائش 1853 وفات 1941
  - عنایت اللہ خاں
  - عظمت اللہ خاں
- روشن آرا بیگم
  زوجہ نواب غلام قادر خاں روہیلہ پسر نواب ضابطہ خاں ابن نواب نجیب الدولہ

میجر حمید الظفر خاں ابن نواب جلال الدین خاں

پیدائش: 13 اکتوبر 1856 - وفات: یکم دسمبر 1911

سید الظفر خاں	بتولی بیگم	ناطقہ بیگم	کلثوم بیگم	اورنگ بیگم	رشید الظفر خاں	معین الظفر خاں	مسعود الظفر خاں	انوری بیگم
(از بطن ہدایت بیگم)	(از بطن ہدایت بیگم)	(از بطن ہدایت بیگم)	(از بطن ہدایت بیگم)	(از بطن آفتاب بیگم)	(از بطن آفتاب بیگم)	(از بطن آفتاب بیگم)	(از بطن آفتاب بیگم)	(از بطن آفتاب بیگم)
رحمت خانی	زوجہ محفوظ اللہ خاں	زوجہ ممتاز اللہ خاں	زوجہ عبد الوحید خاں	دختر عبد السلام خاں	شادی ہمراہ	شادی ہمراہ افتخار بیگم	شادی ہمراہ فاخرہ بیگم	زوجہ عبد الجلیل خاں
پیدائش 16 اکتوبر				زوجہ سمیع اللہ خاں	دختر سعید اللہ خاں	دختر سعید اللہ خاں	دختر سعید اللہ خاں	ابن عبد المجید خاں
1876		پیدائش 1890	پیدائش 1879	پیدائش 1909	پیدائش 1902	پیدائش 1904	پیدائش 1906	دختر سعید اللہ خاں
وفات 20 جنوری 1947		وفات 1921			وفات 1951	وفات 1970	وفات 1988	پیدائش 1904
شادی ہمراہ شوکت آرا بیگم								وفات 1954

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اسحاق خاں ابن فتح اللہ خاں پسر نواب باز خاں

- عبدالسلام خاں
  - شادی ہمراہ احمدی بیگم
  - دختر نواب جلال الدین خاں
- عبدالمجید خاں
  - شادی ہمراہ عنایتی بیگم
  - دختر مولوی عطاء اللہ خاں
  - عبدالجلیل خاں
    - شادی ہمراہ انوری بیگم
    - دختر حمید الظفر خاں
    - پیدائش 1903
    - وفات 1970
    - امجدی بیگم
    - احد خاں
    - رافع خاں
    - واسع خاں
    - ماجد خاں
  - عبدالجمیل خاں
    - شادی ہمراہ حاجرہ بیگم
    - دختر ممتاز اللہ خاں
    - پیدائش 1905
    - وفات 1963
    - عبدالسمیع خاں
  - عبدالبصیر خاں
    - پیدائش 1906
    - وفات 1933
  - عبدالعزیز خاں
    - شادی ہمراہ فاطمہ بیگم
    - دختر خواجہ سعید الدین خان
    - پیدائش 1912
    - وفات 1970
    - عبدالحفیظ خاں
    - عبدالمجیب خاں
    - عبدالعالم خاں
    - عبدالحسیب خاں
  - تجمل بیگم
    - شادی ہمراہ ارشاد اللہ خاں
    - پسر مولوی عطاء اللہ خاں
    - پیدائش 1983
    - انجم
    - نیر
    - اسداللہ
    - ناہید
  - طاہرہ بیگم
    - شادی ہمراہ رشید الظفر خاں
    - پسر حمید الظفر خاں
    - پیدائش 1909
    - گینی آرا بیگم
      - پیدائش 1928
- ایوب خاں
- منیم خاں
- بیگما بیگم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 5

عبدالصمد خاں ابن عاطف خاں ابن جہانگیر خاں، ابن نظر خاں، ابن جہانگیر خاں، ابن میر اسمٰعیل خاں، ابن عمر خاں (رزّڑ، درّانی) یوسف زئی

نام والدہ زدّار بیگم بنت ملک اصالت خاں ابن ملک عنایت خاں، ابن صید خاں، ابن جہان خاں، ابن نظر خاں

فاخرہ بیگم	جہاں آرا بیگم	یوسف خاں	یونس خاں	یعقوب خاں (مقیم پاکستان)
زوجہ مسعود الظفر خاں	زوجہ شیخ اشاعت حبیب اللہ	شادی ہمراہ کشور سلطان	شادی ہمراہ نیّر جہاں	شادی ہمراہ طوبیٰ خاتون
ابن حمید الظفر خاں	آف لکھنؤ	بنت ریاض الدین احمد خاں آف پیلی بھیت	آف علی گڑھ	بنت کریم خلیلی شیرازی آف کلکتہ
پیدائش دسمبر 1914	پیدائش نومبر 1915	پیدائش دسمبر 1917	پیدائش مئی 1919	پیدائش دسمبر 1921

اولاد فاخرہ بیگم:

شاہد	لالہ رُخ	گل رُخ
(شوہر گیتا)	(زوجہ سمیع خاں)	(زوجہ عارف خاں)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 6

شیخ محمد کبیر خاں

شیخ محمد کبیر خاں کے آبا و اجداد علاقہ بنہیر موضع باشی کٹیا کلاں (افغانستان) میں رہتے تھے۔ قبیلہ اکوزئی سے تعلق تھا۔ یہ حافظ رحمت خاں کے ساتھ کٹھیر میں آیا تھا۔ حافظ رحمت خاں کا ہمدرد اور وفادار تھا۔ فوجی مہمات میں حافظ رحمت خاں سب سے زیادہ اس کی صلاحیت پر بھروسہ کرتا تھا، اس لیے حافظ رحمت خاں کے عہد میں اہم اور مشکل ترین مہمات کی ذمہ داری شیخ کبیر کو سونپی جاتی تھی۔ جنگ میران پور کٹرہ میں شکست کے بعد جب فیض اللہ خاں کی قیادت میں روہیلہ لال ڈانگ چلے گئے تھے اور حافظ رحمت خاں کی بیوہ اور بچوں کو نواب شجاع الدولہ نے قید کرلیا تھا تب فیض اللہ خاں اور نواب شجاع الدولہ کے درمیان معاہدہ کی بات طے ہوگئی تھی۔ اس وقت مستقیم خاں پسر شیخ کبیر (جس کا انتقال ہو چکا تھا) بھی گفتگو میں شامل ہونا چاہتا تھا کہ معاہدہ کی شرائط طے کرتے وقت وہ حافظ رحمت خاں کی بیوہ اور اس کی اولادوں کے حقوق کا تحفظ کر سکے، لیکن فیض اللہ خاں نے اسے گفتگو میں شامل ہونے کو ٹال دیا، کیونکہ مستقیم خاں کسی ایسے معاہدہ کو پسند نہیں کرتا جس کی رو سے حافظ رحمت خاں کے متعلقین کی حق تلفی کی گئی ہو۔ شیخ کبیر اور مستقیم خاں کی حافظ رحمت خاں اور اُن کے خاندان سے وفاداری مثالی حیثیت رکھتی ہے۔

شیخ کبیر کا انتقال 1186ھ (1773-1772) کو ہوا۔ بریلی شہر کہنہ محلہ شہامت گنج میں دفن ہوا۔ اس کے بیٹے مستقیم خاں نے مقبرہ بنوایا۔ 'عرصہ ہوا مقربہ کا گنبد ٹوٹ گیا۔ زمانہ حال (1944) صرف چبوترہ ہے اور زیارت شاہ دانہ کے نام سے مشہور ہے۔' (بقول نواب مظہر اللہ خاں ساکن دیوان کا بازار مرادآباد از نسب سلطان خاں برادر نواب نجیب الدولہ) معاہدہ لال ڈانگ (1774) کے بعد مستقیم خاں رامپور آ گیا تھا۔ 17/شعبان 1189ھ (13/اکتوبر 1775) کو رامپور میں انتقال ہوا۔ وصیت کے مطابق جنازہ بریلی لے جا کر شیخ کبیر کے مقبرہ میں دفن کیا گیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شجرہ شیخ محمد کبیر خاں

- اخون علی خاں
  - شیخ محمد کبیر خاں
    - مستقیم خاں
      - مستجاب خاں (منوخاں)
        - شفاعت خاں
          - اولیاء بیگم اہلیہ یٰسین خاں
      - مصطفےٰ خاں (نجوخاں)
        - عجوبہ بیگم اہلیہ شفاعت علی خاں
      - حضرت شاہ خاں (سنوخاں)
    - مقیم خاں
      - عمرہ بیگم زوجہ محمد حیات خاں ابن سرفراز خاں
    - عبدالحکیم خاں
  - محمد صلاح الدین خاں
    - محمد سرفراز خاں
      (آنولہ سے فیض اللہ خاں کے عہد میں رامپور آئے۔ حاکم بلاسپور ہوئے مستقل رہائش بلاسپور تحصیل رامپور میں رہی)
      - محمد حیات خاں از بطن افغانیہ
        - یٰسین خاں
          - حسن رضا خاں
            - ہادی حسن خاں
              - محمد حسن خاں
                - ہادی بیگم زوجہ اکرام رضا خاں
                - شوکت بیگم زوجہ کاظم رضا خاں
              - احمد حسن خاں
          - علی رضا خاں
            - احمد رضا خاں
              - صابر رضا خاں
              - باقر رضا خاں
            - ہادی رضا خاں
              - محمد رضا خاں
            - حیدرر ضا خاں
              - ننھے خاں
              - بنے خاں
            - حسین رضا خاں
              - مہدی رضا خاں
              - حامد رضا خاں
          - محمد رضا خاں
      - عمر دراز خاں از بطن افغانیہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

محمد رضا خاں ابن یٰسین خاں ابن محمد حیات خاں

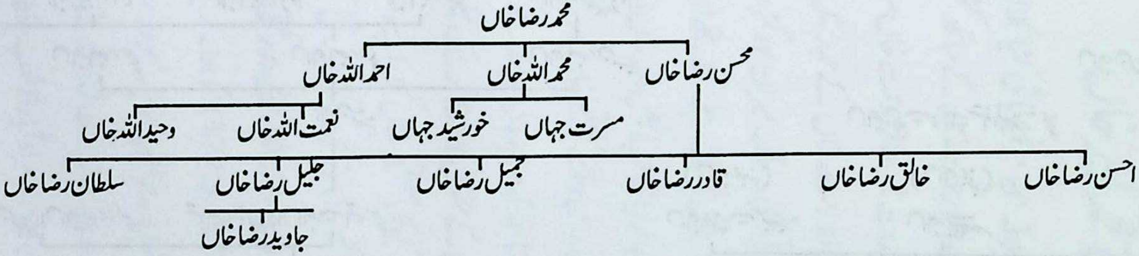

احسن رضا خاں ابن محسن رضا خاں

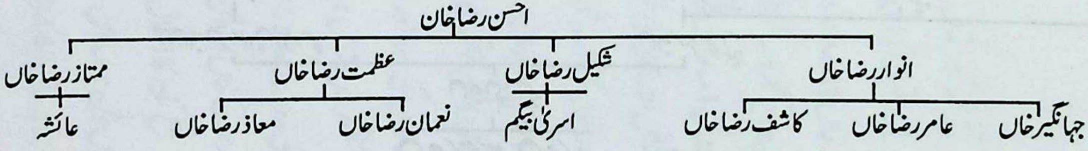

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خالق رضا خاں ابن محسن رضا خاں

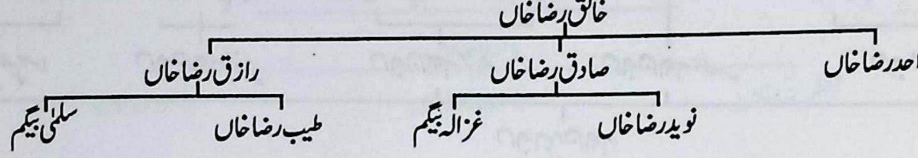

قادر رضا خاں ابن محسن رضا خاں

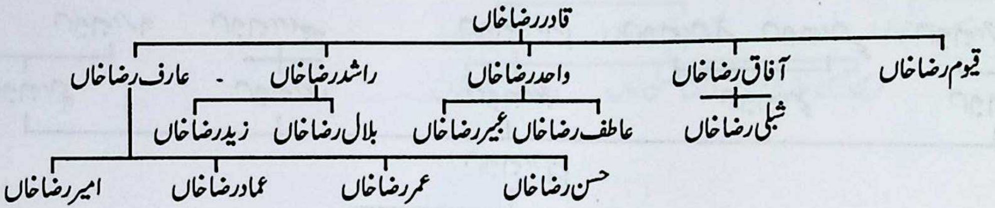

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جمیل رضا خاں ابن محسن رضا خاں

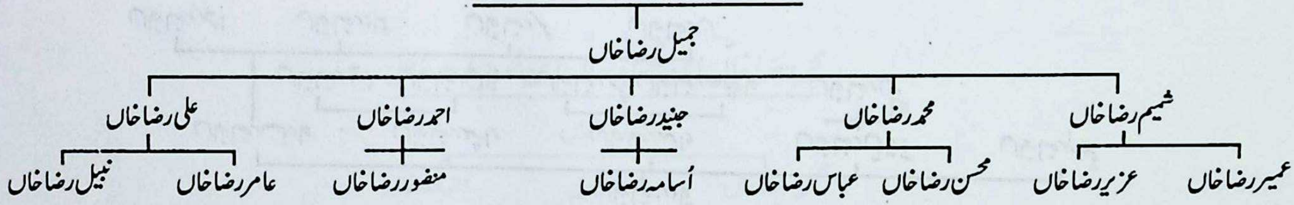

سلطان رضا خاں ابن محسن رضا خاں

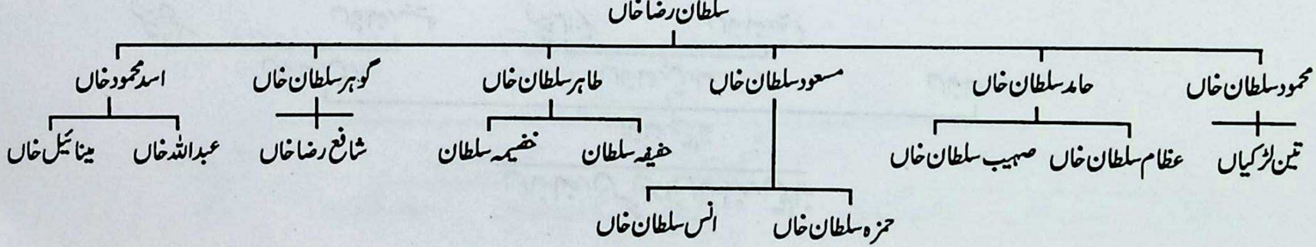

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باقر رضا خاں ابن احمد رضا خاں ابن علی رضا خاں

باقر رضا خاں
- جعفر رضا خاں
- راحت رضا خاں
- ذاکر رضا خاں

احمد حسن خاں ابن ہادی حسن خاں ابن حسن رضا خاں

احمد حسن خاں
- رضا حسن خاں
  - افتخار حسن خاں
  - مسرت جہاں
- ابرار حسن خاں
- مسعود حسن خاں
  - محبوب حسن خاں
    - زین حسن خاں
    - واسع حسن خاں
    - صادق حسن خاں
  - بدر حسن خاں
- حمیدہ بیگم
- وحیدہ بیگم
- ساجدہ بیگم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مہندی رضا خاں ابن حسین رضا خاں ابن علی رضا خاں

- مہندی رضا خاں
  - اکرم رضا خاں
    - فرید رضا خاں
      - احد رضا خاں
    - جنید رضا خاں
  - کاظم رضا خاں
    - صالحہ بیگم
    - فرحت بیگم
  - ممتاز رضا خاں
    - پرویز رضا خاں
    - خالد رضا خاں
    - جاوید رضا خاں
    - محمود رضا خاں
    - طارق رضا خاں
  - معظم رضا خاں
    - اعظم رضا خاں

حامد رضا خان ابن حسین رضا خاں ابن علی رضا خاں

- حامد رضا خاں
  - نبی رضا خاں
  - ساجد رضا خاں
  - عثمان رضا خاں
  - فاروق رضا خاں
  - مشرف رضا خاں
  - طاہر رضا خاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 7

رینے میڈک (Rene Medec)

رینے میڈک تجربہ کار اور بہادر فرانسیسی آفیسر تھا۔ جاٹ راجا نول سنگھ کی ملازمت میں آ گیا تھا۔ اس کے دستہ میں تین ہزار فوجی جدید آلات جنگ سے آراستہ تھے۔ بادشاہ شاہ عالم نے اس کی شہرت اور شجاعت کے باعث چالیس ہزار روپیہ پر اسے مع فوجی دستہ کے نوکر رکھ لیا تھا اور اُسے فوجی دستہ میں اضافہ کرنے کا اختیار بھی دیدیا تھا۔ بادشاہ نے اُسے نواب شمس الدولہ بہادر قائم جنگ کا خطاب اور چھ ہزاری منصب دیا تھا۔ (جس میں ذات اور سوار شامل تھے)

جس وقت ایم شوالیر بادشاہ کی فوج میں آیا تھا اسے بھرت پور کی رہائش گاہ، ساز و سامان اور جواہر سنگھ پر دو لاکھ روپیہ بقایا فوجی تنخواہ چھوڑنا پڑا تھا۔ یہ سب کچھ اس نے ایم شوالیر (M.Shevalier) فرانسیسی چیف چندر نگر فیکٹری کی ایما پر کیا تھا جو دلی دربار میں فرانسیسی رسوخ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

پرانے قلعہ کی جنگ میں وہ دلیری سے لڑا تھا۔ ضابطہ خاں اور مراٹھوں کی 35 ہزار فوج اس پر ٹوٹ پڑی تھی (C.P.C. iv 122) لیکن وزیر حسام الدین کی سازش کے باعث اسے شکست اور فوجی بربادی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ میڈک نے اپنے تذکرے Memoir of Medec میں اپنی جنگی مہمات اور حالات کا تذکرہ کیا ہے۔ پرانا قلعہ کی جنگ کے بعد بھی وہ جنگوں میں شریک رہا تھا اور اس کی ران میں گولی لگی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 8

حضرت شاہ مدن

حضرت شاہ مدن کا نام سید شرف الدین اور ان کے والد کا نام سید عبد الباسط حموی گیلانی تھا۔ ان کی والدہ سیدہ فاطمہ، سید احمد صاحب کی صاحبزادی اور سید محمد صالح کی حقیقی بہن تھیں۔ شاہ مدن شہاب الدین سید احمد کے نامور نواسے تھے۔ اپنے بزرگوں کی طرح علوم ظاہری اور علوم باطنی میں قدرت حاصل کی۔ شاہ مدن صاحب صوبیدارانِ اودھ (صفدر جنگ اور شجاع الدولہ) اور سردارانِ روہیلہ (خصوصاً حافظ رحمت خاں) کے لیے لائق عزت اور روحانی پیرو مرشد رہے۔ روہیلہ سرداروں اور اودھ کے صوبیداروں نے ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی جائیداد شاہ صاحب کو دی تھی۔ والئی ملک آپ سے عقیدت وارادت رکھتے تھے۔ خاص طور سے کٹھیر کی روہیلہ قوم آپ سے بہت عقیدت رکھتی تھی۔ (منشی محمد مظفر حسین خاں سلیمانی: نامۂ مظفری ص 227-228 مطبع مجتبائی لکھنؤ سنہ مطبوعہ 1917)

شاہ صاحب کا تذکرہ عماد السعادۃ (مخطوطہ) میں تفصیل سے موجود ہے۔ آپ کا تعلق حضرت غوث الثقلین محی الدین عبد القادر جیلانی ؒ سے تھا۔ آپ نہایت خوش اخلاق اور صاحب اوصاف تھے۔ پہلے صفدر جنگ کے مصاحب و ہمراز تھے۔ اس کے انتقال (1756) کے بعد بنگالہ چلے گئے اور علی وردی خاں ناظم بنگالہ کی رفاقت میں مرجع انام (مقبول خاص و عام) رہے۔ جملہ امور ملکی و مالی آپ کی رائے سے انجام پاتے تھے۔ بنگال کے حالات خراب ہونے کے بعد اپنے وطن شاہ آباد واپس آ گئے اور شجاع الدولہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ آبائی مراسم کی وجہ سے نواب شجاع الدولہ شاہ صاحب کی بہت عزت کرتا تھا اور کوئی راز شاہ صاحب سے پوشیدہ نہ تھا۔ وہ اس درجہ احترام کرتا تھا کہ اکثر ہاتھی پر سوار ہوتے وقت اپنی جگہ شاہ صاحب کو بٹھاتا اور خود خواصی میں بیٹھتا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شاہ آباد کا فاصلہ اودھ کی راجدھانی فیض آباد سے کافی دور اور روہیلوں کے ملک کٹھیر سے بہت قریب تھا اس لیے شاہ صاحب کو یہ شک ہوا کہ کہیں چغل خور اور حاسد (شجاع الدولہ اور حافظ رحمت خاں میں نااتفاقی کے باعث) آپ کو بدنام نہ کر دیں، شاہ صاحب نے خالص پور میں ایک دوسرا مکان بنوایا۔

آپ ہر سال حضرت غوث الثقلین کا عرس کیا کرتے تھے جس میں علماء، طلباء مشائخین، پیرزادگان ہندوستان کے مختلف شہروں کے مثل پٹنہ، عظیم آباد، سہسرام، جون پور، الہ آباد، فرخ آباد، شاہجہاں پور، شاہ آباد، کالپی، کوڑا، خیر آباد، اٹاوہ، سندیلہ، کاکوری، لکھنؤ، سیلون، بریلی اور دل مئو، شریک ہوا کرتے تھے۔ کرایہ بہل وغیرہ (آمد و رفت) کا شاہ صاحب کی سرکار کی طرف سے ملتا تھا۔ عرس تین دن تک رہتا تھا۔ چند دوکاندار ترازو لیکر صبح سے شام تک بیٹھتے۔ کھانے کا سامان تول تول کر لوگوں کو دیتے۔ بعض بیراگی بھنگ، چرس، گانجہ کی نقدی بھی لے لیتے تھے۔ تقریباً تیس ہزار آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔ (عماد السعادة مخطوطہ 128b)

شاہ صاحب کو فن شاعری میں کمال حاصل تھا موجد تخلص کرتے تھے اور صاحبِ دیوان تھے۔ آپ کے متعلق خلیفہ عبدالرزاق یمینی اپنے تذکرے میں فرماتے ہیں، سید شرف الدین موجد تخلص صاحبِ دیوان شاعر ہے۔

معراجِ تست بارگہ عرشِ ذو الجلال

معراجِ مامدینہ عالی مقام کن

شاہ مدن کی ڈھیوڑی سے اکثر حاجتمندوں کو معافیاں ملتی تھیں۔ بعض کاغذات راقم کے پیش نظر ہیں۔ (مصنف نے ان کاغذات کی تفصیل لکھی ہے۔ نامہ مظفری 232-233)

شاہ مدن اس واقعہ کے گواہ تھے کہ شجاع الدولہ چالیس لاکھ روپیہ کا تمسک حافظ رحمت خاں کو واپس کر دے گا اور یہ گواہی شجاع الدولہ کو پسند نہ تھی۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ جب حافظ رحمت خاں کا کٹا ہوا سر شاہ مدن صاحب کو دکھایا گیا تھا تو آپ نے آبدیدہ ہو کر کہا تھا ''ایں سر ہماں مسلمان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

است"(عمادالسعادۃ)۔ یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ آپ نے یہ شعر پڑھا تھا

سر کشتہ بر ۔ نیزہ میزد نفس

کہ معراج مرداں ہمیں است وبس

(نامۂ مظفری جلد دوم 238)

جنگ کے بعد شجاع الدولہ نے بسولی پہنچ کر شاہ مدن صاحب کو نظر بند کر دیا۔ مال و متاع ضبط کر لیا۔ اثاث البیت اور مستورات کے زیورات بھی ضبط کر لیے۔ تین ماہ نظر بندی کے بعد شاہ صاحب کا انتقال ہوگیا۔ آپ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جو چند دن بعد مر گئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 9

مرزا نجف خاں

ایران کے معزز گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا نسب امام رضا سے ملتا ہے۔ اس کے خاندان کے کئی لوگوں کی شادیاں ایران کے صفوی بادشاہوں کی لڑکیوں سے ہوئی تھیں۔ وہ کم عمری میں بہن کے ساتھ ہندوستان آیا تھا جس کی شادی صفدر جنگ کے بڑے بھائی مرزا محسن سے ہوئی تھی۔

سب سے پہلے وہ مرزا محمد قلی خاں (مرزا کوچک) قلع دارالہ آباد کی نوکری میں آیا۔ جب شجاع الدولہ نے مرزا کوچک کو قتل کر دیا (جنوری 1761) تو وہ بنگال کے نواب قاسم علی خاں کی نوکری میں آ کر فوجی آفیسر بن گیا۔ اس نے میر جعفر اور میر قاسم کی جنگ (اُدھوا نالہ اگست 1763) میں اپنی بہادری کا ثبوت دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے شجاع الدولہ کا ملازم ہو کر بندیل کھنڈ میں زرِ پیشکش حاصل کرنے میں اس کی مدد کی۔ پھر بندیل کھنڈ کے راجکماروں کی جنگ میں معاوضہ لیکر جنگ کرتا رہا۔ اس کے بعد وہ انگریزوں کی ملازمت میں آ گیا اور الہ آباد پر قبضہ کرنے میں ان کی مدد کی (11 فروری 1765)۔ اس نے انگریز کمانڈر فلیچر (Flecher) کے ساتھ ملہار راؤ ہولکر کو شکست دینے میں فوجی مدد کی (مئی 1765) اور دن بدن انگریزوں کا اعتماد حاصل کرتا رہا۔

انگریزوں کی سفارش پر شاہ عالم نے اُسے کوڑا کا فوجدار بنا دیا (1766) لیکن منیر الدولہ نے اُسے بادشاہ کی نوکری سے نکلوا دیا (21 فروری 1770)۔ ایک سال تک وہ الہ آباد میں بیکار رہا لیکن 1771 میں بادشاہ نے اُسے پھر نوکر رکھ لیا اور بادشاہ کی فوج کا چیف کمانڈر بن گیا۔ اس نے شاہ کی فوج کو درست کیا اور آتشی اسلحہ اور جدید طرز کے توپخانے سے فوج کو آراستہ کیا۔ وہ اپنے حسن اخلاق، ملنساری، رحم دلی کی وجہ سے عوام اور کاشتکاروں میں مقبول رہا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 10

چارلس ہملٹن Charles Hamilton

ہملٹن ایسٹ انڈیا کمپنی میں اسکواڈرن آفیسر تھا۔ وہ فارسی کا عالم تھا۔ اس نے فارسی مخطوطات کا ترجمہ کیا تھا جو 1787 میں شائع ہوا تھا۔ اس کام پر اس نے دس سال محنت کی تھی۔ ہملٹن اپنے دیباچہ (Introduction) میں لکھتا ہے۔ ''یہ فارسی مخطوطہ جس کا اس نے دس سال پہلے انگریزی میں ترجمہ کیا تھا ایک افغان نے لکھا تھا جو نواب فیض اللہ خاں کا معتمد اور رازدار تھا۔ وہ ان تمام واقعات میں موجود رہا ہے جس کا اُس نے ذکر کیا ہے۔ ہملٹن اس مصنف کا نام نہیں لکھتا بلکہ اُسے Rohella Narrater یا Rohella historian کہتا ہے۔ ہملٹن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندو تھا۔ برٹش میوزیم میں شعبہ فارسی سے متعلق عالم ڈاکٹر سی ریو (Dr. C. Riev) نے پرشین مخطوطہ جلد اول ص 306 پر لکھا ہے کہ اس تاریخ کا نام فیض بخش ہے۔ ڈاکٹر ایتھ (Dr. Ethe) کا خیال ہے کہ اس مخطوطے کے سرپرست کا نام فیض اللہ خاں ہے۔ ڈاکٹر ریو کے مطابق یہ مصنف فیض اللہ خاں کا پولیٹیکل ایجنٹ تھا جو برٹش آرمی میں تعینات کرنل سے گفتگو کے لے بلگرام میں موجود تھا۔ بلگرام میں اس کی ملاقاتیں مسٹر کرک پیٹرک (Mr. Kirk Patrick) سے ہوا کرتی تھیں جس کی خواہش پر اس نے یہ مخطوطہ لکھا۔ اس نے یہ مخطوطہ 1776 میں مکمل کیا اور اس کا انتساب اپنے محسن فیض اللہ کے نام پر کیا جنہوں نے اس مخطوطہ کی تصیح بھی کی تھی۔ اس مصنف کا نام ''شو پرشاد تھا۔''

اس مخطوطہ کا ترجمہ سرایچ ایم ایلیٹ نے بھی کیا ہے۔ (vol. viii. 175-179) لیکن مسٹر ایلیٹ کو معلوم نہیں تھا کہ اس سے پیشتر بھی اس مخطوطے کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ مخطوطہ یقینی طور پر بنیادی ماخذوں میں ایک گراں قدر اضافہ ہے جس کا ہمیں علم نہیں تھا۔ جب اس مخطوطہ کا موازنہ انگریزی ماخذوں کے ساتھ کیا گیا تو واقعات حیرت کی حد تک صحیح پائے گئے۔ یہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شخص فیض اللہ خاں کی سرپرستی میں رہا پھر بھی وہ حافظ رحمت خاں کا نام بڑی عزت سے لیتا تھا جبکہ اس کے محسن و سرپرست فیض اللہ خاں کے والد نواب علی محمد خاں کے ملک کے ایک بڑے حصہ پر حافظ رحمت خاں نے قبضہ کر لیا تھا۔ بظاہر مصنف کے جذبات و خیالات اپنے محسن کے ہم خیال ہونے چاہیے تھے جسے اس کے وراثتی ملک سے محروم کر دیا گیا تھا۔"

(Strachy : P xv-xvi Preface)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 11

مقبرہ حافظ رحمت خاں

حافظ رحمت خاں کا مقبرہ شہر بریلی سے متصل پل (Over Bridge) سے اترتے ہی دائیں جانب، مغرب کی سمت، ریلوے لائن کراس کر کے چند گز کے فاصلہ پر ہے۔ مقبرہ میں داخل ہونے کے لیے ایک چھوٹا سا لوہے کی سلاخوں کا دروازہ ہے جس کا سائز اندازہ کے مطابق چار فٹ چوڑا اور چھ فٹ اونچا ہے جس میں متولی مقبرہ (غالباً راحت میاں) نے تالہ ڈال رکھا تھا اور وہ موجود نہیں تھا۔ اس کا مکان بھی مقبرہ کی آراضی میں غیر قانونی قبضہ کے تحت بنا ہوا ہے۔

اس عام دروازے کے علاوہ ایک دوسرا راستہ شمال کی سمت بھی ہے جہاں سے آوارہ کتے بھی بغیر روک ٹوک کے اندر داخل ہو سکتے ہیں۔ مقبرہ کی آراضی میں ناجائز قبضہ کر کے مکانات بنا لیے گئے ہیں۔ مقبرہ میں جھاڑ جھنکاڑ اور ویرانی ہے۔ چند بچے کھیل رہے تھے۔ اس ویرانے میں ہر فعل ہوتا ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ اتر پردیش کا نیلا بورڈ ضرور لگا ہے لیکن تحفظ کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ گنبد گر چکا ہے۔ دیواریں بھی بہت شکستہ ہیں بے توجہی اور مرمت نہ ہونے کے باعث بہت جلد ہی گر جائیں گی۔ مقبرہ کے جنوب میں چند گز کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا مقبرہ بغیر گنبد کا آٹھ فٹ اونچا ہے۔ اس مقبرہ کی تربت پر ایک کتبہ بزبان فارسی لگا ہے جس کی عبارت کا پہلا مصرعہ ہے ''دُختر خوب بہ از نسلِ نجیب الدولہ'' 1354 ہجری

مرحومہ کا نام نکہت آرا بیگم ہے۔ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرحومہ کا تعلق خاندانِ نواب نجیب الدولہ سے تھا۔ (نفیس صدیقی مورخہ 28 مئی 1999ء)

مقبرے کی مغربی دیوار کے نیچے غلام مصطفیٰ خاں ابن حافظ رحمت خاں (انتقال 1788) اور یہیں کہیں ذوالفقار خاں ابن حافظ رحمت خاں (انتقال 1797) کے مزار تھے جو پہنچان میں نہیں آ سکے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مقبرہ حافظ رحمت خاں، بریلی (اندرونی منظر)

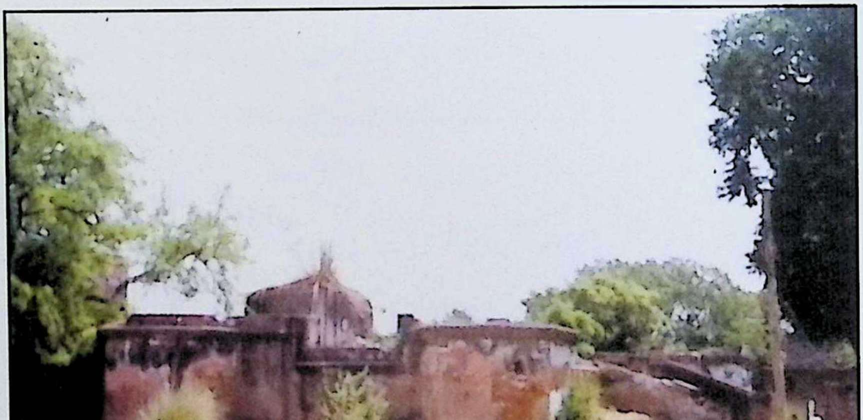

مقبرہ حافظ رحمت خاں، بریلی (باہری منظر)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس مقبرہ کی تفصیل الطاف حسین نے بیان کی ہے:

''حافظ الملک کی قبر پر 1775 میں راؤ پہاڑ سنگھ[1] نے مقبرہ کی تعمیر شروع کر دی تھی۔ تعمیر کے دوران ہی دس مہینہ بعد اُن کا انتقال ہو گیا تو حافظ صاحب کے صاحبزادہ نواب ذوالفقار خاں نے اسے تعمیر کرانا شروع کیا اور 1780 میں اس عمارت کو مکمل کر دیا۔

1819 میں لارڈ مائرا کے حکم سے شہر پناہ پیلی بھیت کا ملبہ فروخت کر کے اس کے روپیہ سے ایک گنبد عالیشان بھول بھلیاں، مسجد، بلند و بالا پھاٹک اور مقبرہ کے گرد تقریباً پانچ ہزار گز کے رقبہ میں پختہ چہار دیواری بنائی گئی۔

1840 میں زوجہ ملک احمد خاں بنت حافظ رحمت خاں نے مقبرہ اور عمارات متعلقہ کی مرمت کرائی اور گنبہ پر طلائی کلس چڑھوایا۔ 1857 کے ہنگامہ سے کچھ پہلے مسٹر تھامسن نے بھی مرمت کرائی تھی۔ 1857 کے ہنگامہ کے بعد جب حالات پرسکون ہوئے تو انگریزوں کی عملداری پھر شروع ہوئی۔ چونکہ 1857 کے مشہور باغی بہادر خاں کا تعلق حافظ رحمت خاں کے خاندان سے تھا اس لیے انگریزوں نے انتظامی کارروائی کے طور پر مقبرہ کو شکستہ ہو کر گرنے سے بچانے کی کوئی کوشش نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گنبد کے علاوہ مقبرہ کی تمام دوسری عمارتیں قریب قریب منہدم ہو چکی ہیں اور قرب و جوار کے رہنے والے بیدرد لوگ ان کے اینٹ مسالہ سے اپنے مکانات تعمیر کر رہے ہیں۔

پراونشل مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے اجلاس منعقدہ پیلی بھیت میں نواب انور علی خاں صاحب میونسپل کمشنر بریلی اور مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی بدایونی نے خان بہادر حافظ ہدایت حسین صاحب۔ سی۔ آئی۔ ای (ایم ایل سی) کو اس بارے میں توجہ دلائی تھی اور موصوف کی کوشش سے گورنمنٹ کے محکمہ آثار قدیمہ نے صرف گنبد کو اپنی نگرانی میں لے لیا ہے۔ لیکن گنبد کی حالت بتا رہی ہے کہ محکمہ آثار قدیمہ کی حفاظت میں آ جانے کے باوجود بھی وہ بے مرمتی اور کس مپرسی کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس زمانے کے دیکھنے والے خال خال (کہیں کہیں) اب بھی موجود ہوں لیکن آج سے دس بیس سال پہلے تو بہت سے لوگ ایسے ملتے تھے جو اپنے چشم دید مشاہدہ کی بنا کر یہ کہا کرتے تھے کہ اس مقبرہ کا منظر نہایت پر فضا اور بارونق تھا۔ احاطہ کے اندر خوشنما سڑکیں اور روشیں نظر آتی تھیں۔ ہر سال مقبرہ اور مزار پر سپیدی ہوتی تھی۔ تاریخ شہادت پر عرس ہوتا تھا جس میں ہزارہا مخلوق خدا جمع ہوتی تھی۔ قل ہوتا تھا اور قوالی کے جلسوں میں مشائخ وفقرا کا مجمع ہوتا تھا۔ ہر روز قوم کے چھوٹے بڑے کلام پاک پڑھتے تھے اور مدرسے کی صورت میں حافظ الملک کا روحانی فیض اپنا کام کیا کرتا تھا۔

(الطاف حسین: حیات حافظ رحمت خاں ص 229-231)

ا۔ راؤ پہاڑ سنگھ کی تفصیل ضمیمہ نمبر 12 میں دیکھئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 12

راؤ پہاڑ سنگھ کھتری

راؤ پہاڑ سنگھ قوم کے کھتری تھے۔ ضلع ہوشیار پور قصبہ گڑھ دیوالا سے بریلی آئے تھے۔ حافظ رحمت خاں نے انہیں 460 گاؤں اضلاعِ پیلی بھیت، شاہجہاں پور اور بدایوں میں جاگیر میں دیے تھے۔ تحصیل بیسل پور ضلع بدایوں میں موضع پہاڑ گنج انہی کے نام سے موسوم ہے۔

راؤ پہاڑ سنگھ کے ایک حقیقی بھائی چنپت رائے تھے ان کو بھی حافظ الملک نے بکثرت گاؤں جاگیر میں دیے تھے۔ ان کا دان کیا ہوا ایک نہایت عریض وطویل باغ جو باغ چنپت رائے کہلاتا ہے جانب غرب، بیرونِ شہر بریلی آر۔ کے لائن پر (علاوہ خاندانی احاطہ چھتریان) سادھوؤں کی ملکیت میں آج تک موجود ہے۔

راؤ پہاڑ سنگھ کی حویلی جو ''پہاڑ سنگھ کی گڑھی کہلاتی ہے محلہ گڑھی بریلی میں شکستہ حالت میں باقی ہے جس میں اس خاندان کے نہایت قابلِ احترام فرد کنور پرتاب سنگھ بعض دوسرے متعلقین کے ساتھ رہتے ہیں۔ انقلابات زمانہ کے ستائے ہوئے تنگ دست اور پریشان حال ہیں۔ ان کا شجرہ پہاڑ سنگھ سے اس طرح ملتا ہے۔

کنور پرتاپ سنگھ ابن کنور جوالا پرشاد، ابن راؤ بسنت رائے، ابن راؤ چھج مل، ابن راؤ جے گوپال ابن راؤ پہاڑ سنگھ۔

''پرتاب سنگھ جی کے پاس ان کے بزرگوں کے جمع کیے ہوئے دو صندوق فارسی کے قلمی کاغذات کے محفوظ ہیں۔ بعض بعض کاغذ انشا پردازی کے بہترین نمونہ ہیں۔''

(الطاف حسین: حیات حافظ رحمت خاں، ص 229 سن مطبوعہ 1933)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 13

نول رائے

نول رائے نواب صفدر جنگ کا نائب تھا۔صفدر جنگ زیادہ تر دلی دربار میں رہتا تھا اور صوبۂ اودھ کا سارا انتظام وانصرام نول رائے کے سپرد تھا۔نول رائے نوابی شان وشوکت سے رہتا تھا۔اس کا باپ مہتاب رائے کوڑا خورد تحصیل ملیح آباد کا رہنے والا تھا۔قوم کا کائستھ تھا۔اس کا خاندان قانون گویان کے نام سے مشہور تھا۔

کائستھوں کا صوبیدارانِ اودھ سے قریبی تعلق رہا ہے۔نواب برہان الملک (سعادت خاں) کے عہد میں راجا لکشمی نارائن پسر راجا ہرنارائن برہان الملک کا معتمد نائب تھا اور آتمارام برہان الملک کا دیوان تھا اور اس کا بیٹا مہانرائن اودھ کا اعلیٰ عہدیدار تھا جس نے لکھنؤ میں باغ مہانرائن بنوایا تھا۔رائے کیشورام جی برہان الملک کے حرم کا داروغہ تھا۔

نول رائے کے قتل کے بعد اس کا بیٹا گلاب رائے نواب شجاع الدولہ کا معتمد رہا۔وہ بانگرمئو ضلع اناؤ کا چکلہ دار اور ناظم تھا۔لکھنؤ اور موہان کے درمیان 'نول گنج' نول رائے نے آباد کیا تھا۔دریائے گومتی پر پتھر کا پہلا پل نول رائے نے بنوانا شروع کیا تھا کہ اسی دوران وہ احمد خاں بنگش کے ہاتھوں مارا گیا اور پل کی تعمیر ادھوری رہ گئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 14

خلیفہ محمد معظم عباسی

محمد معظم عباسی مصنف مثنوی 'جنگ نامہ آصف الدولہ ونواب رامپور 1794' تقریباً 1734 میں بریلی میں پیدا ہوئے 1794 میں ایک مثنوی میں کہا ہے۔

میرا سن تو ہے ساٹھ سے کم سوا　　ستھے یہ نہ مجھ سے کہ میں سٹھ گیا

معظم کا شجرہ اس طرح ہے......... محمد معظم بن لطف اللہ بن شیخ عزیز اللہ بن شیخ عبدالخالق بن شیخ عبدالسلام بن شیخ نظام الدین عرف ادھی امام۔(خاندانی شجرہ مرتبہ شیخ نورالدین عباسی بدایونی بحوالہ قادری ص 17)۔

علاقہ کٹھیر میں عباسی خاندان سنبھل، بریلی، بدایوں اور امروہہ میں ہمیشہ سے باعلم، بہادر، معزز، صاحبِ سیف اور صاحب قلم رہا ہے اور اس خاندان کے لوگ آج بھی صاحب علم اور بااثر ہیں۔محمد معظم بریلی کے باشندے تھے۔ کچھ عرصہ مرادآباد رہے پھر رامپور آ گئے۔''مولوی قدرت اللہ شوق نے شیخ محمد واصل عباسی بدایونی (وفات 1208ھ 1793-1794) محمد صدر عباسی بدایونی (وفات 1238ھ/ 1822-1823) حافظ محمد معتصم عباسی بریلوی حافظ محمد عزت اللہ عباسی بریلوی کا خاص طور سے تذکرہ کیا ہے جو ان کے شاگرد تھے۔

واصل کا فارسی دیوان (مخطوطہ) نیشنل میوزیم آف پاکستان (کراچی) میں محفوظ ہے۔محمد واصل کے والد شیخ شفاعت اللہ اور محمد معظم عباسی کے دادا شیخ لطف اللہ حقیقی چچازاد بھائی ہیں۔بدایوں کے عباسیوں میں قاضی عطاالحق، ان کے چھوٹے بھائی قاضی بہاءالحق، ان کے بیٹے قاضی عبدالسلام (وفات 1289ھ/ 1772-1773) اور مولوی حفیظ اللہ عباسی ریاست رامپور کے متوسل اور عہدۂ قضا وغیرہ پر فائز تھے۔

ایک معزز اور باعلم خاندان سے تعلق کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی علمی استعداد مستند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہو گی۔ قدرت اللہ شوق نے ان کی شاعرانہ صلاحیت کے بارے میں لکھا ہے کہ تاریخ گوئی، چیستاں اور سجع کہنے میں مہارت حاصل تھی۔ کم سخن، ذہین اور سلیم الطبع تھے۔ (قادری ص 18 بحوالہ تذکرہ طبقات الشعراء از قدرت اللہ شوق مطبوعہ لاہور 1968 ص 563) ذکا، اسپرنگر اور گارساں دتاسی نے بھی معظم کی شاعرانہ صلاحیت کو سراہا ہے۔

معظم فتح خاں خانساماں (عہد سردار داؤد خاں و نواب علی محمد خاں) کی ملازمت میں رہا۔ فتح خاں خانساماں قوم کا برہمن تھا داؤد خاں کا چیلہ تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ آنولہ اور دوسرے مقامات پر اس نے بہت سی مسجدیں، کنویں، سرائیں اور پل تعمیر کرائے تھے۔ آنولہ کی ایک مسجد کی تاریخ معظم نے کہی تھی.............فتوبی لباب کبیت عتیق (1185ھ/ 1771-1772) ایک تالاب کی تاریخ کہی ہے.........."آئینۂ رونمائی چرخ" (1176ھ/1762-1763)

فتح خاں خانساماں کے انتقال کی تاریخ سعدی کے شعر سے تھوڑی تبدیل کر کے نکالی ہے۔

نمرد آنکہ ممانند پس از وئے بنائے
پل و مسجد و چاہ و مہمان سرائے
(1187ھ/1773-1774)

نواب سعداللہ خاں کے انتقال کی تاریخ یوں کہی ہے۔

ایں ہمہ بے سرو بے پاز و فاتش گشتند
کرم و بخش وجود و علم و تیغ و قلم
(1776ھ/1762-1763)

فتح خاں خانساماں کے انتقال (1773-1774) کے بعد معظم نے اس کے لڑکے حافظ محمد عظیم خاں کی ملازمت اختیار کر لی۔ وہ محمد عظیم خاں کے لڑکے محمد نعیم خاں کا استاد تھا۔ اسی کی فرمائش پر جنگ دوجوڑہ کے حالات (1794) مثنوی کی شکل میں منظوم کیے۔ کئی جگہ مثنوی کا ذکر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

''مثنوی معظم'' کے نام سے بھی ملتا ہے۔ یہ مثنوی کٹھیر کی اُردو کی قدیم مثنویوں میں ہے۔ محبت خاں محبتؔ پسر حافظ رحمت خاں (وفات 1224ھ/ 1809-1810) ضیاء الدین عبرتؔ (وفات تقریباً 1204ھ/ 89-1790) اور غلام علی عشرتؔ (وفات 1236ھ/ 1809-1810) میر تقی میر، تسلیمؔ ساکن رستم نگر (رامپور) ضامنؔ، عبدوؔ، امیر اللہ تسلیم مولف تاریخ بدیع وغیرہ کی مثنویات بھی (جنگ دوجوڑا سے متعلق) تقریباً اسی عہد کی ہیں۔ معظم جنگ دوجوڑہ کا چشم دید گواہ ہے۔ غلام جیلانی رفعتؔ نے مثنوی 'درِ منظوم' میں فارسی زبان میں اس جنگ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس جنگ سے متعلق برہی کا ساکھا چند برس پہلے تک ملک کے دیہات میں گایا جاتا تھا جس کے چند شعر حسبِ ذیل ہیں:

سہر رامپور عجب دوانہ اس میں بسیں روہیلے کھوسیاں بیٹھی راج کریں چوپٹ کھیلیں پھانسے
(یعنی رانیاں بیٹھی راج کرتی ہیں اور گنجفا کھیلتی رہتی ہیں)

لاکھن لوگ تماسا دیکھیں نجو کھاں رن کھیلا رجی فرنگی نیوں اُٹھ بولا سن نجو کھاں بانکے
میری جان بکھسدے میں کروں معاملہ تیرا نجو کھاں ایک نہ مانا مار کے لاس بکھیری

معظم کی مثنوی کے چند اشعار حسبِ ذیل ہیں:

ہوئی سب پٹھانوں کی تیاریاں پھریں مارتے گھر میں کلکاریاں
ولایت کے افغاں چلے سب سنبھل چلے جیسے لنکا پہ بندروں کا دَل
چلے اس کے ہمراہ اس کے امیر کہ دیکھیں گے ہے کس طرح کا وزیر
(مخطوطہ معظم)

یہ جنگ موضع بھٹورہ کے کھیڑے میں ہوئی تھی جو اب فتح گنج (فتح گنج غربی) کہلاتا ہے۔
(اخبار الصنادید جلد اوّل ص ۶۳۹)

1۔ واصلؔ بدایونی کی مولوی قدرت اللہ شوقؔ سے قریبی رشتہ داری تھی۔ (محمد ایوب قادری جنگ نامہ آصف الدولہ و نواب رامپور مصنف خلیفہ محمد معظم عباسی ص 9 تا 20 مطبع انجمن ترقی اُردو (پاکستان) کراچی 1980ء)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 15

کٹھیر کے علماء، صوفیاء، اور اطبّاء

روہیلوں کی طاقت ور اور وسیع حکومت کی بنیاد سردار داؤد خاں نے رکھی۔ نواب علی محمد خاں، فیض اللہ خاں اور نجیب الدولہ نے اس حکومت کی طاقت اور وسعت میں اضافہ کیا۔ اس وسیع مملکت میں بڑی تعداد میں علماء، حکماء، صوفیاء، ادباء اور شعراء رہے ہوں گے جن کا ذکر اس دور کے تذکروں میں ضرور ہوگا۔ میں معاصر تذکروں کا مطالعہ نہیں کر پایا۔ البتہ احمد علی خاں شوق کی کتاب کاملانِ رامپور مطبع خدا بخش لائبریری پٹنہ 1986ء کا اختصار پیش کر رہا ہوں جو کاملانِ رامپور مطبوعہ ہمدرد پریس دہلی 1929 کی زیراکس کاپی ہے۔ احمد علی خاں شوؔق نے جن ماخذوں کا حوالہ دیا ہے ان کے نام ہیں (i) انتخاب یادگار مصنف امیر مینائی (ii) انوار العارفین (فارسی) مصنف مولوی محمد حسین تمنا (iii) مناقب احمدیہ و مقاماتِ سعید (فارسی) تذکرہ علمائے ہند مصنف مولوی رحمٰن علی (iv) جواہر علویہ مصنف شاہ رؤف احمد (v) فصول فیض اللہ خانی مصنف حکیم بایزید (vi) منشاتِ عزت (vii) روزنامچہ عبدالقادر خاں غمگینؔ (viii) مجمع الکرامات (فارسی) مصنف امام الدین خاں (ix) مسالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین مولف مرزا محمد عبد الستار بیگ سہرامی (مطبوعہ) (x) تشریق الخیال (xi) دار المعارف مصنف مولانا رؤف احمد (xii) تحریر مولوی مجتبیٰ خاں اندر (xiii) مرج البحرین مطبوعہ 1321ھ (1903ء)۔

میرے پیش نظر چند ماخذ اور رہے ہیں۔ (i) ماہنامہ نیا دور لکھنؤ فروری- مارچ 1994 میں پروفیسر محمد ولی الحق انصاری کا مضمون بعنوان 'فرنگی محل کی علمی' ادبی اور سیاسی خدمات (ii) نامہ مظفری مصنف محمد مظفر حسین خاں سلیمانی مطبع مجتبائی لکھنؤ 1917 (iii) تاریخ شاہجہاں پور مصنف مولوی محمد صبیح الدین میاں خلیل شاہجہاں پوری مطبع نامی پریس لکھنؤ 1936۔

مجھے شرمندگی ہے کہ میں نواب نجیب الدولہ اور نواب ضابطہ خاں سے متعلق تذکروں کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مطالعہ نہیں کر پایا۔ خاص طور سے نواب نجیب الدولہ کے عہد میں علماء وفضلاء واطباء بڑی تعداد میں رہے ہوں گے کیونکہ وہ وسیع علاقہ پر قابض تھا اور تقریباً گیارہ سال تک دلی حکومت کا ریجنٹ (Regent) رہا تھا۔ اس دور میں مسلسل جنگیں ہوتی رہیں اس لیے جراحوں (Surgeons) کی بڑی تعداد بھی رہی ہوگی اور فنِ جراحت (Surgeory) ایک ضروری پیشہ بن گیا ہوگا۔

علمائے کٹھیر

1۔ اخوندزادہ محمد شاہ والد اخوندزادہ مولوی عیاض خاں سالارزئی نواب علی محمد خاں کے عہد میں آنولہ آئے۔ معاہدہ لال ڈانگ کے بعد (1774) جب رامپور آباد ہوا تو فیض اللہ خاں کے پاس رامپور آ گئے۔ مولوی عیاض خاں رامپور میں پیدا ہوئے۔ نواب محمد سعید خاں، صاحبزادہ عبدالعلی خاں اور صاحبزادہ عبداللہ خاں کو پڑھایا۔ محمد شاہ کا انتقال 1817 میں ہوا۔

2۔ مولوی غلام جیلانی خاں قوم برکازی (جو یوسف زئی کا قبیلہ ہے) تھی۔ مولانا بحر العلوم کے استاد مولوی عباس علی سے تعلیم پائی۔ مولانا بحر العلوم کے ہم مکتب رہے۔ (کاملان رامپور 287) مولوی عباس علی کا نام مولانا بحر العلوم کے استاد کی حیثیت سے تحقیق طلب ہے کیونکہ علمائے فرنگی محل کی تاریخ میں یہ نام نہیں ملتا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے، ماہنامہ نیادور فروری/ مارچ 1994 ص 42) بلکہ ان کے استاد کا نام ملاّ کمال الدین ملتا ہے جو ملاّ نظام الدین کے شاگرد رشید تھے۔ (ماہنامہ نیادور 41)

مولوی غلام جیلانی خاں عالم ہونے کے علاوہ فوجی آفیسر تھے اور انتظامی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ ان کی فوجی اور انتظامی صلاحیت کا ذکر تفصیل سے کاملانِ رامپور صفحہ 287 پر درج ہے کہ یہ مرشد آباد (بنگال) گئے۔ نواب قاسم علی خاں نے شاہ عالم ثانی کے دربار میں سفیر مقرر کیا۔ خطاب خانی و بہادری جاگیر اور سہ ہزاری منصب ذات وسوار پایا۔ بنگال پر انگریزی تسلط ہو گیا تو نواب سعید اللہ خاں پسر نواب علی محمد خاں کے پاس آنولہ آ گئے اور ایک ہزار پیدل پر سپہ سالار ہوئے۔ دو ہزار کی تنخواہ اور جاگیر عطا ہوئی۔ بعد میں فیض اللہ خاں کے پاس آ گئے۔ ڈھیر پائی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تحصیلی بلاسپور (ضلع رامپور) کا علاقہ جاگیر میں ملا۔

3۔ ملاّ عبدالعلی بحر العلوم ملاّ نظام الدین (جنہوں نے درس نظامی ترتیب دیا تھا) کے شاگرد رشید ملاّ کمال الدین کے شاگرد تھے۔ علمائے فرنگی محل (لکھنؤ) میں بلند مقام رکھتے تھے۔ عالم ظاہر و باطن تھے۔ مدّت تک لکھنؤ میں فیض عام جاری رکھا لیکن مقامی سیاست اور حالات کی بنا پر لکھنؤ چھوڑ کر شاہ جہاں پور (مدرسہ حافظ رحمت خاں) اور پھر رامپور (مدرسہ عالیہ در عہد فیض اللہ خاں) آ گئے۔ رامپور سے بوہار ضلع بردوان (بنگال) پہنچے جہاں شایانِ شان قدر افزائی ہوئی۔ نواب ارکاٹ کی دعوت پر مدراس چلے گئے۔ نواب نے ملک العلماء کا خطاب دیا۔ بحر العلوم کا خطاب مشہور زمانہ بزرگ شاہ عبدالعزیز سے عطا ہوا تھا۔

ملاّ بحر العلوم کو عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا اور دونوں زبانوں میں ان کی تالیفات موجود ہیں جن کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔ یہ تالیفات معقولات، منقولات، تصوف اور ہر فن میں ہیں۔ بقول مفتی عنایت اللہ خاں وہ معقولات میں ابنِ ہمام، جلال دوانی اور صدرا شیرازی سے کم نہ تھے۔ پیدائش 1729ء وفات 13 اگست 1810ء (نیا دور 42)

4۔ ملاّ محمد حسن المعروف بہ ملاّ حسن ابن قاضی غلام مصطفٰے برادر ملاّ نظام الدین فرنگی محل (متوفی 3 صفر 1209ھ مطابق 30 اگست 1804ء) اپنے نامور چچا ملاّ نظام الدین کے شاگرد تھے۔ علوم معقولات میں ابو سینائے عصر سمجھے جاتے تھے۔ ایک عرصہ تک فرنگی محل میں درس و تدریس اور تالیفات کا سلسلہ جاری رکھنے کے بعد کچھ خاص حالات اور مقامی سیاست (علمائے تشیع سے اختلاف کے باعث) کے تحت لکھنؤ چھوڑ کر حافظ رحمت خاں کے پاس شاہجہاں پور میں رہے۔ اس کے بعد نواب ضابطہ خاں ابن نواب نجیب الدولہ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا اور ان کے ماموں نے ملاّ کمال الدین فتحپوری کی جگہ دارانگر کے مدرسہ میں ان کا تقرر کر دیا۔ (یہ مدرسہ نجیب الدولہ نے قایم کیا تھا۔) اس کے بعد ملاّ حسن نواب فیض اللہ خاں کے پاس رامپور چلے آئے جہاں سرکاری مدرسہ (مدرسہ عالیہ) آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ رامپور میں ان کا انتقال ہوا۔ جہاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دفن ہوئے وہ پورا علاقہ آج بھی انہیں کے نام سے موسوم ہے۔

ان کی مختلف شرحیں مثلاً شرح مسلّم العلوم، شرح مسلم الثبوت اور حواشی مثلاً حواشی صدرا، حواشی زوائد ثلثہ، حاشیہ شمس بازغہ، معارج العلوم اور مدارارج العلوم علمی دنیا میں عالی مقام رکھتے ہیں۔ (نیا دور 42)

5۔ قاضی دائم علی۔ بسی (سرہند) میں پیدا ہوئے تھے۔ 1177ھ/1763ء میں علاقہ سیفنی میں قاضی تھے۔ قصبہ ٹھوٹر میں قیام تھا جو اب محلّہ ٹھوٹر کے نام سے مشہور ہے۔

(کاملان رامپور 34)

6۔ مولوی محمد اکرم تخلص اکرم ولد محمد نور شیخ صدیقی شاگرد محمد نور گوپا موی عالم اور مصنف تھے۔ گلشن افضال، انشائے کرم، خالق باری اکرم تصانیف ہیں۔ خالق باری اکرم مطبع جعفری لکھنؤ میری نظر (احمد علی خاں شوق) سے گزری ہے۔ نواب ضابطہ خاں کی جنگ (جنگ کا حوالہ نہیں ہے) کو اردو میں لکھا تھا۔ (کاملان رامپور 51)

7۔ مولوی بشارت اللہ اخوند ولد نواب سحاب خاں غازی آنولہ آئے آنولہ سے پیلی بھیت آگئے اس کے بعد فیض اللہ خاں نے رامپور بلوالیا۔ کنڈہ محلہ میں قیام کیا۔ عبداللہ اخوند آپ کے صاحبزادہ ہیں۔ قبر کنڈہ میں تالاب کے کنارے ہے۔ (P 81)

8۔ مولوی سید جمال علی حضرت موسیٰ رضاؒ کی اولاد میں تھے۔ نواب علی محمد خاں کے عہد میں مولوی سید امام علی اور مولوی سید عنایت علی کے ساتھ آنولہ آئے۔ جب فیض اللہ خاں نے رامپور آباد کیا تو یہاں آگئے۔ پیرزنجیر کی زیارت کے پاس سکونت اختیار کی۔ یہ مقام اب قلعہ میں داخل ہے۔ رنگ محل کے قریب پیرزنجیر کا مقبرہ گنبد دار تھا۔ جب قلعہ میں توسیع کی گئی (نواب حامد علی خاں کے عہد میں) تو آپ محلّہ سیقل گراں کے کوچہ میں زینہ عنایت خاں میں رہنے لگے۔ فارسی میں ماہر اور خط نسخ کے اعلیٰ درجہ کے خوش نویس تھے۔ 96 برس کی عمر میں انتقال کیا۔ درخت کھرنی کے نیچے عبداللہ خاں کے باغیچہ میں دفن ہوئے۔ (P 95)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

9۔ ملاّ اسلم آخون فیض اللہ خاں کے عہد میں حیات تھے۔ (P 37)

10۔ ملاّ جہانگیر شاگرد ملاّ باب اللہ فیض اللہ خاں کے عہد میں حیات تھے۔

11۔ مولوی حاجی محمد عبداللہ خاں ابن حاجی محمد سعید خاں نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے ہم عصروں سے تعلیم پائی۔ شاہ صاحب کے ساتھ حج کو بھی گئے۔ فتح الرحمٰن، ترجمۃ القرآن مصفیٰ، شرح موطا و بخاری، قول الجمیل، تاویل الاحادیث، فوز الکبیر اور دیگر کتابیں لکھیں جن پر شاہ صاحب کی سند اجازت اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ان کے ورثاء کے پاس تھی۔ 1857 میں آگ لگنے سے ضائع ہوگئیں۔ شاہ ولی اللہ کے انتقال کے بعد حافظ رحمت خاں کے پاس آ گئے اور ان کے لڑکے عنایت خاں کی تربیت پر مامور ہوئے بریلی میں انتقال کیا۔

ان کے پانچ لڑکے تھے۔ 1۔ مولوی حاجی عبداللہ 2۔ محمد جان 3۔ مولوی عبدالرحمٰن 4۔ مولوی عبد الرحیم 5۔ (نام نہیں معلوم) حافظ رحمت خاں کی شہادت (1744) کے بعد فیض اللہ خاں ان لڑکوں کو رامپور لے آئے۔ شاہ عبدالعزیز آپ کو عزت مآب لکھا کرتے تھے۔ مولوی مدن بھی حاضر خدمت ہوتے تھے۔ حاجی عبداللہ محلہ ٹھوٹر میں رہتے تھے وہیں قبر ہے۔ حافظ اور قاری با کمال تھے۔

12۔ مولوی سید عبد الصمد خاں ابن مولوی سید محمد گل خاں نجیب آباد سے حافظ رحمت خاں کے پاس بریلی آئے اور پھر رامپور آ گئے۔ (P 221)

13۔ مولوی بخشی سید عنایت اللہ مشوانی (والد مولوی سید محمد گل خاں) جنگ پانی پت (1761ء) میں ابدالی کے ساتھ شریک تھے۔ نجیب الدولہ نے ابدالی سے انہیں مانگ لیا تھا۔ نجیب الدولہ کی فوج کے بخشی مقرر ہوئے۔ (P 374)

14۔ مولانا محمد مرشد ولد مولانا محمد اشرف ولد مولوی فرخ شاہ ابن خواجہ محمد سعید ابن حضرت مجدد الف ثانی۔

1117ھ (1705) میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ درجہ کے محدث و مفسر تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نسبت باطنی میں کمال حاصل تھا۔ کتاب سرالمرشدین میں مفصل حالات درج ہیں۔ 1177ھ (1763ء) میں جب تیسری بار سکھوں نے سرہند کو تباہ کیا تو مع اہل و عیال رامپور آ گئے۔ 19 رجب 1201ھ (1786) میں انتقال ہوا۔ محلّہ بڑے پیر صاحب کے جھنڈے کی مسجد کے چمن میں مختصر سی چار دیواری میں مزار ہے۔ (P 389)

15۔ مولوی محمد سعید خاں اپنے وطن تراہ (افغانستان) سے طلب علم کے لیے ہندوستان آئے۔ شاہ ولی اللہ سے تفسیر و حدیث پڑھی اور ان کے ساتھ حج کیا۔ حافظ رحمت خاں کے پاس بریلی آئے۔ اس کے بعد پانچوں بیٹوں کے ساتھ رامپور آ گئے۔ (P 412)

16۔ ملّا احمد خاں (ملا احمد ولایتی) ابدالی کے پنجاب پر حملہ کے بعد غوث گڑھ (مظفرنگر) میں نجیب الدولہ کے پاس رہے بعد میں رامپور آ گئے۔

17۔ سید صدر جہاں کو دہلی دربار سے دھمورہ (تحصیل ملک رامپور) میں جاگیر ملی تھی۔ رامپور میں 1774 سے پہلے آ گئے تھے۔

18۔ ملّا اخوند امام الدین رامپور میں فقہ پڑھاتے تھے۔ پرانی جوتیاں مرمت کر کے غریبوں مین تقسیم کر دیتے تھے۔ (P 54)

19۔ مولوی غلام جیلانی خاں یوسف زئی۔ بادشاہ احمد شاہ کے عہد میں منصب سہ ہزاری پر فائز تھے بعد میں نواب فیض اللہ خاں کے پاس آ گئے تھے۔ امام الدین خاں امامؔ اور انوارؔ کے دادا تھے۔ 1259ھ (1843ء) میں انتقال ہوا۔ احاطہ مزار حافظ شاہ جمال اللہ میں دفن ہوئے۔ ان کے دو مجموعے فارسی میں اور تین مثنویاں فارسی اردو میں لکھی ہیں۔

20۔ مولوی جلال الدین جلالؔ ولد مولوی شرف الدین صدیقی عالم اور صوفی تھے۔ وفات 1222ھ (1807)

21۔ مولوی سید رستم علی ابن مولوی سید محمد اسمٰعیل کوڑا جہاں آباد میں پیدا ہوئے۔ فرخ آباد میں تعلیم حاصل کی۔ کتب معقول بحر العلوم سے پڑھیں۔ مولوی نور عالم اور مولوی امام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بخش سے تعلیم حاصل کی 1240ھ (1824ء) میں انتقال ہوا۔ ان کا مدفن نواب فیض اللہ خاں کے مقبرہ سے مشرق کی طرف رامپور میں ہے۔

22۔ مولوی سید عبد الرحیم ابن مولوی سید عنایت اللہ خاں اپنے والد کے ساتھ نجیب آباد سے حافظ رحمت خاں کے پاس آئے۔ (P 215)

23۔ مولوی مصری خاں ابدالی کے حملہ کے وقت افغانستان سے آئے۔ آنولہ میں مقیم ہوئے۔ نواب فیض اللہ خاں نے وظیفہ مقرر کیا۔ دریا خاں کا گھیر (رامپور) میں مدفن ہے۔

(P 392)

24۔ مولوی محمد مغل خاں

شعرائے کٹھیر :- کٹھیر کے شعراء کا ذکر باب 13 میں درج ہے۔ چند شعراء حسب ذیل ہیں۔

1۔ کاظم علی خاں خٹک۔ تذکرہ تکملۃ الشعراء میں لکھا ہے ''خانِ عالیشان، فرشتہ صورت، زاہد، پرہیزگار شاعر خوش مقال، قوم افغان روہ میں ایسا خوش فکر اور خوش گو آدمی پیدا نہ ہوا ہے۔ زبانِ پشتو میں آپ کا دیوان خوش خیالی اور سخندانی میں مشہور ہے۔''

ایک نسخہ 416 صفحات کا موجود ہے۔ پشتو زبان میں دیباچہ لکھا ہے۔ خود لکھتے ہیں۔ ''راقم محمد کاظم شیدا تخلص خٹک۔ رحمٰن سٹرہ بنی کے سامنے میری کیا وقعت۔ یہ مسودہ میاں محمد عمر اور برادر محمد عابد خاں کے اظہار شوق کے لیے نظم مکمل کیا اور اس کی تدوین 1181ھ (1767ء) میں کی۔ دیباچہ کے بعد مثنوی ہے جس میں حمد، نعت اور منقبت خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور اپنے مرشد غلام معصوم کی مدح سرائی ہے۔

شیدا لکھتا ہے کہ پشتو زبان میں چونکہ بحور اور اوزان نہیں ہیں اس لیے ناقص و کامل سب برابر ہیں۔ پشتو دیوان کے بعد اپنا شجرۂ بیعت نظم کیا ہے جو غلام معصوم خلیفہ پیر صبغۃ اللہ خلیفہ خواجہ محمد معصوم مجددی سے سلسلہ ہے۔ اس کے بعد دو قصائد ہیں۔ تاریخ کٹھیر کے واقعات کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قطعات میں نظم کر کے تاریخی ماخذ بنا دیا ہے مثلاً صفدر جنگ کے نائب راجا نول رائے کا احمد خاں بنگش کے ہاتھوں جنگ میں قتل، مقام چلکیا میں احمد خاں بنگش اور سردارانِ روہیلہ کا پناہ لینا اور ناسازگار آب وہوا کے باعث روہیلوں کی وبائی اموات، نواب علی محمد خاں کی وفات وغیرہ۔

(P 332 - 336)

2۔ ناصر خاں سالارزئی نواب علی محمد خاں کے ساتھ سرہند سے کٹھیر میں آئے تھے۔ ذی علم اور شاعر تھے۔(P 403)

صوفیاء

1۔ سید ابدال شاہ کو نواب علی محمد خاں نے علاقہ بنہیر (افغانستان) سے بلایا تھا۔ بلاسپور (تحصیل رامپور) میں سکونت اختیار کی۔ نواب نے چند موضع اور ایک ہزار روپیہ ماہوار دیے۔ عربی اور فارسی میں مہارت تھی۔ مادری زبان پشتو تھی۔ نواب محمد امیر خاں والئ ٹونک بھی ایک سو روپیہ مہینہ دیتے تھے۔ بلاسپور میں محلّہ سادات اور محلّہ میاں صاحب آپ کے نام سے موسوم ہیں۔ ان کا مزار بلاسپور میں سید تراب علی شاہ کے مزار کے برابر ہے۔

2۔ ملاّ فقیر اخوند کے نام سے مشہور ہیں۔ نام شاہ عبدالکریم تھا۔ والد کا نام شاہ رحمت ہے۔ ولادت سرحد پنجاب کے قصبہ گجرات میں 1143ھ (1730ء) میں ہوئی۔ علوم ظاہری میں بھی کامل تھے۔ تصوف میں شاہ منور علی الہ آبادی سے خلافت پائی۔ حافظ رحمت خاں کی حیات (متوفی 1774) میں زیادہ تر پیلی بھیت میں قیام رہتا تھا۔ آپ کے بھائی حکیم بایزید اپنی تصنیف ''فصول فیض اللہ خانی'' (مسودہ رضا لائبریری رامپور) میں انہیں 'سرکار' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد فیض اللہ خاں کے عہد میں رامپور آئے۔ فیض اللہ خاں نے موضع ٹاہ جواب موضع مونڈا تھانہ کے پاس سڑک پر ہے جاگیر میں دیا تھا۔ 2 شعبان 1206ھ (1791ء) کو وفات ہوئی۔ حلقہ والی مسجد (رامپور) میں مزار ہے۔ ان کا سلسلہ بیعت آج بھی ہندوستان میں جاری ہے۔(P 322)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

3۔سید سلطان احمد عرف شاہ بھولے میاں نواب علی محمد خاں کے عہد میں بخارا سے کٹھیر میں آئے۔موضع کلیا پرگنہ آنولہ میں مقیم ہوئے۔نواب نے موضع کلیا اور ردوا اور موضع گزربسر کے لیے دیے۔کلیا میں قبر ہے۔ان کے انتقال کے بعد سید کاظم علی عرف قاضی میاں ابن شاہ بھولے میاں اپنے بھائی حسن شاہ کے ساتھ حصولِ علم کے لیے رامپور آئے۔سید کاظم علی کو صرف و نحو، فقہ تفسیر اور طب میں مہارت حاصل تھی۔ بیرونِ نواب دروازہ غریب شاہ کے تکیہ میں دفن ہوئے۔یہ قبرستان دریائے کوسی نے کاٹ دیا ہے۔(P 332)

4۔حافظ محمد ابن قادری۔ان کا مزار نہٹور میں ہے۔

5۔میاں بادشاہ مرید حافظ جمال اللہ۔مزار حافظ صاحب کے قبرستان میں ہے۔

6۔جلال الدین خاں (ان کے نام سے کٹرہ جلال الدین رامپور میں ہے)۔نواب علی محمد خاں کی دعوت پر کابل سے آئے تھے۔نواب فیض اللہ خاں کے عہد میں رامپور آ گئے تھے۔

7۔امام سید تراب علی کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ سید سالار غازی (غیر تاریخی شخصیت) کے لشکر میں سردار تھے۔قصبہ بلاسپور گوشہ مغرب و جنوب میں آبادی میں مزار ہے۔
(P 88)

8۔سید علی شاہ نواب علی محمد خاں کے عہد میں ترمذ سے آ کر آنولہ میں مقیم ہوئے۔ نواب علی محمد خاں کے مقبرہ کے چبوترے پر دفن ہیں۔

9۔سید حسن شاہ ابن سید علی شاہ آنولہ سے فیض اللہ خاں کے ساتھ رامپور آ گئے تھے۔ انتقال نواب احمد علی خاں کے عہد میں ہوا۔تاریخ وفات نہیں ملتی۔نانکار میں دفن ہیں۔مقبرہ نواب احمد علی خاں نے تعمیر کرایا تھا۔

10۔شاہ درگاہی خلف میاں شاہ لال صوبہ لاہور میں چناب کے کنارے قصبہ بہلول پور میں پیدا ہوئے۔علوی سید ہیں۔ان کی پیدائش تخت ہزارہ میں 1160ھ (1747ء) لکھی ہے۔صحرانورد تھے۔پہلے آنولہ آئے پھر رامپور آ گئے۔ان کا انتقال 1226ھ (1811ء) کو ہوا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اہلِ رامپور انہیں حافظ شاہ جمال اللہ کا جانشین مانتے ہیں۔

11۔سید رسول کا کا مجذوب تھے۔فیض اللہ خاں کے عہد میں حیات تھے۔حالات نہیں ملتے۔

12۔شاہ عبدالواحد قوم کے پٹھان تھے۔پہلے دلّی آئے پھر بریلی۔ بالا سپور (تحصیل رامپور) میں سکونت اختیار کی۔ عالم اور صوفی تھے۔(انتقال 1206ھ/ 1791ء) بھکرہ ندی کے کنارے آبادی سے جانب شمال مزار ہے۔چار دیواری بنی ہوئی ہے۔(P 166)

13۔پیر جی مرتضیٰ خاں۔مرید حافظ شاہ جمال اللہ۔(انتقال 1209ھ/1794ء)

14۔حافظ شاہ جمال اللہ ولد سید سلطان شاہ معروف بہ سید محمد روشن۔ لاہور کے مضافات میں قصبہ گجرات شاہ دولہ میں پیدا ہوئے۔سلسلہ نسب سید عبدالقادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔ والدہ پٹھانی تھیں۔فیض اللہ خاں کی فوج میں بہادر جنگ کے رسالہ میں نوکر تھے۔حافظ رحمت خاں اور ان کی بیٹی خدیجہ مرید تھیں۔(انتقال 1209ھ/1794ء)

اطبّاء

1۔حکیم محمد کاظم خاں اکوزئی۔جب نواب علی محمد خاں دلّی حکومت کی جانب سے سرہند میں چکلہ دار کے عہدے پر فائز تھے۔حکیم محمد کاظم خاں عرف کاجو خاں سوات (افغانستان) سے نواب کے پاس سرہند آئے۔قایم خاں بنگش اور نواب سعداللہ خاں (ابن نواب علی محمد خاں) کے مابین ڈونری رسول پور کی جنگ میں مارے گئے۔

2۔رضی خاں برادر حکیم کاظم علی خاں فیض اللہ خاں کے ملازم ہوئے۔آنولہ سے رامپور آئے۔نواب نے موضع ٹھوٹر (جواب محلّہ ٹھوٹر ہے) میں سو بیگہ زمین دی۔رضی خاں جنگ پانی پت (1761) اور جنگ دوجوڑہ (اکتوبر 1794) میں شریک رہے۔شتر خانہ کہنہ میں رضی خاں کا گھر موجود ہے۔(انتقال 1235ھ/ 1819ء)۔انور شاہ خاں، سعادت خاں، محمد شاہ خاں، شاہ ولی خاں، شاہ اعظم خاں، محمد نور خاں، شاہ محمد خاں اور شیر زماں خاں ان کی اولادیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھیں۔(43 - 44)

3۔ حکیم محمد افضل خاں سردار پر مول خاں کے ملازم تھے۔(P 47)

4۔ حکیم الہ داد نواب سعد اللہ خاں کے نوکر تھے(انتقال 1175ھ/ 1761ء)

5۔ حکیم بایزید ولد رحمت اللہ یہ شاہ عبد الکریم عرف ملاّ اخوند کے بھائی تھے۔ طب کی تعلیم حکیم مولانا عزیز الدین میرٹھی سے حاصل کی۔ سرہند میں نواب علی محمد خاں کے ساتھ رہے۔ طب میں فصول فیض اللہ خانی فارسی میں تصنیف کی (یہ مخطوطہ رضا لائبریری میں موجود ہے۔) یہ کتاب اپنے بیٹے سعید احمد کے لیے لکھی تھی اور فیض اللہ خاں کے نام معنون کی تھی۔ دیگر کتب کے حوالے مصنف نے دیباچہ میں لکھے ہیں۔

(i) جرائب النعمت (فن جراحت Surgeory) سنہ تصنیف (1175ھ/ 1761)۔

(ii) معالجات حاملہ سنہ (1187ھ/ 1773ء)

(iii) قرابادین نافع الامراض (1190ھ/ 1776ء)

(iv) مقالہ طب خزانۃ لعلاج (1202ھ/ 1787ء) (P78-77)

6۔ حکیم بھولا ناتھ (87)

7۔ حکیم دوست محمد خاں (128)

8۔ حکیم شعور اخوند زادہ (172)

9۔ حکیم مرزا عاشور بیگ (189)

10۔ حکیم عبد الرسول (202)

11۔ حکیم عطاء اللہ غمیںؔ ابن حکیم غلام رسول حکمتؔ کشمیر کے رہنے والے تھے۔ غازی الدین خاں فیروز جنگ کے مصاحب تھے۔ بعد میں فیض اللہ خاں کے پاس آ گئے۔ (222)

12۔ حکیم کبیر علی خاں سنبھلی۔ نواب محمد یار خاں ابن نواب علی محمد خاں کے ملازم تھے۔ (انتقال 1202ھ/ 1787)-(P 327)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

13۔حکیم محمد حسن خاں دہلوی۔طب کے علاوہ خوش نویس، منشی، مورخ اور موسیقی داں بھی تھے۔بعد میں دہلی چلے گئے۔ (انتقال 1238ھ/1822ء)-(P 270 - 269)

14۔میاں نعمت اللہ خاں ولد شاہ رحمت اللہ خاں ملا فقیر اخوند اور حکیم بایزید کے بھائی تھے۔فنِ جراحی میں ماہر تھے۔(انتقال 1235ھ/1819ء)ملاّ فقیر کی مسجد کے پاس مزار ہے۔ (421)

15۔حکیم خوشحال رائے حافظ رحمت خاں کے طبیب اور دواساز تھے۔فن طبابت میں مہارت حاصل تھی۔ان کے بیٹے حکیم دولت رائے بھی حاذق طبیب تھے۔بہترین خوش نویس تھے۔حسین وجمیل تھے۔جوانی مین انتقال ہوگیا۔اس خاندان کے مورث اعلیٰ بھیّا گنیش رائے تھے جن کے تین صاحبزادے تھے۔1۔چین رائے 2۔روپ رائے 3۔مصاحب رائے۔یہ سب حکیم تھے۔مصاحب رائے کے دو بیٹے خوشحال رائے اور عیوض رائے تھے۔غسل صحت کے بعد حافظ رحمت خاں نے انہیں باغات اور گاؤں دیئے تھے اس لیے اس خاندان کے پاس کافی دولت اور جائیداد ہوگئی تھی۔موضع رتناپور، بنکاپور اور پرگنہ محمدی (ضلع کھیری) قدیم زمانے سے مصاحب رائے ولد چین رائے کے نام معاف تھے۔غالباً یہ حافظ رحمت خاں کے عہد سے ان کے قبضہ میں آئے۔(نامہ مظفری 27 - 28)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 16

مولوی حافظ محمد عنایت اللہ خاںؒ

(خانقاہ عنایتیہ)

مولوی حافظ محمد عنایت اللہ خاں کے اجداد موضع شیل بانڈہ بانسکئے علاقہ بنہیر (افغانستان) کے رہنے والے تھے۔ ان کے جد اعلیٰ مولوی معظم خاں غالباً محمد شاہ (1719-1748) کے عہد میں علاقۂ کٹھیر کے کسی علاقہ میں قاضی مقرر ہوئے۔ ممکن ہے کہ یہ عہدہ انھیں دلّی دربار کی طرف سے ملا ہو اور یہ علاقہ بدایوں کا ہو یا پھر نواب علی محمد خاں کے دورِ حکومت میں نواب علی محمد خاں کی جانب سے ملا ہو کیونکہ اس عہد میں بدایوں کے کافی بڑے حصہ پر روہیلوں نے قبضہ کرلیا تھا۔

ان کے دادا شیخ رحمت خاں فیض اللہ خاں کے آخری عہد (1774-1794) میں رامپور آئے اور فوج میں جماعدار ہوئے۔ نصراللہ خاں سے ناخوش ہو کر ٹونک چلے گئے اور فوج میں ملازم ہوئے۔ ایک جنگ میں شہید ہوئے۔ ایک لڑکا حبیب اللہ خاں یادگار چھوڑا۔ حبیب اللہ خاں دیہات کی ٹھیکہ داری کرنے لگا۔ اس کی شادی ملا اخوند صاحب کے متبنی اور جانشین خلیفہ محمد صالح خاں کی بیٹی سے ہوئی جو نعمت خاں کمالزئی کی بھتیجی تھی۔ (تذکرہ کاملان رامپور)

حبیب اللہ خاں کے تین لڑکے تھے۔ عظیم اللہ خاں، عنایت اللہ خاں اور حکمت اللہ خاں۔ حکمت اللہ خاں بچپن میں فوت ہو گئے۔ عنایت اللہ خاں کی توجہ یادالٰہی میں زیادہ تھی اس لیے انھیں جانشین بنایا گیا۔ عنایت اللہ خاں 1910ء میں رامپور تشریف لائے تھے۔ مولوی عبیداللہ خاں (موجودہ جانشین خانقاہ عنائتیہ) کے بیان کے مطابق زیارت حلقہ والی کا وسیع علاقہ آپ کو ہبہ کیا گیا تھا۔ ہبہ کرنے والے کا نام معلوم نہیں البتہ اس وقت نواب حامد علی خاں کا دورِ حکومت تھا۔

''ابتدائی تعلیم مولوی کریم بخش نہٹوری سے حاصل کی پھر مولوی ارشاد حسین صاحب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے کتب عربی معقول ومنقول تفسیر، حدیث، قرأت، تجوید حاصل کی۔ طب کی تعلیم بھی پائی۔ بعض کتابیں مولوی ہدایت اللہ خاں رامپوری، مولوی احمد حسن مرادآبادی، مولوی عبد الکریم خاں رامپوری اور مولوی عبدالعلی خاں رامپوری سے پڑھیں۔ تعلیم سے فراغت پاکر مولوی ارشاد حسین صاحب کے مرید ہوئے۔ تیس سال تک سلوک مجددیہ تمام وکمال حاصل کر کے خلافت پائی۔ خانقاہ مملوکہ جائیداد میں تعمیر ہوئی۔ 10 ذی الحجہ 1745 (12 جون 1927) کو وفات پائی۔

(تذکرہ کاملان رامپور)

آپ کی تین بیویوں سے تیرہ اولادیں ہوئیں۔ سات اولادیں آپ کی حیات میں فوت ہوگئیں۔ پانچ لڑکے اور ایک لڑکی باقی رہی۔ آپ کے انتقال کے بعد بڑے لڑکی مولانا حافظ امداداللہ خاں ان کے بعد ان کے بعد تیسرے لڑکے مولانا حافظ حمایت اللہ خاں، پھر دوسرے لڑکے مولانا مفتی ہدایت اللہ خاں ان کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد اللہ خاں صاحب جانشین ہوئے۔ 11 نومبر 1997 کو آپ کا وصال ہوگیا تب آپ کے لڑکے مولوی عبیداللہ خاں صاحب جانشین ہوئے اور آپ ہی کے دم سے فیوض وبرکات کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

اس وقت رامپور میں خانقاہ عنائتیہ واحد خانقاہ ہے جہاں تکمیل سلوک (طریقت) ذکر زبانی، ذکر قلبی وغیرہ آج بھی جاری ہے۔ کسی زمانے میں بخارا، چین موجودہ بنگلہ دیش اور افغانستان سے عقیدت مند اور طالب سلوک آیا کرتے تھے۔ آج جبکہ گزشتہ دس پندرہ سالوں سے سجادہ نشینوں نے مزارات کو آمدنی کا ذریعہ بنا کر مختلف ہنگامہ آرائیاں شروع کر دی ہیں، لیکن اس خانقاہ میں باقاعدہ روزانہ بعد نماز فجر اور بعد نماز مغرب ختم خواجگان ہوتا ہے۔ طالب حق خانقاہ میں قیام کر کے سلوک کے مدارج طے کرتے ہیں۔ یہاں بعد تکمیلِ شریعت سلوک کی تعلیم دیجاتی ہے۔

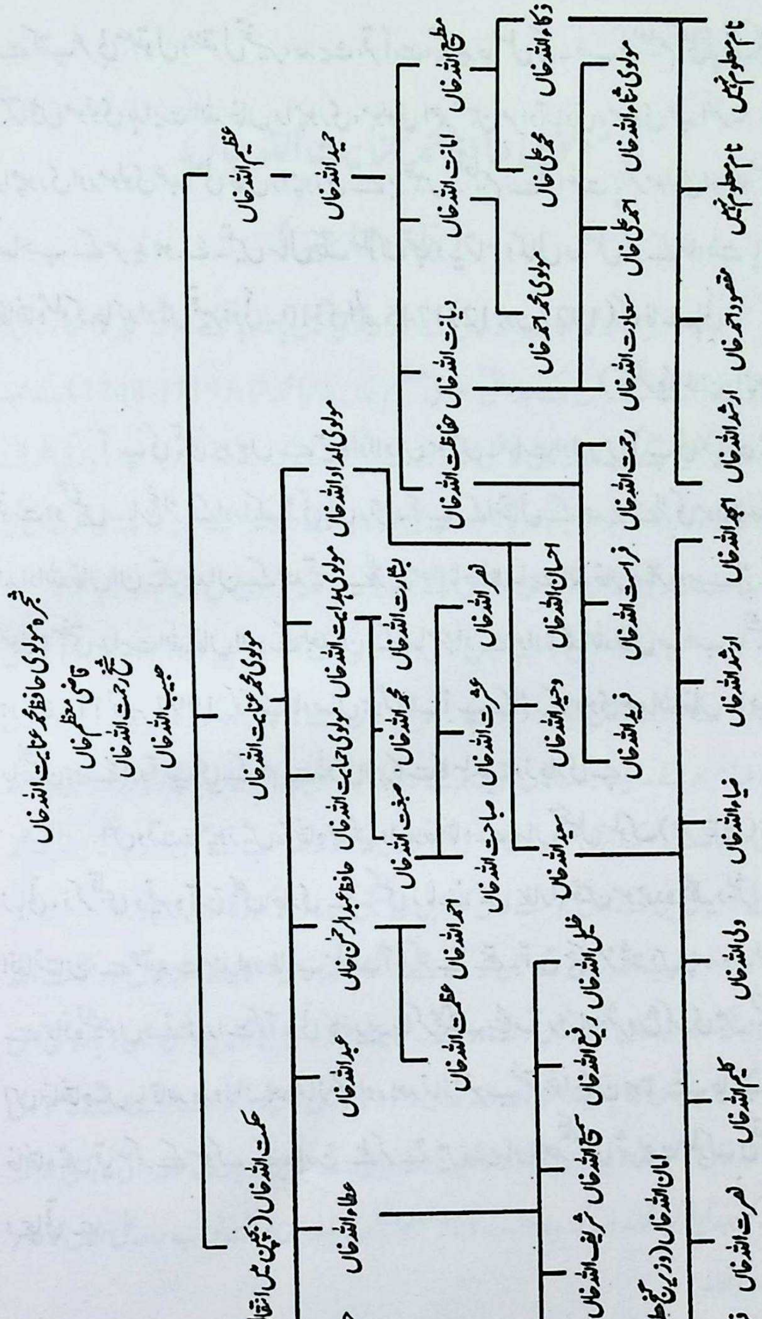
شجرہ مولوی حافظ محمد عنایت اللہ خاں
قاضی معظم خاں
شیخ رحمت اللہ خاں
حبیب اللہ خاں
عظیم اللہ خاں
حکمت اللہ خاں (بچپن میں انتقال ہو گیا)
مولوی محمد عنایت اللہ خاں
حمید اللہ خاں
حفیظ اللہ خاں
عطاء اللہ خاں
عبد اللہ خاں
حافظ عبد الرحمن خاں
مولوی حمایت اللہ خاں
مولوی ہدایت اللہ خاں
مولوی امداد اللہ خاں
مطیع اللہ خاں
امانت اللہ خاں
دیانت اللہ خاں
حفاظت اللہ خاں
احسان اللہ خاں
وحید اللہ خاں
سعید اللہ خاں
بشارت اللہ خاں
محمد اللہ خاں
صبغت اللہ خاں
نصر اللہ خاں
عزت اللہ خاں
صباحت اللہ خاں
احمد اللہ خاں
عظمت اللہ خاں
خلیل اللہ خاں
رفیع اللہ خاں
سمیع اللہ خاں
شریف اللہ خاں
عبد اللہ خاں
امان اللہ خاں (وزیر گنج ضلع بدایوں)
ذکاء اللہ خاں
محمد علی خاں
مولوی محمد احمد خاں
مولوی ثناء اللہ خاں
احمد علی خاں
سعادت اللہ خاں
رحمت اللہ خاں
فراست اللہ خاں
فرید اللہ خاں
نام معلوم نہیں
مقصود احمد خاں
ارشد اللہ خاں
ضیاء اللہ خاں
ولی اللہ خاں
کلیم اللہ خاں
نصرت اللہ خاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شجرہ احسان اللہ خاں ابن مولوی امداد اللہ خاں

احسان اللہ خاں

- سلامت اللہ خاں (مرحوم)
- عرفان اللہ خاں
- رضوان اللہ خاں
- عارف اللہ خاں
- وجیہہ اللہ خاں

شجرہ وحید اللہ خاں ابن مولوی امداد اللہ خاں

وحید اللہ خاں

- مولوی عزیز اللہ خاں
- مزمل اللہ خاں
- اکرام اللہ خاں

سلسلہ جانشینی مولوی محمد عنایت اللہ خاں

مولوی عنایت اللہ خاں

مولانا حافظ امداد اللہ خاں (بڑے لڑکے)

مولانا حافظ حمایت اللہ خاں (تیسرے لڑکے)

مولانا مفتی ہدایت اللہ خاں (دوسرے لڑکے)

مولوی محمد اللہ خاں (مرحوم) ابن مولانا مفتی ہدایت اللہ خاں

مولوی عبید اللہ خاں (موجودہ سجادہ نشین) ابن مولوی محمد اللہ خاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شجرہ مولوی محمد اللہ خاں ابنِ مفتی ہدایت اللہ خاں

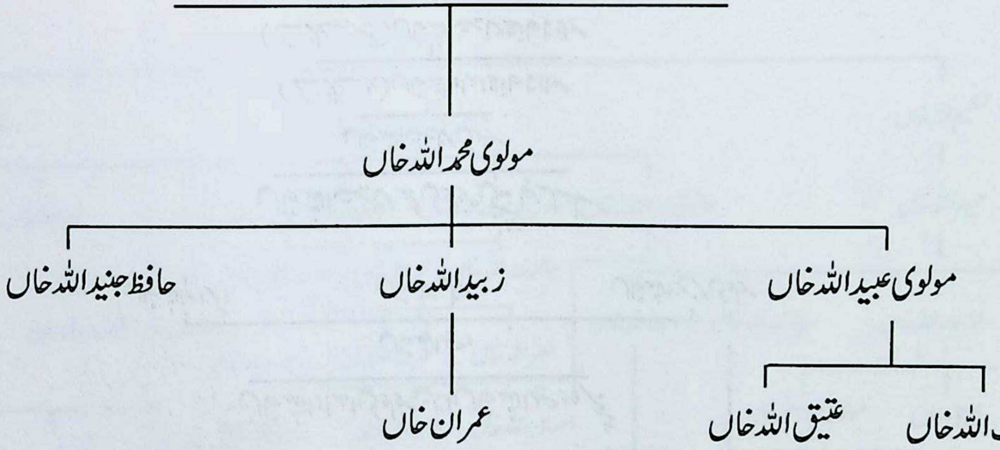

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 17

حکیم محمود خاں

حکیم محمود خاں کا تعلق کٹھیر کے اس معزز خاندان سے ہے جو کئی صدیاں گزرنے کے بعد بھی آج محلہ کوتوالی میں آباد اور با اثر ہے۔ ان کے والد محمد اکبر خاں جنگ دوجوڑا (26 اکتوبر 1794) میں مارے گئے تھے۔ محمود خاں رامپور میں پیدا ہوئے۔ علوم فارسی و عربی اور طب کی تعلیم رامپور میں حاصل کی۔ بھوپال چلے گئے اور ریاست بھوپال میں پانچ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ پر نوکر ہوئے۔ بیس برس کی ملازمت کے بعد غالباً 1243ھ (28-1827) میں انتقال ہوا۔ حکیم مولوی محمد مصطفیٰ خاں، مولوی محمد مرتضی خاں اور حکیم محمد مجتبیٰ خاں تین فرزند عالم فاضل اور طبیب یادگار چھوڑے۔

حکیم محمد مصطفیٰ خاں رامپور کی قدیم ترین آبادی محلہ ٹھوٹر میں رہتے تھے۔ طبابت کرتے تھے۔ 1289ھ (73-1872) میں رامپور میں انتقال ہوا۔ مولوی محمد مرتضی خاں بھی رامپور میں پیدا ہوئے۔ علمائے رامپور سے فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی نہایت فاضل اور بڑے فقیہ تھے۔ رامپور چھوڑ کر کانپور چلے گئے تھے جو انگریزی حکومت کا علاقہ تھا۔ منصف کے عہدے پر فائز تھے۔ بیمار ہو کر اپنے والد حکیم محمود خاں کے پاس چلے گئے۔ 1288ھ (72-1871) میں انتقال ہوا اور بھوپال ہی میں دفن ہوئے۔

حکیم محمود خاں کے تیسرے لڑکے حکیم مجتبیٰ خاں نے علمائے لکھنؤ اور علمائے رامپور سے تعلیم حاصل کی۔ ضلع گورکھپور میں منصف کے عہدے پر فائز ہوئے۔ 1857 کے غدر کے بعد انگریزی سرکار سے بددل ہو گئے۔ ملازمت ترک کر کے پٹھانوں کی قدیم بستی اور اپنے آبائی وطن پیلی بھیت آ گئے جہاں ان کا خاندان حافظ رحمت خاں کے زمانے سے آباد تھا۔ ایک لاکھ روپیہ کے سرمایہ سے لکڑی کی تجارت شروع کی اور طبابت بھی کرتے رہے۔ 1295ھ (1878) میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیلی بھیت میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان معاہدۂ لال ڈانگ (1774) سے پہلے پیلی بھیت میں آباد تھا اور حافظ رحمت خاں کی شکست (1774) کے بعد رامپور آ گیا تھا لیکن اس خاندان کا تعلق پیلی بھیت اور رامپور سے قایم رہا۔ حکیم محمد مجتبیٰ خاں کے لڑکے حکیم مظہر احسن خاں احسنؔ رامپور میں پیدا ہوئے تھے۔ تعلیم بھی رامپور میں پائی تھی۔ 'فارسی اور عربی کی تکمیل مولوی عبدالمجید خاں، سید علی حسن اور مولوی نور النبی سے حاصل کی۔ خط نسخ میں حافظ فیاض خاں کے، نستعلیق میں میر عیوض علی کے، شکست و شفیعہ میں عطا حسن کے شاگرد تھے۔ خط گلزار اور غبار اپنی ایجاد تھی۔ مفت قلم تھے۔ عروض و قافیہ میں مولوی جمال شاہ خاں اور منشی مظفر علی خاں اسیرؔ کے شاگرد تھے۔ شاعری میں پہلے مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کے شاگرد تھے۔ ایک دیوان فارسی اور ایک دیوان اُردو یادگار ہے۔'

مظہر احسن خاں میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ مختلف موضوعات پر تا حیات لکھتے رہے لیکن ''تصانیف کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ حالانکہ ''مطبع مظہری'' کے مالک تھے اور خورشید آفاق نامی اخبار نکالتے تھے۔'' رضا لائبریری کے فارسی اور اردو مخطوطات کے کیٹلاگ میں ان کا کلام نہیں ملا نہ ان کی کوئی وصلی ملی جس سے فنِ خوشنویسی کے بارے میں معلومات حاصل ہوتیں۔ البتہ ''پیلی بھیت میں ان کے بہت سے شاگرد ہیں۔ مطب کرتے تھے اور لکڑی کی آبائی تجارت بھی۔ بعد میں لکڑی کی تجارت ترک کر کے زمینداری خرید لی تھی۔ خورشید آفاق اخبار 1302ھ (85 - 1884) میں نکالا تھا۔ 15 مارچ 1890ء میں 47 برس کی عمر میں انتقال ہوا تھا۔ پیلی بھیت میں دفن ہوئے۔ اولاد میں کوئی عالم نہیں ہوا۔''

(تذکرہ کاملانِ رامپور ص 372، 382، 385، 393)

حکیم محمد مجتبیٰ کے دوسرے لڑکے شوکت علی خاں محلہ قاضی گلی رامپور میں رہنے لگے تھے۔ کھائی کھیڑا کے زمیندار تھے۔ جب مظہر احسن خاں کا انتقال ہو گیا تو ان کے لڑکے مرشد علی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاں کی پرورش ان کے گھر پر ہوئی لیکن جلد ہی انہیں مظہر حسن خاں کے دوست شاہ جی محمد شیر صاحب اپنے ساتھ پیلی بھیت لے گئے۔ اس طرح مرشد علی خاں کی پرورش اور تربیت ایک مرشد کی آغوش میں خانقاہی ماحول میں ہوئی۔ رامپور آ کر کھائی کھیڑا (ضلع مرادآباد) کے زمیندارے پر چلے گئے۔ لکڑی کی تجارت کی۔ 6 اکتوبر 1959 بروز جمعہ انتقال ہوا۔

مرشد علی خاں کے لڑکے خورشید علی خاں کی پرورش کھائی کھیڑا میں ہوئی تھی۔ مرشد علی خاں نے محلہ کوتوالان میں مکان خریدا۔ جنگلات کے ٹھیکیدار تھے اور آرا مشین بھی تھی۔ سیاست میں دلچسپی تھی۔ موسیقی کے شوقین تھے۔ ہارمونیم خود بجاتے تھے۔ ہمیشہ زندہ دل لوگوں کی صحبت میں رہے اور گھر پر بااثر حضرات کی مستقل صحبت رہی۔ 24 اگست 1984ء کو انتقال ہوا۔

نوٹ:- ''میر منشی شفیعا (ایران) نے خطِ شکستہ میں ایک خاص حسن پیدا کر کے اس کا نام خط شفیعہ اور خطِ غبار رکھا جو آج تک اسی نام سے موسوم ہے۔ ہندوستان میں غدر (1857) سے قبل یہ خط رائج تھا۔'' (حکیم محمود علی خاں اکبرآبادی مطبوعہ فراشخانہ دلی 1924) اس بیان کی روشنی میں احمد علی خاں شوق مصنف تذکرہ کاملانِ رامپور کا بیان مسترد ہو جاتا ہے۔

شجرہ حکیم محمود خاں

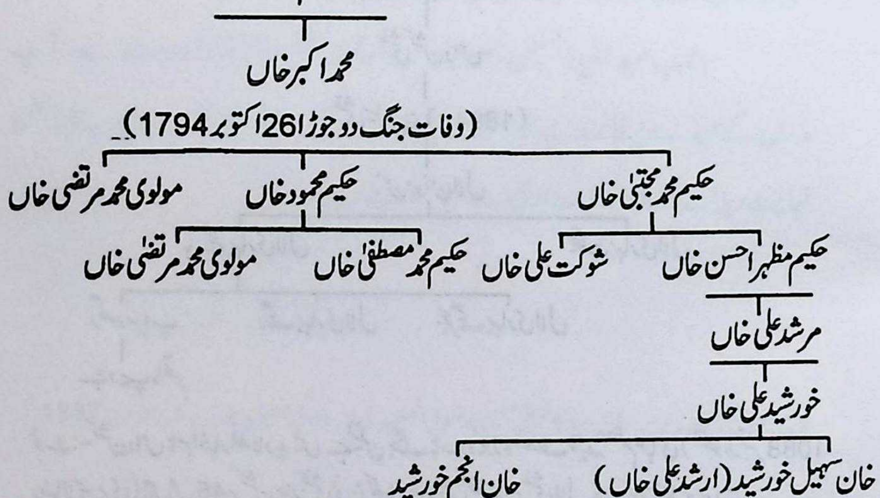

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 18

ماتھر خاندان

ماتھر خاندان نواب علی محمد خاں کے عہد سے نواب رضا علی خاں کے عہد تک نہایت وفادار، معتبر، دیانت دار، لایق اور اعلیٰ عہدوں پر فائز رہا جن کے تذکرے ہر دور کے حکمراں کے عہد میں اخبار الصنادید جلد اوّل اور جلد دوم میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس خاندان کی تاریخ روہیلہ حکمرانوں کے شانہ بشانہ چلتی رہی ہے۔ مندرجہ ذیل شجرہ میں نے اس خاندان کے بزرگ جناب رگھور سروپ ماتھر کے بیان کے مطابق ترتیب دیا ہے۔ مرحوم اس وقت 95 سال عمر کے ہیں اور صحت مند ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق سلسلہ کہیں ٹوٹ گیا ہے۔ یہ خاندان دیوان اور بخشی کے عہدوں پر فائز رہا ہے۔

راجہ کنور سین (در عہد نواب علی محمد خاں)

راجہ سروسکھ رائے
|
منشی دیپ چند
|
منشی لال جی (در عہد فیض اللہ خاں)
|
منشی کشن داس
|
منشی سیل چند (م 1894)
|
من موہن لال

بانکے بہاری لال — بھگت بہاری لال

(بانکے بہاری لال کی اولاد:) رگھور سروپ — رنگ بہاری لال — بجرنگ بہاری لال

رگھور سروپ
|
جے دیپ ماتھر

نوٹ:- کشن داس نام اخبار الصنادید میں ہے لیکن جنگ نامہ دو جوڑہ مصنف خلیفہ معظم عباسی (مخطوطہ نمبر 1088 رضا لائبریری) میں ص 45 پر کشن چند بخشی فوج لکھا ہے۔ اس مخطوطہ پر منشی لال جی کے دستخط موجود ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ضمیمہ 19

خاندان رضوی

سردارانِ روہیلہ اور نواب علی محمد خاں اہلِ سادات سے عقیدت رکھتے تھے۔ یہ سید صرف دُعا گو ہی نہیں تھے بلکہ اچھے فوجی بھی تھے اور جنگوں میں روہیلوں کے شانہ بشانہ جنگ بھی کرتے تھے۔

اس خاندان کے بزرگ بغداد میں قاضی کے عہدے پر فائز رہے اور ہندوستان آئے تو انہیں عہدے اور جاگیریں دی گئیں۔ قاضی عبد الرزاق رضوی اورنگ زیب کے زمانے میں آگرہ سے کندرکی آکر عہدۂ قضا پر فائز ہو گئے۔ اُن کے ساتھ میراثی بھی آئے تھے جو اہلِ سادات کی شادیوں میں شجرۂ نسب گا کر پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح کندرکی میں موضع قاضی پورہ خاندانِ رضوی نے آباد کیا۔ 1

کٹھیر پر روہیلوں کے قبضہ کے بعد بھی یہ خاندان معزز رہا اور روہیلہ ان کی عزت کرتے رہے۔ جب 1774 میں میں رامپور نواب فیض اللہ خاں کی جاگیر قرار پایا تو اس خاندان کے چند لوگ رامپور میں آباد ہو گئے۔

جناب سید امتیاز حسین رضوی (مرحوم) کا تعلق اسی خاندان سے ہے۔ آپ مدرس کے عہدے پر فائز رہے اور صولت پبلک لائبریری رامپور میں لائبریرین کے فرائض نہایت دیانت داری اور ذمہ داری سے انجام دیتے رہے۔

1۔ تاریخ مشہد یہ مرتبہ مولوی سید کاظم علی حسین رضوی المشہدی امروہوی مطبوعہ جوہر پریس امروہہ 1937

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شجرہ نسب سید امتیاز حسین رضوی

پیدائش 1909 - وفات 1991 - مدفن قبرستان گوئیا تالاب

سید ظہور علی رضوی ابن سید لیاقت علی رضوی ابن سید دلاور علی

سید قمر علی — سید منظور علی — سید لطافت علی

سید مشتاق حسین — سید جعفر حسین — سید اشفاق حسین — سید منور حسین

سید اشتیاق حسین — سید امتیاز حسین — سید نزاکت حسین — سید اعجاز حسین — سید سجاد علی — سید اقبال احمد

سید محمد ماجد (انجینئر) — سید محمد محمود (ایڈوکیٹ)

سید حسن باسط

سید سعد حسن — سید باسم علی

(مطبوعہ شجرہ صولت پبلک لائبریری رامپور میں موجود ہے)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(ضمیمہ 20)

سید امام علی سبزواری

سردارانِ روہیلہ اہلِ سادات کی بہت عزت کرتے تھے۔ عام طور پر اہل سادات کو عام روہیلہ بھی عقیدت اور عزت کی نظر سے دیکھتے تھے، اس لیے روہیلہ حکومت کے دوران بہت سے خاندانِ سادات کٹھیر میں باعزت طور پر بلائے گئے تھے۔ رامپور آباد ہونے کے بعد (1774) کٹھیر کے مختلف علاقوں کے خاندانِ سادات بھی رامپور آ گئے۔ ان خاندانوں میں سبزواری سیدوں کا خاندان بھی آج رامپور میں آباد ہے۔ سید راشد علی سبزواری ابن سید محبوب علی عرف لاڈلے میاں نے اپنے خاندان کا شجرہ مجھے دیا ہے جس پر کسی مغلیہ دور کے منصب دار کی مہر بھی ہے جو وقت گزرنے پر نہایت دھندلی ہو گئی ہے۔ غالباً اس مہر پر ''خادم مولوی جلیل اللہ یا خلیل اللہ سرہند شریف'' کندہ ہے۔ نام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صاحبِ مہر اسی سلسلہ کے کوئی بزرگ سرہند شریف سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے وقت کی برگزیدہ ہستی تھے۔ اس خاندان کا سلسلۂ نسب ''امام علی مرتضیٰ'' سے ملتا ہے۔ اس خاندان کے سید امام علی نواب علی محمد خاں کے عہد (وفات 1748) میں بدایوں میں قاضی کے عہدہ پر فائز تھے۔ حافظ رحمت خاں کی شکست (1774) کے بعد یہ خاندان رامپور میں محلہ چوک محمد سعید خاں میں آباد ہو گیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

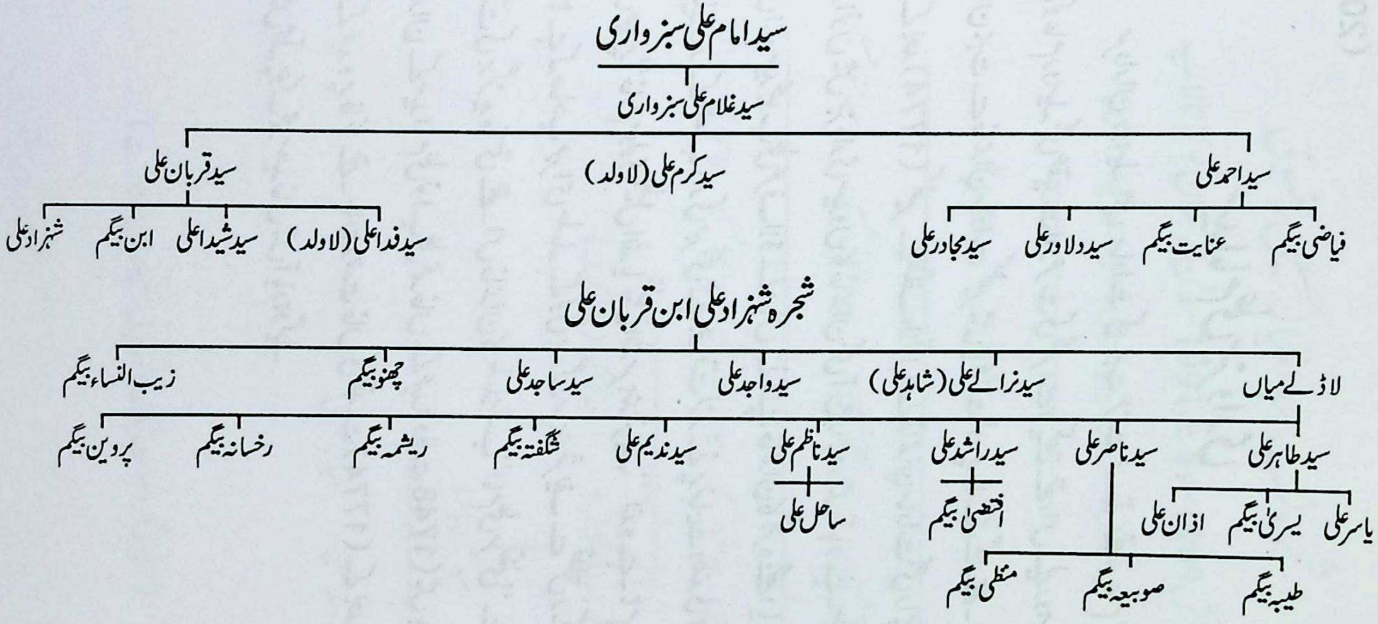

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شجرہ سید نزالے علی ابن شہزاد علی

- سید طالب علی
- سید عاقل علی
- گل بیگم
- عروج بیگم

شجرہ سید ساجد علی ابن شہزاد علی

- سید اوصاف علی (عامر علی)
- منظر نواز (کامل علی)
- صبا بیگم

شجرہ سید واجد علی ابن شہزاد علی

- سید سمیر علی
- سید نہال علی
- سید انس علی
- سید نامِ علی

شجرہ سید دلاور علی ابن سید احمد علی

- سید محبوب علی
  - تاجدار بیگم
  - کوثر بیگم
  - سید رئیس علی
    - وسیع علی
    - محسن علی
    - محیط علی
    - صائمہ
  - سید ظریف علی
  - سید ضمیر علی + نیہا بیگم
- سید فضل علی (لاولد)

یوسف زئی ابن مندر (منڈر)
- موسیٰ
  - الیاس
    - سالارزئی (حیات افغانی ص 171)

خاندان سلارزئی ساکن محلّہ باجوڑی ٹولہ کا شجرہ اس طرح ہے:

محمد شاہ خاں (عہد سردار داوٗد خاں)
- شاہ نواز خاں (عہد حافظ رحمت خاں انتقال لال ڈانگ 1774ء)
  - علی محمد خاں (عہد فیض اللہ خاں و غلام محمد خاں ابن فیض اللہ خاں)
    - علی حسین خاں
      - احمد حسین خاں (مدفن قبرستان متصل مزار شاہ جمال اللہؒ، رامپور)
        - مولوی حکیم خوشنود حسین خاں (مرحوم)
        - خالد حسین خاں
        - ناظم حسین خاں

علی محمد خاں جنگ دوجوڑہ اکتوبر 1794ء میں شکست کے بعد غلام محمد خاں ابن فیض اللہ خاں (مدت حکمرانی تین مہینہ بائیس دن جانشینی 1794ء) کے ساتھ ''نادون'' چلے گئے تھے۔ وہیں پر انتقال ہوا۔ علی حسین خاں کی بنوائی ہوئی ''مسجد املی والی'' محلّہ باجوڑی ٹولہ میں موجود ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اصطلاحات

چوتھ:- مرائھوں کا اس علاقہ پر مطالبہ جس میں وہ لوٹ مار کرتے تھے مگر اپنے انتظام کے تحت نہ لاتے تھے چوتھ کہلاتا تھا۔ چوتھ (ٹیکس) عام طور پر مال گزاری کا ایک چوتھائی ہوا کرتا تھا۔

دیوان:- یہ لفظ مختلف عہد میں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ تیرہویں اور چودھویں صدی میں دیوان بمعنی وزارت سولہویں صدی میں بمعنی (i) وزیر مال (ii) کسی امیر کا داروغہ۔ سترہویں صدی میں (i) وزارتِ مال کا کوئی اعلیٰ عہدیدار (ii) صوبہ جاتی عہدیدارِ مال۔ سترہویں صدی میں اور اس کے بعد مال گزاری اور مالیات کا پورا نظم ونسق اور اُنیسویں صدی میں دیوانی کی عدالتیں۔

فوجدار:- چودھویں صدی میں ایک فوجی افسر جو کسی فوجی جماعت کے سپہ سالار کے تقریباً مماثل اور سپہ سالار اعظم کا براہِ راست ماتحت ہوتا تھا۔ سولہویں سے اٹھارہویں صدی کے دوران کسی صوبہ کے ایک حصہ کے نظم ونسق کا ذمہ دار عہدہ دار لیکن اس کا تعلق مالی نظم ونسق سے نہ ہوتا تھا۔ لیکن اٹھارہویں صدی میں کبھی کبھی ایک ہی افسر دیوان اور فوجدار دونوں ہوا کرتا تھا۔

فوجداری:- کسی فوجدار کا عہدہ یا منصب۔ سترہویں صدی سے مالی نظم ونسق اور انتظام سے الگ رہا۔ بعد کے زمانے میں دیوانی سے علیحدہ فوجداری کی حدود اختیار بھی حاصل ہوگئی۔

فوآزل (فواضل):- تیرہویں اور چودھویں صدی کے دوران مال گزاری کی وہ فاضل رقم جسے صوبیدار کو منظور شدہ اخراجات کی منہائی کے بعد خزانہ میں داخل کرتا ہوتا تھا۔

گماشتہ:- ایک مددگار یا ماتحت۔ اسے خالصہ زمینوں کے محصلین ملازم رکھتے تھے۔

حاکم:- کسی اونچے انتظامی عہدے دار مثلاً کسی صوبے کے نائب ممکلت یا اس سے چھوٹے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

علاقے کے صوبیدار کے مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔

حوالی:- پہلے مضافات کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ لیکن تیرہویں اور چودھویں صدی میں حوالی دلی سے جمنا کے مغرب کا ایک متعین انتظامی علاقہ مفہوم تھا۔

اجارہ:- سولہویں صدی سے اٹھارھویں صدی کے دوران مال گزاری کا ٹھیکہ۔ اسے اجارہ دار اور مستاجر بھی کہتے ہیں۔

اقطاع:- مال گزاری کا عطیہ، مرادفات، جاگیر، تیول، اور تیرہویں صدی میں ایک صوبہ کو بھی اقطاع کہا گیا ہے۔

اقطاع دار:- جاگیردار (صوبہ دار جسے مقطی کہتے تھے) کے مفہوم میں استعمال نہ ہوتا تھا۔

جاگیر:- مال گزاری کا عطیہ، مرادفات، اقطاع، تیول

خالصہ:- حکومت کے لیے مخصوص کی ہوئی زمین۔

محال:- اکبر کے تحت سرکار کی ایک ملکی تقسیم جو ہمیشہ تو نہیں مگر معمولاً پرگنہ کے مطابق ہوتی تھی۔

مَلِک:- تیرہویں و چودھویں صدی میں اشراف کا ایک طبقہ جو امیر سے کمتر ہوا کرتا تھا۔ اس کے بعد غیر واضح طور پر استعمال کیا جانے والا ایک اعزازی لقب تھا۔

موضع:- تیرہویں صدی میں عموماً کسی جگہ یا مقام کے وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا تھا۔ اس کے بعد سے ایک گاؤں مراد ہوا۔ یہ لفظ دیہہ کا مترادف ہے۔

محاسبہ:- کسی سرکاری ملازم کے حسابات کی جانچ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مِلک :- معاش کی معافی جو دینے والے کی مرضی پر ختم کی جاسکتی ہو۔

مُقدّم :- تیرہویں و چودھویں صدی میں ایک ممتاز شخص۔ بعض اوقات مخصوص طور پر موضع کا مکھیا۔ سولہویں صدی سے مکھیا کے معنی میں زیادہ استعمال ہوا ہے۔

مطالبہ :- سترہویں صدی سے اس کا مفہوم مطالبۂ مال گزاری کی مقدار ہوسکتا ہے۔

پرگنہ :- مواضعات کے مجموعہ کا ہندوستانی نام۔ یہ چودہویں صدی میں قصبہ کو جزوی طور پر بے دخل کرنے کے بعد مسلمانوں کے یہاں سرکاری طور پر استعمال ہونا شروع ہوا۔

صدر :- عہد مغلیہ میں ایک اونچے عہدیدار کا لقب جس کے فرائض میں معافیوں کی نگرانی شامل تھی۔

سلامی :- کسی عہدیدار کے سامنے حاضر ہونے کے وقت پیش کی ہوئی نذر۔

سرکار :- سرگزشتوں میں اس کے معنی عام طور پر بادشاہ یا کسی امیر کے خزانے کے ہیں۔ شیر شاہ کے تحت اس سے مراد ایک انتظامی ضلع یعنی پرگنوں کا ایک مجموعہ تھا اور اکبر کے تحت ایک مالی ضلع۔

سیورغال (سیورغآل) :- مغلیہ عہد میں بادشاہ کے منظور کیے ہوئے گزارے خواہ نقد ادا کیے جائیں خواہ زمین کی معافیوں کے ذریعہ۔

تیول :- مال گزاری کی جاگیر، مرادفات جاگیر، اقطاع۔

ویران :- غیر مزروعہ علاقہ یا زمین

زمیندار :- شمالی ہندوستان کی تحریروں میں اس کے معنی مورلینڈ کے نزدیک سردار کے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یعنی زمین کا قابض جس حق یا دعوئ مسلم حکومت سے پہلے کا ہو یعنی عام طور پر کوئی راجا، راؤ یا کوئی ہندو بادشاہ یا سابقہ بادشاہ جو مسلم ریاست کا باجگزار بن چکا ہو۔ کبھی کبھی اس کا اطلاق ایسے حکمرانوں پر بھی ہوتا تھا جو باجگزار نہ بنتے تھے۔

جاگیر:- بادشاہ اپنی مملکت کے بیشتر علاقوں کی مال گزاری اور دیگر محاصل کے حقوق کو اپنی رعایا کے بعض لوگوں کو منتقل کیا کرتا تھا جنہیں جاگیر کہا جاتا تھا اور جس کو یہ حقوق منتقل کیے جاتے تھے انہیں جاگیردار (قالفین جاگیر) تیول دار اور اقطاع دار کہتے تھے۔ لیکن تیول داور اور قطاع دار کا زیادہ استعمال نہ تھا۔ مغلیہ حکومت کے حکمراں طبقہ کی آمدنی کا خاص ذریعہ جاگیریں تھیں۔ عام طور پر دربار کے امراء ہی منصب دار ہوتے تھے اور منصب بادشاہ عطا کرتا تھا۔ یہ منصب عموماً دوہرے ہوتے تھے یعنی ذات اور سوار۔ ذات منصب دار کی تنخواہ کو ظاہر کرتا تھا اور سوار اس فوج کی تعداد کو ظاہر کرتا تھا جس کی کفالت اسے کرنا ہوتی تھی۔ ان دونوں منصبوں کی تنخواہیں جزوی تفصیلات کے ساتھ درج کی جاتی تھیں۔ منصب داروں کی تنخواہیں رقم کی صورت میں خزانہ سے ملا کرتی تھیں یا جیسا کہ عام رواج تھا انہیں مخصوص علاقے جاگیر میں دیدیے جاتے تھے یعنی ایسی زمینیں جن پر زمین ہی کی طرح قبضہ ہوتا مگر اس کے بالمقابل کوئی منصب یا ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تھی وہ انعام کہی جاتی تھیں۔ اور شاہزادیوں کے عطیات کو "برگ بہا" کہتے تھے۔ عام طور پر شاہزادوں کو ان کے مناسب کے لحاظ سے جاگیروں کے علاوہ بڑے بڑے انعامی عطیات بھی دیے جاتے تھے۔ (عرفان حبیب: مغلوں کا طریق زراعت 356 - 358)

جاگیرداری نظام دراصل معینہ تنخواہوں کی ادائیگی کا طریقہ کار تھا۔

(نعمان صدیقی: مغلوں کا نظام مال گزاری)

جمع:- سلطنت کی پوری آمدنی کا اندازہ جمع کہلاتا تھا۔ (نعمان صدیقی)

مدد معاش آراضیات:- حکمراں کی طرف سے نیک لوگوں کی پرورش کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لیے قطعہ آراضی (قابل کاشت) دیا جاتا تھا۔ خاص طور سے شیوخ اور سادات کو یہ زمینیں دی گئیں جو دور دراز علاقوں میں آباد ہو گئے۔ ان زمینوں سے ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ یہ لوگ مقامی لوگوں سے اچھا تعلق رکھتے تھے اور بادشاہ کو صحیح خبریں بھیجتے تھے۔ مدِ معاش کی زمین رکھنے والوں کو نقل وانتقال کا پورا حق تھا۔ وہ زمیندار کی طرح ہبہ یا بیع کر سکتے تھے۔ ان لوگوں کے برتاؤ اور حسن اخلاق سے غیر مسلم بہت متاثر ہوئے۔ اور مذہبی رواداری کی علامات دیہاتی سماج میں قایم ہوئیں۔ (نعمان صدیقی) گزر اوقات کے لیے زمین کی معافی (مور لینڈ 324)

آبادی:- یہ لفظ آباد اور کاشت کیے ہوئے علاقہ کا عام مفہوم رکھتا ہے۔ آبادی اور کاشتکاری لازم وملزوم ہوتی ہیں۔ اسے ایک حالت بیان کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں جس کا ترجمہ کبھی 'خوشحالی' ہوگا اور کبھی 'ترقی' بھی ہوگا۔

التمغا (آلتمغا):- مہر لگی ہوئی معافی۔ جہانگیر کی جاری کی ہوئی ایک خصوصی قبضہ داری۔

عامل:- تیرہویں سے پندرہویں صدی میں عام طور پر ایک انتظامی عہدیدار۔ اکبر کے بعد کے عمل گزار کی ایک بدلی ہوئی شکل میں، خالصہ کے مالگزاری کے محصل کا خصوصی مفہوم بھی رکھتا ہے۔ اٹھارہویں صدی میں اسے صوبہ دار یعنی انتظام عامہ کے ذمہ دار عہدہ دار کے مفہوم میں بھی استعمال کرتے تھے۔

امین:- ایک سرکاری عہدہ کا نام۔ شیر شاہ کے تحت غالباً دو اہم عہدیداروں میں سے ایک (لیکن امیر کے تحت) اکبر کے تحت نائب مملکت کے عملہ کا ایک عہدیدار جس کے فرائض منصبی کی ٹھیک ٹھیک وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ سترہویں صدی میں صوبجاتی دیوان کی ماتحتی میں مال گزاری کا ایک تشخیص کرنیوالا اسے بظاہر کسی عہدہ دار کے 'نائب' یا 'معاون' کے وسیع تر مفہوم میں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

امیر:- تیرہویں اور چودہویں صدی میں امیروں کا ایک طبقہ جو''خان'' سے چھوٹا اور 'مَلِک' سے بڑا ہوتا تھا۔ پندرہویں صدی میں ایک صوبہ دار بھی۔

چکلہ:- سترہویں صدی میں خالصہ کی زمین کے رقبہ کو جس عہدیدار کے تحت رکھتے تھے اسے چکلہ دار کہتے تھے۔ 18 ویں صدی میں بنگال کا ایک انتظامیہ رقبہ۔ نواب علی محمد خاں چکلہ دار سرہند تھا۔

چودھری:- کسی پرگنہ کا مکھیا۔

سہ بندی:- بے قاعدہ پلٹن۔ اس لفظ کی اصل سپہ بندی ہے، جس کے معنی فوج کی نگہداشت ہیں۔ (اخبار الصنادید، جلد اوّل، ص ۵۴۰)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میجر عبدالکریم خاں

روہیلہ سرداروں کی تین مقتدر ہستیاں نواب علی محمد خاں، نواب نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خاں اور ان کی اولادوں کے باہمی رشتوں کے باعث معاہدہ لال ڈانگ (1774) کے بعد، ان خاندانوں کے کچھ لوگ رامپور میں کسی نہ کسی عہد میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوگئے۔ ان کی جنگی صلاحیت، مردانگی، انتظامی لیاقت اور خاندانی عظمت کے باعث انگریزی سرکار نے بھی انہیں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔

میجر عبدالکریم خاں (مرحوم) کے دادا عبدالرشید خاں بریلی میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ان کی بیوی عالیہ بیگم غلام ناصر خاں کی بیٹی تھیں اور ان کی والدہ جنرل اعظم الدین خاں کی بہن تھیں۔ عبدالکریم خاں کی بیوی نواب حیدر علی خاں کی پوتی اور الطاف علی خاں کی بیٹی تھیں۔ عبدالکریم خاں کی بیوی کی والدہ عرب (مکّی) تھیں۔ بہترین گھوڑا سوار، گھوڑوں کی پرورش، تربیت اور ان کی بیماریوں اور علاج کے بارے میں وسیع عملی علم رکھتی تھیں۔

میجر عبدالکریم خاں کی فوجی ٹریننگ Jammu School of Cavalry میں ہوئی اور ان کے بھائی عبدالقدیر خاں کی ٹریننگ Army Academy of Dehradun میں ہوئی۔

میجر عبدالکریم کی پیدائش انیسویں صدی کی ابتداء میں الہ آباد میں ہوئی۔ فوجی عہدہ دار ہونے کے علاوہ مرحوم انتہائی متقی، پرہیزگار، صاحب کردار، غیور اور ان تمام صفاتِ اعلیٰ کا جیتا جاگتا نمونہ تھے، جو حافظ رحمت خاں کی ذاتِ اعلیٰ سے منسوب کی جاتی ہیں۔ روہیلوں کے قبیلۂ بھڑیچ کی یہ نمائندہ شخصیت 1973ء کو انتقال کرگئی۔ ان کو دیکھ کر عہدِ رفتہ کے شریف خاندانوں کی وہ تہذیب یاد آجاتی تھی جو صاحبِ اقتدار ہوتے ہوئے بھی زمین پر آہستہ سے قدم رکھ کر چلتے تھے۔ آج ان کے یاد دلانے کے لیے ڈاکٹر سلطان عبدالعزیز خاں خدمت خلق میں مصروف ہیں۔

شجرہ میجر عبدالکریم خاں

- حافظ رحمت خاں
  - نواب محمد یار خاں
    - نصرت یار خاں
    - سعادت یار خاں
      - عبدالقادر خاں
      - عبدالعزیز خاں
        - عبدالرشید خاں
          - عبدالحمید خاں
            - عبدالرحمن خاں
            - عبدالرحیم خاں
          - عبدالقدیر خاں
            - عبدالرؤف خاں، عبدالکبیر خاں
          - عبدالواجد خاں
            - عبدالرشید خاں
            - عبدالعلی خاں
          - میجر عبدالکریم خاں
            - ڈاکٹر سلطان عبدالعزیز خاں
              - عبدالکریم ثانی مرحوم
              - جنا سلطان
              - فرح سلطان
          - عبدالقیوم خاں
            - عبدالحئی خاں
          - عبدالماجد خاں
            - ساجد رشید خاں
          - عبدالحکیم خاں
            - عبدالعلیم خاں
    - یار محمد خاں
    - محمد زماں خاں
    - محمد اماں خاں
    - محمد احسان خاں
    - برخوردار خاں
    - سالار خاں
    - احمد رضا خاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چند مختلف کتابیں اور مخطوطے (اردو)

محمود احمد الہاشمی العباسی : تاریخ امروبہ۔ دہلی 1930

عبدالحیٔ صفا : عمادۃ التواریخ۔ مرادآباد 1879

بسمل رضی الدین : کنز التواریخ۔ بدایوں 1887

غلام احمد شوق : احسن التواریخ سنبھل۔ مرادآباد 1934

صبیح الدین خلیل : تاریخ شاہجہاں پور۔ لکھنؤ 1932

غلام حسین : سیر المتاخرین (مترجم گوکل پرساد) نولکشور لکھنؤ 1871ء

نجم الغنی خاں : اخبار الصنادید جلد اول۔ نولکشور لکھنؤ 1918

قانون گو کالکارنجن : شیر شاہ۔ ترقی اردو بیورو دہلی۔ 1981

اظہر علی : سفرنامہ انندرام مخلص۔ رامپور 1946

عبدالسلام خاں : سرگزشت نواب نجیب الدولہ۔ مطبع یونیورسٹی علی گڑھ 1946

محمد حیات خاں : حیات افغانی۔ لاہور 1867

الہ یار یوسفی : افغانانِ یوسف زے (پاکستان)

نظامی کے۔اے : تاریخی مقالات۔ دہلی 1965

سید صباح الدین : ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک۔ اعظم گڑھ 1958

ابوالحسنات ندوی : ہندوستان کی قدیم درسگاہیں۔ مطبع معارف اعظم گڑھ 1958

محمد اسرائیل (مترجم) : تواریخ رحمت خاں (پشتو) تالیف پیر معظم۔ حواشی روشن خاں۔ پشاور (پاکستان)

احمد علی خاں شوق : کاملانِ رامپور۔ ہمدرد پریس دہلی 1929

پنڈت دیبی پرساد (مترجم) : تاریخ فرخ آباد مصنف اردون۔ الہ آباد 1859

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مصحفی : تذکرہ ریاض الفصحا۔ اردو اکادمی لکھنؤ 1985

" : تذکرۃ الشعراء " " 1980

مصحفی : تذکرہ ہندی اردو اکادمی لکھنؤ 1985

راجا لال مادھو سنگھ : عہد نامجات جلد دوم۔ نول کشور لکھنؤ 1869

محمد حسن رضا خاں : اخبار حسن (اُردو مخطوطہ) 1270ھ (1860)

نیاز محمد خاں ہوش : تاریخ روہیل کھنڈ 1892

محمد مجیب خلیق احمد نظامی: جامع تاریخ ہند۔ دہلی 1984

گل بدن بیگم : ہمایوں نامہ مترجم عثمان حیدر مرزا۔ دہلی 1981

حاجی خداداد خاں : تاریخ روہیل کھنڈ مراد آباد۔ رامپور 1941

" : تاریخ کٹھیر روہیل کھنڈ۔ رامپور 1949

الطاف حسین : نواب دوندے خاں۔ بدایوں (سنہ طباعت موجود نہیں)

الطاف حسین : حیات حافظ رحمت خاں۔ نظامی پریس بدایوں 1933

مولوی عبدالغفور خاں : حالات دیہی موضع وار۔ مطبع ریاست رامپور۔ 1904

ڈاکٹر مبارک علی : آخری عہد کا مغلیہ ہندوستان۔ لاہور (پاکستان) 1994

عرفان حبیب : مغل ہندوستان کا طریق زراعت (مترجم جمال محمد صدیقی)
نیشنل بک ٹرسٹ آف انڈیا 1977

مورلینڈ۔ ڈبلو۔ ایچ : مسلم ہندوستان کا زراعتی نظام (مترجم جمال محمد صدیقی) ترقی اردو
بیورو دہلی 1982

نعمان احمد صدیقی : مغلوں کا نظام مال گزاری (مترجم ڈاکٹر ایس بی ہودی)۔
انڈین کونسل آف ہسٹاریکل ریسرچ دہلی 1977

مظفر حسین خاں سلیمانی : نامۂ مظفری مطبع مجتبائی لکھنؤ سنہ 1917

ماہنامہ نیا دور : اودھ نمبر حصہ اول فروری مارچ 1994 لکھنؤ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ماہنامہ نیادور : اودھ نمبر حصہ دوم فروری مارچ 1994 لکھنؤ

مولوی رحمان علی : تذکرہ علمائے ہند، مرتبہ وترجمہ محمد ایوب قادری کراچی (پاکستان) 1961

محمد ایوب قادری : جنگ نامہ آصف الدولہ ونواب رامپور۔ کراچی 1980

خلیفہ محمد معظم عباسی : جنگ نامہ دوجوڑا (مخطوطہ نمبر 1088 رضالائبریری، رامپور)

مولوی محمد فدا علی طالب: آئین اکبری ترجمہ جلد اول تا سوم۔ حیدرآباد 1938

فارسی مخطوطات (رضالائبریری رامپور)

شو پرشاد : تاریخ فرح بخش سنہ تصنیف 1190 ہجری/ 1776ء، نمبر 2151

ولی اللہ فرخ آبادی : تاریخ فرخ آباد سنہ تصنیف 1243 ہجری/ 1827ء نمبر 7 ج

الہ یار عثمانی بلگرامی : حدیقۃ الاقالیم سنہ تصنیف 1142ھ/ 1788 نمبر 7 ج

محمد مستجاب خاں : گلستانِ رحمت سنہ تصنیف بعد 1203 ہجری/ 1788ء نمبر 2153

سعادت یار خاں : گل رحمت سنہ تصنیف 1249 ہجری/ 1833ء نمبر 2154

سید نور الدین : سرگزشتہ نواب نجیب الدولہ مصنف عبدالسلام میں فارسی مخطوطہ شامل

انند رام مخلص : تاریخ در حالات سفرنامہ محمد شاہ، سنہ تصنیف 1158 ہجری/ 1745ء

غلام علی خاں نقوی : عمادۃ السعادت، سنہ تصنیف 1223 ہجری/ 1818ء نمبر 2142

(نوٹ: رضالائبریری رامپور میں عمادۃ السعادت کے پانچ مخطوطے موجود ہیں جن کا سنہ کتابت اور تعداد اوراق مختلف ہے)

خیر الدین محمد الہ آبادی : عبرت نامہ، سنہ تصنیف 1206 ہجری/ 1791ء نمبر 2127

محمد علی خاں انصاری : تاریخ مظفری، سنہ تصنیف 1212 ہجری/ 1797ء، نمبر 2128

اما الدین حسینی : حسین شاہی، سنہ تصنیف 1213 ہجری/ 1798ء، نمبر 2202

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کاشی راؤ : ذکر جنگ پانی پت، سنہ تصنیف 1192 ہجری/1779، نمبر 2119

شوداس لکھنوی : اقبال نامہ محمد شاہی سنہ تصنیف 1158 ہجری/1745، نمبر 2119

محمد ہاشم (ہاشم علی خاں): منتخب للباب محمد شاہی، سنہ تصنیف نہیں ہے، نمبر 2118

(نوٹ: صرف 56 صفحات ہیں)

خواجہ محمد بشیر الدین : جریدۂ دانش ولب التواریخ سنہ تقب در عہد کلب علی خاں (1865-1889) نمبر 2157

تاریخ شاہ عالم ثانی : (نام مصنف اور سنہ تصنیف نہیں ہے) نمبر 2125 ب

منوالال فلفی : مساکن فلفی، نمبر 2447

شیخ عبداللہ جہاں آبادی: تاریخ افغانی سنہ تصنیف 1259ھ/1845ء

فقیر محمد بن قاضی محمد رضا : جامع التواریخ سنہ تصنیف 1261ھ/1845ء

فارسی/اردو مخطوطات صولت پبلک لائبریری رامپور

حسن رضا خاں : اخبار حسن (اردو سنہ تصنیف 29 رجب 1277 ہجری/10 فروری 1861 نمبر 634

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ENGLISH BOOKS

Iqbal Husain : The Rise and decline of the Rohella Chieftaincies in 8th Century in India Delhi 1994.

Athar Ali.M. : The Mughal Nobility under Aurangzeb.

Rasheed S.A : An account of Najeeb-ud-daula, Aligarh 1952.

Sarkar J.N. : Fall of the Mughal empire Calcutta 1949.

Strachy : Hasting and the Rohella war, Oxford Press 1892.

Moon E.P. : Warren Hastings and British Rule in India.

Forrest G.W. : Selection from the letters (Administration of W. Hastings, Calcutta 1892)

Polier L.H. : Shah Alam ii and his Court edited by R.C. Gupta, S.C. Sarkar, Calcutta 1947.

Atkinson E : Himalyan Distt. of the N.W. Provinces of India Allahabad 1882.

Nevil H.R. : Districts Gazetteers, Allahabad 1904,1910, 1911.

Fuherer A : A monumental Antiquities in the North West Frontiers and Oudh vol ii, Allahabad 1890.

Belew H.W. : The Races of Afghanistan.

Crook W : The Tribes and the castes of N.W.Provices, Calcutta 1896.

Elliot & Dowson: History of India as told by its own Historians vol. xxii, Aligarh 1952.

Trotter L.J. : Warren Hastings, Oxford 1890.

Ganda Singh : Ahmad Shah Durrani, Bobmbay 1959.

Thompson E & G.T. Garratt. : Rise and fulfilment of British Rule in India, Allahabad 1958.

Duff J.G : History of Maratha, Times of India, Bombay 1878.

Hunter W.W. : The Imperial Gazetteers of India vol i to x, London 1885 - 86.

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

Mill. J. : History of British India bol i to vi, London 1820.

Tripathi R.P. : Rise and fall of the Mughal Empire, Allahabad 1956.

Kashi Raj : The Account of the battle of Panipat 1761, Bombay 1961.

Srivastaba A.L. : Shuja-ud-daula (1754-1765) Agra 1961.

Gupta Hari Ram: History of Sikhs, Lahor 1944.

Siddiqui I.H. : Seminar's Paper (Raza Library Rampur) 1999.

Qureshi I.H. : The Administration of the Mughal Empire, Delhi 1971.

Rehman, I.M. : Rohelkhand Territory (Kather) Delhi 1994.

Atkinson : Government Gazetteers, Allahabad 1879.

Fisher : Government Gazetteers, Allahabad 1883.

MoosaviShireen: The Economy of the Mughal Empire, Delhi 1987.

Rumer Golden : Gulbadan, viviking Press, New Yourk 1981.

S.A.H. Khan : The Chiefs of Rampur, Trail & Co. Calcutta 1892.

Beveridgc H. : Akbarnama, vol iii, Calcutta 1912.

Azim-ud-din : Historical Account of The N.W. Proviricess, Allahabad 1896.

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اشاریہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شخصیات

(الف)

احمد خاں بنگش: 126، 132، 138، 148،
154، 162، 185، 192، 196، 199،
208، 230، 243، 279، 290، 305،
307، 308، 313، 315، 361، 405
ابدالی (احمد شاہ): 147، 156، 157،
159، 183، 185، 187، 188، 189،
190، 225، 228، 229، 230، 234،
236، 238، 242، 244، 249، 255،
260، 262، 274، 278
انتظام الدولہ: 95، 154، 166، 168،
176، 208
احمد شاہ (شہزادہ/بادشاہ)
90، 149، 177
اورنگ زیب: 26، 30، 31
امیر خاں (عمدۃ الملک) 59، 76، 95
آنند رام مخلص: 69، 78، 81
الہ یار خاں (اللہ یار خاں
پسر نواب علی محمد خاں): 91، 98، 148
احمد خاں (پسر بخشی سردار خاں): 356، 367،
368، 369، 398، 401، 402، 420
ابراہیم خاں گاردی:
235، 241، 243، 244
احمد خاں (پسر فتح علی خاں خانساماں):
369، 398، 420
افضل خاں (برادر نجیب الدولہ):
371، 276، 273، 272
اسٹریچی: 408، 415، 473
آصف الدولہ: 32
ابراہیم لودی: 39
اسلام شاہ: 40
ارجن سنگھ (زمیندار): 44
آزاد خاں: 46
احمد زماں خاں: 82
اعتماد الدولہ (پسر قمر الدین خاں): 90
اسمعیل بیگ خاں: 128، 164، 167
اسمعیل خاں: 124
انعام خاں: 124
امام خاں: 123
اندر گیر گسائیں: 155
آدینہ بیگ: 181
انتاجی مانا کیشور: 199، 212
احمد خاں آفریدی (زمیندار لاہور): 212
امراؤ گیر گسائیں: 219، 314
آلا سنگھ: 274
امر سنگھ: 374
ایسٹ انڈیا کمپنی: 300
اعظم خاں (پسر فتح خاں خانساماں): 369
ارشاد احمد خاں (پسر فتح خاں خانساماں): 369
اللہ یار خاں (پسر حافظ رحمت خاں): 403، 411
ارادت خاں (پسر حافظ رحمت خاں):
411، 418

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اِبس ٹون: 429
اشرف خاں: 441
آصف جاہ (نظام الملک): 93،84
اخوند فقیر: 470
اکبر رضوی عظمتؔ: 478
احمد خاں غفلتؔ: 428
امراؤ خاں یوگی (موسیقار): 480
امیر خاں (موسیقار): 480

(ب)

بہادر خاں (شہید): 36
بہلول لودی: 39
بہادر خاں (چیلہ): 41،132 ، 133،134
بابر: 40
بشارت خاں: 68
بھارامل: 73
بڈو خاں (پڈو خاں): 62،67،91 87،98
بیوہ نواب علی محمد خاں: 98
بی بی صاحبہ (زوجہ نواب محمد خاں بنگش): 123،124 ، 125، 126، 127 ، 132
بہادر خاں بلوچ: 167،205
بابو پنڈت: 169
بابو مہادیو ہنگامے: 201
باہو: 231 ، 233، 235 ، 236، 241، 247، 249
بلونت راؤ مہین: 233،235
برخوردار خاں: 243
بوعلی شاہ قلندر: 254
بگھیل سنگھ: 277
بسوا سکھ: 266
باز خاں (برادر نجیب الدولہ): 301
بالا پنڈت: 305
بھوانی سنگھ: 348
بارکر (جنرل): 358،359،379، 380،396، 415، 424، 425، 430، 437،448، 451
بیگم نواب سعد اللہ خاں: 417،441 433
برک: 422،423،427،430،448
بلاس رائے (راجا): 428،441
بنسی دھر: 442،472
بخت مل: 442
بلبن: 38
بہادر خاں (موسیقار): 480

(پ)

پایندہ خاں: 62، 69، 72،79،80 ، 81
پریم سنگھ: 46،50
پرمول خاں: 62،103
پیشوا: 175،208،211
پارر دہیلہ: 290،293،314،329، 337،354
پہاڑ سنگھ: 399،427،428
پٹ: 423
پنڈاری: 358
پاروتی بائی: 251

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیلاجی: 249
پربت سنگھ: 47
پیر احمد روہیلہ: 84
پرشوتم ہنگانے: 228
پھپھوند: 199
پروانہ علی شاہ پروانہ: 477

(ت)

تیمور (امیر): 33
تاتیا گنگادھر: 199
تکوجی ہولکر: 283، 285، 288، 291، 293، 315، 328، 345، 346، 349، 357، 360
تانسین (موسیقار): 479

(ج)

جہانگیر (بادشاہ): 41
جگجیت سنگھ (زمیندار): 59
جے سکھ رائے (زبلتداء): 63، 474
جمال خاں: 87
جلال الدین خاں: 96
جانش خاں محلی: 81، 83
جاوید خاں (خواجہ سرا): 131، 156
جہاندار شاہ (عالمگیر ثانی): 177
جنگ باز خاں: 183، 191، 195
جہان خاں: 185، 188، 189، 192، 222، 229، 236، 276، 277
جنگل کشور: 190
جہان شاہ (پسر ابدالی): 196، 241
جمیل الدین: 204
جھنکوجی: 211، 216، 225، 226، 233، 241، 249، 252
جے آپا سندھیا: 220
جواہر سنگھ: 265، 267، 268، 269، 270، 275، 276، 286
جسونت راؤ پورا: 248، 249
جواں بخت (شہزادہ): 254
جتا سنگھ: 274
جلال الدین خاں کابلی: 449

(چ)

چتر سنگھ: 47
چمن بہادر: 78
چتر بھوج (فوجدار): 89، 474
چندر اچُد: 177
چیچین (کرنل): 397، 401، 404، 415، 420، 431، 434، 435، 436، 443، 445، 450
چیت سنگھ (راجا): 423، 446، 450
چیت رام: 474

(ح)

حافظ رحمت خاں: 44، 49، 50، 53، 62، 65، 67، 85، 87، 90، 116، 118، 132، 135، 137، 140-143، 147، 161، 192، 194، 208، 214، 216، 226، 228، 230، 243، 291، 298، 305، 307، 313، 315، 318، 329،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

335، 340، 344، 354، 356، 359،
360، 361، 365، 371، 383، 386،
388، 391، 395، 397، 401، - 408
406 ، 410، 415، 453، 470، 473،
477،476

حکیم خاں: 46

حسن خاں: 46

حشمت خاں (فوجدار): 61

حیدر قلی خاں: 76

حاجی عطائی: 248،245

حسام الدین (وزیر):
353،349،348،346،345

حبیب خاں (پسر بخشی سردار خاں): 369

حرمت خاں (پسر حافظ رحمت خاں): 411

حافظ شاہ جمال اللہ: 470

حافظ صدیق: 470

حکیم کبیر علی سنبھلی: 477

حیدر علی خاں (صاحبزادہ): 486

(خ)

خضر خاں: 39

خانِ جہاں لودی: 41

خالد خاں: 57

خیر الدین خاں: 124

خواجہ معین الدین اجمیری: 471

(د)

دلیر خاں: 236،67،65،63،41

دریا خاں: 41

دوجا: 59

دانش خاں محلی: 59

داؤد خاں (سردار): 49،47،46،44،
96،57،51،50

دیوی چند (راجا الموڑا): 49

دوندے خاں: 62،67،72،87،90،91،
118، 136، 149، 150، 194، 216،
372،320،315،306،243،226

دیس پت بنجارا: 67

دیوی دت: 128

دور خاں: 130

دیب چند (راجا الموڑا): 137

دُر بیگم (زوجہ نواب نجیب الدولہ): 150

دلیل سنگھ (راجا): 208

دتا سندھیا: 211،215،216،219،
225،221

دادو ملہار: 349

دلیر خاں (پسر فتح خاں خانساماں): 369

دولت رام: 442

دبیر خاں (موسیقار): 480

(ڈ)

ڈوئی (راجا): 142

(ذ)

ذوالفقار خاں (پسر فتح خاں خانساماں):
418،417،411،369

(ر)

رام سنگھ کٹھیریا (راجا): 41،40

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رستم خاں (صوبیدار): 40

رستم علی بجنوری: 46

راج بیگم: 98

رستم خاں آفریدی: 126، 128

راجندر گری گسائیں: 161

رگھوناتھ راؤ: 177، 199، 202، 208، 253، 284

روپا رام کوٹھاری: 220

رام کشن: 268

راؤ میگھ راج: 277

رام چندر گنیش: 283، 287، 288، 298، 314، 316

راجا مادھو سنگھ (پیشوا): 284، 287

راجا تول سنگھ: 288، 289، 293

رینے میدک: 347، 349

راجا مان سنگھ: 475

روشن خاں ڈاگر (موسیقار): 480

راجا رام: 475

(ز)

زینت محل (ملکہ): 254، 280، 281، 320

(س)

سعد اللہ خاں (پسر نواب علی محمد خاں): 91، 98، 117، 132، 147، 185، 192، 194، 196، 208، 217، 266، 298، 306

سورج مل جاٹ: 131، 154، 164، 174، 176، 180، 185، 187، 190، 201، 220، 228، 230، 254، 263

سردار خاں بخشی: 44، 57، 70، 71، 73، 84، 91، 100، 149، 194، 226

سکندر شاہ (سلطان): 39

حسن خاں عرف مبارک خاں: 40، 72

سیف الدین علی خاں: 61، 62

ستار خاں: 62

سالار جنگ: 165، 300

سلطان خاں (برادر نجیب الدولہ): 169، 151، 235، 331، 371

سکھا رام باپو: 96، 177، 180، 199، 201

سباجی: 220، 227

ساگر مل کھتری: 264، 475

سوائے رام: 268

سایاجی: 287

سیف الدین محمد خاں (وزیر): 319، 322، 347

سعادت خاں آفریدی: 330

سردار خاں بخشی: 368

سعادت خاں (پسر بخشی سردار خاں): 369، 418

سیف الدین خاں (روہیلہ سردار): 403

سید معصوم علی: 433

سید احمد: 470

سید ابدال شاہ: 468

سید احمد خاں افسر: 477

سید مراد علی حیرت: 477

سید محمد زماں: 478

سید غیاث الدین عاشق: 478

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(ش)

شجاع الدولہ (نواب): 159، 190، 194، 196، 201، 208، 214، 219، 231، 238، 245، 248، 262، 305، 309، 318، 322، 337، 357، 362، 367، 378، 381، 387، 395، 399، 403، 416، 418، 431، 436، 442، 450

شاہ پسند خاں: 222، 225، 236، 241، 243، 247، 248، 253

شاہ ولی خاں: 233، 245، 246، 247، 254

شاہ حمزہ: 217

شاہ جہاں ثانی: 228

شمشیر بہادر: 248، 249

شہاب الدین خاں: 155

شادی خاں بنگش: 131

شاہجہاں (بادشاہ): 131

شیر شاہ: 40، 98

شادی خاں: 44، 57

شاہ عالم (بادشاہ): 43، 176، 270، 278، 280، 285، 291، 308، 315، 319، 320، 323، 326، 328، 345، 347، 349، 353، 355، 373، 450

شاہ عالم خاں: 46، 48، 407

شیخ عبداللہ جہاں آبادی: 57

شہامت خاں: 67

شودیوجوشی: 72، 73

شجاعت خاں: 80، 115

شاہ معصوم علی: 80

شیخ قطب الدین: 87

شیخ محمد کبیر: 91، 118، 142، 305، 314، 335

شاہ بیگم: 98

شاہ محمد خاں: 98

شمشیر خاں: 115

شیر جنگ: 115

شاغران خاں: 119

شیخ کرامت اللہ: 264

شیخ قاسم علی خاں: 320

شہامت خاں (پسر سردار خاں بخشی): 369

شاہ ولی اللہ: 470

شاہ مدن: 470

شاہ کلیم اللہ: 470

شاہ جمال اللہ: 470

شاہ لال: 471

شاہ فخر الدین: 471

شیدی بشیر: 418، 442

شاہ صادق علی: 433

شاہ ابوالفتح: 470

شیخ نظام الدین: 471

شیخ احمد سرہندی: 470

شاہ عالم خاں عالم: 476

شاہ ملول الہام: 478

شیخ رمضان علی اختر: 478

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(ص)

صفدر جنگ: 32، 75، 79، 81، 84، 89،
95، 113، 114، 123، 125، 128،
129، 131، 134، 135، 136، 137،
139، 142، 143، 149، 154، 155،
158، 160، 165، 167، 174، 176
صدر خاں: 44، 57، 67
صابر شاہ: 49
صلابت خاں: 57، 159
صادق بیگ: 178
صادق خاں آفریدی: 330
صاحب رائے (دیوان حافظ رحمت خاں): 442
صندق برگیڈ: 175

(ض)

ضابطہ خاں: 179، 191، 214، 216،
281، 284، 285، 293، 298، 313،
315، 320، 322، 324، 326، 328،
330، 333، 335، 337، 338، 340،
342، 346، 353، 380، 384، 389،
415، 442، 451، 467، 469، 471،
476، 477

(ع)

علی محمد خاں (نواب): 47، 53، 57، 59،
61، 62، 67، 69، 71، 75، 81، 83،
84، 87، 93، 107، 114، 468
عمادالملک: 154، 156، 161، 165،
167، 174، 176، 178، 180، 181،
183، 185، 187، 190، 194، 196،
199، 205، 208، 211، 220، 225،
227، 270
عالمگیر ثانی: 200، 220، 233، 270، 315
علی قلی خاں: 138، 180
عنایت بیگم: 98
عبدالستار خاں: 91، 372
عبداللہ خاں (پسر نواب محمد خاں): 82، 86،
90، 98، 147، 148، 217
عبدالنبی خاں (فوجدار): 63، 67
عظیم اللہ خاں فخر الدولہ: 64
عظیم اللہ خاں فاروقی: 62
عظمت اللہ خاں (فوجدار/ناظم):
48، 49، 53، 84، 93
عبداللہ خاں (سید برادر): 41
عبدالرشید خاں انصاری: 41
علامہ الدین بہمنی (شاہ): 39
عبدالرافع خاں (میجر): 36
علی وردی خاں: 31
عاقبت محمود: 163
عبدالاحد خاں: 211، 288، 322
عبدالصمد خاں: 222، 225، 233، 250
عنایت خاں (پسر حافظ رحمت خاں): 307،
308، 339، 365، 369، 370، 371،
384، 387
عظیم خاں (پسر فتح خاں خانساماں) 369
عظیم اللہ خاں (پسر دوندے خاں): 372

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عبداللہ خاں (شاہجہاں پوری): 399، 401، 418، 440
عبدالجبار خاں (روہیلہ سردار): 403
عظمت خاں (پسر حافظ رحمت خاں): 403، 411
عبدالعلی: 469
عالم شاہ پیرزادہ محزوں: 478

(غ)

غازی الدین خاں: 155
غلام جیلانی خاں (مولوی): 369
غلام مصطفیٰ خاں (پسر حافظ رحمت خاں): 412
غلام نبی خاں قربت: 477

(ف)

فیض اللہ خاں: 82، 86، 90، 91، 147، 226، 331، 336، 401، 402، 415، 417، 420، 440، 443، 446، 448، 469
فتح خاں (خانساماں): 72، 80، 90، 91، 118، 132، 133، 149، 329، 332، 356، 369،
فرخ سیر: 30، 31، 42، 90، 123
فریدالدین خاں: 62، 78، 83
فیروز شاہ (سلطان): 39
فخرالدین خاں: 124، 334
فیروز بخت (شاہزادہ): 320
فخرالدولہ: 322
فضل علی خاں: 347
فتح اللہ خاں (پسر دوندے خاں): 367، 372، 401، 420، 441
فقیر محمد خاں (پسر بخشی سردار خاں): 369
فرانسس: 425، 428، 429
فاکس: 423، 429
فرنیکلن: 454
فصیح اللہ خاں (نواب): 478
فیروز خاں (موسیقار): 480
فدوی لاہوری: 477

(ق)

قمرالدین خاں (وزیر): 60، 61، 63، 67، 78، 82، 89، 93، 95، 113
قایم خاں بنگش: 57، 65، 78، 81، 93، 95، 114، 116، 118، 123
قطب الدین خاں: 85، 114
قطب شاہ: 177، 178، 202، 205
قایم چاند پوری: 477

(ک)

کیرت سنگھ (زمیندار): 44
کھیم کرن (زمیندار): 44، 47، 65
کنچن سنگھ (زمیندار): 44، 47
کرم خاں: 73
کاظم علی خاں شیدا: 96
کوشل سنگھ: 116، 136
کاشی راؤ پنڈت: 250
کلّو خاں (پسر نجیب الدولہ): 279
کرشنا: 305
کان مل (دیوان دوندے خاں): 359، 427، 442

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کریم خاں: 476

کارمیکائیل: 487

(گ)

گردھر بہادر (راجا): 57

گنگادھر تاتیا: 177، 228

گووند پنڈت: 217

گووند بلال: 217

گنگارام: 348

گلاب رائے (دیوان نجیب الدولہ): 427

(ل)

لال جی: 442

(م)

محمد شاہ (بادشاہ): 31، 42، 60، 62، 76، 77، 90

محمد خاں بنگش (نواب): 31، 32، 42، 49، 57، 63، 65، 84، 124

محمد حسن خاں: 440

ملا میر باز خاں: 440

ملا حسن: 469

مجو خاں (شہید): 36

محمد بن تغلق (سلطان): 39

مراد بخش (شاہزادہ): 41

مرشد قلی خاں: 41

مدار شاہ (زمیندار): 44، 47

محمود خاں: 33

معین الدین خاں (نواب): 59، 61، 63، 65، 87، 89، 181

محمد خاں (پسر سردار داؤد خاں): 53

موتی لال: 67

مان سنگھ کھتری: 61

مرزا لطیف بیگ: 65

ملکہ زمانی: 81

ملکہ معظمہ: 156، 158

منگل خاں: 84

محمد یار خاں (پسر نواب علی محمد خاں): 91، 98، 355، 401

مانک مل: 49

منشی صاحب رائے: 124

محمد مرتضی خاں: 98

مرغلری بیگم: 98

ملہار ہولکر: 131، 136، 165، 176، 205، 208، 220، 227، 233، 249، 252، 266، 269

محب اللہ خاں (پسر دوندے خاں): 372، 401، 441

معصوم بیگم: 98

مادھو سنگھ (راجا): 167، 219

محمود خاں: 116، 176

مقیم خاں: 116

معظم خاں (پسر فتح خاں خانساماں): 369

محبت خاں (پسر حافظ رحمت خاں): 403، 411، 417، 418، 445، 451

محمد یار خاں (پسر حافظ رحمت خاں): 403، 411

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

محمد دیدار خاں (پسر حافظ رحمت خاں): 116

محب اللہ خاں (پسر دوندے خاں): 356

میاں فضل امام: 116

مرزا بابا (شاہزادہ): 185

میگھ راج: 202، 205، 208، 267، 474

مرزا سیف اللہ: 189

میاں قطب: 250

محمد عمر خاں (پسر حافظ رحمت خاں): 412

مستجاب خاں (پسر حافظ رحمت خاں): 412

محمد اکبر خان (پسر حافظ رحمت خاں): 412

میکالے: 427

ملا صید خاں: 359، 442

محتشم خاں: 367

محمد خاں (پسر بخشی سردار خاں): 369، 287، 288، 291، 315، 320، 328، 334، 353

مہادجی سندھیا: 250، 283

موسیٰ خاں: 263

مرزا جانِ جاناں: 470، 471

ملا محسن: 305، 306

میر قاسم علی خاں (نواب): 308، 477

میر محمد علی بابر: 309

مڈلٹن: 420

مون: 434

مرزا نجف خاں: 310، 322، 324، 328، 329، 332، 334، 343، 347، 350، 386، 387، 499، 450

مستقیم خاں: 309، 356، 359، 402، 440، 442

شبیر الدولہ: 322

مظفر جنگ (نواب): 362، 384

ملا حسن: 469

میاں عزت اللہ: 470

منشی ٹیک چند: 474

میر عبدالرسول نثار: 477

مصحفی: 477

میاں عشرت: 477

محمد بشیر خاں لکنت: 477

مستقیم خاں وسعت: 478

میر شاہ حسین حقیقت: 478

میر سعادت علی خاں سعادت: 478

مولوی قدرت اللہ شوق: 478

مرزا حسین علی محبت: 478

مولوی اللہ داد طالب: 478

میر محب علی مفلس: 478

مقبرہ نجیب الدولہ: 490

مسجد نجیب آباد: 491

مسجد بسولی: 485

مقبرہ علی محمد خاں: 483

مشری سنگھ (موسیقار): 479

میر فیض علی: 478

مرزا باقر علی وحشت: 478

میر محمد جان نالاں: 478

مولوی غلام علی فائق: 478

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میرا کبر رضوی عظمتؔ: 478
میر عارف علی عارفؔ: 478

(ن)

نجیب الدولہ: 137، 147، 162، 165، 168، 178، 183، 186، 188، 189، 199، 205، 213، 218، 226، 228، 230، 232، 235، 238، 242، 247، 252، 262، 266، 269، 272، 275، 278، 280، 283، 285، 289، 292، 295، 298، 311، 453، 467، 469، 472
نادر شاہ (بادشاہ): 62، 69
نذر محمد: 41
ناصر جنگ: 46
نعمت خاں: 57
نرپت سنگھ: 65
نول رائے: 81، 124، 125، 126
نیاز بیگم: 98
نندہ سنگھ: 116
نورالحسن بلگرامی: 123
ناگرمل: 178، 180، 202، 254
نواب لطف اللہ خاں: 178
نجابت خاں: 233
نارد شنکر: 254
ناصر خاں (حاکم قلات): 271
نظام الدولہ: 284
ناہر سنگھ گوجر: 329
نجف قلی خاں: 343
نصر اللہ خاں (پسر نواب عبداللہ خاں): 401
نعیم اللہ خاں نعیمؔ: 477
نعیم اللہ خاں مقیمؔ: 477

(و)

ویٹل سچدیو: 199، 208
وشواس راؤ: 247
ویاجی کرشنا: 283، 315، 328، 338، 345، 349، 356، 359
وزیر خاں (محمد وزیر خاں موسیقار): 480

(ہ)

ہدایت علی خاں: 84، 87، 89، 179
ہرنندا روڑا (راجا): 65، 66، 67، 93
ہری رام جوشی: 73
ہدایت النسا (شاہزادی): 34
ہدایت بخش (شاہزادہ/عالمگیر ثانی): 185، 190، 192، 195
ہارپر (کیپٹن): 339، 382
ہیس ٹنگرس: 364، 365، 377، 379، 382، 383، 396، 399، 415، 423، 426، 428، 431، 435، 436، 437، 448، 449
ہمت خاں (پسر حافظ رحمت خاں): 411

(ی)

یعقوب علی خاں: 181، 192، 228، 277
یعقوب علی خاں (صاحبزادہ): 36

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مقامات

(الف)

آنولہ: 44، 59، 63، 71، 78، 89، 91، 94، 96، 133، 135، 161، 279، 369، 400، 418
الہ آباد: 124، 133، 161، 175، 181، 278، 309، 349
اودھ: 46، 141، 174، 191، 337
الموڑا: 44، 47، 73، 94
اٹاوہ: 199، 305، 307، 313، 359
اسہت: 119، 148
اچھیانی: 91، 119، 130، 480
اسد پوری: 90، 356
آگرہ: 40، 188، 192، 254، 262
اصالت پور جرائی: 65
اسلام گنج: 119
امرت پور: 119
ایٹہ: 124، 192، 195
اہرات: 149، 356
امروہہ: 149، 219، 343
افغانستان: 190، 255
اعظم آباد: 206
اتالہ: 222
اسلام نگر: 279
امرکوٹ: 306
اُجاؤں: 445
اکبرآباد: 44
اترچھینڈی: 480
امام باڑہ (بسولی): 480

(ب)

بریلی: 41، 57، 67، 84، 87، 90، 148، 403، 417، 418، 457
بن گڑھ: 43، 57، 75، 78، 80، 82، 84، 96
بسولی: 57، 67، 80، 356، 418، 433، 441، 442
بلبھ گڑھ: 166، 175، 187، 188، 265
بجنور: 70، 90، 149
باغپت: 235، 318
بدخشاں: 41
بدھانا: 272
بندیل کھنڈ: 42
بانکولی (بنکولی): 46
بیولی: 49، 60، 80
بدایوں: 49، 91، 407
برکھاری: 73
بیجاپور: 73
برندابن: 189
بیگم باغ: 204
بلندشہر: 262
بکسر: 308
بلاسپور: 445
بارہ دری (نجیب آباد): 489
بسولی کوٹلہ: 489

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(پ)

پیپلی: 29، 44، 458

پشاور: 46

پتھوراگڑھ: 53

پیلی بھیت: 67، 89، 90، 149، 305، 307، 417، 418، 432، 454

پٹیالہ: 87

پرم نگر: 119

پانی پت: 178، 185، 206، 225

پٹ پڑگنج: 201، 268، 272

پنجاب: 208، 221، 275

پونہ: 253

پھاسو: 265

پٹنہ: 308، 314

پرانا قلعہ: 348

(ت)

تھانسیر: 178

تورشہامت: 46

ترائی: 71

تلواری: 208

تلہر: 401

(ٹ)

ٹھاکردوارہ: 89، 90، 445

ٹیپل: 287

(ج)

جیت پور: 57

جلال آباد: 119، 407

جالیسر: 131، 265

جے پور: 202

جھنجھانا: 272

جالندھر: 276

جامع مسجد (نجیب آباد): 489

(چ)

چاندی گھاٹ: 90، 329

چلکیا: 136، 154، 361

جھرتاول: 208

چاندپور: 218، 328

چمبل: 262

چندوس: 287، 293

چومحلہ: 445

(ح)

حسن پور: 40، 79

حسین پور: 132

حویلی داراشکوہ: 205

حافظ گنج: 407

(خ)

خداگنج: 126

خضرآباد: 205، 228، 264، 347

خورجہ: 265، 359

(د)

دلی: 39، 84، 131، 161، 174، 192، 220، 221، 226، 263، 278، 307، 319، 328

دھام پور: 90، 114، 147

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دریا گنج: 124

دوآب: 193

دیوبند: 208

دارانگر: 469

(ڈ)

ڈونگری: 73

ڈنکور: 287،285

(ر)

روہیل کھنڈ: 35

راجپور: 44

رتن گڑھ: 47

رائے پور: 87

رامپور: 457،331،136،91

ریوالی: 229،208

رام گڑھ: 230

راج گھاٹ: 279

روہتک: 274

رام گھاٹ: 369،360،359

ریہڑ: 445

(س)

سندھ: 35

سرولی: 57

سنبھل: 359،357،80،67،40

سمروگڑھ: 42

سہارنپور: 61، 89، 154، 161، 174،
177، 199، 208، 225، 264، 271،
457،353

سوار: 73

سری نگر: 73

سرہند: 221،178،154،96،88،86،
276،274

سسہوان: 357،149،119

سرجو (ندی): 141

سربنا (سبنا): 142،141

سنگلیا: 142

سکندرہ: 305،293،211،199

سکرتال:
332،328،262،220،218،211

سبل گڑھ: 225،218،216

سعد آباد: 289

سرساواں: 445

سرکڑا: 445

سرائے بسولی: 484

(ش)

شاہ آباد (لکھنؤ): 41

شاہجہاں پور: 456،400،90،67،42

شاہی: 48

شاہ آباد کلاں: 67

شہباز پور: 78

شیر کوٹ: 90

شاہ آباد: 91

شاہجہاں آباد: 205،154

شاملی: 272،213،180

شاہدرہ: 185.

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شکوہ آباد: 199، 289، 305، 313
شیر گڑھ: 229
شیش محل (نجیب آباد): 484

(ع)

علی گنج: 90
علی گڑھ (کول): 131، 233، 262، 287، 289، 357، 360

(غ)

غازی آباد: 263

(ف)

فرخ آباد: 42، 63، 119، 124، 128، 131، 132، 133، 134، 181، 185، 191، 315، 322، 400
فرید نگر: 44
فتح گڑھ: 133، 134
فرخ نگر: 263
فیض آباد: 355، 365
فرید پور: 372، 400

(ق)

قادر گنج: 94، 117، 184، 192، 195
قنوج: 124، 127، 306
قدسیہ باغ: 204
قلعہ (دلّی): 320
قلعہ (بریلی): 400
قلعہ بسولی: 481
قلعہ اسہت: 487
قلعہ پتھر گڑھ: 488

(ک)

کٹھیر: 35، 44، 46، 48، 58، 69، 87، 93، 113، 132، 185، 288، 299، 300، 335، 336، 345، 353، 363، 401، 405، 428
کاشی پور: 49، 51، 73
کماؤں: 71، 73، 219
کوٹا بھابھر: 71
کٹارمل: 73
کنج پورہ: 90، 222، 271
کابل: 96
کھاکھت: 128
کامرول: 134
کھیری گڑھ: 142
کوڑیالا (ندی): 142
کرماد (ندی): 142
کاس گنج: 196، 199، 291
کوڑا جہاں آباد: 199، 309، 349
کلانی باغ: 205
کرنال: 208
کوئل (علی گڑھ): 230
کنج پورہ: 236
کتھانا: 272
کندھالا: 279
کمپنی سرکار: 309، 314، 318
کامیت: 307
کڑہ میران پور: 407، 440

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کابر: 445

(گ)

گڑھ مکٹیشر: 293،208،65
گڑھوال: 136،74،73
گلولی: 73
گھاگھرا (ندی): 141
گنگاپور: 369،368،344،339

(ل)

لاکھن پور: 73
لاہور: 271،267،208،183
لال قلعہ: 205
لونی: 328،226،208
لکھنؤ: 355
لال ڈانگ: 443،420،417

(م)

میران پور کڑہ: 415،35
مدکر: 67،44
مرادآباد: 49،58،63،64،67،87،90،
114،136،148،357،359
منونہ: 469،401،149،93،91،60
مالیر کوٹلہ: 87
مہرآباد: 192،119
مٹووہلیا: 119
مارہرہ: 128
مچھیالی: 142
محمدی جھنڈا: 161
میرٹھ: 353،199،177
متھرا: 254،190،189،188
مدھوبن: 189
مرادنگر: 221
مسوری (دلی): 272
مصطفیٰ آباد: 272
مظفرنگر: 279
مہدی گھاٹ: 355
موہن پور: 443
مدرسہ عالیہ: 469

(ن)

نگینہ: 326،174،149،147،90
نجیب آباد: 218، 285، 313، 328،
345،332
نانوتھ: 279
نانک متہ: 344،337،336

(و)

وجے پور: 73
واباہی: 283

(ہ)

ہری دوار: 328،44
ہاپوڑ: 293،161
ہنڈن (ندی): 264،263
ہریانہ: 278
ہاؤس آف کامنس: 422

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

© रामपुर रज़ा लाइब्रेरी, रामपुर

पुस्तक का नाम : तारीखे़ रुहेला

(1707 – 1774)

लेखक : नफ़ीस सिद्दीक़ी

प्रकाशक : डॉ० डब्लू० एच० सिद्दीक़ी

पूर्व निदेशक भारतीय पुरातत्व सर्वेक्षण

विशेष कार्याधिकारी रामपुर रज़ा लाइब्रेरी, रामपुर

वर्ष : 2004

मूल्य : 650/=

प्रतियाँ : 500

मुद्रक : डायमंड प्रिन्टर्स, दिल्ली

ISBN 81-87113-58-8

रामपुर रज़ा लाइब्रेरी

हामिद मंज़िल, रामपुर-244901 (उ०प्र०) भारत

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

तारीखे रुहेला

1707 – 1774

लेखकः
नफ़ीस सिद्दीक़ी

प्रस्तावनाः
डॉ० डब्लू० एच० सिद्दीक़ी
पूर्व निदेशक भारतीय पुरातत्व सर्वेक्षण
विशेष कार्याधिकारी रामपुर रज़ा लाइब्रेरी, रामपुर

रामपुर रज़ा लाइब्रेरी
रामपुर-244901 (उ०प्र०) भारत

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

तारीख़े रुहेला

1707 – 1774

लेखक:
नफ़ीस सिद्दीक़ी

प्रस्तावना:
डॉ० डब्लू० एच० सिद्दीक़ी
पूर्व निदेशक भारतीय पुरातत्व सर्वेक्षण
विशेष कार्याधिकारी रामपुर रज़ा लाइब्रेरी, रामपुर

रामपुर रज़ा लाइब्रेरी
रामपुर-244901 (उ०प्र०) भारत

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

नफ़ीस सिद्दीक़ी

तारीख़े रुहेला

(1707 — 1774)

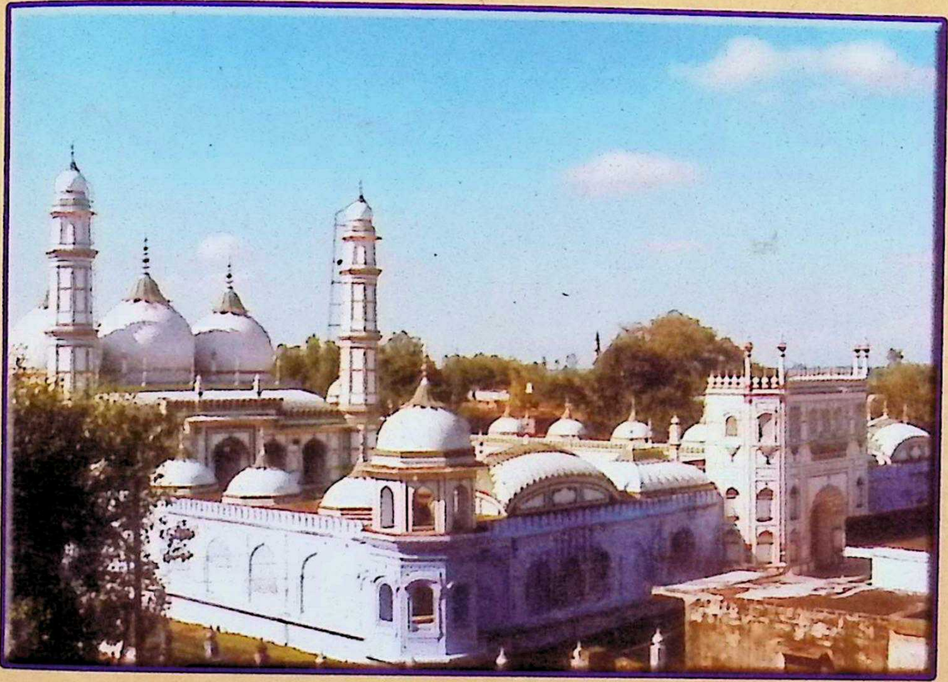

प्रस्तावना

डॉ० डब्लू० एच० सिद्दीक़ी

पूर्व निदेशक भारतीय पुरातत्व सर्वेक्षण
विशेष कार्याधिकारी रामपुर रज़ा लाइब्रेरी, रामपुर

रामपुर रज़ा लाइब्रेरी,
रामपुर-244901 (उ.प्र.)